مجموعہ اشاعت

ہفت روزہ تکبیر کراچی
INTERNATIONAL URDU WEEKLY
TAKBEER
KARACHI-PAKISTAN

بشکریہ ہفت روزہ تکبیر کراچی
شمارہ: ۲۵ فروری ۱۹۸۸ء تا آخری صفحہ تک

آغا خانی شیعہ امامی اسمٰعیلیہ کے مذہبی عقائد و نظریات پر مبنی تحقیقی رپورٹ

منجانب: حمایت کنندگان برائے ترویج و نفاذِ شریعت آرڈیننس / کل عالم اسلام کے متفقہ علماء کراچی اسلامی جمہوریہ پاکستان

میری رگوں میں پیغمبر محمدؐ کا خون ہے

آغا خان



ہمارے حاضر امام یعنی ہز رائل ہائینس پرنس کریم آغا خان
کی بات ایک بولتا قرآن ہے۔
"قرآن اور قاضی بھی ہمارا قرآن پڑھنے کے بعد گمراہ ہو جائیں گے..
ہمیں سمجھ نہیں رہ سکیں گے"
○ نوں کر بلا میں جا کر اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہیں
امام حسین جماعت خانے میں ہیں اس لئے جماعت
... حضرت علی کو خدا ... اور نبی حضرت محمد
کو اس کے اوتار ہیں۔
"... علی پوری کائنات کا خالق مطلق ہے۔"

مولانا شاہ کریم الحسینی الامام الحاضر الموجود ارحمنا واغفرلنا

PH: 717710, 235011, 713373, 301-C5 / 710..., 227720, 681858, 632205

دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجس (مذہبی کمیٹی) جماعت خانہ، برنیس روڈ۔ کراچی ۳

آغا خانی مذہبی بادلت کا پیغام

حقیقی مومنو! یا علی مدد!

بیان یہ ہے کہ ہم لوگ آغا خانی ہیں۔ ہمارا تعلق اسماعیلی تنظیم سے ہے جس کو ... ہمارے مذہبی معلومات فراہم کرتا ہے جیسا کہ جماعت خانوں میں مکھی صاحب کی زیر سرپرستی جو مذہبی تعلیم دی جاتی ہے اس کی روشنی میں ہم آغا خانی ہماری عبادت جو جماعت خانوں میں کرتے ہیں اس کی مکمل وضاحتی تفصیل ہم تحریر کر رہے ہیں۔

- سلام ہمارا ہے "یا علی مدد" اور ہمارے سلام کا جواب ہے "مولا علی مدد"۔
- کلمہ ہمارا ہے: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ واشہد ان علی اللہ
- وضو کی ہمیں ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے دل کا وضو ہوتا ہے۔
- نماز اسماعیلی آغا خانی پر فرض ہے تین وقت کی جو ہم جماعت خانہ میں جا کر پڑھتے ہیں پانچ وقت فرض نماز کے بجائے ہماری دعا میں قیام اور رکوع کی ضرورت نہیں ہے ہمیں قبلہ رخ کی ضرورت نہیں ہے ہم ہر سمت رخ کر کے پڑھ سکتے ہیں جس کیلئے دعا میں حاضر امام کا ہونا بہت ضروری ہے (ہم دعا کی کتاب اس پیغام کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ آپ خود بھی پڑھیں اور دوسرے آغا خانی بھائیوں کو بھی دیں)
- روزہ تو اصل میں آنکھ، کان اور زبان کا ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہمارا روزہ سوا پہر کا ہوتا ہے جو صبح دس بجے کھا پیا جاتا ہے۔ وہ بھی اگر مومن رکھنا چاہے ورنہ روزہ فرض نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں جس مہینے کا چاند جمعہ کو ہو اس دن ہم روزہ رکھتے ہیں۔
- زکوٰۃ کی بجائے ہم آمدنی میں روپیہ پر دو آنہ (دسوند) ہم فرض سمجھ کر جماعت خانے میں دیتے ہیں۔
- حج ہمارا حاضر امام کا دیدار ہے (وہ اس لئے کہ زمین پر خدا کا روپ صرف حاضر امام ہے)
- ہمارے پاس تو بولتا قرآن (یعنی حاضر امام) موجود ہے۔ مسلمانوں کے پاس تو خالی کتاب ہے۔
- ہمارے صبح و شام ہم کے گناہ مکھی صاحب چھینٹا ڈال کر معاف کرتے ہیں ہم میں سے اگر کوئی آدمی روزانہ جماعت خانہ نہ جا سکے تو مکھی کو پیسے دے کر چھینٹا ڈلوا کر اور آب شفا (یعنی گھٹ پلٹ) پی کر اپنے گناہ معاف کرا سکتا ہے اور اگر کوئی جمعہ کے روز بھی جماعت خانہ نہ جا سکے تو مہینہ بھر کے گناہ چاندرات کو پیسے دے کر چھینٹا ڈلوا کر آب شفا (گھٹ پلٹ) پی کر گناہ معاف کرا سکتا ہے۔
- ہماری بندگی / عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ:

حاضر امام ہمیں ایک بول / اسم اعظم دیتے ہیں جس کے عوض ہم ... روپے ادا کرتے ہیں جس کی بندگی / عبادت ہم رات کے آخری حصے میں ادا کرتے ہیں۔ ۵ سال کی بندگی / عبادت معاف کرانے کے ہم ۵ سو روپے اور ۱۲ سال کی بندگی / عبادت معاف کرانے کے ۱۲ سو روپے اور لائف ممبر (پوری لائف) عمر کی بندگی معاف کرانے کے ۵ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔ اور حاضر امام کے نور کو حاصل کرنے کے لئے ، ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں جس سے ہمیں حاضر امام کا نور حاصل ہوتا ہے۔ قیامت کے روز حاضر امام سے ہم اپنے آپ کو بخشوانے (یعنی حاضر امام کے نور کے ساتھ اپنے نور کو ملانے جانے کا خرچہ پچیس ہزار روپے ہم جماعت خانہ میں دیتے ہیں۔ **نانڈی** ، ہم نانڈی خیرات کو کہتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں بہترین قسم کے پکنے والے کھانے عمدہ قسم کے کپڑے، زیورات ہم جماعت خانوں میں خیرات (نانڈی) دیتے ہیں۔ جماعت خانے والے اس نانڈی کو نیلام کر کے اس کی رقم جماعت خانے میں جمع کر دیتے ہیں۔

ایک اہم وضاحت کرنا بہت ضروری ہے کہ ہمارا مذہب صدیوں پرانا ہے۔ آج تک اس پر کسی نے تنقید نہیں کی۔ اگر ہمارا مذہب غلط ہوتا تو کب کا ختم ہو جاتا۔ اب اگر مسلمانوں کو یا ان کے علماء کو ہمارے مذہب پر کوئی خاص نظر آتی ہے یا کوئی اعتراض ہے تو وہ ہمارے جید علماء برائے ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان سے وضاحت کیوں طلب نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے علماء بھی تنقید کرتے ہیں لیکن ہمارے حاضر امام سے وضاحت طلب کرنے میں کیوں ہچکچاتے ہیں؟ کیا وہ ہمارے حاضر امام سے ڈرتے ہیں؟ صدیوں مسلمانوں کے علماء نے ہمارے مذہب پر کبھی تنقید نہیں کی تو یہ پندرھویں صدی کے علماء آخر کہاں سے بیدار ہو کر ہم پر تنقید کر رہے ہیں؟ ہر دور میں حکومت وقت کی تائید ہمیں حاصل رہی ہے۔ بس یہی ہمارے مذہب کے زندہ رہنے کی حقیقت ہے۔

حقیقی مومنو! تم لوگ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہو اگر تم سچے ہو۔ دنیا میں تو ہمیشہ طرح طرح کے فتنے اور الزامات لگتے رہتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ہمیں اور آپ کو ہمارے مولانا حاضر امام ہمیشہ سکھی اور آباد رکھے اور اس کے دیدار نصیب ہوں (آمین)

آخری کلمہ: یا شاہ کریم الحسینی انت الامام الحاضر الموجود (سجدہ) اللھم لک سجودی وطاعتی

نوٹ: اس پیغام کی نقل سارے جماعت خانوں کو بھیجی گئی ہیں۔

فقط عاشق علی (پریذیڈنٹ)
دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان
... مذہبی کمیٹی

یا
الله
مدد

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

ترجمہ :۔ کہو وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔

(سورہ اخلاص)

درود شریف

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اے اللہ! حضرت محمد اور آپکی پیروی کرنے والوں پر رحمت نازل کر جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور انکی پیروی کرنے والوں پر رحمت نازل کی بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اے اللہ! حضرت محمد اور آپکی پیروی کرنے والوں کو برکتیں دے جس طرح تو نے حضرت ابراہیم اور انکی پیروی کرنے والوں کو برکتیں دیں بے شک تو تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(فہرستِ مضامین صفحہ نمبر ۱۶۷ پر)

(وضاحتی اداریہ)

جس کو موت آتی ہے "وہ" خدا کیسے ہو سکتا ہے؟

یہ امر قابل وضاحت ہے کہ:-

اس "مجموعہ اشاعت" کی طباعت کی تمام تر ذمہ داری کا تعلق کسی طور پر بھی ہفت روزہ تکبیر کراچی پر نہیں ہے بلکہ یہ مستحسن اقدام کے طور پر ان خدمات کا اعتراف ہے جو وقتاً فوقتاً آغاخانی اسمٰعیلیہ کے مذہبی عقائد و نظریات پر خصوصی رپورٹیں ہفت روزہ تکبیر کراچی نے ملت اسلامیہ کے علمی اضافہ کے لئے شائع کی ہیں۔

ہم ہفت روزہ تکبیر کراچی کے مدیر اعلیٰ جناب محمد صلاح الدین صاحب کے جذبہ ایمانی کی بے حد قدر کرتے ہوئے ان کے قلمی جہاد پر ان کو و دیگر تمام متعلقہ معاونین کو بصد مبارک باد پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے اس دور میں طاغوتی قوتوں سے اس باطنی پردے کو چاک کر دیا ہے جو صدیوں سے ملت اسلامیہ کی نظروں سے اوجھل تھا مسلمانانِ ہند و پاکستان ہمیشہ آغاخان کو اپنا محسن تصور کرتے ہوئے آئے ہیں اور آغاخانی قوم کو سیدھی سادی بھلی اور کاروباری برادری کے طور پر بے ضرر سمجھتے رہے ہیں اللہ جل شانہ کے فضل و کرم و خاص توفیق سے ادارہ ہفت روزہ تکبیر کراچی کا پوری ملت اسلامیہ پر احسان عظیم ہے کہ ان کی کوششوں و کاوشوں سے اصل حقائق اب سب پر عیاں ہو گئے ہیں اب ملت اسلامیہ کا بچہ بچہ آغاخان اور اس کے پیروکاروں کو ان کے صحیح روپ سے پہچاننے لگ جائے گا۔ اسی سلسلے میں تحریر ہے کہ آغاخانی مذہبی عبادات کا پیغام" سے متعلق طویل عرصہ سے ایک مخمصہ پایا جا رہا تھا۔ چنانچہ ہفت روزہ تکبیر کے شمارہ ۱۷ مارچ ۸۸ء میں جب فیڈرل کونسل کے صدر نے اسے رد کرتے ہوئے وضاحتی بیان اپنے انٹرویو میں دیا کہ:- اس کے علاوہ جو چیز آپ کے ہاں ہمارے لیٹر پیڈ کے حوالے سے شائع ہوئی ہے وہ قطعی ہمارا لیٹر ہیڈ پیڈ نہیں ہے اور کسی نے آپ کو غلط فراہم کیا ہے مذکورہ انٹرویو کی اشاعت کے بعد جب اسمٰعیلی عقائد سے تائب ہونے والے نومسلم پیار علی ولد غلام حسین ساکن ٹنڈو باگو ضلع بدین (سندھ) کی طرف سے پرزور تردید بمورخہ ۷ اپریل ۸۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئی کہ:" اپنے وضاحتی بیان میں جناب رمضان مرچنٹ نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے علاوہ جو چیز ہمارے لیٹر پیڈ کے حوالے سے شائع ہوئی ہے وہ قطعی ہمارا لیٹر پیڈ نہیں ہے صاحب موصوف کی اس وضاحت کو درست مان بھی لیا جائے کہ لیٹر ہیڈ پیڈ ان کا نہیں ہے لیکن اسمٰعیلی فرقہ کے عقائد جو اس لیٹر ہیڈ پیڈ پر درج ہیں کیا وہ ان سے انکار اور تردید کرنے کی جرأت فرما سکتے ہیں؟ اس لئے کہ وجہ نزاع لیٹر پیڈ نہیں البتہ وہ عقائد ہیں جو کہ متعدد بار اخبارات رسائل اور پمفلٹ کی شکل میں منظر عام پر آ چکے ہیں اور اسمٰعیلی برادری سے وابستہ کوئی فرد بھی ان کی تردید کرنے کی آج تک جرأت نہیں کر سکا"۔

مذکورہ بالا وضاحتی بیان اور اس کی تردید کی اشاعت کے بعد یہ تضاد واضح طور پر کھل کر سامنے آیا۔ اس سے پیشتر اہلسنت کے مختلف مکاتب فکر کے ۱۶۰ جید علماء کرام نے اسمٰعیلیوں کو کافر قرار دینے کے فتویٰ جاری کئے خاص کر اخبارات و رسائل میں جب جماعت خانوں میں اذان اور نماز پر پابندی کے خلاف سندھ ہائی کورٹ میں دائر دیوانی مقدمہ ۱۳۳۲ سنہ ۸۶ء کی روداد چھپنا شروع ہوئی تو عوام الناس میں تجسس پیدا ہوا اور انہوں نے مفصل معلومات حاصل کرنے کے لئے دینی اداروں مدارس و دارالعلوم کا رخ کیا۔ چنانچہ علماء کرام نے تحقیقی مقاصد کے تحت ایک ۳ رکنی جماعت مقرر کی جس نے پاکستان بھر میں اور خاص کر کراچی کے مختلف علاقوں میں آباد آغاخانیوں (اسمٰعیلیوں) سے مل کر ان کے انٹرویو لئے اور اس تضاد کے حقائق کو جاننے کی کوشش کی کہ مذکورہ مذہبی پیغام میں جن عقائد و نظریات کا پرچار کیا گیا ہے وہ کس حد تک درست ہیں؟ مذکورہ ۳ رکنی جماعت نے اپنی حتمی رپورٹ میں بڑی عجیب و غریب باتوں کا انکشاف کیا ہے جو آغاخانیوں نے بیان کی ہیں خاص کر تمام آغاخانیوں نے یہ اقرار ضرور کیا ہے کہ" آغاخانی مذہبی عبادات کا پیغام" میں درج تمام رسوم و عقائد کا تعلق خالصتاً آغاخانی عبادات سے ہی ہے اور آج بھی تمام جماعت خانوں میں درج شدہ طریقوں کے مطابق آغاخان کی تصویر کو سجدہ کیا جاتا ہے اور آباؤ اجداد کے مروجہ طریقوں و رسوم کے تحت اس کی عبادت کی جاتی ہے۔ جو کہ صدیوں سے رائج ہے اور یہ سب کچھ درست ہے"

قابل ذکر بات یہ ہے کہ تمام آغاخانیوں نے ان عقائد و نظریات کو ادا کرنے کے باوجود خود کو پکا سچا مسلمان بلکہ مومن قرار دیا اور دیگر تمام غیر آغاخانی مسلمانوں کے لئے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بھی انہی کی راہ عمل پر بلا کسی تردد و شبہ کئے ہوئے جلد سے جلد ایمان لے آئیں کیونکہ بقول اسمٰعیلیوں کے زمین پر خدا کا روپ صرف "حاضر امام ہز آغاخان ہے" اب اسکا فیصلہ ملت اسلامیہ کے ہر فرد نے خود کرنا ہے کہ آغاخانی مسلمان بلکہ مومن کس بناء پر ہیں؟ اور اگر وہ واقعی مسلمان مومن ہیں تو انکی موجودگی میں ملت اسلامیہ کے ایک عام مسلمان کو کیا کہہ کر پکارا جائے؟ اس سوال کے جواب کیلئے "مجموعہ اشاعت" کا پڑھا جانا اس لئے بے حد ضروری ہے تاکہ حقیقت کو پہچانا جائے: فکر کی جائے اور کوئی تدبیر بھی کی جائے کہ تا جو کوئی اس بیہودہ گستاخ کا منہ بند (ہم بے حد مشکور اور دعاگو ہیں کہ ان تمام دیگر احباب [illegible] اداروں اور انجمنوں کے تعاون کے کہ آج مجموعہ اشاعت طباعت کی ساری منازل سے گزر کر مطالعہ کیلئے حاضر خدمت ہے) وما علینا الا البلاغ۔

اللہ حافظ۔ ناشرین مجموعہ اشاعت۔ فقط: حمایت کنندگان برائے ترویج و نفاذ شریعت بل (کل عالمِ اسلام کے متفقہ علماء) کراچی اسلامی جمہوریہ پاکستان۔

INTERNATIONAL URDU WEEKLY ہفت روزہ تکبیر کراچی

TAKBEER

KARACHI-PAKISTAN

مدعیان کے وکیل محمد اشر حسین کے دلائل

جماعت خانوں میں اذان اور نماز پر پابندی کے خلاف سندھ ہائیکورٹ میں مقدمے کی روداد

◎ اسماعیلی جماعت خانوں کو ہر ماہ بیس کروڑ روپے آمدنی ہوتی ہے

◎ اسماعیلی فرقہ نے پاکستان میں ایک بھی مسجد تعمیر نہیں کی

◎ جماعت خانے حاضر امام کی ذاتی رقوم سے تعمیر نہیں کئے جاتے

گزشتہ ہفتے سندھ ہائیکورٹ کے مسٹر جسٹس ناصر اسلم زاہد کی عدالت میں اسمٰعیلی جماعت خانوں میں اذان اور نماز ادا کرنے پر پابندی کے خلاف دیوانی مقدمہ میں مدعا علیہان وزیر عاشق علی وغیرہ کے خلاف حکم امتناعی کی درخواست کی سماعت ہوئی۔ یہ مقدمہ اکبر علی ولد غلام حسین اور حاجی سکندر ولد قمر الدین نے ایچ ایچ آغا خان اسمٰعیلیہ فیڈرل کونسل آف پاکستان کے صدر وزیر عاشق علی ولد ایچ حسین، عالی جاہ حبیب وزیر حسن علی ویانی، صدر ایچ ایچ آغا خان اسمٰعیلیہ لوکل کونسل اور عالی جاہ شمس الدین ابراہیم سیکرٹری ایچ ایچ اسمٰعیلیہ لوکل کونسل گارڈن ایسٹ کے خلاف مورخہ ۷ مئی ۸۷ء کو دائر کیا تھا۔

اس مقدمے کی تفصیلات کے مطابق مدعیان نے درخواست کی تھی کہ ان کے حق میں مندرجہ ذیل فیصلہ اور ڈگری دی جائے:-

(الف) اعلان ہو کہ مدعیان اور دیگر تمام آغا خانی اسمٰعیلیہ مسلمان مکمل حق، مفاد اور استحقاق رکھتے ہیں کہ جماعت خانے میں انفرادی طور پر اور باجماعت نماز ادا کریں اور ہر نماز باجماعت سے قبل اذان دیں اور مدعا علیہم یا ان کا کوئی ملازم، کارکن، اسکاؤٹ، رضاکار یا کوئی دوسرا ماتحت شخص اس کا کوئی حق، استحقاق مفاد یا اختیار نہیں رکھتا کہ ان کو ہر دن جماعت خانوں کی حدود میں انفرادی یا باجماعت نماز پڑھنے اور اس سے قبل اذان دینے سے روک سکے۔

(ب) ایک مستقل حکم امتناعی جاری ہو کہ مدعا علیہم، ان کے ملازمین، کارکنوں، اسکاؤٹوں، رضاکاروں یا ان کی ماتحتی کے دیگر افراد کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ مدعیان یا کسی دوسرے آغا خانی مسلمان کو جماعت خانوں کی حدود میں انفرادی یا باجماعت نماز پڑھنے اور اس سے قبل اذان دینے سے روک سکے۔

(ج) مستقل حکم امتناعی جاری ہو کہ مدعا علیہم یا ان کے ماتحت ہونے کا کوئی دعویدار شخص مدعیان یا ان میں سے کسی کو یا کسی دوسرے آغا خانی مسلمان کو ایسی نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتا جسے قرآن، سنت اور حاضر امام کے فرامین کے برخلاف مدعا علیہم اپنے اختیار کردہ طور طریق اور رسوم کے مطابق یا پسندیدہ نہیں سمجھتے ہیں۔

اس سلسلے میں گزشتہ ہفتے ۲۴ مئی کو ہونے والی سماعت کے دوران مدعی وکیل محمد اشر حسین ایڈووکیٹ نے موقف اختیار کیا کہ جماعت خانے مسجد ہیں کیونکہ وہ اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ اس موقع پر معزز عدالت نے

رپورٹ:۔ ناصر محمود

مدعا علیہان کے وکیل سے دریافت کیا کہ کیا وہ تسلیم کرتے ہیں کہ جماعت خانے عبادت گاہ ہیں؟ اس کے جواب میں مدعا علیہان کے وکیل جناب علی احمد ایڈووکیٹ نے تسلیم کیا لیکن کہا کہ وہاں اسمٰعیلی فرقے کے طریقے کے مطابق صرف عبادت اور اضافی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔

مدعیان کے وکیل نے قرآن پاک اور لفظ مسجد کی لغتی تعریف سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام میں اللہ کی عبادت کے لئے مخصوص جگہ کو مسجد کہتے ہیں چاہے اس کا طرز تعمیر یا جائے وقوع یا نام کچھ بھی ہو۔ لہٰذا اللہ کی عبادت ہونے کی وجہ سے نماز کو جسے خود مدعا علیہان نے خود اسلام کا اہم اور بنیادی رکن تسلیم کیا ہے روکا نہیں جا سکتا جب جماعت کے افراد جماعت خانے میں اللہ کا ذکر و تسبیح جس طرح بھی چاہیں کر سکتے ہیں اور اضافی نمازیں پڑھ سکتے ہیں تو پھر اسلام کی رو سے یا ملکی قانون کے تحت مدعا علیہان کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ کسی فرد کو جماعت خانے میں فرض نماز اکیلے یا باجماعت پڑھنے سے روکیں۔ اس موقع پر عدالت عالیہ نے مدعا علیہان کے وکیل سے دریافت کیا کہ مدعیان نے اپنے دعوے میں کہا ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے بعد حاضر امام کے فرمان کو مانتے ہیں۔ اگر حاضر امام کا کوئی فرمان رہا ہو کہ جماعت خانوں میں فرض نماز نہ ادا کرنے دی جائے تو کیا وہ اسے مانیں گے یا مقدمہ واپس لے لیں گے۔ اس کے بعد عدالت عالیہ نے مدعا علیہان کے وکلاء سے دریافت کیا کہ کیا وہ حاضر امام کا ایسا کوئی فرمان پیش کر سکتے ہیں۔ انہوں نے انکار میں جواب دیا۔

اس موقع پر عدالت عالیہ نے مدعیان کے وکیل سے یہ وضاحت چاہی کہ اگر جماعت خانے میں نماز نہیں پڑھنے دی جاتی تو اس سے انہیں کیا نقصان ہے وہ گھر پر بھی نماز ادا کر سکتے ہیں۔ مدعیان کے وکیل نے بیان کیا کہ جماعت کے افراد کی بڑی تعداد اپنا اکثر وقت جہاں تک ممکن ہوتا ہے حاضر امام کے حکم کے مطابق جماعت خانوں میں گزارتی ہے اور اکثر رسومات وغیرہ کے سلسلے میں بارہ سے پندرہ گھنٹے ان کے مسلسل وہیں گزرتے ہیں اور چونکہ اکثر رسومات وغیرہ اور اضافی نمازیں اس وقت ہوتی ہیں جب فرض نمازوں کا وقت ہوتا ہے لہٰذا گھر جا کر نمازیں پڑھنا ممکن نہیں ہوتا اور اکثر نمازیوں کی فرض نمازیں قضا ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر وقت کی کمی کے باعث عدالت عالیہ نے مقدمہ کی سماعت ۲۶ مئی کے لئے ملتوی کر دی۔

۲۶ مئی کی سماعت کے دوران مدعی وکیل محمد اشر حسین ایڈووکیٹ نے اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ان کے مؤکل سکندر ولد قمر الدین نے عارضی حکم امتناعی کی اپنی درخواست کے ساتھ جو حلف نامہ داخل کیا تھا اور اس کی تردید میں مدعا علیہ وزیر عاشق علی نے جوابی حلف نامہ اور جواب دعویٰ داخل کیا اس کے جواب میں واضح طور پر عدالت عالیہ کی توجہ اس جانب دلائی گئی ہے کہ آغا خانی اسمٰعیلیوں نے کہیں بھی اور کسی بھی جگہ جماعت خانوں کے علاوہ عبادات الٰہی کے لئے (بشمول نماز) کوئی علیحدہ جگہ تعمیر نہیں کی اور نماز جس کو مدعا علیہ نے خود اہم عبادت الٰہی تسلیم کیا ہے وہ ہمیشہ جماعت خانوں میں ادا کی جاتی رہی ہے۔ اس ضمن میں ایک کتاب اسمٰعیلی تعلیمات نمبر ا میں آغا خان کے بارے میں یہ اقرار موجود ہے کہ "مولانا حاضر امام" نے آپ نے نو سال کی عمر میں نیروبی کے جماعت خانے میں عید الفطر کی نماز

آغا خانی نماز کو عبادت تو تسلیم کرتے ہیں مگر جماعت خانے میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے

[illegible] جماعت خانوں کی ہیں اور جماعت خانہ ہماری عبادت گاہ ہے۔

مدعی کے وکیل نے اپنے دلائل میں مزید کہا کہ چونکہ جماعت خانے عبادت کے لئے مخصوص ہیں اس لئے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے ہیں کسی اور جسمانی یا روحانی وجود کی پرستش کے لئے نہیں ہیں کیونکہ اسلام میں تمام عبادتیں فقط اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہیں۔ مسلم عبادت گاہیں دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی طرح بتوں، دیوی دیوتاؤں یا کسی شخصیت کے لئے مخصوص نہیں ہوتی ہیں اور مدعا علیہ نے اپنے بیان میں یہ واضح نہیں کیا کہ اگر جماعت خانے اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں ہیں تو پھر وہ کس کے لئے مخصوص ہیں۔ چونکہ جماعت خانے عبادت الٰہی کی جگہ ہیں اس لئے مدعیان اور اسمٰعیلی برادری کے ہر فرد کا یہ یقینی اور ناقابل تردید حق ہے کہ وہ ان میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اذان دے، انفرادی یا باجماعت طور پر نماز ادا کرے اور وہ یہ کام کسی بھی جماعت خانے میں کر سکتا ہے۔

مدعی کے مطابق اگر بفرض محال مدعا علیہان کا یہ غلط بیان کہ "جماعت خانے مساجد کی طرح نماز کے لئے مخصوص نہیں ہیں" اور یہ کہ "امام تمام جماعت خانوں کے مالک ہیں" کو عارضی طور پر تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی مدعی اور اسمٰعیلی جو جماعت خانے میں موجود ہو نماز کا وقت آ جانے پر اس بات کا حق رکھتا ہے کہ ایک مسلم امام کے ماننے والے مسلم کی حیثیت سے نماز ادا کرے اور باجماعت نماز کی صورت میں اذان دے۔ مزید یہ کہ مدعا علیہان نے اپنے جواب حلف ناموں میں "اسمٰعیلی طریقے کی رسمیں" جیسے مبہم جملے استعمال کئے ہیں لیکن عمداً ان طریقوں اور رسومات کو واضح نہیں کیا جو کہ جماعت خانوں میں انجام دی جا سکتی ہیں اور جن کے لئے ان کے بقول یہ جماعت خانے بنائے گئے ہیں مگر نماز جس کو خود مدعا علیہا نے پیرا نمبر ۶ میں اسلام کا ایک اہم رکن تسلیم کیا ہے، وہ ادا نہیں کی جا سکتی۔ انہوں نے جان بوجھ کر یہ واضح کرنے سے اجتناب کیا ہے کہ وہ اپنے رسوم و طریقے و روایات کو نماز سے زیادہ کس طرح مقدس سمجھتے ہیں کہ جماعت خانوں میں عبادت اسمٰعیلی طریقوں سے تو کی جا سکتی ہے لیکن نماز نہیں پڑھی جا سکتی یا شاید ان کا ایمان یہ ہو کہ نماز نعوذ باللہ ایسی بری چیز ہے کہ اس کا جماعت خانوں میں ادا کرنا ممنوع ہے اور نماز کے وقت برادری کے جو لوگ جماعت خانے میں موجود ہوں وہ باہر گلیوں میں جا کر نماز پڑھنے کی جگہ تلاش کریں یا کسی دوسرے مسلک کے مسلمانوں کی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں مگر جماعت خانے میں نہ پڑھیں۔

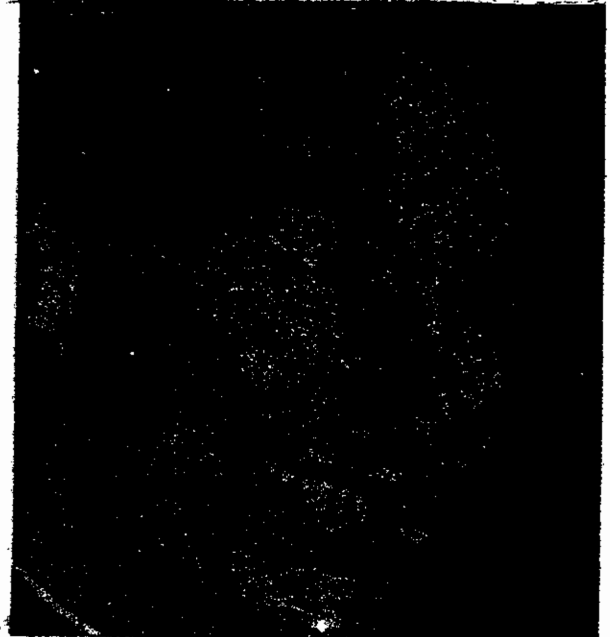
محمد اشرف حسین ایڈووکیٹ نے اپنے دلائل میں بیان کیا کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ پورے پاکستان میں اسمٰعیلی برادری نے ایک بھی مسجد تعمیر نہیں کی۔ دوسری بڑی حقیقت جس کا اظہار کرنے سے مدعا علیہان نے گریز کیا ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی خانقاہ، امام باڑہ یا زیارت گاہ وغیرہ میں نماز ادا کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ صرف مدعا علیہان، اسلام کے ایسے دعویدار ہیں جو نماز سے روک رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کہا چونکہ ہمارے ملکی قانون میں اسلام اور اس کے بتلائے ہوئے طریقوں سے انحراف قابل مواخذہ نہیں ہے اس لئے مدعا علیہان کو پورا اختیار ہے کہ وہ ان عقائد یا ان میں سے کسی ایک سے بھی انکار کر دیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ان کی قانونی ذمہ داری ہے کہ اپنے انکار کا واضح الفاظ میں عدالت عالیہ کے سامنے اظہار کریں تاکہ تمام اسمٰعیلیہ جماعت کو معلوم ہو جائے اور پھر وہ غور کر سکیں کہ آیا برادری کی نظر میں مدعا علیہان مسلمان کہلانے کے مستحق ہیں بھی یا نہیں اور یہ کہ ان کو برادری میں رہنے دیا جائے یا نکال باہر کیا جائے۔

مدعی نے اپنے عرضی دعویٰ کے پیرا نمبر ۱ کی ذیلی دفعہ (سی) میں کہا ہے کہ قرآن پاک اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام احکامات حتمی ہیں اور ہر وہ شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا مسلمان ہونا یا رہنا چاہتا ہے اس کے لئے ان کی پابندی لازمی ہے لیکن مدعا علیہان کا یہ کہنا کہ یہ میرے ذاتی عقائد ہیں، اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ مدعا علیہان کو اس عقیدے سے انحراف ہے اور اگر ایسا ہے تو یہ ان کے اس دعویٰ کی نفی کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ مدعی کے وکیل نے کہا مدعی کے بیان کے مطابق نہ صرف تمام اسمٰعیلی برادری بلکہ دوسرے فرقوں کے مسلمانوں کو بھی اچھی طرح معلوم ہے اور خود لفظ "جماعت خانہ" کے الفاظ سے واضح ہے کہ یہ پوری اسمٰعیلی برادری کی ملکیت ہیں اور ان کا وجود صرف برادری کے تصرف کے لئے ہے۔ لہٰذا میں اس بات کی سختی کے ساتھ تردید کرتا ہوں کہ جماعت خانے امام کی ملکیت ہیں یا امام کی ذاتی رقم سے تعمیر ہوئے ہیں بلکہ اس کے برخلاف خود امام کی تمام دولت ہمیشہ سے وہ چندے، نذرانے، امانت یا پیشکشیں رہی ہیں جو اسمٰعیلیہ جماعت کے افراد وقتاً فوقتاً اپنی گاڑھی کمائی سے دیتے رہے ہیں۔ خود میں نے اور میرے آباؤ اجداد نے ہمیشہ اپنی گاڑھی کمائی سے خطیر رقمیں اکثر جماعت خانوں کی تعمیر اور ان کو چلانے کے لئے دی ہیں حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کا فائدہ برادری کے نچلے طبقہ کو بہت معمولی بلکہ ناقابل ذکر ملتا ہے جبکہ مدعا علیہان اور ان کے ساتھیوں اور پیشواؤں نے جو خود تو بڑی عیش و عشرت کی زندگی گزارتے ہیں ہمیشہ بڑا فائدہ اٹھایا ہے۔

مدعی کے وکیل نے اپنے دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے جماعت خانے کم از کم کراچی میں تو رفاہی تعلقات اراضی (AMENITY PLOTS) پر بنائے گئے ہیں جو حکومت یا دوسرے خود مختار اداروں نے برائے نام قیمت پر کسی ٹرسٹ یا کسی مذہبی ادارے کے نام پر اس یقین دہانی کی بنیاد پر دیئے کہ ان کو برادری کے مذہبی اور خیراتی مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے گا اور اس لئے یہ جماعت خانے ملکی قوانین کے تحت انکم ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس کی چھوٹ سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انہوں نے کہا ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کے جماعت خانوں کو اسمٰعیلی برادری سے مختلف مدوں میں "رسوم اور طریقوں" کے نام پر ماہانہ کم از کم بیس کروڑ روپے کی آمدنی ہوتی ہے۔

مدعی کے وکیل نے کہا مدعا علیہان ایک طرف تو دعویٰ کرتے ہیں کہ شہر بھر میں لاتعداد مساجد دوسرے فرقوں کی ہیں ان میں آغا خانی جا کر نماز پڑھیں جبکہ مدعا علیہان کا خود اپنا یہ عالم ہے کہ جماعت خانوں پر پہرے بٹھا رکھے ہیں اور ان کے علاوہ دوسرا مسلمان تو عمارت کے اندر قدم تک نہیں رکھ سکتا بلکہ جو آغا خانی ہیں وہ بھی آزادی سے آ جا نہیں سکتے جس نے ذرا بھی مدعا علیہان کے خلاف آواز بلند کی اس کا داخلہ بند کر دیا۔ انہوں نے عدالت سے یہ بات چھپائی ہے کہ ہمارے جماعت خانے غیر آغا خانی کے لئے شجر ممنوعہ ہیں۔ اپنی عبادات کے بارے میں ایسی راز داری برتنے کی وجہ سے ہماری عبادات، رسوں اور طریقوں کے متعلق ایسی ایسی باتیں مشہور ہو گئی ہیں کہ دوسرے مسلک پر چلنے والے مسلمانوں کی مسجد میں نماز پڑھنا تو در کنار، وہ کسی آغا خانی کو گھسنے تک نہیں دیتے۔ مدعا علیہان یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں کہ سنی فرقہ آغا خانیوں کو غیر مسلم سمجھتا ہے کیونکہ ان کے علماء کی بہت بڑی تعداد نے آغا خان کے ماننے والوں کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ شیعہ اثنا عشری فرقے کے لوگ بھی آغا خانی اسمٰعیلی کو شیعہ نہیں تصور کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم قابل احترام عدالت کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ مدعا علیہان نے اپنے خود غرضانہ مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مدعیان اور ہزاروں دیگر آغا خانیوں کو کتنی قابل رحم اور تکلیف دہ حالت کو پہنچا دیا ہے۔

ان دلائل کے ساتھ ہی فاضل عدالت نے مزید سماعت اگلی تاریخ تک ملتوی کر دی۔



آغا خان کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور اُس کے اسباب

رپورٹ: ناصر محمود

مورخہ ۱۱ فروری کے اخبار میں شائع ہونے والی ایک خبر کے مطابق "برطانوی وزارت خارجہ کے ایک منسٹر مسٹر ٹم ایگر نے بدھ کو پاکستان میں آغا خان فاؤنڈیشن کے چیئرمین مسٹر رمضان مرچنٹ کو ۵،لاکھ پچانوے ہزار پونڈ اسٹرلنگ (ایک کروڑ ۸۰ لاکھ ۵۰ ہزار روپے) کا ایک چیک پیش کیا۔ یہ چیک چترال میں آغا خان رورل سپورٹ (RURAL SUPPORT) پروگرام کے لیے برطانوی حکومت کے ۳۸ لاکھ پونڈ اسٹرلنگ (گیارہ کروڑ ۹۷ لاکھ روپے) کے کنٹری بیوشن کی پہلی قسط کے طور پر تھا۔" بظاہر یہ خبر ایک سیدھے سادے رفاہی ادارے کے رفاہی پروگرام کی عملی طور پر امداد کے لیے حکومتِ برطانیہ کی جانب سے کیے گئے احسانِ عظیم کی ایک معمولی سی جھلک پیش کرتی ہے، جو وہ تقریباً ۱۲ کروڑ روپے عنایت کرکے پاکستان کے ایک پسماندہ اور دور افتادہ علاقے کے مفلوک الحال شہریوں کی فلاح و بہبود کے لیے کر رہا ہے۔ البتہ اس خبر میں ایک نکتہ ایسا ضرور ہے، جو تھوڑی سی سوجھ بوجھ رکھنے والے محبِ وطن شہریوں کو چونکنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ اہم نکتہ یہ ہے کہ انگریزی حکومت کی یہ امداد جس معروف ادارے آغا خان فاؤنڈیشن کو دی جا رہی ہے، وہ کسی بھی لحاظ سے ایک مفلوک الحال یا خیراتی ادارہ نہیں ہے، بلکہ درحقیقت وہ پاکستان کے ان امیر ترین غیر سرکاری اداروں میں شمار ہوتا ہے، جن کے پاس روپے پیسے اور وسائل کی پہلے سے قطعاً کوئی کمی نہیں ہے اور جن کی شاخیں نہ صرف پاکستان کے اندر، بلکہ دنیا بھر کے تمام امیر ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ایسی صورت میں صرف آغا خان فاؤنڈیشن کو اتنی کثیر رقم کا عطیہ اور وہ بھی محض چترال جیسے دور دراز علاقے کے لیے ہی مخصوص کیوں؟ جبکہ پاکستان میں ایسی نیکی اور فلاح کے مستحق بے شمار دیگر علاقے اور متعدد فلاحی انجمنیں، ان سے کہیں زیادہ امداد کے حقدار ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب کراچی میں بیٹھا ہوا کوئی شخص نہیں دے سکتا، بلکہ خود چترال میں رہنے والے محبِ وطن پاکستانی، اس اہم اور خوفناک راز سے پردہ اٹھاتے ہیں۔ ان باخبر چترالی باشندوں کا کہنا ہے کہ "آغا خان شمالی علاقوں میں اپنی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور وہ پاکستان کو ایک اسمٰعیلی ریاست میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔" اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے، سوادِ اعظم اہلسنت چترال کے سیکریٹری جنرل قاری فیض اللہ نے ایک کتابچہ شائع کیا، جس میں اہلِ وطن کو خبردار کرتے ہوئے، انہوں نے لکھا ہے کہ:

"شمالی علاقہ جات پاکستان کے انتہائی شمال میں، وہ حساس علاقہ ہے، جہاں چار ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں۔ اوّل چین، دوم روس، سوم افغانستان اور چہارم بھارت۔ یہاں پر چونکہ لوگ غریب ہیں، اس لیے یہاں جو بھی نظریہ آگیا، لوگ دنیاوی منفعت کی وجہ سے اور دنیاوی لالچ کی وجہ سے فوری طور پر قبول کرلیتے ہیں۔ یہاں پر اہلسنت والجماعت، اثناعشری (شیعہ)، آغا خانی بستے ہیں۔ شیعوں کے لیے ان کی مذہبی تنظیموں کی طرف سے بیرونی امداد آتی ہے، جس کی بنا پر ان کے علاقوں میں مختلف مدارس / عبادت خانے وغیرہ تعمیر ہوئے ہیں اور وہ روز بروز اپنے عقائد کے پرچار میں ترقی کر رہے ہیں۔ ان کی امداد کرنے میں ایران اور کویت سرفہرست ہیں۔

ان کے علاوہ آغا خانی اپنے پُرفتن عقائد کو بڑی تیزی کے ساتھ علاقے میں پھیلا رہے ہیں۔ ان کے داعی بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ انہوں نے مختلف قسم کی تنظیمیں بنائی ہوئی ہیں۔ مردوں کی تنظیمیں الگ کام کر رہی ہیں اور عورتوں کی الگ۔ ان تنظیموں میں غیر آغا خانیوں کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ ان کا مقصد پورے علاقے میں لادینیت پھیلانا ہے کیونکہ یہ بھی ایک لادین اور مادر پدر آزاد طبقہ ہے۔ بظاہر یہ لوگ اسلام کا نعرہ لگاتے ہیں، لیکن ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ لوگوں کو بے دین بنانے کے لیے اور اپنی معاشی حالت کو مضبوط بنانے کے لیے، انہوں نے عجیب وغریب حیلے اپنائے ہوئے ہیں، جن میں سے چند ایک بطور مشتے از خروارے پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ جب کوئی عورت حاملہ ہوجائے، تو اس کو اپنے رجسٹر میں درج کرتے ہیں، پھر اس کی دیکھ بھال شروع ہوجاتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اس کو جماعت خانے میں لے جاکر تولا جاتا ہے۔ وزن کرنے کے بعد زچہ اور بچہ، دونوں کے لیے مفت راشن مہیا کیا جاتا ہے۔ اس اسکیم میں ہر طبقے کے لوگوں سے تعاون کیا جاتا ہے۔ یہ امداد آغا خان کی طرف سے، اس کے نام پر لوگوں کو مہیا کی جاتی ہے۔ یاد رہے، آغا خانیوں پر متفقہ طور پر کفر کا فتویٰ لگ چکا ہے، لہٰذا ان کے اعمال سے نفرت کرنا ایمان کا جزو ہے۔ اگر یہ نفرت ختم ہوجائے اور لوگ ان سے محبت کرنے لگیں، تو ایمان خود بخود ختم ہوجائے گا اور غیر محسوس طریقے سے ایک مسلمان کفر کی ظلمات میں غرق ہوجائے گا۔ اس لیے آغا خانیوں کا پہلا ہدف یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں سے آغا خانیوں کی نفرت ختم ہوجائے۔

۲۔ آغا خانیوں کی ایک اسکیم، جو کہ انتہائی خطرناک

ہے، وہ یہ ہے کہ پاکستان کی اور خصوصاً شمالی علاقوں کی معیشت پر پوری طرح سے قابض ہو جائیں اور اس میں وہ پچاس فیصد کامیابی حاصل کر چکے ہیں۔

۳۔ آغا خانیوں نے اپنا ایجوکیشن بورڈ بنایا ہوا ہے، جس کے تحت کئی ہائی / مڈل / پرائمری اسکول کھولے جا چکے ہیں، جن میں نئی نسل کو بے حیائی کے ساتھ ساتھ بے دینی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

۴۔ آغا خان فاؤنڈیشن اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کے نام سے دو ادارے بنائے گئے ہیں، جن کا مقصد اپنا ممبر بنا کر دنیاوی تعاون مثلاً سڑک / نہر وغیرہ بنا کر، مختلف دیہاتوں کو اپنا ہمنوا بنانا ہے۔

قاری فیض اللہ مزید لکھتے ہیں کہ اس وقت آغا خان فاؤنڈیشن اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کے تحت آغا خان کی تقریباً ۲۵۰ گاڑیاں، ۱۵۰ کے قریب مختلف درجات کے اسکول، دو فائیو اسٹار ہوٹل، ایک ہیلی کاپٹر، ایک اعلیٰ درجہ کا ہسپتال، پچاس کے قریب مختلف درجات کی ڈسپنسریاں اور ایک اکیڈمی

آغا خان پاکستان کے شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں؟

معروف کار ہیں، جبکہ ایک ہیلی کاپٹر پچھلے دنوں تباہ ہو چکا ہے اور مصدقہ ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مزید دو ہیلی کاپٹر آ رہے ہیں اور بیس کروڑ روپے سالانہ اس علاقے میں بے دینی اور بے حیائی پھیلانے پر خرچ کیے جاتے ہیں۔

اسمٰعیلی قوم کی تاریخ بیان کرتے ہوئے قاری فیض اللہ نے لکھا ہے کہ ۱۱۷۱ء میں مصر میں اسمٰعیلیوں کی فاطمی خلافت ختم ہوئی۔ اب آٹھ سو سال گزرنے کے بعد، باوجود تمام سازشوں اور ریشہ دوانیوں کے، دنیا کے کسی ملک اور خطے میں

اسمٰعیلی حکومت قائم نہیں ہو سکی ہے اور ان آٹھ سو سالوں میں اسمٰعیلی اماموں، داعیوں اور ان کے مریدوں کی عقل، تدبر اور دانش کی پوری کاوشیں صرف اور صرف ایک اسمٰعیلی ریاست قائم کرنے کے لیے وقف رہی ہیں۔

حسن بن صباح، جس نے "الموت" کی خوبصورت پہاڑیوں میں اپنی جنت بنائی تھی۔ اس نے حشیش (بھنگ، چرس) کے استعمال سے تاریخ میں پہلی مرتبہ برین واشنگ BRAIN WASHING کے ذریعہ سیاسی دہشت گردی POLITICAL TERRORISM کی ابتدا کی تھی اور اپنے تربیت یافتہ اور حشیش کے عادی دہشت گردوں TERRORISTS کے ذریعہ اس زمانے کے وزیر اعظم، کمانڈر انچیف، عالموں اور دانش وروں کو قتل کروایا تھا۔ مشہور اسمٰعیلی داعی تھا اور اس کا بنیادی مقصد سنی عباسی خلافت کو ختم کرنا تھا۔ اس مقصد کو سو سال بعد حسن بن صباح کے جانشینوں نے ہلاکو اور منگولوں کے ذریعہ پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

حسن بن صباح کا مقصد بھی فاطمی خلافت یعنی اسمٰعیلی حکومت

آغا خانی مسلک کیا ہے

اسماعیلی فرقے کی مستند کتابوں کے حوالے سے ایک جائزہ

— میں براہ راست حضرت محمدؐ کی نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور دو کروڑ مسلمانوں کی کثیر تعداد مجھ پر یقین رکھتی ہے، مجھے اپنا روحانی پیشوا مانتی ہے۔ مجھے خراج ادا کرتی اور میری عبادت کرتی ہے، اس وجہ سے کہ میری رگوں میں پیغمبر محمدؐ کا خون ہے۔ (آغا خان سوئم)

الیوملیونگ گائیڈ، از قاسم علی ایم جے، شائع کردہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن، پاکستان کراچی۔

— ہندو بھی اور مسلمان بھی روئیں گے۔ برہمن جوتشی بھی پُران پڑھ کر روئیں گے۔

مُلا اور قاضی بھی قرآن پڑھنے کے باوجود روئیں گے۔

اپنی کٹیا میں بیٹھے ہوئے جوگی بھی روئیں گے۔

جھوٹے سُنی کتے بھی روئیں گے۔

کیونکہ ان کو شاہ برحق (امام) کی حفاظت نصیب نہ ہوئی۔

یہ سب گمراہ لوگ پیر (امام) کو نہ پہچاننے کی وجہ سے روئیں گے۔

بس وہ نہیں روئیں گے، جن کو ست گر (امام) مل گیا۔

ان کو تو نر علی مل گئے۔

ان کی حقیقت کا کیا کہنا

حوالہ: گنان نمبر ۱۳، صفحہ نمبر ۱۴، مقدس گنان کا مجموعہ، از: پیر صدر دین۔ یکے از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے بھارت، بمبئی۔

س ا۔ ہم کلمہ میں حضرت علی کا نام کیوں لیتے ہیں؟

ج: حضرت مولا مرتضیٰ علی میں خدائی نور ہونے کی وجہ سے اور حضرت علی کا مبارک نام لینے سے خدائی نور کی شناخت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم حضرت مولا مرتضیٰ علی کا نام کلمہ میں لیتے ہیں۔ علی اللہ یعنی اللہ میں سے علی ہیں۔ یا علی میں خدا کا نور ہے

حوالہ: مارگ درشیکا، از مشنری علی بھائی بالوانی۔ ریلیجیس نائٹ اسکولز کے لیے خاص درسی کتاب، صفحہ ۴۹ مطبوعہ: اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند، بمبئی۔

— مرشد یعنی امام حاضر کو ہر بات کی خبر ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ مہر (یعنی امام کی تصویر) کے بجائے شراب کو سجدہ کرو، تو کرنا چاہیئے، کیونکہ مرشد کا فرمان ہے۔

مرتضیٰ علی بزرگ ہیں۔ ان کے فرمان ماننے چاہئیں، کیونکہ وہ خود اپنی قدرت سے گناہ بخش کر جنت میں بھیج سکتے ہیں۔

— خلیفہ عثمان کے وقت میں، کچھ حصہ قرآن شریف میں سے نکال دیا گیا ہے اور کچھ حصہ بڑھا دیا گیا ہے۔

امام حاضر کے پاس ہر وقت ایک نئی چیز ہوتی ہے۔ یہ اس وقت بتانے کی نہیں ہے بعد میں ہم بتلائیں گے۔

— عورتیں جو برقعے پہنتی ہیں، وہ اچھی بات نہیں ہے، مگر اپنے دل کی آنکھوں پر حیا کا برقعہ ڈالو، تاکہ تمہارے دل میں کبھی کوئی برا خیال نہ آئے۔

— لوگ کربلا میں جا کر اپنا وقت کیوں بیوکٹ میں ضائع کرتے ہیں؟ حضرت امام حسین جماعت خانہ میں تشریف فرما ہیں، اس لیے (جماعت خانہ) میں آئیے۔

— آج کے دن تک جتنے گناہ آپ لوگوں نے کیے ہیں، وہ سب ہم معاف کرتے ہیں۔ اب آئندہ گناہ نہ کرنا۔

— ہمارے سارے روحانی بچوں کا مذہبی اور معاشرتی فرض اوّلین ہے کہ اپنی پوری وفاداری سے اور کلی طاقت سے برٹش حکومت سے تعاون کریں۔ سلطنت

کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک اسمٰعیلی تاریخ کے صفحوں سے غائب ہوگئے اور پھر انیسویں صدی میں، ایران میں، انگریزوں کے خفیہ پولیس کے ایجنٹ کے طور پر نمودار ہوئے اور حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش ناکام ہونے کی وجہ سے ایران سے فرار ہوکر سندھ آگئے۔ یہاں پہنچ کر ایک طرف افغانستان پر قبضہ کرنے کے لیے، انگریزوں سے افغانستان پر حملہ کروایا، جس میں اس امید پر مدد کی کہ انگریز افغانستان کو آغاخان اوّل کے حوالے کردیں گے۔ جب یہ چال ناکام ہوئی اور انگریز خود افغانستان سے نکالے گئے، جو اس وقت ایک سپرپاور تھے، تو انہوں نے انگریزوں کو سندھ فتح کرنے کی ترغیب دی اور اس میں ان کی مدد کی۔ آغاخان اوّل کا اصل مقصد سندھ پر اسمٰعیلی حکومت قائم کرنا تھا، لیکن یہ کوشش بھی انگریزوں کی ڈپلومیسی کے سامنے بے کار گئی۔

اس کے بعد ایک طویل سازش کی گئی، جس کے تحت انگریزوں سے مکمل تعاون کیا گیا اور اپنی خدمات کے سلسلے میں کبھی مصر اور کبھی سنکیانگ کو اسمٰعیلی ریاست کے لیے انگریزوں سے مانگا



گیا، مگر انگریزوں نے ہز ہائی نس اور پرنس کا خطاب تو دے دیا، لیکن کوئی ریاست یا ملک کبھی نہیں دیا۔ قاری فیض اللہ کے مطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان انگریزوں اور ہندوؤں کی تمام تر مخالفت کے باوجود، دنیا کے نقشہ پر، سب سے بڑی اسلامی ریاست کے طور پر نمودار ہوا۔ آغا خان سوئم نہ صرف پاکستان بننے کے خلاف تھے، بلکہ پاکستان بنانے والے یعنی قائداعظم محمد علی جناح کے بھی خلاف تھے۔

آغاخان سوئم اگرچہ ابتدا میں مسلم لیگ کے صدر رہ چکے ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی تحریکِ پاکستان کے دور میں، پاکستان کی حمایت میں کوئی بیان نہیں دیا۔ وہ کبھی یہ فراموش نہیں کرسکتے تھے کہ قائداعظم نے اسمٰعیلی مذہب ۱۹۱۸ء میں چھوڑ دیا تھا اور اب ان کے پیرو نہیں رہے تھے، لہٰذا قائداعظم سے اپنی نفرت کی وجہ سے آغاخان کی کبھی بھی ہمت نہیں ہوئی کہ ان کی زندگی میں پاکستان آتے۔ آغاخان کو معلوم تھا کہ قائداعظم، آغاخان سوئم کو شروع سے انگریزوں کا ایجنٹ سمجھتے تھے اور اس لیے ان کو ناپسند کرتے تھے، لیکن قائداعظم کے انتقال اور شہید ملت کے قتل کے بعد آغاخان سوئم نے اپنی پالیسی بدلی اور ایک طرف تو اسمٰعیلیوں سے یہ کہا کہ وہ پاکستان کی معیشت پر قبضہ کرنے کا مکمل پلان بنائیں اور دوسرے اس وقت کے جنرل ایوب خان کو جنوبی فرانس بلاکر اور اپنا مہمان رکھ کر جمہوریت ختم کرکے مارشل لا قائم کرنے کا مشورہ دیا۔

قاری فیض اللہ مزید لکھتے ہیں، یاد رکھیے، اقلیتیں ہمیشہ (برطانیہ) اپنے مذہب واپنے مقصد اور اپنی آزادی کی محافظ ہے، اس لیے اس وقت پُرخلوص وفاداری کے ساتھ لامتناہی خدمات انجام دینی چاہئیں۔

(آغاخان سوئم کے فرامین کا مجموعہ)

کلام امام مبین: یکے از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی۔

— یاد رکھنا چاہیے کہ امام حاضر کے فرامین کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ امام حاضر کے احکام کی خلاف ورزی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

حوالہ، کلام الٰہی یعنی فرامین امام مبین۔ از عالیجاہ سلطان "۷" نور محمد۔ مطبوعہ: اسمٰعیلیہ پرنٹنگ پریس بمبئی، برائے اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے افریقہ تنزانیہ۔

دوسرا سبق۔ یاعلی مدد

یاعلی مدد ہمارا سلام ہے۔

"مولا علی مدد" سلام کا جواب ہے۔

یاعلی بابا ہماری مدد کرتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے "یاعلی مدد" بولتے رہنا۔ گھر سے باہر نکلتے وقت "یاعلی مدد" بولنا۔ مذہبی اسکول میں داخل ہوتے وقت "یاعلی مدد" کہنا۔ گھر میں داخل ہوتے وقت "یاعلی مدد" کہنا۔ ماں باپ کو "یاعلی مدد" کہنا (سلام کے طور سے) بھائی اور بہن کو "یاعلی مدد" کہنا۔

پہلا سبق

ہم امامی اسمٰعیلی "امام حاضر" کے مرید، خدا کا نور جو "امام حاضر ہیں" روشن ہے، اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

دوسرا سبق

قرآن شریف کی صحیح سمجھ اور اس کے چھپے بھیدوں کے صحیح معنی اور صحیح علم "امام حاضر" کو ہی ہوتا ہے "امام حاضر" قرآن ناطق (یعنی بولتا ہوا قرآن) ہے۔ اس لیے اس کے فرمانوں کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ اس کے فرمانوں پر عمل کرنے والے دنیا میں فلاح پاتے ہیں۔

امام کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کے برابر ہے۔ امام کا چہرہ خدا کے چہرے کے برابر ہے۔ عقیدت سے امام کا دیدار کرنے والا خدا کا دیدار کررہا ہے۔

حوالہ، شکشنی مالا نمبر۳، منظور شدہ درسی کتاب برائے ریلیجس نائٹ اسکولز۔ یکے از مطبوعہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، بمبئی

— قرآن کے چالیس سپارے ہیں، جس میں سے تیس پارے اس دنیا میں ہیں اور دس سپارے اجرباقی رہے ہیں، وہ اس (امام) کے گھر میں ہیں۔ ان (دس پاروں) کو اطہر وید کہتے ہیں۔ ست گرو (امام) کی زبان یہی (دس پارے) ہیں۔

— جو کوئی بھی یقین سے اس کے اللہ کو علی کہتے ہیں اور جو اللہ کو علی ہی مانتے ہیں۔ حضرت علی نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیر کی حیثیت سے تقرر کیا۔ وہ یعنی علی اور محمدؐ دونوں ایک ہی ہیں۔

لوگ ان کو الگ الگ خیال کرتے ہیں۔

حضرت علی کو خالق وشنو کہیے اور نبی حضرت محمدؐ برہما جی کا اوتار ہیں۔

علی کو اللہ کہہ کر اس کا سہارا حاصل کرو۔

جو لوگ علی کو دل سے مانیں گے، ان کی آل اولاد میں اضافہ ہوگا اور وہ فلاح پائیں گے، اسی وجہ سے نرعلی کی اطاعت وعبادت کرنا۔ اسی نرجی کی دشون (دسواں حصہ)، اگر آپ نرعلی کو دشون دیتے رہیں گے، تو آپ کی آل اولاد اور مال میں برکت ہوگی اور وہ یعنی علی آپ کا ایمان سلامت رکھے گا۔ اس لیے کہ ہمارا یہ نرعلی (پوری کائنات کا) خالق مطلق ہے۔

حوالہ: گینان مومن چیتامنی۔ از: سید امام شاہ "مقدس گینانوں کا مجموعہ"

شائع کردہ: ایچ آر ایچ دی آغاخان اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند، بمبئی۔

آغاخانی اپنا علیحدہ قومی نشان، قومی پرچم اور قومی ترانہ بھی تیار کر چکے ہیں

سازش سے ہی حکومت پر قبضہ کرتی ہیں۔ اس پلان کے تحت پرنس علی خان کو پاکستان کی فوج میں پشاور میں کرنل کا عہدہ دیا گیا اور اقوام متحدہ میں پاکستان کا نمائندہ مقرر کیا گیا لیکن یہ پلان اس لیے ناکام ہوگیا کہ علی خان کا موٹر کے ایک حادثے میں، پیرس میں انتقال ہوگیا۔ اس لیے اب ایک نیا منصوبہ بنانا پڑا، جس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے کا مطلب شمالی علاقوں میں ایک مثالی اسمٰعیلی ریاست قائم کرنا اور دوسرے حصے میں پورے پاکستان کی معیشت پر کنٹرول کر کے، پاکستان پر اسمٰعیلی حکومت قائم کرنا ہے۔ یہ خواب اگر شرمندۂ تعبیر ہوگیا، تو اسمٰعیلیوں کی ایک الگ ملک کے لیے آٹھ سو سالہ جدوجہد کامیاب ہو جائے گی اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ اسمٰعیلیوں نے اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے، اپنے مخالفین کو قتل کروانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ انہوں نے صلیبی جنگوں کے دور میں عیسائیوں سے سازش کر کے اسلام کے مشہور ہیرو سلطان صلاح الدین ایوبی کو بھی قتل کرنے کی کوششیں کیں، اس لیے یہ صرف حسنِ اتفاق نہیں ہے کہ علامہ احسان الٰہی ظہیر نے اپنی آخری کتاب "اسمٰعیلیہ" لکھی اور ان کے جلسے میں ان کو پھولوں کا گلدستہ پیش کر دیا گیا۔

اس لیے پاکستان کی تاجر برادری خصوصاً میمن، چنیوٹی اور دہلی کے پنجابی سوداگران، اس امر پر غور کریں کہ کیا وہ آغاخانیوں کی اس معاشی سازش کو یعنی پاکستان کی معیشت پر مکمل قبضہ کو کامیاب ہونے دیں گے اور دوسری اہم بات، جس پر ہماری فوج، دانشوروں اور علماء کو غور کرنا ہے، یہ ہے کہ اگر آغاخان شمالی علاقوں میں اسمٰعیلی ریاست قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو پاکستان کی سرحدیں، روس اور چین سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کٹ جائیں گی اور پاکستان کی بین الاقوامی سیاست میں ثانوی حیثیت ہو جائے گی۔

قاری فیض اللہ کے مذکورہ بالا بیان کی تائید ایک اور کتابچہ سے بھی ہوتی ہے، جو مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۸۵ء کو پشاور میں، چترال کے ایک اور باشندے اور مدینہ مسجد کے خطیب عبیداللہ چترالی نے شائع کیا۔ ان کے بیان کے مطابق، اسمٰعیلی تاریخ کے تحت انگریزوں نے اس فرقہ کو منظم کرنے میں بڑی دلچسپی لی اور عدالتی فیصلہ کے ذریعے آغاخان کو اس فرقے کا پیشوا قرار دے کر اس کو مختلف القابات و اعزازات سے نوازا، جس کی وجہ سے اب بھی آغاخان کو "پرنس" کا لقب دیا جاتا ہے۔ پھر بھی یہ فرقہ اپنے عقائد و عزائم کو ظاہر کرنے سے گریزاں تھا اور اندر ہی اندر اپنے آپ کو مستحکم بنانے میں معروف تھا، مگر جب افغانستان پر روس کا تسلط ہوا، اس وقت سے یہ فرقہ منصۂ شہود میں آیا اور نہ صرف اپنے عقائد کا برملا اظہار کرنے لگا، بلکہ مسلمانوں کو اپنے عقائدِ باطلہ کی طرف دعوت دینے اور علماء کو چیلنج دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نیز آغاخان فاؤنڈیشن وغیرہ ناموں سے رفاہ عامہ کی صورت میں تنظیمیں بنا بنا کر مسلمانوں پر معاشی دباؤ ڈالنے کی کوشش کی اور کئی سرکردہ، بلکہ بہت سے دین دار افراد کو اپنے زیر اثر کیا، نیز تمام اہم محکموں میں اپنے فرقہ کے لوگوں کو بھرتی کر کے نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی بھرپور کوشش میں ہے۔

مولانا عبیداللہ کے بقول معتبر و مستند شواہد کے مطابق یہ فرقہ گلگت، چترال اور واخان کو ملا کر روس کی مدد سے ایک اسمٰعیلی اسٹیٹ بنانے کی فکر میں ہے۔ اخباری اطلاع کے مطابق روس، واخان پر قبضہ کرنے کے بعد زیرِ زمین سرنگ بنانے میں معروف ہے، تاکہ چترال اور گلگت کو براہ راست واخان اور روس کے ساتھ ملایا جائے اور یوں آغاخانی اسٹیٹ کے بارے میں روسی عزائم کو عملی جامہ پہنایا جائے۔ آغاخان نے روسی ساخت کے بہت سے ہیلی کاپٹر خرید کر چترال اور گلگت کے لیے وقف کر دیے ہیں، جو ہر وقت مسلمانوں کو ذہنی طور پر مرعوب کرنے میں عملاً معروف ہیں، نیز سیاحت کے نام سے بہت سارے اہم مقامات پر کنٹرول حاصل کر کے اپنے لیے مرکز اور منصوبہ جات کے وسائل بنائے جا رہے ہیں۔ اسی سلسلے میں "پرنس امین آغاخان" کئی بار پاکستان کا دورہ کر کے گلگت، سوات، چترال، پشاور اور دیگر کئی اہم مقامات میں اہم ہوٹلوں وغیرہ کو ٹھیکے پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔

عبیداللہ چترالی نے مزید لکھا کہ اس باطل فرقہ کے خلاف جب بھی آواز اٹھتی ہے، تو حکومت اپنی لاعلمی یا غفلت کی وجہ سے پورے زور کے ساتھ، اس کو دبانے کی کوشش کرتی ہے۔ حال ہی میں حکومت نے اس فرقہ کے خلاف طبع شدہ تمام کتابوں، جرائد، پمفلٹ، فتاویٰ، اور اشتہارات کو ضبط کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ پاکستان میں اس کی بہت کم مثالیں ملتی ہیں کہ حکومت نے کسی فرقہ کی اس طرح کھل کر اور بے تحاشا مدد اور پشت پناہی کی ہو۔ حکومت اس فرقہ کے سرکردہ افراد سے اتنی متاثر ہے کہ ان کی پسند و ناپسند کے افراد کو آگے پیچھے کرنے میں، ان کے اشاروں کی منتظر رہتی ہے اور آئے دن علمائے کرام کو قید و بند، ضلع بدری اور مختلف ذہنی اذیتیں دی جا رہی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حکومت کی نظر میں یہ تمام امور فرقہ واریت کو دبانے کیلئے کئے جا رہے ہوں، مگر ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے فرقہ واریت دبنے کی بجائے مزید ابھرتی ہے اور ایک باطل فرقہ کو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل میں پوری طرح مدد ملتی ہے۔

عبیداللہ چترالی کے مطابق، ادھر علمائے کرام، دانشوروں اور عام مسلمانوں کی خاموشی بھی تعجب خیز ہے۔ عوام تو کیا بہت سے خواص کو بھی اس زہریلے فرقہ کے زہریلے پلاپل کا علم تک نہیں اور جو حضرات اس کے خلاف اعانت و امداد طلب کرتے ہیں، ان کی اپیل کو درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا جو آگے چل کر سخت نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے، لہٰذا ہم تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس فرقہ کی شرارتوں سے باخبر ہو جائیں اور ان کی جملہ حرکات و سکنات کا نوٹس لیں، چنانچہ اراکین قومی اسمبلی سے مطالبہ کرتے ہوئے، انہوں نے زور دیا کہ (۱) آغاخان فنڈز کی رقومات کو زیرِ بحث لایا جائے کہ کس طرح جمع کیے جاتے ہیں اور کہاں اور کس طرح صرف ہوتے ہیں۔ (۲) آغاخان/آغاخان فاؤنڈیشن یا اس طرح کے دیگر ناموں سے، جو رقوم بینکوں میں جمع کی جاتی ہیں، ان پر ٹیکس لیا جائے۔ (۳) مملکت کے خلاف آغاخانی سازش کو اسمبلی میں زیرِ بحث لایا جائے۔ (۴) اس فرقہ کے کفری عقائد کی بنا پر اس کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ اس فرقہ کے ظاہری کر و فر کو دیکھ کر حقیقی سازش سے چشم پوشی نہ کرے۔ علماء پر ناروا پابندیاں لگانا بند کرے اور جن حضرات پر پابندی عائد ہے، وہ اٹھالی جائے۔ اس سازش کی حوصلہ افزائی چھوڑ کر اس کے خلاف کارروائی کرے اور آغاخانیت کو خلافِ قانون قرار دے، اس فرقہ کے خفیہ اجتماعات اور جلسوں پر پابندی لگا دے یا ان کا مکمل نوٹس لے۔ ان کے مذہبی اجتماعات میں مسلمان اہلسنت والجماعت کے افراد کو بطور مبصر بھیجے۔ آغاخانی اسکولوں، کالجوں اور آغاخان میڈیکل کالج کو سرکاری تحویل میں لے لے۔

چترال سے تعلق رکھنے والے ان دو مسلمان محبِ وطن شہریوں کی بیان کردہ تفصیلات کی روشنی میں جب ہم اسمٰعیلی طبقے کے کردار اور رویے کا پاکستان میں بغور جائزہ لیتے ہیں تو ان میں سے بیشتر الزامات حقیقت سے قریب تر نظر آتے ہیں۔

اس سلسلے میں تکبیر نے کراچی میں آباد اسمٰعیلی طبقۂ آبادی کے ایک خصوصی سروے کے دوران مختلف مکاتبِ فکر اور خود آغاخان کے پیروؤں سے تفصیلی گفت و شنید کے بعد جو نتائج اخذ کئے ان کے مطابق قیامِ پاکستان کے بعد ابتدائی چند برسوں کے دوران کراچی اور سندھ میں اسمٰعیلی طبقے کی آبادی بہت کم تھی لیکن ایک اندازے کے تحت آج صرف کراچی شہر میں ان کی تعداد ۶۰ تا ۷۰ ہزار خاندانوں پر مشتمل ہے جن کا بیشتر حصہ یوگنڈا اور دیگر افریقی ممالک سے نکالے گئے افراد پر مبنی ہے ۔ اس کے علاوہ سابق مشرقی پاکستان سے بھی ان کی ایک بڑی تعداد سقوطِ ڈھاکہ سے تقریباً چھ ماہ قبل بحفاظت کراچی اور ملک کے دیگر شہروں میں منتقل ہو چکی تھی۔ بعض باخبر ذرائع کے مطابق سقوطِ ڈھاکہ کے فیصلے کا علم ان کے رہنماؤں کو بہت عرصہ پیشتر ہو چکا تھا لہٰذا اندرونِ خانہ انہیں ہدایات دی جا چکی تھیں کہ اپنے اہلِ خاندان کو جلد از جلد وہاں سے رخصت کر دیں اور صرف مرد حضرات اپنے کاروباری معاملات کے لیے وہاں باقی رہیں اور پھر مردانہ آبادی بھی اپنے تمام اثاثے اور نقد رقوم کرکے ایک وقتِ متعین پر بحفاظت وہاں سے نکل آئی تھی ۔

ان ذرائع کے مطابق حیرت انگیز طور پر ان کے انخلا کے بعد جو اثاثے وہاں باقی رہ گئے تھے انہیں شیخ مجیب الرحمٰن کی بنگلہ دیشی حکومت نے باقاعدہ تحفظ فراہم کیا تھا یہی وجہ تھی کہ سقوطِ ڈھاکہ سے قبل اور اس کے بعد ہونے والے تمام تر قیامت خیز ہنگاموں اور درندگی کے مظاہروں کے باوجود جن میں غیر بنگالی پاکستانیوں کی عزت، عصمت، جان اور مال کو مکمل طور پر لوٹا اور برباد کیا گیا ۔ اسمٰعیلی طبقۂ آبادی کی جانیں اور مال سب کچھ مکمل طور پر محفوظ رہا اور بعد میں جب وہاں کے حالات کچھ سنبھل گئے تو ان میں سے بیشتر افراد دوبارہ وہاں منتقل ہو کر مختلف قسم کے کاروبار میں مصروف ہو گئے ان افراد اور ان کے اہلِ خانہ کی آج بھی بنگلہ دیش اور پاکستان میں آمد و رفت برقرار ہے اور ان کے کاروبار کا معتدبہ حصہ دونوں ملکوں کے درمیان ہنڈی کے ناجائز کاروبار کے ذریعہ پاکستان سے بنگلہ دیش کو کرنسی کا تبادلہ ہے ۔ کیونکہ گزشتہ دس برسوں کے دوران بنگلہ دیش سے بے روزگار بنگالیوں کی ایک بہت بڑی تعداد غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوئی ہے جس کا ایک بڑا حصہ صرف کراچی میں مقیم ہے ۔ ایک اندازے کے مطابق ان غیر قانونی بنگلہ دیشیوں کی کراچی میں مقیم تعداد پانچ لاکھ افراد سے بھی تجاوز کر چکی ہے ۔ جو شہر کے مختلف تجارتی و صنعتی اداروں کے علاوہ شہر کے فیشن ایبل علاقوں کی کوٹھیوں میں گھریلو ملازمین کے طور پر کام کرتے ہیں ۔ چونکہ ان تمام افراد کی کمائی ہوئی رقوم کو کراچی سے بنگلہ دیش منتقل کرنے کا کوئی قانونی ذریعہ موجود نہیں ہے لہٰذا ہنڈی کے کاروبار کے ذریعہ ان بھاری رقموں کو اسمٰعیلی طبقۂ آبادی کے وہ افراد جو دونوں ملکوں میں موجود ہیں یہاں سے وصول کرکے بنگلہ دیش کی مقامی کرنسی میں ادائیگی کرتے ہیں ۔

پاکستان میں آباد اسمٰعیلیوں کی ایک اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جتھہ کی صورت میں رہتے ہیں بالعموم ان کا کوئی خاندان کسی بھی آبادی میں تنہا نہیں رہتا ۔ یہ جہاں بھی آباد ہوں اپنی برادری اور قوم کی بنیاد پر ایک الگ جزیرہ بناتے ہیں ۔ چنانچہ کراچی جیسے عظیم الجثہ شہر میں آغاخانیوں کی آبادیں اور جماعت خانوں پر مشتمل لاتعداد جزیرے وجود میں آ چکے ہیں جن کے نظم و نسق ان کی اپنی جماعت کی قائم کردہ سوسائٹیاں چلاتی ہیں ۔ ان جزیروں میں کوئی غیر اسمٰعیلی بلا اجازت و مرضی کے ہرگز داخل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے حفاظتی انتظامات بہت سخت ہوتے ہیں ۔

یہ اسمٰعیلی جزیرے جن جن علاقوں میں قائم کئے گئے ہیں ان کے ایک جائزے کے مطابق کھارادر، لی مارکیٹ، رنچھوڑلائن

اسماعیلی رہنما اپنی خدمات

کے عوض مصر اور سنکیانگ کو

بھی اسماعیلی ریاست کے قیام

کے لیے مانگتے رہے ہیں

گارڈن ایسٹ اور گارڈن ویسٹ میں ان کی ۲۲ کوآپریٹو سوسائٹیاں موجود ہیں جن میں فدائی ہاؤسنگ سوسائٹی کے بنگلے ہیں اور فلیٹوں میں پرنس علی خان، پلاٹینم ہاؤسنگ سوسائٹی، البیلا سوسائٹی، الہلال سوسائٹی، نور ولا سوسائٹی، لا بیلا سوسائٹی اور جوبلی سوسائٹی وغیرہ شامل ہیں ۔ اسی طرح ناظم آباد میں گول مارکیٹ کے پاس، پیر الٰہی بخش کالونی میں امین آباد، نارتھ ناظم آباد بلاک سی میں نظاری ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک بی میں حسن آباد، زہرہ آباد، نور اپارٹمنٹس، کریم آباد میں علی آباد، رحیم آباد اور سلیم آباد اور بے شمار دیگر سوسائٹیاں شامل ہیں ۔ جبکہ کلفٹن میں بھی بہت بڑی آبادی ہے جس میں ہاشو اپارٹمنٹس اور بقیہ بنگلے ہیں جبکہ کورنگی اور ملیر میں بھی کئی آبادیاں موجود ہیں ۔

اندرونِ سندھ آباد اسمٰعیلی خاندانوں کی تعداد ۲۵ ہزار کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے جو حیدرآباد کی ٹھنڈی سڑک پر پرنس سوسائٹی کے نام سے ہے اس کے علاوہ سکھر، شکارپور اور ٹنڈو الہیار، ٹھٹھہ، کدم وغیرہ جیسے ہر چھوٹے بڑے شہر میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ ملتان اور پنجاب میں پوری زرگر قوم آغاخانی ہے ۔ اس کے علاوہ سرگودھا، لاہور اور فیصل آباد میں بھی اچھی خاصی تعداد میں ہیں ۔ پنجاب میں آباد اسمٰعیلی گھرانے زیادہ تر خود کو شیخ کہلاتے ہیں جبکہ سندھ میں خوجے کہلاتے ہیں پشاور اور مردان میں بھی، ان کی قابلِ ذکر تعداد موجود ہے ۔

چترال کی کل آبادی اندازاً ۲½ لاکھ بتائی جاتی ہے جس کی چھ تحصیلیں ہیں ان میں سے صرف دو تحصیلوں دروش اور سٹی چترال میں آغاخانی حضرات نہیں ہیں جبکہ بقیہ چار میں سے تحصیل تُنکھو میں تقریباً ۹۹ فیصد گھرانے آغاخانی ہیں لہٰذا انہوں نے اس آبادی کا نام بدل کر کریم آباد رکھ دیا ہے ۔ تحصیل مستوج میں ان کی آبادی ۹۰ فیصد ہے اور یہ علاقہ گلگت سے ملتا ہے ۔ تحصیل تورکہو میں سنّی مسلمان اگرچہ اکثریت میں ہیں لیکن باخبر حلقوں کے مطابق واخان کے علاقے میں سرحد کے ساتھ ساتھ تمام آبادی اسمٰعیلیوں پر مشتمل ہے اس کے علاوہ تحصیل موڑکہو میں ان کی تعداد ۵ تا ۱۰ فیصد ہے ۔

گلگت کی آبادی اندازاً سوا تین لاکھ افراد پر مشتمل ہے ۔ اس کے تین ضلعے بلتستان، گلگت اور دیامیر ہیں ۔ ضلع گلگت میں تقریباً ۴۰ فیصد آبادی اسمٰعیلی ہے جبکہ باقی تعداد نصف سُنّی اور نصف شیعہ گھرانوں پر مشتمل ہے ۔ بلتستان میں ایک فیصد اسمٰعیلی ۴۰ فیصد نوربخشی شیعہ، ۲۵ فیصد اثناعشری شیعہ اور بقیہ ۳۴ فیصد سنّی آبادی ہے ۔ جبکہ ضلع دیامیر میں ۲ فیصد شیعہ اور باقی تمام سنّی افراد ہیں ۔ مقامی ذرائع کے مطابق تحصیل ہنزہ چین کی سرحد سے متصل ہے جہاں سے شاہراہ ریشم نکلتی ہے لیکن قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس علاقے کی پوری آبادی اسمٰعیلیوں پر مشتمل ہے جو محکمہ کسٹم میں سو فیصد موجود ہیں اور دیگر تمام سرکاری شعبوں میں بھی انہیں کا غلبہ ہے چنانچہ باخبر ذرائع کے مطابق یہاں کوئی مسجد موجود نہیں اور اذان کی آواز بھی کبھی نہیں آتی ۔ اس آبادی کے چین کے ساتھ خصوصی تعلقات ہیں ۔

ان ذرائع کے مطابق پرنیال، اشکومن، گوپس، یاسین، غزر، پھنڈر، سرگنگ، داس وغیرہ کے تمام علاقے چترال سے ملحق ہیں اور یہ تمام سرحدی علاقے ایسے ہیں جو اسمٰعیلی طبقۂ آبادی کے قبضہ میں ہیں اور واخان سے بہت قریب ہیں ۔ جبکہ واخان، بدخشاں اور پامیر کا علاقہ ایک بہت نازک خطہ ہے جہاں روس، افغانستان، چین اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحدیں ملتی ہیں ۔ لہٰذا روس نے واخان کا علاقہ اسی لئے افغان حکومت سے تحریری طور پر حاصل کر لیا ہے کہ وہاں آغاخانی آبادی موجود تھی اور ان لوگوں نے اس پر کوئی ترمیم یا احتجاج نہیں کیا

چترال میں اسماعیلی نوجوانوں پر مشتمل خصوصی فوج بنالی گئی ہے جسے جدید ترین اسلحہ سے لیس کیا جارہا ہے

... کا کہنا ہے کہ افغان صوبہ بدخشاں اور دیگر کئی علاقوں میں کئی لاکھ اسمٰعیلی آباد ہیں۔ باخبر ذرائع کے مطابق آزاد کشمیر میں سیاچن کا حصہ، ہنزا، پونیال، یاسین، گلگت، چترال کے متروج، لوشکہو، بیر مغل، کہت ریچ اور ملحقہ غیر ملکی علاقے مثلاً واخان، پامیر، بدخشاں، کران جنجان، شغنان، اشکاشم اور زیباک کا سارا علاقہ رقبہ کے لحاظ سے افغانستان کے برابر ہے۔ چنانچہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ کیا واقعی یہ طبقہ اپنے پیشوا شہزادہ کریم آغا خان چہارم کی رہنمائی میں ایک ایسی اسمٰعیلی ریاست کا مذکورہ بالا خواب دیکھ رہا ہے، جو پاکستان کے شمالی حصہ میں چند علاقوں پر مشتمل اور رقبہ کے اعتبار سے افغانستان کے برابر ہو۔

ان ذرائع کے مطابق آغا خانیوں نے اپنا علیحدہ قومی نشان بنا لیا ہے اور ایک علیحدہ پرچم بھی ہے جس کا رنگ سبز اور سرخ ہے اور اس کو وہ "اپنا جھنڈا" کہتے ہیں انہوں نے اپنا قومی ترانہ بھی علیحدہ کر لیا ہے جس کو وہ اسمٰعیلی ترانہ کہتے ہیں۔ آغا خان چہارم کو اس منصوبے میں روس کا مکمل تعاون حاصل ہے جس کی واضح علامات یہ ہیں کہ مشرقی پاکستان پر بھارتی حملے کے دوران اور سقوط ڈھاکہ کے موقع پر جملہ اسمٰعیلیوں نے روسی سفارت خانے میں پناہ حاصل کی تھی۔ شہزادہ صدرالدین آغا خان نے اقوام متحدہ کے تحت پناہ گزینوں کے ادارہ کے ڈائریکٹر جنرل کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کے پناہ گزینوں کے نام پر روس کی جانب سے عظیم ترین فضائی منتقلی میں اہم کردار ادا کیا جو جنگِ عظیم دوم کے بعد سب سے بڑا واقعہ تھا لیکن اس کی آڑ میں کلکتہ سے روسی اسلحہ اور جنگی سازوسامان بھی انہی ہوائی جہازوں کے ذریعے ڈھاکہ پہنچایا گیا تھا۔ اس کے علاوہ افغانستان میں روسی مداخلت کو پاکستان تک پہنچانے میں بھی ان کی کوششیں کافی نمایاں ہیں۔ ان ذرائع کا کہنا ہے کہ از راہِ کرم یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ آغا خان نے اب تک افغان مجاہدین کی قطعی کوئی مدد نہیں کی ہے اور نہ کوئی عطیہ دیا ہے حتیٰ کہ زبانی کلامی ہمدردی بھی نہیں کی ہے۔

جب کسی علاقہ پر سیاسی غلبہ یا فوجی قبضے کے لئے منصوبہ بندی کی جاتی ہے تو پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ اس کے لئے اندرونی ڈھانچہ تیار کیا جائے اور اس غرض کے لئے مختلف اداروں پر قبضہ جمایا جائے۔ آغا خانیوں نے اس مقصد کے تحت ضروری اندرونی ڈھانچہ تیار کر لیا ہے اور بہت سے اداروں پر تصرف حاصل کر لیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل سے واضح ہے۔

۱۔ بہت سی نئی سڑکیں بنائی جارہی ہیں جبکہ پہلے سے موجود سڑکوں کو نہ صرف از سرِ نو تعمیر کیا جارہا ہے بلکہ ان کو چوڑا بھی کیا جارہا ہے۔ اس کام کے لئے آغا خان فنڈ میں کافی رقم موجود ہے۔ واضح رہے کہ روس نے افغانستان پر قبضہ کرنے سے قبل افغانستان میں سڑکیں تعمیر کی تھیں۔

۲۔ سڑکوں سے متصل بہت سے زمین دوز راستے بنائے جارہے ہیں۔

۳۔ ان سڑکوں کو ایک دوسرے سے ملانے کے لئے بہت سے پل تعمیر کئے جارہے ہیں۔

۴۔ ہیلی پیڈ تعمیر کئے جارہے ہیں۔

۵۔ آمدو رفت کے لئے دلیہ ہیلی کاپٹر ہر وقت

مولانا شاہ کریم الحسینی الامام الحاضر الموجود ارحمنا واغفرلنا

PH: 712710
235611
713323
301-65
710102
227720
681858
632205

دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجس (مذہبی کمیٹی) نیو جماعت خانہ۔ بریٹو روڈ۔ کراچی ۳

آغا خانی مذہبی عبادات کا پیغام

حقیقی مومنوں کو یاعلی مدد!

بیان یہ ہے کہ ہم لوگ آغا خانی ہیں۔ ہمارا تعلق اسمٰعیلی تنظیم سے ہے جس کی ذمہ داری لوگوں کو مذہبی معلومات فراہم کرنا ہے۔ ہمیں جماعت خانوں میں مکھی صاحب کی زیرِ سرپرستی جو مذہبی تعلیم دی جاتی ہے اس کی روشنی میں ہم آغا خانی بندگی و عبادت جو جماعت خانوں میں کرتے ہیں اس کی وضاحتی تفصیل ہم تحریر کررہے ہیں۔

- سلام ہمارا ہے "یاعلی مدد" اور ہمارے سلام کا جواب ہے "مولا علی مدد"۔
- کلمہ ہمارا ہے: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ واشہد ان علی اللہ
- وضو کی ہمیں ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے دل کا وضو ہوتا ہے۔
- نماز کی جگہ ہر آغا خانی پر فرض ہے۔ تین وقت کی دعا جو جماعت خانے میں آکے پڑھے پانچ وقت فرض نماز کے بدلے ہیں۔ ہماری دعا میں قیام و رکوع کی ضرورت نہیں ہے ہمیں قبلہ رخ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہر سمت رخ کرکے پڑھ سکتے ہیں جس کیلئے دعا میں حاضر امام کا تصور لانا بہت ضروری ہے (ہم دعا کی کتاب اس پیغام کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ آپ خود بھی پڑھیں اور دوسرے روحانی بھائیوں کو بھی دیں)
- روزہ تو ہمارا آنکھ، کان اور زبان کا ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہمارا روزہ سوا پہر کا ہوتا ہے جو صبح دس بجے کھول لیا جاتا ہے۔ وہ بھی اگر مومن رکھنا چاہے ورنہ روزہ فرض نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں جس مہینے کا چاند جب بھی جمعہ کے روز کا ہو گا اس دن ہم روزہ رکھتے ہیں۔
- زکوٰۃ کی بجائے ہم آمدنی میں روپیہ پر دسواں (دسوند) ہم فرض سمجھ کر جماعت خانے میں دیتے ہیں۔
- حج ہمارا حاضر امام کا دیدار ہے کیونکہ اس لئے کہ زمین پر خدا کا روپ صرف حاضر امام ہے۔
- ہمارے پاس تو بولتا قرآن یعنی حاضر امام موجود ہے۔ مسلمانوں کے پاس تو خالی کتاب ہے۔
- ہمارے صبح و شام تک کے گناہ مکھی صاحب چھینٹا ڈال کر معاف کرتے ہیں ہم ہر... سے اگر کوئی آدمی روز جماعت خانہ جانے کے تو مکھی کو پیسے دے کر چھینٹا ڈلوا کر اور آبِ شفا (یعنی گھٹ پاٹ) پی کر اپنے گناہ معاف کرا سکتا ہے اور اگر کوئی جمعہ کے روز بھی جماعت خانہ نہ جا سکے تو مہینہ بھر کے گناہ چاند رات کو پیسے دے کر چھینٹا ڈلوا کر آبِ شفا (گھٹ پاٹ) پی کر گناہ معاف کرا سکتا ہے۔
- ہماری بندگی و عبادات کا طریقہ یہ ہے کہ:

حاضر امام ہمیں ایک بول (اسم اعظم) دیتے ہیں جس کے عوض ہم ۵ روپے ادا کرتے ہیں جس کی بندگی و عبادت ہم رات کے آخری حصے میں ادا کرتے ہیں۔ ۵ سال کی بندگی و عبادت معاف کرانے کے ہم ۵ سو روپے اور ۱۲ سال کی بندگی و عبادت معاف کرانے کے ۱۲ سو روپے اور لائف ممبر (پوری لائف (عمر) کی بندگی معاف کرانے کے ۵ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔ نورانی حاضر امام کے نور کو حاصل کرنے کے لئے ... ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں جس سے ہمیں حاضر امام کا نور حاصل ہوتا ہے۔ فدائین: قیامت کے روز حاضر امام سے ہم اپنے آپ کو بخشوانے (یعنی حاضر امام کے نور کے ساتھ اپنے نور کو ملانے جانے کا خرچہ پچیس ہزار روپیہ ہم جماعت خانے میں دیتے ہیں۔ نانذی: ہم نانذی خیرات کو کہتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں بہترین قسم کے پکنے والے کھانے، عمدہ قسم کے کپڑے و زیورات ہم جماعت خانوں میں خیرات (نانذی) دیتے ہیں۔ جماعت خانے والے اس نانذی کو نیلام کر کے اس کی رقم جماعت خانے میں جمع کر دیتے ہیں۔

ایک اہم وضاحت کرنا بہت ضروری ہے کہ ہمارا مذہب صدیوں پرانا ہے آج تک اس پر کسی نے تنقید نہیں کی۔ اگر ہمارا مذہب غلط ہوتا تو کب کا ختم ہو جاتا۔ اب اگر مسلمانوں کو یا ان کے علماء کو ہمارے مذہب میں کوئی خامی نظر آتی ہے یا کوئی اعتراض ہے تو وہ ہمارے جنیدلوں برائے ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان نیشنل کونسل برائے پاکستان سے وضاحت کیوں طلب نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے علماء بھی تنقید کرتے ہیں لیکن ہمارے حاضر امام سے وضاحت طلب کرنے میں کیوں ہچکچاتے ہیں؟ کیا وہ ہمارے حاضر امام سے ڈرتے ہیں؟ صدیوں مسلمانوں کے علماء نے ہمارے مذہب پر کبھی تنقید نہیں کی تو یہ پندرھویں صدی کے علماء آخر کہاں سے بیدار ہو کر ہم پر تنقید کرنے لگے؟ بر سرِ اقتدار حکومت وقت کی تائید ہمیں حاصل رہی ہے۔ یہی یہ بات ہمارے مذہب کے برحق ہونے کی حقیقت ہے۔

حقیقی مومنو! تم لوگ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہو اگر تم سچے ہو۔ دنیا میں تو اس طرح کے فتنے اور الزامات تو آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ ہمیں اور آپ کو حضور مولانا حاضر امام ہمیشہ نور آباد رکھے اور اس کا دیدار نصیب ہو (آمین)

آخری کلمہ: یا شاہ کریم الحسینی انت الامام الحاضر الموجود (سجود) اللھم لک سجودی وطاعتی

نوٹ: اس پیغام کی نقل سبھی جماعت خانوں کو روانہ کر دی گئی ہیں۔

فقط عاشق علی (پریذیڈنٹ)
دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان نیشنل کونسل برائے پاکستان
ریلیجس (مذہبی) کمیٹی



آغاخان نے اب تک افغان مجاہدین کی نہ کوئی مالی امداد کی ہے، نہ زبانی ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔

موجود رہتے ہیں۔

۶۔ دیہاتی ترقی کے نام پر پانی کی فراہمی کو یقینی بنایا جارہا ہے۔

۷۔ علاج کے سلسلے ایمرجنسی کے نام پر دائرلیس کی قدمات بھی مہیا کی گئی ہیں۔

۸۔ شمالی علاقہ جات اگرچہ اعلیٰ صحت مندی کے لئے معروف ہیں اور وہاں وبائی اور چھوت چھات کی بیماریاں نہیں ہوتیں لیکن اس کے باوجود علاج کے نام پر سینکڑوں فی تبلیغی یونٹ قائم کئے جارہے ہیں۔

۹۔ سینکڑوں تعلیمی ادارے کھولے جارہے ہیں تاکہ یہاں کی آبادی کو اسلام سے برگشتہ کرکے اسمٰعیلی مسلک کی ترویج کے لئے راستہ ہموار کیا جائے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ تین سو سال قبل ہند و پاک میں ایک بھی عیسائی نہ تھا لیکن آج عیسائی اسپتالوں اور تعلیمی اداروں کے قیام کے بعد جیسوٹ، رومن کیتھولک، سیونتھ ڈے ایڈونٹسٹ جیسے ہر مسلک کے عیسائیوں کی کافی تعداد یہاں موجود ہے۔

۱۰۔ ڈاک کی ترسیل کا انتظام بھی آغاخانیوں کے ہاتھ میں ہے اور علاقے کا پوسٹ ماسٹر جنرل ان کا اپنا آدمی ہے۔

۱۱۔ پاکستانی افواج میں اسمٰعیلی افراد زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھرتی ہورہے ہیں اور گزشتہ دس سال کے مقابلے میں آج اس بھرتی کی رفتار کئی گنا زیادہ ہوچکی ہے۔

۱۲۔ سول محکموں مثلاً پولیس اور انتظامی امور سے متعلق سرکاری دفاتر میں بھی یہی صورت حال ہے۔

۱۳۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں کا ایک جال بچھا دیا گیا ہے جس میں حکومت کا بھی کچھ تعاون حاصل کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں مختلف ذرائع کے مطابق یہ بات قابلِ توجہ ہے کہ ان ہوٹلوں کے لئے سرمایہ مختلف نجی اور بیرونی ممالک کے بینکوں سے آیا ہے جبکہ ان بینکوں میں متعدد بینک غیر ملکی یہودیوں کے تصرف میں ہیں جن کی شرح سود بہت زیادہ ہے۔ ان ہوٹلوں میں سیرینا ہوٹلز پرل کانٹی نینٹل (انٹر کانٹی نینٹل)، ہالی ڈے ان اور شیرٹن ہوٹل سب ہی شامل ہیں۔ آج کی دنیا میں منشیات، فحاشی، جوئے اور سازشوں میں ہوٹلوں کا جو کردار ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں رہا۔

۱۴۔ ایک نیوز ایجنسی بھی قائم کی گئی ہے جس کا دائرۂ کار صرف تیسری دنیا کے مسلم ممالک تک محدود ہے۔

۱۵۔ بعض اطلاعات کے مطابق ایک اخبار کا ڈیکلریشن بھی حاصل کرلیا گیا ہے جس کی اشاعت جلد متوقع ہے۔

۱۶۔ شمالی علاقوں میں آغاخان فاؤنڈیشن کے رورل سپورٹ پروگرام میں غیر ملکی یہودی ادارے اور بعض بیرونی ممالک کی حکومتیں خصوصی دلچسپی لے رہی ہیں۔ مثلاً حکومت کینیڈا، حکومت امریکہ، حکومت ہالینڈ کے علاوہ البرٹ ایڈ، او ڈی اے آکس فام، یو ایس ایڈ اور فورڈ فاؤنڈیشن وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

اس سلسلے میں حاصل شدہ معلومات کے مطابق آغاخان فاؤنڈیشن کا دنیا کے کسی اور ملک یا خطے میں اس نوعیت کا

> سرحدی پاکستان پر چھائے ہوئے
>
> سکے دوران اسماعیلیوں کو روسی
>
> سفارت خانے نے پناہ فراہم کی۔

کوئی ترقیاتی پروگرام موجود نہیں ہے۔ آغاخان فاؤنڈیشن کا صدر دفتر سوئٹزرلینڈ کے دارالحکومت جنیوا (یورپ) میں ہے اور ایک رپورٹ کے مطابق شمالی علاقوں کے مذکورہ پروگرام کو خصوصی طور پر پاکستان کے لئے تیار کیا گیا ہے اس پروگرام کی ایجاد، تیاری اور عملی مراحل تک پہنچانے کا سارا کام ایک غیر ملکی شخص رابرٹ ڈی آر کی شل نے انجام دیا جو اس پروگرام کا ڈائریکٹر ہے اور جنرل مینجر کے فرائض مسٹر گیلیم ڈی ایپولیرج ادا کررہا ہے اور متعدد غیر ملکی یہودیوں کی آمد و رفت جاری ہے۔

ان ذرائع کے مطابق یہ پروگرام دیدہ دانستہ اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ اس سے سماجی و اقتصادی طور پر زیادہ سے زیادہ آغاخانی حضرات ہی مستفید ہوں۔ چنانچہ ان سرگرمیوں کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ یہودیوں کی طرز پر پسندیدہ افراد کا ایک اعلیٰ طبقہ تشکیل پا رہا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسمٰعیلی حضرات ان علاقوں میں زیادہ سے زیادہ اراضی خرید رہے ہیں اور اپنی دولت مندی کی بنیاد پر ان علاقوں کے معاشرہ میں ان کا غلبہ بڑھتا جارہا ہے جس کے نتیجے میں ایک طرف آغاخانیوں کا دولت مند ترقی یافتہ طبقہ وجود میں آگیا ہے تو دوسری جانب فلاکت زدہ منتشر اور بے سروسامان سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ اس کے ساتھ ہی باخبر حلقے ایک اور انکشاف کرتے ہیں کہ قابلِ غور بات یہ ہے کہ تمام روئے زمین پر آغاخانیوں کی ایک بھی مسجد نہیں ہے لیکن آغاخان نے چترال کے گزشتہ دورے میں چند لاکھ روپے ایک مسجد کی تعمیر کے لئے دیئے ہیں جس کا مقصد صرف خود کو مسلم ظاہر کرنا ہے۔ بعض باخبر حلقوں کے مطابق چند برس پیشتر آنجہانی شریمتی اندرا گاندھی کو ایک مرض لاحق ہوا تھا جب ان کے پیٹ میں ناگر، ہنزہ، گلگت اور اسکردو کے لوگوں کا درد اٹھا تھا اور کئی بیانات منظرِ عام پر آئے تھے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہاں ہندو آباد تھے بلکہ ہمدردی آغاخانیوں سے کی گئی تھی۔ اس دوران چترال میں آغاخانیوں اور مسلمانوں میں جو فرقہ وارانہ فساد ہوئے تو آغاخانی آبادی نے "پاکستان مردہ باد اور روس زندہ باد" کے نعرے بلند کئے تھے۔

مسلمان علمائے دین کے مطابق قادیانیت، بہائیت اور ذکری مذہب کی طرح اسمٰعیلی مذہب بھی جو "آغاخانیت" کے نام سے معروف ہے اسلامی فرقہ نہیں بلکہ ایک مستقل مذہب ہے مگر اس مذہب کی تعلیمات پردۂ اخفا میں ہیں نہ عام لوگوں کو اس مذہب کے اصول و عقائد معلوم ہیں نہ اہلِ علم کو بلکہ خود آغاخانی حضرات کی بڑی اکثریت بھی اپنے مذہب کے اصول و مبادی اور آثار و نتائج سے یکسر بے خبر ہے۔ بس چند رسوم ہیں جو باپ دادا کی تقلید میں بجا لائی جارہی ہیں۔ اس کے سوا وہ کچھ نہیں جانتے کہ مذہب کیا ہے؟ مذہب کی غرض و غایت کیا ہے؟ اسلام کے ساتھ اس کا تعلق ہے یا نہیں؟ اور بانیانِ مذہب کون لوگ تھے؟ ان کے اغراض و مقاصد کیا تھے؟

اسمٰعیلی مذہب پر سب سے زیادہ مفصل اور محققانہ کتاب جناب ڈاکٹر زاہد علی صاحب کی کتاب "ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" ہے مگر یہ کتاب آجکل نایاب ہے۔ البتہ مختلف علمائے کرام نے وقتاً فوقتاً آغاخانی تعلیمات کے مختصر نمونے خود آغاخانی حضرات کی مستند کتابوں سے مرتب کرکے شائع کئے ہیں اور آغاخانی دوستوں و ہموطنوں سے درخواست کرتے رہے ہیں کہ وہ بغیر کسی تعصب کے آغاخانی تعلیمات کا مطالعہ فرمائیں پھر ان تعلیمات کا اسلام کے ساتھ تقابلی جائزہ لیں تو یقیناً وہ ایک صحیح نتیجے پر پہنچنے میں کامیاب ہوں گے۔

مذکورہ بالا کتاب کے مصنف جناب ڈاکٹر زاہد علی ولد

اسماعیلی مسلمانوں کا کوئی فرقہ نہیں بلکہ ایک الگ مستقل مذہب کو ماننے والے ہیں

فنس علی حسینی علم حیدرآباد دکن کے رہنے والے ہیں۔ آپ بقول خود اصلی ونسلی اسمٰعیلی ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے اور مولوی فاضل اور نظام کالج حیدرآباد دکن کے سابق پروفیسر عربی اور وائس چانسلر ہیں۔ آپ "تاریخ فاطمین مصر" کے مؤلف اور دیوان ابن ہانی الاندلسی کے شارح اور آغا پورہ حیدرآباد دکن میں قائم شدہ "اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز" کے رکن رکین ہیں۔ آپ اپنی کتاب "ہمارے اسمٰعیلی مذہب کی حقیقت اور اس کا نظام" کے مقدمے میں اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں خود اصلاً نسلاً اسمٰعیلی ہوں سات پشتوں سے میرے گھرانے میں اسمٰعیلی مذہب کا سرمایہ راز سربستہ کی طرح سینہ بسینہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔" وہ صفحہ نمبر ۸ پر بعنوان مقدمہ اپنی اس کتاب کے متعلق فرماتے ہیں کہ "میں نے اپنے یہاں کی مستند اور معتبر خاص کر زمانۂ ظہور کی کتابوں کے اصل اقتباسات پیش کر دیئے ہیں تاکہ ذمہ داری لکھنے والوں کے سر ہو۔ ان میں سے دو کتابوں کو تو ہمارے ظہور کے چوتھے امام کی زبان مبارک سے صادر ہونے کا شرف حاصل ہے اور میری حیثیت ناقل محض سے زیادہ نہیں۔ بہر طور خات اسلاف کے سوا اس ضمیر کا مرجع کوئی اور دوسرا نہیں قرار پاسکتا۔ اب ان کی مزید تحقیق کی ضرورت نہیں۔" (صفحہ ۱۲۔ بعنوان عرض حال)

اس کے علاوہ اردو زبان میں مولانا عبدالحلیم شرر کا مشہور ناول "فردوس بریں" اور ان کی دوسری کتاب "حسن بن صباح" اس سلسلے کی دلچسپ کتابیں ہیں مولانا نجم الغنی صاحب رام پوری کی کتاب "مذاہب الاسلام" میں بھی ان کے بارے میں کافی مواد موجود ہے۔

ایک اور محقق کے بیان کے مطابق جناب آغا خان سوئم نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ "(یہودیوں کے دنیا میں متمول ترین بینک مالکان) جیمز روتھ چائلڈ اور بیرن موریس ڈی روتھ چائلڈ پچاس سال تک ان کے بے تکلف اور اچھے دوست رہے۔ آغا خان کو ان دونوں نے مشورہ دیا کہ ہم نے اسرائیل کی ریاست بنوالی تم کیوں اسمٰعیلیوں کے لئے ایسی ہی ریاست نہیں بنوا لیتے۔" اس کے بعد آغا خان نے "اسمٰعیلی ریاست" کے لئے اپنی جدوجہد تیز سے تیز تر کردی۔

دار العلوم سرحد پشاور کے ایک استاد مولانا عبید اللہ نے اپنے ایک کتابچے "آغا خانیت کی حقیقت" میں خود اسی طبقہ کی ایک کتاب "تاریخ اسمٰعیلیہ" سے متعدد اقتباسات شائع کئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ "آغا خان کی شخصیت سے سر چارلس اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے آغا خان بہت باثر شخصیت کے مالک ہیں وہ اپنے آدمیوں کی مدد سے ہمارے لئے کراچی سے رسل و رسائل مہیا کرسکتے ہیں اور وہ اسمٰعیلیوں کے موروثی پیشوا ہیں۔ ان کی جماعت اسمٰعیلی کے لوگ ایشیا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں اور وہ اس خطرناک راستہ کے لئے جہاں ہمارے بہت سے آدمی بلوچوں کے ہاتھوں قتل ہوئے، کارآمد و مفید ثابت ہوں گے۔ جب آغا خان اپنی مختصر فوج کے ساتھ قران میں قیام پذیر تھے تو بلوچیوں کے حملے کی وجہ سے نقد ۳۴ لاکھ اور جواہرات کا کثیر نقصان ہوا۔ چنانچہ چارلس نے آغا خان کی بیش بہا خدمات اور قربانیوں کا ذکر گورنر جنرل سے کیا اور اس کے متعلق ایک رپورٹ انگلینڈ روانہ کی گئی۔ جس سے آغا خان کو ہز ہائی نس کا موروثی خطاب عطا کیا گیا۔" (تاریخ اسمٰعیلیہ ص ۴۹ – ۵۰)

اس کے علاوہ ہفت روزہ خدام الدین لاہور نے چند برس پیشتر اپنی ایک اشاعت میں لکھا کہ "آغا خانی طبقہ کی اشتراکیت پسندی کا بین ثبوت یہ ہے کہ افغانستان میں واخان کے علاقہ پر روس اس لئے آسانی سے قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا ہے کہ وہاں کی آبادی آغا خانی ہے۔ افغانستان میں یہ وہ واحد علاقہ ہے جہاں روس نے بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کیا ہے جبکہ افغانستان کے دیگر علاقوں میں روس کو زبردست مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور خود ساختہ سپرپاور کی ساری انانیت خاک میں مل گئی ہے۔ آغا خانی طبقہ کی اشتراکیت پسندی کی دوسری مثال یہ ہے کہ گزشتہ سال آغا خان نے چیکوسلواکیہ کا دورہ کیا حالانکہ چیکوسلواکیہ میں کوئی آغا خانی آبادی نہیں اور یہ ایک اشتراکی ملک ہے جس کا دورہ کرنے کا مقصد تجارتی امور بھی نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس دورے میں آغا خان نے روس کے ساتھ بالواسطہ مذاکرات کرنے کی کوشش کی ہو تاکہ مجوزہ اسٹیٹ کے بارے میں گفت و شنید ہوسکے۔ الغرض آغا خانیت کے استحکام اور آغا خانی اسٹیٹ کے قیام کی زیر زمین جو کوشش ہو رہی ہے اس کے متعلق پاکستان کے جید علما صدر مملکت کو آگاہ کرچکے ہیں اور یہاں تک واضح کرچکے ہیں کہ آغا خان مختلف تنظیموں اور فلاحی اداروں کے پس پردہ آغا خانی اسٹیٹ کی جو منصوبہ بندی کر رہے ہیں اس مجوزہ اسٹیٹ کے لئے پرچم اور تخت تک تیار ہوچکے ہیں۔ علمائے کرام نے باوثوق اور ٹھوس شواہد کی بنیاد پر جناب صدر مملکت سے اس سلسلہ میں اعلیٰ سطحی تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

خدام الدین مزید لکھتا ہے کہ آغا خان اسمٰعیلی جوانوں کی ایک فوجی فورس بھی بنائی گئی ہے جن کی باقاعدہ ایک تنظیم ہے اس کے تحت ان سادہ لوح ضعیف العقیدہ جوانوں کو فوجی تربیت دی جارہی ہے اور ہر قسم کے اسلحہ سے لیس کیا جارہا ہے۔ خصوصاً چترال کے انقلاب کے بعد وہاں کے اسمٰعیلیوں کو جدید ترین اسلحوں سے لیس کیا جاچکا ہے۔ اس کا مقصد وہی ہے جو فدائی فورس بناتے وقت حسن بن صباح نے سوچا تھا یعنی یہ کہ قائدین اسلام اور علمائے کرام کو قتل کرنا، عالم اسلام میں خونریزی کے ذریعے دہشت پھیلانا اور اسلامی حکومتوں کا قلع قمع کرنا۔ لہٰذا حکومت پاکستان اور مسلمانان پاکستان خصوصاً علمائے کرام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آغا خانیوں کے اس فتنے کی طرف خاص توجہ دیں جو مختلف اداروں کے پس پردہ کام کر رہا ہے۔

اس تمام پس منظر میں صحیح الفکر اور محب وطن پاکستانی شہریوں کے ذہن میں جو سوالات اس وقت موجود ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کیا آغا خان اور ان کے مرید مسلمان ہیں؟

۲۔ ہمارے عزت مآب صدر محترم ان کی پاکستان آمد پر ان کے استقبال کے لئے بنفس نفیس خود کیوں ایئرپورٹ جاتے ہیں

۳۔ آغا خان کو شاہانہ انداز پر کیوں خوش آمدید کہا جاتا جبکہ ان کا تعلق کسی شاہی خاندان سے نہیں ہے؟

۴۔ کیا یہ صحیح ہے کہ آغا خان کے ذریعہ بھاری اسلحہ اور فوجی ساز و سامان ایران پہنچ رہا ہے جو عربوں کے خلاف عموماً طور پر اور عراق کے خلاف خصوصی طور پر استعمال ہو رہا ہے۔

۵۔ آغا خان بار بار مشرقی یورپ کے اشتراکی ممالک کے چکر کیوں لگاتے ہیں؟ کیا وہ اسلحہ کی سوداگری میں ملوث ہیں یہ اسلحہ کس کے لئے ہے ایران کے لئے؟ یا شمالی علاقہ جات میں اپنے مریدین میں تقسیم کے لئے؟ جبکہ ان ممالک میں نہ تو ان کے مرید ہیں اور نہ سیرگاہیں۔ اگر اسلحہ کا حصول نہیں تو پھر کیا غرض ہوسکتی ہے؟

۶۔ شہزادہ صدر الدین کو اقوام متحدہ کا جنرل سیکریٹری نامزد کیا گیا۔ پاکستان نے ان کی نامزدگی کی کیوں حمایت کی!

۷۔ کیا علامہ احسان الٰہی ظہیر کو اس لئے قتل کیا گیا کہ مرحوم نے ایک کتاب "الاسمٰعیلیہ" لکھی تھی؟

اس کے علاوہ ایک اہم حقیقت یہ ہے کہ آغا خان کا شمالی علاقوں میں دیہاتی تعاون کا پروگرام اس نوعیت کا ہے کہ اس کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی اس پروگرام سے مجموعی طور پر یہ تاثر ابھرتا ہے کہ آغا خان کو ان علاقوں پر مکمل اقتدار حاصل ہے۔ لہٰذا اس صورت میں ایک اہم ترین سوال یہ ابھرتا ہے کہ کیا دنیا میں کوئی اور ایسی حکومت ہے جس نے اپنی حاکمیت اعلیٰ کو اس طرح کسی دوسرے ادارے، فرد یا جماعت کو منتقل کر دیا ہو؟

تکبیر کی رپورٹ پر آغاخان فاؤنڈیشن کی وضاحتیں

- ہم علی کو اللہ نہیں مگر اللہ کے نور سے ضرور سمجھتے ہیں۔
- ہمارے امام مافوق الفطرت طاقتوں کے مالک ہیں۔
- رفاہی سرگرمیوں کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کا انتخاب ہم نے یہاں اپنے ہم عقیدہ لوگوں کی کثیر آبادی کی بناء پر کیا ہے۔

رپورٹ: ناصر محمود

تکبیر نے اپنی اشاعت مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۸۸ء بیت صفحہ نمبر ۱۱ پر "آغاخان کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور اس کے اسباب" کے عنوان سے ایک خصوصی رپورٹ شائع کی تھی جس کے بعض مندرجات کے بارے میں اختلاف کا اظہار کرتے ہوئے آغاخان فاؤنڈیشن کی کراچی شاخ نے تکبیر کو اپنے دفتر آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ بروز جمعرات مورخہ ۳ مارچ تکبیر کی جانب سے اس کی مجلس ادارت کے دو اراکین محمد نعیم عارفی اور ناصر محمود نے آغاخان فاؤنڈیشن کے دفتر میں اس کے سرکردہ افراد جناب رمضان مرچنٹ اور عاشق علی سے ملاقات کی اس موقع پر ایشیاٹک گروپ آف کمپنیز کے سربراہ جناب انور ایچ رمل بھی موجود تھے۔ گفتگو کے دوران فاؤنڈیشن کی جانب سے پہلے مختلف سلائیڈز کے ذریعے شمالی علاقوں میں کیے گئے ترقیاتی کاموں کی عکاسی کی گئی اور پھر وضاحتی سوال وجواب کا دور شروع ہوا جس کی اہم تفصیلات قارئین کی دلچسپی کے لئے مندرجہ ذیل سطور میں پیش کی جا رہی ہیں۔

پاکستان کے شمالی علاقوں میں فاؤنڈیشن کے ترقیاتی کاموں سے متعلق سلائیڈز شو کے اختتام پر جناب عاشق علی نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ تکبیر نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا وہ سب درست ہے لیکن اس میں سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ غلط ہے۔

تکبیر:۔ ممکن ہے آپ کا یہ فرمانا درست ہو لیکن بحیثیت پاکستانی شہری آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی اس بات سے آگاہ ہیں کہ کراچی سے چترال تک ہمارے ملک کا کوئی شہر اور کوئی علاقہ ایسا نہیں ہے جہاں اس قسم کے بنیادی ترقیاتی کاموں کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی تازہ مثال سندھ میں تھر کا قحط زدہ علاقہ ہے جس کے مصیبت زدہ افراد کے لیے سرکاری و غیر سرکاری طور پر ایک مہم چلائی گئی لیکن اس موقع پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آغاخان فاؤنڈیشن نے اس جانب کبھی کوئی توجہ نہیں دی آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ کی تمام دلچسپیوں کا مرکز شمالی علاقہ جات ہی کیوں ہیں؟ جبکہ ان سے زیادہ مستحق آبادیاں اور متاثرہ علاقے آپ کے راستے میں موجود ہیں۔

عاشق علی:۔ اس سلسلے میں ایک بات سمجھنا ضروری ہے کہ آغاخان فاؤنڈیشن یا اس قسم کی دیگر ترقیاتی ایجنسیاں کوئی حکومت نہیں ہیں ان کا کام صرف حکومت کی کوششوں اور اس کے منصوبوں کو آگے بڑھانا ہوتا ہے اس کی جگہ لینا نہیں دوسری بات یہ کہ ہر ایسی ایجنسی کے کچھ اپنے حلقے ہوتے ہیں، مثلاً ہماری اسمٰعیلی جماعت شمالی علاقوں یا چترال میں کافی بڑی تعداد میں موجود ہے۔ ویسے بھی ہمیں بچپن میں مدارس میں یہی تعلیم دی جاتی تھی کہ پہلے آپ اپنی مدد کریں پھر اپنی فیملی کی مدد کریں اس کے بعد ہمسائے کی اور پھر معاشرے کی لہٰذا قدرتی طور پر سب سے پہلے ہم اسی علاقے میں جائیں گے جہاں ہمارے اپنے لوگوں کی تعداد زیادہ ہو اس کے دو اسباب ہیں پہلا یہ کہ ہم اپنے ہم خیال لوگوں کو پہلی ترجیح دیں گے اور دوسرا یہ کہ ہمیں اپنے پروگراموں کی کامیابی کے لئے ایک انفرا اسٹرکچر درکار ہوگا جس کے لیے کام کرنے والے ہمارے اپنے لوگ ہو سکتے ہیں۔ اب کسی ایسے غیر علاقے میں اگر ہم جائیں جہاں ہمارے اپنے لوگ نہ ہوں اور بنیادی ڈھانچہ فراہم نہ ہو تو لازماً کام متاثر ہوگا۔ کیونکہ ہماری جماعت میں رضاکارانہ کاموں کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ہمارے لوگ والنٹیئر کے طور پہ زیادہ کام کرتے ہیں۔ اب جہاں تک تھر کا تعلق ہے تو وہاں ہم بھی دوسری ایجنسیوں کی طرح کام شروع کر رہے ہیں۔ ابھی پرسوں ہی سندھ اسمبلی کے اسپیکر مظفر حسین شاہ صاحب نے ایک میٹنگ بلائی تھی کہ وہاں چونکہ ٹی بی کی بیماری بہت ہے لہٰذا ہم آپ سے توقع کرتے ہیں کہ آپ وہاں کچھ دوائیاں فراہم کریں۔ لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ ہم دوسرے علاقوں میں کام نہیں کرتے۔

تکبیر:۔ شمالی علاقوں میں آپ کو کام شروع کیے ہوئے کتنا عرصہ گزر چکا ہے؟

رمضان مرچنٹ:۔ یہ ہمارا پانچواں سال ہے ویسے وہاں ہمارا اسکول تو ۱۹۴۵ء سے قائم ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ نے غالباً شمالی علاقے دیکھے نہیں ہیں اگر آپ انہیں دیکھ لیں تو اندازہ ہوگا کہ تھر میں تو چونکہ تین سال سے قحط ہے لہٰذا صورت حال زیادہ خراب معلوم ہوتی ہے لیکن وہاں تو ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنے گاؤں اور ارد گرد کے پہاڑوں سے باہر کی دنیا کبھی نہیں دیکھی اور مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق وہ علاقہ دنیا کا پسماندہ ترین کہلاتا ہے اور ہمیں بیرونی ممالک سے امداد بھی اسی لئے ملتی ہے ورنہ وہ ہمیں کبھی ایڈ

(AID) نہ دیتے۔

تکبیر :- پچھلے پانچ برسوں کے دوران ملنے والی اس بیرونی امداد کی اوسط مالیت کتنی رہی ہے؟

رمضان مرچنٹ :- اس دوران ہز ہائی نس ہمیں ہر سال ۲۰ لاکھ ڈالر دیتے ہیں اس کے علاوہ تیس لاکھ ڈالر کے لگ بھگ بیرونی ممالک سے ہر سال مل جاتے ہیں جن میں برطانیہ، ہالینڈ، امریکہ، جرمنی وغیرہ کے امدادی ادارے شامل ہیں جو ہمارے پروگراموں کی پیشگی منظوری کے بعد ہمیں امداد کے رقوم دیتے ہیں۔

تکبیر :- اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہر سال مجموعی طور پر پچاس لاکھ ڈالر سے زائد امداد وصول کرتے ہیں۔ کیا یہ تمام رقوم آپ مقامی لوگوں کو مفت فراہم کرتے ہیں یا ان سے بھی کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں؟

رمضان مرچنٹ :- یہ ہم انہیں بالکل مفت فراہم کرتے ہیں۔ ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ جب ہم کسی گاؤں میں جاتے ہیں تو پہلے ہم اس گاؤں کی پوری آبادی کو اکٹھا کرتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی گاؤں کی ۷۵ فیصد آبادی کی شرکت ضروری ہوتی ہے تب ہم ویلیج آرگنائزیشن بناتے ہیں۔ پھر ان سے پوچھتے ہیں کہ وہ بتائیں کیا چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں کچھ لوگ پانی کی نہریں طلب کرتے ہیں کچھ کی شکایت پختہ سڑکوں سے متعلق ہوتی ہے۔ بعض لوگ سیلاب سے پریشان ہوتے ہیں۔ لہٰذا جو کچھ وہ طلب کرتے ہیں اس کے لئے پہلی گرانٹ ہم بالکل مفت دیتے ہیں۔ فرض کریں اس پر ڈیڑھ لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں یا ۲ لاکھ تک خرچ ہوتے ہیں تو اس کا اختیار جنرل مینجر کو ہوتا ہے لیکن اس سے زائد کا معاملہ بورڈ کے پاس جاتا ہے۔ اس کی پہلی قسط ۲۵ فیصد ہم دیتے ہیں کہ اس سے کام شروع کر دیا جائے اسی طرح ہم لوگوں کے مویشیوں کو بیماریوں سے تحفظ فراہم کرتے ہیں جس کے لئے مختلف ٹیکے لگانے کی تربیت دی جاتی ہے اور ان کی فیس دو روپے فی انجکشن منظور کی گئی ہے یہ ہم مفت نہیں دیتے کیونکہ مفت دینے سے کسی چیز کی افادیت نہیں رہتی۔ حبیب بینک سے ہم زرعی قرضے لے کر ان لوگوں کو دیتے ہیں جو چھ ماہ بعد قابلِ واپسی ہوتے ہیں یہ بلاسود قرضہ ہے اور مختلف کھادیں ان کے دروازوں تک پہنچاتے ہیں۔

تکبیر :- آپ کا فرمانا یہ ہے کہ ان تمام خدمات کے کچھ چارجز نہیں لیتے جبکہ مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ان آبادیوں میں پہلے لوگوں کی ممبرشپ کرتے ہیں اور اس کی فیس وصول کرتے ہیں جو آجکل ۲ سو روپے فی باشندہ ہے اور اس کے بعد ہر ماہ دس روپے فی کس کے حساب سے لوگوں سے وصول کرکے ان ترقیاتی رقوم کی واپسی کا نظام قائم کیا گیا ہے۔

رمضان مرچنٹ :- ویلیج آرگنائزیشن کی ممبرشپ ہوتی ہے لیکن اس کی فیسوں کی وصولی والی بات قطعاً غلط ہے۔ البتہ لینڈ ڈیولپمنٹ پر خرچ آنے والی رقوم جو اے کے ڈی ایف سی نے ہمیں بلاسود قرض کے طور پر دی ہیں، وہ ہم ان سے وصول کرتے ہیں کیونکہ وہ تو قرض ہے جس کی واپسی ضروری ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ جو کام ہیں مثلاً ابھی ہم نے ایک سڑک بنائی جس پر ۲۰ لاکھ حکومت نے خرچ کئے اور دس لاکھ ہم نے دئے، اس کی کوئی ادائیگی وہ لوگ نہیں کرتے۔ یہ تو گرانٹ ہے۔ باقی ہر ایک ویلیج آرگنائزیشن کے نام پر اس کے اراکین کی بچت کی رقوم ہیں جو حبیب بینک میں جمع ہیں اور ان کی مجموعی مالیت ۲۲ ملین روپے تک پہنچ چکی ہے جس میں ایک ہزار دیہات کی رقوم شامل ہیں۔

عاشق علی :- ایک تو ہوتی ہے چیریٹی اور ایک ہے ڈیولپمنٹ۔ ہمارا جو پرنسپل ہے وہ چیریٹی کا نہیں ہے کیونکہ جب آپ کسی کو خیرات دیں گے تو وہ ایک قسم کا نادہندہ بن جائے گا اور آدمی ذہنی طور پر پسماندہ ہو جاتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو وسائل ہم اپنی طرف سے استعمال کرسکتے ہیں وہ کریں جو وسائل ان کے پاس موجود ہیں، ان کو ملا کر ان کے معیارِ زندگی کو بہتر بنائیں اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کا موقع دیں۔ اس کی وجہ سے اس پورے علاقے میں گزشتہ ۲۰ برسوں کی نسبت آج ایک تبدیلی آچکی ہے اور ان کی معاشرتی زندگی سنور چکی ہے۔

تکبیر :- آپ کے اور وہاں کے مقامی مسلمانوں کے درمیان عقائد کے فرق کی بناء پر گزشتہ چند برسوں میں یہاں جو حادثات رونما ہوئے، ان کا کیا پس منظر تھا؟

رمضان مرچنٹ :- صرف چترال میں ہوئے تھے گلگت میں کہیں بھی نہیں ہوئے اور ان کا پس منظر یہ تھا کہ مولوی لوگ آ کر تقریر کرتے ہیں اور یہ اشتعال پھیلانے والی تقریریں ہوتی ہیں۔

تکبیر :- اس سلسلے میں ملنے والی اطلاعات کے مطابق تو پہل آپ کی جانب سے ہوئی جب آپ کے کسی سرکردہ شخص کی ایک ریکارڈ شدہ کیسٹ کے ذریعہ مقامی علماء نے یہ سنا کہ قرآن میں پانچ نمازوں کا کہیں وجود نہیں ہے اور اب اسلام میں پانچ نمازیں فرض نہیں ہیں لہٰذا لوگ یہ نمازیں ترک کر دیں۔ اس کے نتیجے میں عام مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوا اور دونوں طبقات کے مابین وہاں ایک مناظرہ ہوا جس کے بعد آپ کے افراد کی جانب سے متعلقہ مسجد کا گھیراؤ کیا گیا اور بڑے پیمانے پر لڑائی جھگڑے ہوئے۔

رمضان مرچنٹ :- جی نہیں یہ سب جھوٹ ہے اور چترال میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا نہ کوئی مناظرہ منعقد ہوا۔

عاشق علی :- دیکھئے نا یہ جو مذہبی اختلافات ہیں وہ کوئی نئی چیز تو نہیں ہیں۔ چودہ سو سال سے چلے آرہے ہیں۔ نظریہ ہر ایک جماعت کا اپنا اپنا ہوتا ہے لیکن اسلام کے کچھ بنیادی اصول ہیں جو اصول دین کہلاتے ہیں۔ وہ سب



موجودہ آغا خان اپنے اہل خانہ کے ساتھ

اسماعیلی اسلام کے بنیادی اصولوں کو مانتے ہیں، اختلاف صرف فروعی باتوں میں ہے۔

ہم مسجدیں نہیں جماعت خانے بناتے ہیں

مسلمانوں کے لئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس پہ پورا بھروسہ، آنحضرتؐ آخری پیغمبر ہیں، قرآن ہماری آخری کتاب ہے۔ یہ تو ہیں اصول دین اس پر کسی مسلمان کا نظریہ میرے خیال سے الگ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اگر آپ امامت کا نظریہ لیں تو وہ صرف اسمٰعیلی طبقے تک محدود نہیں ہے شیعہ بھی ہیں اور اہل بیت کو ماننے والے تو بہت ہیں۔ اس کے بعد جو چیز آتی ہے وہ فروع دین ہے کہ آپ اپنے دین پر کس طرح سے عمل کرتے ہیں اور اس میں بھی اگر آپ اسلام کو دیکھیں تو ہر ایک مسلک اپنے اپنے لحاظ سے عمل پیرا ہے۔

تکبیر :۔ یہ جو آپ نے تین باتیں بتائیں تینوں بے شک ٹھیک ہیں لیکن نماز کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟

عاشق علی :۔ ہم نماز پر یقین رکھتے ہیں۔ ہم اپنی طرز سے نماز پڑھتے ہیں۔

رمضان مرچنٹ :۔ پانچ وقت کی نماز میں تو شیعہ جس طرح ظہر اور عصر کی ایک ساتھ پڑھتے ہیں نہ بھی شامل ہوتی ہے نا۔ کوئی ہاتھ باندھ کر پڑھتا ہے کوئی ہاتھ کھول کر پڑھتا ہے طریقہ الگ الگ ہے نماز تو سب پڑھتے ہیں۔

تکبیر :۔ روزے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

رمضان مرچنٹ :۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔

عاشق علی :۔ دیکھیں اس میں دو چیزیں ہیں۔ ایک تو ہے یقین (BELIEF) اور دوسری عمل (PRACTICE)۔ کوئی بھی مسلمان جب کہتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو یہ اس کا کلمہ ہے جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اس کے بعد (PRACTICES) اعمال ہیں ان پر بعض مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ اب وہ اس پر عمل کرتا ہے یا نہیں کرتا ہے یہ اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔ آپ پاکستان کو ہی لے لیجئے ہماری آٹھ کروڑ کی آبادی میں اگر جائزہ لیں تو کتنے لوگ نماز جانتے ہیں یا نماز کی اہمیت کو جانتے ہیں یا نماز پڑھتے ہیں؟ لہٰذا یہ تو ہر ایک کا اپنا اپنا معاملہ ہے۔

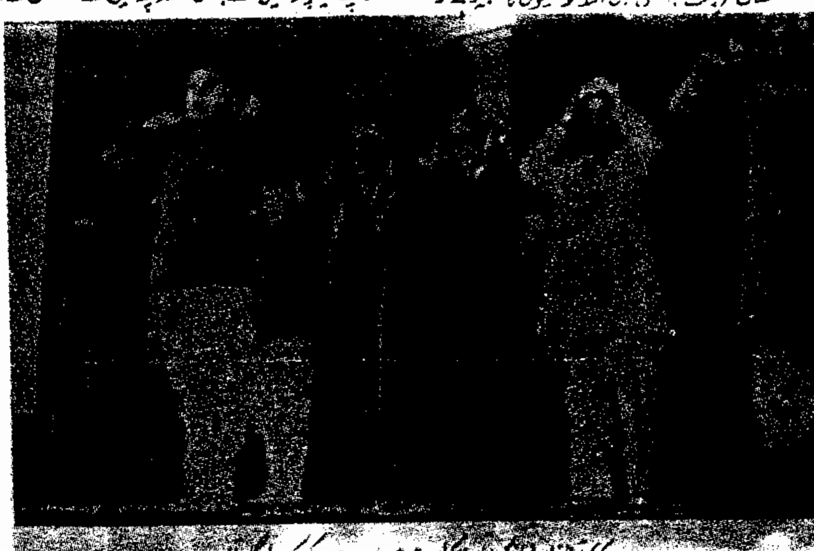
تکبیر :۔ معاف کیجئے اسلام عملی دین ہے صرف عقیدہ رکھنے سے تو کوئی بھی مسلمان نہیں ہو جاتا جب تک کہ وہ اس پر باقاعدہ عمل کرنا شروع نہ کرے مثلاً آپ محض پانچ نمازوں پر یقین تو کریں لیکن ایک بھی نہ پڑھیں یا میں کہوں کہ ہاں نمازیں مسلمانوں پر کبھی فرض تھیں لیکن اب نہیں ہیں تو اس سے ہم مسلمان تو نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح اگر ہم یہ کہیں کہ قرآن میں تیس سپاروں کی بجائے چالیس تھے جن میں سے باقی دس صرف ہمارے پاس ہیں تو کیا ہمارا اسلام باقی رہ جائے گا۔

عاشق علی :۔ نماز پڑھنے سے کوئی آدمی مسلمان نہیں ہوتا۔

رمضان مرچنٹ :۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ نماز جائز ہے لیکن اب کسی کو ہاتھ پکڑ پکڑ کر تو نماز پڑھانے نہیں لے جایا جائے گا۔ اس کے علاوہ جو چیز آپ کے ہاں ہمارے لیٹر پیڈ کے حوالے سے شائع ہوئی ہے وہ قطعی ہمارا لیٹر پیڈ نہیں ہے اور کسی نے آپ کو غلط فراہم کیا ہے۔

تکبیر :۔ لیکن خود آپ کی اپنی درسی کتب کے حوالے سے جو اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں کہ آپ کا کلمہ حضرت علی کو نعوذ باللہ، اللہ قرار دیتا ہے۔ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

رمضان مرچنٹ :۔ علیؑ ولی اللہ تو شیعوں کا کلمہ ہے۔



کریم آغا خان نماز کی امامت کرا رہے ہیں — [illegible] کی ایک تصویر

عاشق علی : مسلمانوں کا کلمہ تو ایک ہی ہے، لیکن آپ کو اس چیز کا علم ہونا چاہیئے کہ جو شیعان علی ہیں، وہ کلمے کے بعد علی کی ولایہ ڈکلیئر کرتے ہیں اور امامت کو مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ علیؑ امیر المومنین، کچھ امیر المومنین کہتے ہیں، کچھ علیؑ ولی اللہ کہتے ہیں، لیکن شیعوں میں بھی علی کی ولایہ کے مختلف بیان موجود ہیں۔ کہیں کہتے ہیں کہ ولی اللہ ہیں، کہیں کہتے ہیں کہ ولی اللہ اور وصیٔ الرسول اللہ ہیں، لیکن وہ کلمے کا حصہ نہیں ہیں۔ آپ کے پاس آغا خانیوں سے متعلق، جو لٹریچر آیا ہے، اس میں اس کا غلط مطلب اخذ کیا گیا ہے، جو ہماری کتاب ہے، وہ میں آپ کو بھیج دوں گا۔ اس میں آپ دیکھیے گا کہ کیا لکھا ہوا ہے۔ ہماری نظر میں علیؑ اللہ یعنی ی کے اوپر دو پیش ہیں، جن کا مفہوم یہ ہے کہ ALI IS FROM ALLAH یعنی علی، اللہ کی طرف سے ہیں۔ اب اگر میں وہ دو پیش ہٹا دوں، تو آپ کیا پڑھیں گے؟ علی اللہ پڑھیں گے نا۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ لوگ اس کو غلط معنوں میں لیتے ہیں۔ ہم آپ کو اپنے لٹریچر سے یہ بتا سکتے ہیں کہ علی کو ہم کیا مانتے ہیں؟ امام کو ہم کیا مانتے ہیں؟

تکبیر :۔ اسی طرح آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ کے جماعت خانوں میں آپ کے حاضر امام کی تصویر سامنے رکھ کر مخصوص نماز پڑھی جاتی ہے۔

عاشق علی :۔ یہ بھی غلط مشہور کیا گیا ہے۔ ہم جماعت خانوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ جس طرح صوفیا کی اپنی خانقاہیں ہوتی ہیں، شیعوں کی امام بارگاہیں ہیں، بوہروں کے، ہالائی میمن کے اور کاٹھیاواڑی میمن برادریوں کے اپنے جماعت خانے پاکستان میں ہیں اور ان جگہوں میں وہ ذکر کرتے ہیں اور اپنی دعائیں پڑھتے ہیں، نماز نہیں پڑھتے۔ یہ جماعت خانے صرف ان لوگوں کے لیے ہوتے ہیں، جو اس برادری یا اس جماعت کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے جماعت خانے ہیں۔ جہاں

اگر کوئی اسمٰعیلی نماز پڑھنا چاہے تو وہ کسی بھی مسلک کی مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکتا ہے۔

تک نماز پڑھنے کا تعلق ہے، نماز مسجد میں پڑھی جاتی ہے اور مسجد اللہ کا گھر ہے۔ وہ کسی اور کا گھر نہیں ہو سکتا، کسی کی جاگیر بھی نہیں ہو سکتی اور اس کے دروازے کسی پر بند بھی نہیں ہو سکتے، چاہے وہ کسی بھی مسلک سے ہو۔

تکبیر:۔ تو کیا آپ کی آبادیوں میں مساجد الگ بنائی گئی ہیں؟

عاشق علی:۔ ماضی میں اگر آپ تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو ہز ہائی نس کے اجداد نے انڈیا میں کافی مساجد بنائی تھیں، لیکن یہاں پاکستان میں نہیں بنائیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ یہ شیعہ مسجد، یہ سنی مسجد، یہ اسمٰعیلی مسجد، یہ بریلوی مسجد کی تکرار میں نہ پڑیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مسجد اللہ کا گھر ہے، سب کے لیے کھلا ہے، جس کو نماز پڑھنی ہے، وہاں جا کر اپنے طریقے سے نماز ادا کرے۔

تکبیر:۔ صرف حضرت علی کے لیے ہی آپ نے، اپنے کلمے میں یہ تخصیص کیوں رکھی ہے کہ وہ اللہ سے ہیں؟ جبکہ مسلمانوں کا ایمان ہے کہ ہم سب کو اور پوری انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

عاشق علی:۔ دیکھئے علی ہمارا پہلا امام ہے اور اس کو ہم فاؤنڈیشن کہتے ہیں، ہر شیعہ برادری اس پر یقین رکھتی ہے اور اس میں علی کو ایک خاص مقام حاصل ہے کہ علی، اللہ کے نور سے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو میں کہتا ہوں، وہ آپ مان لیں۔ اختلاف ۱۴ سو سال سے رہے ہیں اور رہیں گے، لیکن اختلاف، اختلاف تک محدود رہنا چاہیئے، دشمنی تک نہیں پہنچنا چاہیئے۔

تکبیر:۔ آپ کے بقول حضرت علی سے جو امامت کا سلسلہ شروع ہوا، کیا وہ آپ کے موجودہ امام آغا خان تک برقرار ہے؟

عاشق علی:۔ جی ہاں! آغا خان ہمارے ۴۹ ویں امام ہیں۔

تکبیر:۔ گویا ان کا فرمان، آپ کے نزدیک اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے؟

عاشق علی:۔ ظاہر ہے۔ دیکھئے نا، ہر جماعت کے اور ہر قوم کے کوئی نہ کوئی سربراہ ہوتے ہیں اور جو لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں، ان کا یہ فرض ہوتا ہے کہ جو بھی ہدایات وہ دیں، ان کی مکمل پابندی کی جائے۔

تکبیر:۔ کیا آپ کے موجودہ سر آغا خان کے ساتھ کچھ سُپر نیچرل پاورز بھی ہیں، جیسے کہ حضرت علی کے ساتھ تھیں۔

عاشق علی:۔ جہاں تک سُپر نیچرل پاورز کا تعلق ہے، وہ ہوتی نہیں ہیں، بلکہ پائی جاتی ہیں۔ ہمارے اعتقاد کے مطابق سپر نیچرل کو ہم اسُپر انٹیلی جنس کہتے ہیں۔ ایک تو ہوتی ہے روحانیت، لیکن دوسری ہوتی ہے قابلیت، جو ایسی اعلیٰ شخصیات میں پائی جاتی ہے اور وہ ہمارے امام صاحب میں موجود ہے۔

اسماعیلی مذہب - اپنے اصل عقائد کے آئینے میں

[illegible]

۵ مارچ کو آغا خان فاؤنڈیشن کی دعوت پر تکبیر کے نمائندوں نے فاؤنڈیشن کے ارباب حل وعقد سے تفصیلی ملاقات کی جس میں فاؤنڈیشن کی طرف سے جناب عاشق علی، جناب رمضان مرچنٹ اور اطہر رل صاحب نے کسی قدر وضاحت کے ساتھ اپنے عقائد اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کی تفاصیل بتائیں۔ عقائد کے سلسلے میں انہوں نے کہا کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، حج اور عمرے کرتے ہیں اور مسلمانوں کے بالعموم تمام اعتقادات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آئمہ پر ہمارا یقین غیر متزلزل ہے مگر جس طرح مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں اختلافات ہیں، ہمارے اعتقادات اور بعض دیگر فرقوں میں بھی فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں جنہیں موضوع مخاصمت یا باعثِ نزاع اور سبب جنگ و جدال نہیں بنانا چاہیئے۔ ہم مسلمان ہیں اور اپنے دیگر مسلمان بھائیوں سے خود کو جدا نہیں سمجھتے۔ نمائندگان تکبیر نے ان وضاحتوں پر اسماعیلی فرقے کے مقتدر رہنماؤں کا شکریہ ادا کیا مگر ابھی بہت سی باتیں وضاحت طلب ہیں جو اسماعیلی دینی اور تعلیمی لٹریچر کی اساس ہیں۔ ہم بے حد شکر گزار ہوں گے اگر ان کے تحریری تردیدی جوابات ہمیں ارسال کر دیئے جائیں۔ بدقسمتی سے اسماعیلی مذہبی کتب میں درج شدہ بہت سی ایسی باتیں اور عقائد موجود ہیں جو توحید، رسالت اور آخرت کے اسلامی تصور سے متصادم ہیں۔ ہم اسماعیلی کتب کے حوالوں کے ساتھ انہیں شائع کر رہے ہیں۔ اسماعیلی حضرات کی وضاحت کے لئے تکبیر کے صفحات ہمیشہ حاضر ہیں۔

عاشق علی صاحب اللہ، اس کے رسولؐ اور دیگر اماموں کو تقریباً اسی طرح مانتے ہیں جس طرح دیگر مسلمان۔

اسماعیلی فرقے کی کتب سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ آواگون (تناسخ) کو نہ صرف مانتے ہیں بلکہ یہ ان کے عقائد میں ایک بنیادی اور اساسی چیز ہے، کیا یہ درست ہے؟ ۲۸

ان کی کتاب کلام الٰہی اور فرامینِ امام صفحہ ۴۵ پر تحریر ہے: "امام کا ظہور اللہ کا ظہور ہے جس کی پہچان اللہ کی پہچان ہے، جس کی بندگی اللہ کی بندگی ہے، جس کی حمد اللہ کی حمد ہے، جس کی بیعت اللہ کی بیعت ہے اور جس کی فرماں برداری اللہ کی فرماں برداری ہے۔"

پیر امام شاہ کی کتاب گنان مومن چیتامنی صفحہ ۱۰۲ پر، جو اسماعیلی پبلیکیشنز بمبئی نے شائع کی، تحریر ہے: "آسمان سے بادل آئیں گے اِدھر اُدھر برسیں گے، یہ سب مولا علی کے ہاتھ میں ہے جس نے ساری کائنات پیدا کی، یہ پوری کائنات مولا علی ہی نے پیدا کی ہے اور سب کا رب وہی ہے۔"

مندرجہ بالا کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر تحریر ہے: "نبی محمدؐ کی سب بات سمجھ میں آئی کہ حضرت علی اللہ کے اوتار ہیں۔ جب حضورؐ نے شاہ علی کا دیدار کیا تو سب سے اوّل ان کو صحیح اللہ پایا، پھر مریدوں کو دیدار کرایا۔"

(صفحہ ۱۰۷) "نبی محمدؐ نے یہ بتلایا کہ بھائی فرشتو! آپ کو ایک اچھی بات بتاتا ہوں، جب علی پیدا ہوئے تو انہوں نے اپنا تعارف مجھ کو خود ہی کرایا کہ وہی تو (یعنی علی) پوری کائنات کا خالق ہے، اس لئے علی کو صحیح اللہ کہیئے۔ مولا علی کی قدرت لامتناہی ہے۔"

گنان برہم پرکاش مؤلف پیر شمس الدین، اسماعیلی فرقے کی سرکاری دستاویز مطبوعہ اسماعیلی ایسوسی ایشن فار انڈیا بمبئی صفحہ ۲۹۶ "اس کلجگ میں خداوند عالم کا ظہور انسانی جسم میں ہے اور وہ ساری روحوں کا شہنشاہ ہے، یعنی وہ امام حاضر ہے" (ایضاً کتاب صفحہ ۲۹۷) "اس دنیا میں جو مومن پہلے تھے اور جو مومن اس وقت ہیں اور جو آئندہ ہوں گے، یہ سب مومن شاہ پیر (امام) کی عبادت کرتے تھے، کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔"

پیر شمس کی کتاب گنان شائع کردہ اسماعیلی ایسوسی ایشن برائے ہند بمبئی کے صفحہ ۴۶ پر مسئلہ تناسخ بسلسلہ ایمانیات درج ہے۔

۱۔ پہلا اوتار شاہ (اللہ) نے مچھلی کے روپ میں لیا۔ دیو سنکھاسر کی گردن مروڑ کر شاہ نے مار ڈالا اور چاروں وید اس سے لے آئے۔

۲۔ دوسرا اوتار کچھوے کی شکل میں لیا اور دیو "مدھوکٹک" کو مارا اور پوری دنیا کا بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔

۳۔ شاہ نے تیسرا اوتار واراہ (سور) کے روپ میں لیا اور شاہ نے "مور" دیو کو مارا اور دیو "ہرناکس" کو بھی مارا اور

"پرہلاد" اور پانچ کروڑ مریدوں کو نجات دلائی۔

۴۔ شاہ نے چوتھا اوتار "وامن" کے روپ میں لیا اور دیو "بلی" کو ہلاک کیا۔

۵۔ شاہ نے "پرشورام" کے روپ میں پانچواں اوتار لیا اور شیستراجن دیو کو مارا۔

۶۔ چھٹا اوتار شاہ نے "رام" کے روپ میں لیا اور دس سر والے "راون" دیو کو ہلاک کر کے "سیتا" کو آزاد کر دیا اور راجہ "وبھیشن" کو لنکا کا راجہ بنایا۔

۸۔ آٹھواں اوتار شاہ نے "کرشن" کے روپ میں لیا، "نند" کے گھر پیدا ہوئے۔ کالے مہیب ناگ کی ناک میں نکیل ڈال دی اور دیو "کنسا سور" کو قتل کیا۔

۹۔ شاہ نے نواں اوتار "بدھ" کے روپ میں لیا اور دیو "دریودھن" کو قتل کیا۔ پانچ پانڈوؤں کو بچایا اور راجہ "یدھشٹر" کو کروڑ مریدوں کے ساتھ نجات دلائی۔

۱۰۔ آجکل دسویں اوتار میں "علی" کے روپ میں شاہ (یعنی امام حاضر آغا خان) ظہور میں ہیں۔

اسماعیلی بچوں کے لیے اسماعیلی مذہبی بورڈ کی طرف سے مدون کتاب سکھشا مالا کے سبق ۴، صفحہ ۱۱ میں درج ہے۔

"امام حاضر پیر شاہ ہے۔ پیر شاہ یعنی نبی (پیر) اور شاہ (علی) ہمارے پہلے پیر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ہمارے پہلے امام حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں جنہوں نے اسماعیلی عقیدے کے مطابق (نعوذ باللہ) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مقرر کیا ہے۔ ہمارا انچاسواں پیر حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی ہے اور ہمارا انچاسواں امام حضرت مولانا شاہ کریم (آغا خان) الحسینی ہے۔"

کلام امام مبین کا فرمان نمبر ۵۳ ہے: "آپ جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور دنیا ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ ہر چیز بدلتی رہتی ہے جس میں صحیح ہدایت امام حاضر ہی دے سکتے ہیں۔ اسماعیلیوں کے پاس ہدایت کے لیے کوئی لکھی ہوئی کتاب نہیں ہے، مگر ہدایت کے لیے زندہ امام ہے۔"

کلام امام مبین (حاضر امام) کے فرمان نمبر ۲ (صفحہ ۶۴) میں تحریر ہے۔ "حضرت مرتضیٰ علیؓ نے لوگوں سے فرمایا کہ یہ کتاب مجھ کو رسول اللہ نے دی ہے اور آپ لوگوں تک پہنچانے کی وصیت کی ہے۔ اس پر سب لوگوں نے کہا، ہمارے پاس حضرت عثمانؓ کی کتاب ہے، وہ کافی ہے آپ کی کتاب کی ہم کو ضرورت نہیں۔ اسد اللہ علی مرتضیٰؓ نے فرمایا: اس کتاب کی رتی بھر خبر آپ کو تا قیامت نہیں ملے گی۔ یہ کہہ کر کتاب اپنے گھر واپس لے گئے۔ وہ کتاب بقیہ دس سپارے ہیں جس کے بارے

اس کلجگ میں خداوندِ عالم کا ظہور انسانی جسم میں ہے اور وہ ساری روحوں کا شہنشاہ یعنی حاضر امام ہے۔" گنان برہم پرکاش



پرنس کریم آغا خان [illegible] میں ڈربی ریس جیتنے کے بعد

ہیں پیر صدر الدین نے "گنان" میں سمجھا دیا ہے، اس کے مطابق عمل کرو۔"

کلام امام مبین (حاضر امام) کے فرمان نمبر ۳۸ میں صفحہ ۹۶ پر تحریر ہے: "جس امام کی باری ہو اس کے فرمان پر عمل کرو۔ توریت، انجیل، زبور اور فرقان، یہ سب الگ الگ قوموں پر وقفہ وقفہ سے نازل ہوتی تھیں۔ قرآن شریف بھی حق تھا مگر خلیفہ عثمانؓ کے وقت میں ردّ و بدل کر دیا گیا۔ آگے کے الفاظ پیچھے اور پیچھے کے آگے رکھ دئیے گئے ہیں۔ اس معاملے میں سارے خلاصے ہمارے پاس ہیں۔ تم لوگ ہم سے پوچھو، ہم سارے خلاصے دکھائیں گے۔"

"گنان مومن چیتا منی مؤلف سید امام شاہ اسماعیلی ایسوسی ایشن پبلیکیشنز صفحہ نمبر ۹۵ "قرآن کے چالیس پارے ہیں جس میں سے ۳۰ پارے اس دنیا میں ہیں اور باقی دس پارے امام کے گھر میں ہیں۔ ان دس پاروں کو "اطہر وید" کہتے ہیں۔ امام کی زبان ہی دس پارے ہیں۔"

کلام امام مبین (فرمان آغا خان سوئم) سرکاری اسماعیلی پبلیکیشنز صفحہ نمبر ۱۰۱: "آپ لوگوں کے لیے جو علم ہے، وہ گنان ہے۔ قرآن شریف کو ۱۳ سو سال ہو چکے ہیں۔ وہ ملک عرب کی آبادی کے لئے ہے۔ آپ کے لئے گنان ہے جسے سات سو سال ہوئے ہیں، اسی پر عمل کرتے رہیں۔"

گنان نمبر ۳۵، صفحہ نمبر ۴ مؤلف پیر صدر الدین اسماعیلی سرکاری پبلیکیشن: "جس کو شاہ علی (امام حاضر) کا دیدار نصیب ہوا اس کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں پہنچے گی اور آواگون کے دوران جتنے گناہ جمع ہوئے تھے، وہ بھی معاف ہو جائیں گے اور وہ ساتویں آسمان پر فائز ہو گا۔

درسی کتاب برائے شبینہ مذہبی مدارس اسماعیلیہ ایسوسی ایشن از علی بھائی بالوانی، مارگ درشیکا صفحہ نمبر ۱۰۶۔

"سوال:۔ خداوند تعالیٰ کا ظاہر روپ کیا ہے؟

جواب:۔ حاضر حاجرہ کا دھنی شاہ کریم الحسینی، امام حاضر کہ جس میں خدا کا نور ہے، جو ظاہر میں نور کا حامل جسم ہے، اس کا نام شاہ کریم امام حاضر ہے۔"

آغا خان فاؤنڈیشن کی وضاحتیں غیر تسلی بخش ہیں

اسماعیلی [illegible] کے مرتکب ہیں

آغاخان فاؤنڈیشن کی "وضاحت" کے حوالے سے چند وضاحتیں مجھے بھی کرنی ہیں۔ براہ کرم اسے اپنی آئندہ اشاعت میں شامل فرمائیں۔

رمضان مرچنٹ صاحب نے غلط کہا کہ چترال میں مسجد کا گھیراؤ نہیں کیا گیا۔ یہ واقعہ ایسا ہے جس سے چترال کا بچہ بچہ واقف ہے تحصیل مستوج کے شہر بگنی میں جہاں آغاخانیوں کا قلعہ تصور کیا جاتا ہے، وہاں کی جامع مسجد کا باقاعدہ گھیراؤ کیا گیا۔ مسجد پر فائرنگ کی گئی۔ کئی مسلمان نمازی شدید زخمی ہوئے جمعۃ المبارک کے روز کئی گھنٹے تک نہ کسی کو مسجد میں جانے دیا گیا نہ وہاں سے

تحریر: [illegible]

کسی کو باہر آنے دیا گیا۔ دیگر دیہاتوں میں بھی کئی مسلمان شہید ہوئے۔ جس کے ردِعمل میں چترال شہر کے نوجوانوں نے مشتعل ہو کر آغاخان ہوٹل کو آگ لگا دی طویل عرصے تک دفعہ ۱۴۴ نافذ رہی کراچی سے مسلمان علماء اور مبلغین کے وفد نے وہاں جا کر امن قائم کیا۔ صوبہ سرحد اور کراچی کے اخبارات میں اس کی خبریں چھپتی رہیں۔ اتنے بڑے واقعے کا انکار کرنا ایسا ہے جیسے آغاخان کے ریس کے گھوڑے "شیرگر" کے اغوا کا انکار کرنا جس کی یاد میں گلگتی حضرات اپنے بچوں کا نام شیرگر رکھتے ہیں۔

عاشق علی صاحب نے اصولِ و فروعِ دین پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ توحید، رسالت، معاد، قرآن بیان کئے جو عقائد ہیں ان سے کچھ تو آپکے رسالے میں پہلے ہی چھپ چکے ہیں۔ کچھ آپ کو سوادِ اعظم چترال کے کتابچوں میں مل جائیں گے کچھ میں بھیج رہا ہوں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ شرکِ جلی کے مرتکب ہیں۔ ذات و صفاتِ باری تعالیٰ میں شرکت کرتے ہیں۔ جیسا کہ منسلک پمفلٹ سے ظاہر ہے کہ آغاخان نے نومبر ۱۹۸۶ء کو امریکہ میں ایک مذہبی تقریب میں بے حساب کی معافی، منعقد کی اور لوگوں کی (نعوذ باللہ) مغفرت فرمائی یہ لوگ امام کو رسول سے (نعوذ باللہ) افضل جانتے ہیں قرآن کو ۱۴۰۰ سال پہلے کے عربوں کے لیے ہدایت ہونے اور اب ان کے مریدوں کے لیے کسی لکھی ہوئی کتاب کو نہ ماننے الغرض ہر قسم کے اصولِ دین سے ان کے یکسر آزاد ہونے



نومبر ۱۹۸۶ء میں آغاخان نے امریکہ
میں ایک مذہبی تقریب [illegible]
منعقد کر کے [illegible]
لوگوں کی [illegible] فرمائی

میں کوئی شبہ نہیں۔

نماز

نماز کے بارے میں انہوں نے تقیہ اختیار کیا ہے۔ یہ لوگ عام طور پر نماز پڑھنے والے کو بے دین گمراہ اور شریعتی کہتے ہیں حیض، نفاس، جنابت کسی سے فراغت اور غسل ضروری نہیں سمجھتے۔ اسی حال میں جماعت خانے جاتے ہیں۔ وضو کے نام سے کوئی واقف نہیں۔

ان کی نماز کی قائم مقام دعا "پڑھانے والا اور مُکھی ادان" سامنے کی طرف اور باقی جماعت ان کے چہرے کی طرف آمنے سامنے سجدہ کرتے ہیں سامنے آغاخان کی تصویر ہوتی ہے۔ یہ نماز جو کہ کسی طرح نماز نہیں کئی دفعہ تبدیل ہو چکی ہے ——

اس کے الفاظ، ترتیب اور ہیئت بار بار بدل چکے ہیں —— پہلے ہندو مذہب (MYTHOLOGY) سے اخذ کی گئی تھی ایک جملہ اُس نماز کا عاشق علی کی یادداشت تازہ کرنے کے لیے لکھتا ہوں۔

" [illegible] [illegible] ....."

جس میں راجہ ہریش چندر، رانی تارا ستی اور دیگر بھگوانوں اور دیوتاؤں کے نام لیے جاتے تھے اور گجراتی زبان میں پڑھی جاتی تھی۔ پھر کھوجکی سندھی کی نماز آئی جس کے ابتدائی الفاظ ہیں ——

" [illegible] "

"اب عربی زبان میں ہے۔ بعض اوقات یہ نماز کوئی بالغ یا نابالغ لڑکی یا لڑکا پڑھاتے ہیں۔ ان کا شیعت سے بھی کوئی واسطہ نہیں یہ ظہرین (ظہر و عصر) یا مغربین (مغرب و عشا) جمع بین الصلوتین نہیں کرتے۔ ظہر اور عصر میں تو کچھ ہوتا ہی نہیں کبھی کبھار ضرور غیرہ ہو تو شام اور رات کی بندگی دن کو بارہ ایک بجے بھی ادا کر لیتے ہیں۔ قبلہ رُخ کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ آغاخان کبھی فرانس کبھی سوئٹزرلینڈ کبھی ہوائی میں ہوسکتے ہیں۔ آخر بیچارے کیسے اپنے متحرک قبلے کو ایک جگہ رکھیں "امام ہی (درحقیقت) مسجد الحرام ہیں"۔ یہ الفاظ کتاب دستبرد دین کے صفحہ ۱۱۲ پر درج ہیں۔ جسے دارالحکمۃ الاسماعیلیہ ہنزہ گلگت نے شائع کیا ہے۔ یہ کتاب حکیم ناصر خسرو نے لکھی اور اس پر درج ہے "بجناب مولانا الامام المستنصر باللہ علیہ السلام (جو کہ اسماعیلیوں کے امام ہو گزرے ہیں۔

روزہ اور حج

چترال میں ان کے مشنری یہ کہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) حضرت عمر نے حضرت علیؓ کی بکری چرائی تھی جس کی سزا کے طور پر سُنیوں پر روزہ فرض ہوا۔ اور یہ لوگ "ستی ماں" کا رکھتے ہیں۔ جو ہر جمعرات کو بغیر سحری کھائے رکھا جاتا ہے اور سوا بجے بعد افطار کیا جاتا ہے۔ لیکن آجکل اس ہندوانہ رسم کا نام مشکل کشا مولا علیؓ کا روزہ رکھ دیا ہے۔ جو حضرت علیؓ کے لیے رکھا جاتا ہے۔ چاند کی ۹ تاریخ کو نویں کا روزہ اسی طرح اسی وقت کے لیے ہوتا ہے۔ رمضان کے روزے انہیں قطعاً معاف ہیں البتہ جس ماہ کا چاند جمعہ کو ہوتا ہے اس روز "نیج" یعنی دوسری

کا روزہ رکھتے ہیں۔ نہ رکھنے کی صورت میں جماعت خانے میں
۵ آنے ڈال کر بخشوایا جاسکتا ہے۔
حج کے بارے میں انکا عقیدہ ہے کہ آغا خان کا دیدار
کرنا حج ہے۔ دیگر حوالوں کے علاوہ "دینِ دین" کے حوالہ جات
بھی اس کی تائید میں موجود ہیں۔
یہ ہے ان کی شریعت کا مختصر احوال۔ آپ کو اپنے انٹرویو میں
یہ باتیں پوچھنا تھیں۔ خیر یہ بھی رہی۔

حقوق داخلہ

خانقاہوں، امام باڑوں اور سیمیں اور دوسری بڑا درلیں
کے جماعت خانوں میں ہر شخص جاسکتا ہے کوئی پابندی نہیں۔
کیوں کہ یہ کلب نہیں کہ اس کے لیے ممبرشپ ضروری ہو۔ حتیٰ کہ
گرجاؤں، مندروں اور سکھوں کے گردواروں میں بھی ہر
شخص بلکہ ہر مسلمان جاسکتا ہے کوئی روک ٹوک نہیں۔ پھر آغا خانیوں
کے جماعت خانوں پر کیوں لکھا ہوتا ہے کہ صرف آغا خانیوں کے
لیے۔ اور دوسروں کو وارننگ دی جاتی ہے کہ غیر متعلقہ افراد
کو بحوالہ پولیس کیا جائے گا۔ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ چند اخباری
رپورٹر اور علماء حضرات کو یہ لوگ اجازت دیں اور وہ جاکر دیکھیں
کہ جماعت خانوں میں ان کی پوجا پاٹ، گنان بھجن، اور مورتی یا
آغا خان کی تصویر کے سامنے پرستش کس طرح ہوتی ہے۔ آخر
ایسا کون سا راز ہے جس کے افشاء سے ایک "مسلمان جماعت"
خوف زدہ ہے۔

THE OVERSEAS TIMES — January 15-31, '87

AN APPEAL TO HIS HIGHNESS THE AGA KHAN



YOUR HIGNESS:

Further to our Society's last appeal through 'The Overseas Times' of October 1986, the Islamic Dawa Society of Canada wishes to make one more appeal, in the name of Islam and for the cause of promoting and upholding the fundamental doctrines of Islam.

The Dawa Society has taken cognizance of the fact that in the year 1986, Your Highness has time and again projected before the world through media, an image of an upholder, promoter and defender of Islam and it's doctrines.

The Dawa Society has also taken cognizance of the fact that during the same year, some of your acts and moves or lack of actions on your part, reflect or causes to give about an image, which is of a discord or lack of concord.

The Dawa Society wishes to bring to your attention the following with a sincere request and an appeal to please clarify and make your actions to set right the affairs that project the image of discord.

On July 29, 1986, through a Press Release circulated by your office - Le Secretariat, Aiglemont, 60270 Gouvieux, France, it was pronounced "The Aga Khan had, at all times, made it clear to the defendants that his sole concern in the action had been to protect the interest of Islam..."

In October 1986, on a television series "Man Alive" produced by CBC Canada, Your Highness, during an interview with Roy Bonisteel declared that the Quran is the only miracle in Islam.

In July 1986, Your Highness recognized the defendants acknowledgment that "neither the Aga Khan nor his grandfather had ever laid claim to divinity but on the contrary have consistently emphasised the fundamental Islamic doctrine of "Tawhid" - the Unity of God".

Seemingly at variance to the above, in November 1986 Your Highness during the visit of U.S.A., performed religious ceremonies called "Day of Judgment Forgiveness". Every Ismaili over an age of 55 years that sought forgiveness was forgiven of his sins by you, upon a payment of certain cash consideration to your treasury

The Quran, "the only miracle in Islam" says, Allah alone has the power to forgive sins.

In June 1986 a group of Ismailis was refused permission to recite 'Azan and Namaz' in the Jamatkhanas of Sind, Pakistan an Islamic Republic. For the restoration of their basic right as Muslims, the group had to file an application in the High Courts of Sind, Pakistan.

Your Highness often recites 'Namaz' (Islamic Prayers) with other Muslims in Islamic Mosques around the world. Your Highness has personally lead 'Namaz' and yet you refuse your own followers to recite 'Namaz' in the Jamatkhanas. Your Highness has never lead "Du'a" (Ismaili Prayers) nor has joined in "Du'a" with other Ismailis. Yet, you insist upon your followers to recite (3 times in a day) "Du'a" which has been time and again declared as un-Islamic prayer. "Du'a" is compiled and/or formulated by your grandfather. "Namaz" is a prayer directed by Prophet Muhammad, peace be upon him

It has been reported that Your Highness has issued instructi ns to close down Jamatkhanas in the Middle East, following an armed raid upon a Jamatkhana in Saudi Arabia and the subsequent deportation of all Ismailis from Saudi Arabia, for their un-Islamic activities and for reciting "Du'a" facing your Highness', -lored photographs, in the Jamatkhana

Finally, Your Highness it is earnestly requested to please disown and/or denounce it publicly, the misleading 'Farmans' (Commands) made by your grandfather, on the subject of the Quran. The 'Farmans' were made with a malice to lower the prestige of the Quran in the eyes of Ismailis

May Allah guide you to fulfill your desire of protecting the interest of Islam and it's doctrines.

The Dawa Society anxiously awaits your earliest response.

Islamic Dawa Society of Canada
3226 East 44th Avenue, • Vancouver, B.C. Canada • V5S 4L4

PLEASE PHOTOSTAT COPIES AND GIVE OTHERS

اسلام کے بنیادی عقائد کی ترویج و تبلیغ کیجیے

ہز ہائینس آغا خان سے اپیل

اوورسیز ٹائمز ۱۵ جنوری تا ۳۱ جنوری کی اشاعت

عالی جاہ! انجمن دعوت اسلامی کینیڈا نے اکتوبر ۱۹۸۶ء میں اوورسیز ٹائمز کے ذریعے آپکی خدمت میں ایک اپیل پیش کی تھی اور ہنوز آپ کا جواب طلب ہے۔ اس اپیل کے حوالے سے انجمن ہذا ایک دوسری اپیل اسلام اور اسلام کے بنیادی عقائد کی ترویج و تبلیغ کے نام پر آپکی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔ انجمن ہذا نے اس حقیقت کا احساس کیا ہے کہ ۱۹۸۶ء میں آپ نے بار بار ذرائع ابلاغ کے ذریعے اقوامِ عالم میں اسلام کے داعی اور اسلام کے بنیادی عقائد کے مبلغ کی حیثیت سے پیش کرتے رہے ہیں۔ انجمن ہذا نے اس حقیقت کا بھی احساس کیا ہے کہ اسی سال میں گرامی قدر کے بعض اقدامات اور چند مواقع پر خاموشی سے بعض امور میں عدم ہم آہنگی یا ملاپ کا فقدان نظر آتا ہے۔ لہٰذا انجمن ہذا آپ سے پرخلوص استدعا کرتی ہے کہ آپ مندرجہ ذیل امور سے متعلق اس انداز میں وضاحت فرمائیں کہ (ملت اسلامیہ) میں عدم مطابقت کا تاثر دور ہو سکے۔ ۲۹ جولائی ۱۹۸۶ء کو آپ کے دفتر Le Secretariat Aiglemont Gouvieux France سے ایک اخباری بیان جاری کیا گیا جس کے ذریعے اعلان کیا گیا کہ آغا خان نے مدعا علیہان پر ہمیشہ واضح کیا ہے کہ جو مقدمہ ہے اس کا مقصد محض اسلام کے مفادات کی حفاظت ہے۔

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں ٹیلی ویژن کے سلسلہ وار پروگرام "زندہ شخصیت" میں جس کو سی بی سی کینیڈا نے پیش کیا تھا آپ نے رائے بونسٹیل (Roy Bonisteel) سے ایک انٹرویو کے دوران فرمایا کہ اسلام کا واحد معجزہ قرآن پاک ہے۔ جولائی ۱۹۸۶ء میں آپ نے مدعا علیہان کے اس اعلان کو تسلیم کیا کہ آغا خان اور ان کے دادا نے کبھی بھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ اس کے برعکس انہوں نے ہمیشہ اسلام کے بنیادی رکن یعنی توحید کی تبلیغ کی ہے۔ بظاہر ان مندرجہ بالا اعلانات کے برعکس آپ نے نومبر ۱۹۸۶ء میں امریکہ کے دورے میں ایک مذہبی تقریب "یوم حساب کی معافی" منعقد کی۔ [illegible] ۵۵ سال سے زائد عمر کے جس اسماعیلی نے معافی طلب کی اسے آپ نے ایک مقررہ رقم کی ادائیگی پر گناہوں سے معاف کر دیا۔ جبکہ قرآن پاک کے مطابق جو اسلام کا واحد معجزہ ہے گناہوں سے مغفرت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

جون ۱۹۸۶ء میں سندھ (پاکستان) میں کچھ اسماعیلیوں کو جماعت خانوں میں اذان دینے اور نماز ادا کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اپنے اس بنیادی حق کے حصول کے لیے ان لوگوں کو عدالت عالیہ سندھ (پاکستان) کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔

گرامی قدر اکثر دیگر مسلمانوں کے ساتھ مساجد میں نماز ادا کرتے رہتے ہیں۔ گرامی قدر نے خود نماز کی امامت بھی کی ہے لیکن اس کے باوجود آپ اپنے اسماعیلیوں کو جماعت خانوں میں نماز کی ادائیگی سے روکتے ہیں۔

آپ نے دعا (اسماعیلی عبادت) کی کبھی امامت نہیں کی، نہ ہی اس میں شرکت کی۔ لیکن اس کے باوجود آپ اپنے پیروکاروں کو روزانہ تین بار پڑھنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ یہ وہی دعا ہے جو بارہا "غیر اسلامی" قرار دی جا چکی ہے۔ اس دعا کو آپ کے دادا نے ترتیب دیا تھا جبکہ نماز وہ عبادت ہے جو نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے بموجب ادا کی جاتی ہے۔

یہ بتایا گیا ہے کہ آپ نے مشرقِ وسطیٰ میں جماعت خانوں کو بند کرنے کے لیے ہدایات جاری کر دی ہیں۔ ایسا اس وقت کیا گیا ہے کہ سعودی عرب میں ایک جماعت خانہ پر مسلح چھاپہ پڑا اور اس کے بعد اسماعیلیوں کو ان کے غیر اسلامی افعال یا عملوں اور جماعت خانوں میں آپ (آغا خان) کی رنگین تصاویر کو سامنے رکھ کر دعا مانگنے پر ملک بدر کر دیا۔

آخر میں آپ سے پرخلوص التجا کی جاتی ہے کہ آپ اپنے دادا کے ان فرامین سے جو قرآن پاک سے متعلق ہیں برأت کا کھلم کھلا اعلان فرمائیں۔ یہ فرامین اسماعیلیوں کی نظروں میں قرآن پاک کی عظمت کو کم کرنے کے لیے جاری کیے گئے تھے۔

اللہ پاک آپ کو ہدایت عطا کرے تاکہ آپ اپنی اس بنیادی خواہش کو جو اسلام کے بنیادی عقائد اور مفادات کی حفاظت سے متعلق ہے پورا کر سکیں۔

انجمن دعوت اسلامی کینیڈا آپ کے مناسب جواب کا بے چینی سے انتظار ہے۔

انجمن دعوت اسلامی کینیڈا

۳۲۲۶۔ ایسٹ ۴۴ ویں ایونیو، وینکوور، بی سی کینیڈا۔ V5S 4L4

اوپر بائیں جانب ۱۵ تا ۳۱ جنوری کے اوورسیز ٹائمز میں انجمن دعوت اسلامی کینیڈا کی طرف سے شائع ہونے والے اس اشتہار کا عکس ہے جس میں پرنس کریم آغا خان سے انکے ان افعال کی وضاحت طلب کی گئی ہے، جو اسلام کی رو سے قطعی مشرکانہ ہیں۔ دائیں جانب اسی انجمن کی طرف سے شائع کردہ اسی اشتہار کے اردو ترجمہ کا عکس ہے۔ واضح رہے کہ آغا خان کی جانب سے اس تحریر میں اٹھائے جانے والے سوالات کا اب تک کوئی جواب نہیں دیا گیا ہے۔

کیا حکومت واقعی حصولِ زکوٰۃ کی مستحق ہے؟

محمد نعیم عارفی

رمضان کی آمد کے ساتھ ہی جہاں نظری طور پر اس مبارک مہینے کے فیوض و برکات یعنی رحمت مغفرت اور عذاب دوزخ سے نجات کے خوش آئند مژدے ذہنوں میں گونجنے لگتے ہیں وہیں عملی طور پر ہماری معاشی اور معاشرتی زندگی کے تضادات بھی کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ سبزیوں، پھلوں، گوشت اور دیگر اشیائے صرف و ضرورت کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگتی ہیں تاجروں اور متعلقہ حضرات کے مزاج بالعموم بدل جاتے ہیں پورے ملک میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص بھکاریوں اور مانگنے والوں کی ریل پیل ہو جاتی ہے دروازے کھٹکھٹا کر کھانے پینے، روپے پیسے اور کپڑے وغیرہ نیز زکوٰۃ کے مانگنے والوں کا تانتا بندھ جاتا ہے سڑکوں، گلیوں اور خاص طور پر چوراہوں پر جیسے ہی گاڑی رکتی ہے بیسیوں مانگنے والے لپک کر آتے ہیں اور مختلف انداز سے بہروپ بنا کر مانگتے ہیں آخران بھکاریوں، فقراء اور غریب لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے اور رمضان المبارک کے مہینے میں ان لوگوں کی اتنی کثرت کیوں ہو جاتی ہے؟ مزید یہ کہ کیا حکومت اس سلسلے میں کوئی ذمہ داری قبول کرتی ہے؟ ہم سمجھتے ہیں منطقی طور پر یہ حکومت کی بھرپور ذمہ داری ہے کہ وہ ان مفلوک الحال لوگوں پر پوری پوری نظر بھی رکھے اور ان کی کفالت، رہائش اور ہر ضرورت کا ذمہ بھی لے کیونکہ حکومت نے وصولیابی زکوٰۃ اور عشر وغیرہ کا باقاعدہ نظام قائم کیا ہوا ہے ایک اخباری خبر کے مطابق بینکوں کے اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کی کٹوتی اس سال گزشتہ سال کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوئی ہے اور حکومت بھی اس سال اس سلسلے میں بہت زیادہ فعال ہے۔ اس نے زکوٰۃ حکومتی اکاؤنٹس میں جلد از جلد یعنی ایک ہفتے کے بجائے صرف پانچ دن میں منتقل کرنے کی پابندی عائد کر دی ہے۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں ابتدائی خبر اسی کروڑ روپیہ کی وصولیابی کی تھی جس کی بعد میں تصحیح کر کے بتایا گیا کہ زکوٰۃ کی وصولیابی ۲ ارب روپیہ سے متجاوز ہے اور حکومت اسے بہترین طریقے سے تقسیم کرنے کا تہیہ کر چکی ہے حکومت کے زکوٰۃ کو بہترین طریقے سے تقسیم کرنے کے اس دعوے کے بعد جب ہم گلیوں، سڑکوں، چوراہوں اور گھروں تک میں بھکاریوں اور مفلوک الحال مانگنے والوں کے جم غفیر دیکھتے ہیں تو حکومت کی تضاد بیانی پر ماتم کرنے کو دل چاہتا ہے مزید ایک اور خبر فاطمید فاؤنڈیشن کو ساٹھ لاکھ روپے زکوٰۃ فنڈ میں سے دیئے جانے کی منظوری سے متعلق ہے جس میں زکوٰۃ کونسل کے چیئرمین اور سپریم کورٹ کے جج جناب جسٹس شفیع الرحمٰن کی صدارت میں ہونے والی ایک میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ فاطمید فاؤنڈیشن کو ساٹھ لاکھ روپے زکوٰۃ فنڈ سے فوراً ادا کئے جائیں ہم باادب یہ گزارش کریں گے کہ زکوٰۃ فنڈ کسی کی ذاتی جائیداد یا ملکیت نہیں جسے جب اور جیسا چاہا صرف کر دیا یہ صرف اور صرف اہلِ سنت والجماعت حضرات کے خون پسینہ سے کمائی ہوئی دولت میں سے بالجبر ان کی مرضی کے بغیر مہیا کی جاتی ہے اس سلسلے میں اہلِ تشیع اور آغا خانی حضرات کا واضح موقف ہے کہ ان کی زکوٰۃ نہ بینک کاٹ سکتے ہیں نہ کسی غیر اہلِ تشیع کو دی جا سکتی ہے چنانچہ یہ حضرات بینکوں کو لکھ کر دے دیتے ہیں کہ ہمارا مسلک یہ ہے اس لیے زکوٰۃ نہ کاٹی جائے ہمیں بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں وہ اپنی زکوٰۃ جیسے چاہیں دیں یہ ان کا حق ہے ہمیں اعتراض اس بات پر ہے کہ جب ان کی زکوٰۃ ان کے فرقے کے علاوہ کسی کو نہیں دی جا سکتی اور آغا خانی حضرات کی رقوم سوائے آغا خانی حضرات یا پرنس آغا خان کے کسی کو نہیں دی جا سکتیں تو اہلِ سنت کی زکوٰۃ بھی صرف اور صرف اسی فرقے کے لوگوں کا حق ہے اور حکومت کو یہ حق ہرگز نہیں پہنچتا کہ وہ جبراً ان کی زکوٰۃ میں سے بندر بانٹ کی مرتکب ہو۔ دوسری بات جس کا ہمارے محترم وزیر اعظم ایک سے زیادہ بار اظہار فرما چکے ہیں یہ ہے کہ اگر کوئی شریعت نافذ کرے گا اور کر سکتا ہے تو وہ ہم ہیں وہ بار بار فرماتے ہیں اور ایسا کرنا ان کے اختیار میں ہے بھی مگر بہر حال انہیں یہ سعادت تا حال حاصل نہیں ہو سکی ہے اس سلسلے میں وہ اپنا موقف یہ بیان فرماتے ہیں کہ بس ذرا ملک کے سب فرقے اس سلسلے میں ہم خیال اور ایک رائے ہو جائیں تو ہم شریعت نافذ کر دیں۔ اگر وہ شریعت نافذ نہیں کر سکتے یا کم از کم ابھی تک نافذ نہیں کر سکے ہیں تو پھر انہیں زکوٰۃ کاٹنے کا حق کہاں سے مل گیا جو خالصتاً شرعی چیز ہے اور جب زکوٰۃ کاٹی جا رہی ہے منافرت کے اصول کو اپنایا گیا ہے تو پھر بینکوں کو سودی کاروبار کی کھلی چھٹی کیسی کیا انہیں قرآن کا یہ واضح حکم یاد نہیں کہ "یا ایہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" (اے ایمان والو اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ) آخر کیا جواب ہے ان کا اس حکم الٰہی کے سلسلے میں؟ تیسری اور آخری بات ہم اس سلسلے میں ان بھکاریوں اور فقراء کی فوج ظفر موج کی موجودگی کے بارے میں عرض کریں گے کہ جناب والا یہ کروڑوں بلکہ اربوں روپے کی زکوٰۃ جو لوگوں سے جبراً وصول کر لی گئی ہے۔ اس کی صحیح صحیح تقسیم کا انتظام بھی فرمایئے جیسی کہ اب تک خبریں آتی رہی ہیں کہ حکومت کے پروردہ اور مسلم لیگی عمال اور کار پرداز حضرات زکوٰۃ تک کو نہیں چھوڑتے۔ خود بھی استفادہ کرتے ہیں اور اپنے حلقۂ اثر کو بھی اس سے نوازتے ہیں۔ یہ ناگفتہ بہ صورتِ حال اصلاح طلب ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی حکومت کو طول دینے کے شوق اور انہماک میں وہ مہلتِ عمل ختم ہو جائے یا سلب کر لی جائے جو تا حال ملی ہوئی ہے۔ شریعت بل منظور کیجئے اور نفاذِ شریعت کے بعد اپنے آپ کو زکوٰۃ کی وصولیابی کا مستحق بنایئے نیز زکوٰۃ کو صحیح صحیح طریقے سے مستحق لوگوں تک پہنچایئے۔

اسلام معاشرے اور ریاست دونوں پر یہ ذمہ داری عائد کرتا ہے کہ اس کے حدودِ عمل کے اندر رہنے والا کوئی بھی شخص کم سے کم ضروریاتِ زندگی سے محروم نہ رہنے پائے معاشرے کے اندر جو لوگ بے روزگار ہو جائیں یا کسی عارضی سبب سے ناقابلِ کار رہوں یا کسی مستقل وجہ سے ناکارہ ہو جائیں یا کسی حادثے یا آفت کا شکار ہوں، ان سب کو سہارا دینا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ وہ بچے بھی جن کا کوئی سرپرست نہیں، ان کی سرپرستی بھی حکومت کا فرض ہے۔ اس الگ تھلگ دھوم دھڑکے اور کھانے پینے کے دور میں جہاں ہر سال ستر اسی ارب روپے حکومت کے خزانوں سے غتر بود کر لئے جاتے ہیں صدرِ مملکت اور وزیر اعظم اپنی خصوصی توجہ سے اس ملک اور ملک کے رہنے والوں کو بہترین خوشحال زندگی کی ضمانت دلا سکتے ہیں بصورتِ دیگر اگر ستم کی یہ رات طاری رہی تو بس اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

قریب ہے یار و روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

ہفت روزہ تکبیر کراچی
INTERNATIONAL URDU WEEKLY
TAKBEER
KARACHI-PAKISTAN
اشاعت ۸ تا ۱۴ اپریل ۸۸ء
جلد نمبر ۱۰ شمارہ ۱۵
۱۲
مدیر: محمد صلاح الدین

ملک کے شمالی علاقوں میں اسمٰعیلی ریاست کے قیام کے منصوبے پر عمل جاری ہے

روس کی مدد سے زیرِ تکمیل یہ سازش پاکستان کی سالمیت کے لیے سنگین خطرہ ہے

عالمِ اسلام کے ممتاز محقق اور دانشور مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی سے محمد نعیم عارفی کی گفتگو



مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ہمارے عہد کی ان نابغۂ روزگار شخصیات میں شامل ہیں جن کی تحقیق علمیہ، مطالعہ تقابلِ ادیان، دینی معلومات اور نقد و نظر کا زمانہ قائل ہے۔ فقہ اور حدیث میں مولانا استاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ مجمع فقہی مکہ مکرمہ کے رکن ہیں، فرانس کی ہسٹاریکل سوسائٹی کے ممبر ہیں۔ موتمر عالمِ اسلامی کے ڈائریکٹر ہیں، اسلامک اکونومی سوسائٹی کے روحِ رواں اور عہدیدار ہیں اور پاکستان سے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تاسیسی رکن ہیں۔ اب تک مولانا کی بائیس کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ مولانا کی جائے ولادت مخدوم پور، ضلع گیا، بہار ہے اور سنہ ولادت جون ۱۹۱۱ء ہے۔

تکبیر میں اسماعیلی آغا خانی حضرات کے بارے میں کئی تحریریں شائع ہو چکی ہیں۔ مولانا عبدالقدوس ہاشمی صاحب اپنے وسیع علم کی بنا پر اس موضوع پر بھی اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہم نے انہیں اس بارے گفتگو کی زحمت دی۔ ہمارے سوالوں کے جواب میں انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ نذرِ قارئین ہے۔

س:۔ مولانا آجکل آغا خان اور اسمٰعیلی حضرات کے متعلق کچھ ایسے مضامین شائع ہوتے ہیں جن سے ان کے مسلمان ہونے کے دعوے کی تردید ہوتی ہے اسمٰعیلی مذہب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج:۔ آغا خانیت دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے بغاوت کر کے اپنے لئے اختیار حاصل کرنے کی ایک سبیل ہے۔ اس کا بانی دراصل ابو عبداللہ شیعی ہے جو ایرانی تھا۔ عبیداللہ مہدی کو اسی نے جا کر باور کرایا کہ تم امام ہو اور ان کا نسب نامہ بتایا جس میں پانچ مستور ہیں اور آخر میں چل کر اس کو ملایا حضرتِ اسماعیل سے اور کہا حضرتِ اسماعیل بیٹے تھے حضرت جعفر صادق کے اور حضرت جعفر صادق نے ان کو نامزد کیا تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کسی کو امام یا نبی نامزد کرنے کا اختیار حاصل ہی کہاں ہے؟ آخر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی کو نامزد کیوں نہیں کیا۔ باقی یہ قصہ کہ رسول اللہؐ کے بعد حضرتِ علی وارث ہوئے یہ یہودیوں نے انہیں بتایا تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے خسر طالوت کے وارث ہوئے تھے انہوں نے سمجھایا کہ وارث ایسے ہی ہوا کرتے ہیں اس لئے رسول اللہؐ کے وارث (ان کے خیال میں) حضرت علیؓ ہوئے جب ان سے کہا گیا کہ داماد تو حضرت عثمانؓ بھی تھے مگر اس کا ان لوگوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا کیونکہ حضرتِ عثمانؓ داماد بھی تھے اور دو دو مرتبہ تھے اس لئے ذوالنورین کہے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی اپنی پھوپھی کے پوتے بھی تھے، زیادہ مستحق کون ہوا۔

دوسری بات یہ کہ وراثت آخر کس چیز میں چلتی ہے۔ وراثت چلتی ہے اس چیز میں جو کسی کی ملکیت ہو۔ کوئی گورنر کا بیٹا گورنر کیوں نہیں ہو جاتا عہدے میں وراثت کبھی نہیں چلا کرتی اب آپ غور کر لیں رسالت، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عہدہ تھا یا ان کی ذاتی ملکیت تھی پھر عہدے میں وراثت کا کیا سوال ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے لئے تجویز کیا جاہل قسم کے قبائل کو بربریوں کو۔ اس کے بعد انہوں نے تلاش کیا کہ آخر اپنے امام میں کونسی خوبی اور اچھائی بتائیں جس کی بنا پر انہیں فضیلت دی جا سکے کیونکہ حقیقتاً یہ سب کے سب کسی مافوق الفطرت صلاحیت کے مالک نہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک افسانہ بنایا کہ اللہ تعالیٰ کا خاص نور ان اماموں میں جلوہ گر ہوتا ہے حالانکہ ان میں ایسی کوئی بھی خصوصیت قطعاً نہ تھی جس کی بنا پر انہیں عام معمولی انسانوں سے ذرا بھی برتر ثابت کر سکتے۔ میں مثال دیتا ہوں ان میں سے سب سے بڑے کو لے لو وہ تھے حضرت علیؓ، حضرتِ علیؓ صحابہ میں سے تھے مگر صحابہ تو سولہ ہزار تھے، حضرتِ علیؓ میں آخر وہ کونسی خصوصیت تھی جو دوسرے صحابہ میں نہیں پائی جا سکتی تھی۔ آپ کہیں گے وہ مجاہد تھے ٹھیک ہے اور بھی بہت سے مجاہد تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ بخش دیا گیا ہے، آج صلح حدیبیہ میں چودہ سو انیس آدمیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے بخش دیا ہے وہ رسول اللہؐ کے قریبی رشتہ دار تھے تو قریبی رشتہ دار رسول اللہؐ کے اور بھی تھے۔ عبیداللہ ابن زبیر بن عبدالمطلب بھی ویسے ہی چچا کے بیٹے تھے۔ حضرتِ عثمانؓ پھوپھی کے پوتے تھے آخر ان میں کیا خصوصیت تھی۔

س :۔ لیکن حضرت علیؓ تو مولودِ کعبہ تھے ؟

ج :۔ مولودِ کعبہ تھے ؟ میں آپ کو ایک درجن اور آدمی گنوائے دیتا ہوں جو مولودِ کعبہ تھے۔ تمام بت پرستوں میں رواج تھا اور ہے کہ جب خواتین کو درد زہ شروع ہوتا ہے تو انہیں دیوی کے استھان پر لے جایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں، بہار، مدراس، یوپی اور دیگر بہت سی جگہوں پر آج بھی یہی رواج ہے سینکڑوں آپکو دیوی کے استھان پر پیدا ہونے والے مل جائیں گے۔

س :۔ مگر اس سلسلے میں دیگر بہت سی روایات بھی ہیں ؟

ج :۔ جی نہیں میں نہیں مانتا میں کسی ایسی بات کا قائل نہیں جس کی وجہ سے وہ اساسِ امت تسلیم کئے جائیں کہا جاتا ہے وہ پیدا ہوئے تو آنکھ نہیں کھولی، جب رسول اللہؐ آئے تو آنکھ کھولی اس کے بعد وہ اٹھے اور اٹھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہلا سجدہ کیا ہے اور اس کے علاوہ اور بہت کچھ، یہ وہ دیو مالا ہے جو کسی صحیح الدماغ اور سلیم الفطرت شخص کے دماغ میں نہیں آسکتی۔ آپ مجھے کوئی ایسی خوبی بتایئے جو انسان کی عقل میں آسکے۔ پیدا ہونا کسی کی اختیاری بات نہیں ہے۔ حضرت علیؓ پیدا ہوئے تھے کعبہ میں اور مولانا سیف اللہ بنارسی پیدا ہوئے تھے بت خانے میں۔ مولانا سیف اللہ بنارسی پڑھ لکھ کر مسلمانوں کے اتنے بڑے عالم ہوئے کہ ان کے تبحرِ علمی کی وجہ سے بڑے بڑے پنڈت اور اکابر علماء ان کے پیر چومنے کو تیار رہتے تھے۔ حق و صداقت کی ایک اور مثال دوں جو ایک لطیفے سے کم نہیں۔ ایک مرتبہ مولانا عبید اللہ غازی پوری کو ایک مقدمے میں شہادت کے لئے لوگوں نے زبردستی پکڑ کر انگریز جج کے سامنے کر دیا۔ اُن سے انگریز جج نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے کہنے لگے عبید اللہ اس نے پوچھا آپ کے والد کا کیا نام ہے کہنے لگے بھائی میں والد کا نام نہیں بتا سکتا کیونکہ میں ایک پیشہ ور بازاری عورت کا بیٹا ہوں۔ انگریز جج حیرت زدہ رہ گیا کہنے لگا مولانا آپ اپنی ماں کی عزت رکھنے کے لئے کوئی سے نام عبد الرحمٰن، عبد الرحیم وغیرہ بتا دیتے تاکہ ماں کی بے عزتی نہ ہوتی، یہ آپ نے کیا کیا کہ اپنی ماں کی بھری عدالت میں آبرو برباد کر دی انہوں نے کہا کسی بھی مصلحت کے لئے میں جھوٹ نہیں بول سکتا میں ایک مسلمان ہوں۔ اس نے فوراً کہا "اب یہ جو کچھ کہیں اسے حرف بہ حرف سچ اور صحیح سمجھا جائے، جو آدمی اپنی ماں کی عزت بچانے کے لئے جھوٹ نہیں بول سکتا وہ بھلا اور کسی بات میں جھوٹ کیا بولے گا"۔

دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی کا ذاتی کریکٹر دیکھا جاتا ہے۔ جہاں تک اہلِ تشیع کے اماموں کا تعلق ہے تو یہ اچھے لوگ تھے، دیندار لوگ تھے اسی لئے لوگوں نے ان سے رشتہ جوڑنے کی کوشش کی۔ ان سے فقہ جعفریہ کو بھی ملا دیا گیا حالانکہ یہ قطعی بے بنیاد ہے۔ امام جعفر ۱۴۸ھ میں انتقال کر گئے تھے اور فقۂ جعفریہ کی پہلی کتاب ستر سات سو کچھ میں لکھی گئی تھی کوئی نسبت ہی نہیں کوئی تعلق ہی نہیں بنتا۔ آپ نے کبھی امان اللہ ملک کی تحقیقی کتاب کا مطالعہ کیا ہے کیا خوب لکھی ہے، اس نے ان سب کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں اور صاحب اس کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنی طرف سے

حضرت جعفر صادق سے فقۂ جعفریہ کی نسبت درست نہیں اُن کی وفات کے سات سو سال بعد وضع کر کے اُن سے منسوب کر دیا گیا ہے۔

ایک لفظ نہیں لکھا سارا کچھ ان کی کتابوں ہی سے نقل کیا ہے اور بعد میں تجزیہ کر کے بتایا ہے کہ یہ سب کچھ جھوٹ، افترا اور طومار کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس نے صاف لکھا ہے کہ فقہ جعفریہ کی کوئی روایت حضرت امام تک نہیں پہنچتی۔ جن لوگوں نے فقۂ جعفریہ امام سے روایت کیا ہے ان کی خود کوئی سوانح عمری نہیں ملتی سب کچھ جعلی ہے خود امام کا قول ہے کہ اس شخص نے میرے باپ کو کبھی دیکھا ہی نہیں۔ مگر لکھنے والے کا دعویٰ ہے کہ میں نے امام سے ایک نشست میں ستر ہزار حدیثیں سنیں اب یہ بات کس کی سمجھ میں آسکتی ہے اگر ایک منٹ میں ایک حدیث بھی سنائی جائے گی تو دو ماہ اور کچھ دن صرف روایت حدیث میں صرف ہو جائیں گے کیا یہ ممکن ہے اور یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں امام کہتے ہیں یہ شخص بالکل جھوٹا ہے کبھی والد صاحب سے اسکی ملاقات ہوئی ہی نہیں۔ اب اس کے بعد ہم سے آپ ان کی تاریخ اور حقیقت پوچھتے ہیں ان کی حقیقت اور تاریخ تو یہ ہے کہ جب اُن کے ہاتھ میں اختیار آیا اور یہ لوگ ۲۶۸ برس تک حکومت کرتے رہے کبھی انہوں نے اپنا دین نہیں پھیلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لوگ کبھی بھی تین فیصد سے آگے نہ بڑھے اور دین اپنا انہوں نے یوں نہیں پھیلایا کہ دین پھیلاتے تو مارے جاتے۔ آرام سے گدّیوں پر بیٹھے رہے اور اولادِ رسول ہونے کا تاثر دے کر عیش کرتے رہے، کسی سے ملتے ہی نہیں تھے چنانچہ کافی عرصے تک بھرم قائم رہا ملنے کا طریقہ یہ تھا کہ روپیہ دو، تو ملتے تھے ورنہ نہیں اور دوسری بات یہ کہ اس عرصے میں جتنی غیر مسلم طاقتوں نے مسلمانوں اور اسلام کو تباہ کرنے کی کوششیں کیں مثلاً صلیبی جنگیں ہوئیں ان میں ہمیشہ انہوں نے غیر مسلموں کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا یہ جو مشہور ہے کہ ۹۰ برس تک کے لئے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا گیا تھا آخر کن لوگوں کی وجہ سے یہ ہوا تھا، انہیں کی وجہ سے انکا مزاج دراصل منفی ہے اور ایک اصول اور کلیہ یہ سمجھ لیجئے کہ جب عددی طاقت سے انسان مقابلہ نہیں کر سکتا تو سازشی ہو جاتا ہے جھوٹ بولتا ہے، منافقت کرتا ہے۔ ان کی بھی عددی طاقت تو کبھی ہو نہ سکی تو آخر مسلمانوں کو دباتے کس طرح چنانچہ انہوں نے سازشوں سے کام لیا۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا اصل آغا خانیت کی ایرانی ہے اور مقامی لوگوں کو ہمیشہ فاتحوں سے نفرت ہوتی ہے کیونکہ وہ باہر سے آئے ہوئے لوگ ہوتے ہیں یہی قاعدہ کلیہ یہاں بھی روبہ عمل آیا۔ ہر فاتح کے خلاف مفتوح کو نفرت ہوا ہی کرتی ہے چنانچہ اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس وقت ہی سے یہ لوگ کمیٹیاں بنا رہے تھے چنانچہ انہوں نے تحریکِ شعوبی قائم کی لاکھوں روپے کے اوقاف بنالئے اب خود غور کر لیجئے وہ جو کچھ بیان کریں گے وہ رسول اللہؐ کی نبوت کے خلاف دشمنی ہی میں ہوگا، مگر زبانی وہ اس بات کا انکار کرتے ہیں اگر نہ کریں تو زندہ کیسے رہیں مار کر نہ پھینک دیئے جائیں چنانچہ وہ جہاں ہوتے ہیں ویسا ہی بھیس اختیار کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ہندی نام رکھنے کے لئے کہتے ہیں۔ کیا بھیم جی آغا خانی نہیں تھا یہاں جو صاحب بہت سرگرم آغا خانی ہیں ان کا باپ بھیم جی آغا خانی ہی تو تھا۔ کیا بھیم جی نام کا شخص مسلمان ہو سکتا ہے قرآن کا گویا فلسفہ یہ ہے کہ جس ملک میں رہیں گے اس کا نام اور طور طریقے اختیار کر لیں گے وہاں کے لوگوں کے وفادار بن جائیں گے ان میں پوری طرح گھل مل جائیں گے اور یہ بھی ان میں ہے کہ ان کا نسب نامہ پورا نہیں ملتا ہے۔ عبید اللہ المہدی کا نسب نامہ حضرت اسماعیل سے نہیں ملتا اس میں تاریخ

آدکا زیچ سے غائب ہیں یعنی مستور ہیں پھر اس کے بعد جہاں ظاہر ہیں وہاں بھی یہی حال ہے۔ ایک صاحب طیّب کو تھیلی میں باندھ کر کوٹھے سے گرایا گیا۔ جن کے ماننے والے طیبی کہلاتے ہیں۔ بھلا اس افسانے کو کون تسلیم کرے گا دوسرا قصہ سلیمان کا ہے جن کے ماننے والے سلیمانی کہلاتے ہیں اور ایک داؤد بن حضرت شاہ کا قصہ ہے جن کا داؤدی فرقہ ہے، دراصل قصہ سارا یہ ہے کہ ان سب کی کوشش یہ رہی ہے کہ لوگ ہم کو کما کر دیا کریں ہمیں ہاتھ نہ ہلانا پڑے۔ کچھ نہ کرنا پڑے اور بے محنت کھایا کریں اس کے لئے یہ طرح طرح کی ترکیبیں نکالتے رہتے ہیں کبھی کہتے ہیں آج دسوند ہے ہمیں اپنی آمدنی کا دسواں حصہ دیجئے آخر یہ دسوند کیا چیز ہوتی ہے کچھ بھی تو اس کی اساس نہیں ہے خرافات ہے یہ سب کمانے کمانے کے چکر ہیں۔

س :۔ مولانا مگر آجکل آغاخانی حضرات رفاہی اور فلاحی کام بہت کر رہے ہیں یہ سب کیوں ہے؟

ج :۔ بھائی اگر یہ سب ایسا، نہ کریں خاص طور پر پاکستان میں تو ان کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے یہ تو ان کا پیسہ اور جعلسازی اور دھوکہ ہے جو ان کے سیاہ کارناموں پر کسی حد تک پردہ ڈالے ہوئے ہے یہ سب تو فریب کے لئے کیا جاتا ہے اس کا دینداری سے کوئی تعلق سرے سے ہے ہی نہیں جب کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین ہی کو سرے سے نہیں مانتا تو اسکا رسول اللہ کے دین کی تعلیم کے لئے مدرسہ قائم کرنا آخر خدا کے لئے کیسے ہو گا یا اس کا اسپتال بنانا، طب کی تعلیم دینا یہ سب کچھ فریب کے سوا آخر کیا ہو سکتا ہے، آغاخانیوں کے عقائد، اعمال، سب فریب، دھوکہ اور جعلسازی کے سوا کچھ نہیں ہیں۔ ان کے اعمال بھی دیکھ لیجئے یہ جماعت خانوں کو مسجد نہیں کہتے کہہ کیسے سکتے ہیں ۱۸۸۲ء کا پریوی کونسل کا اس پر فیصلہ موجود ہے آپ تاریخ میں دیکھ سکتے ہیں یہ فیصلہ ہائیکورٹ کی لائبریری میں دیکھا جا سکتا ہے، جماعت خانہ کہتے ہیں ان کی ملکیت ہے آخر یہ کیا ہے انہوں نے کہیں تو بولٹن مارکیٹ کی مسجد میں مسلمانوں کے ساتھ جا کر نماز پڑھ لی اور کہیں جماعت خانوں میں باقاعدہ مسجد کی طرح جماعت کر ڈالی پھر کہتے ہیں جماعت خانہ ذاتی ملکیت بھی ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت خانے وقف عمارتیں ہیں کیا وقف ذاتی ملکیت بھی ہوتا ہے، تو دراصل اس قسم کی باتیں

> **آغا خاں سوم نے یہودی لیڈر روشچائلڈ سے مل کر اسرائیل کے قیام کی منصوبہ بندی کی۔**

یہ حسبِ موقع پھیلاتے رہتے ہیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر آخر زندہ کیسے رہیں عددی قوت ان کی بہت ہی تھوڑی ہے یہاں میں حدیبیہ کا ذکر کر دوں کہ بظاہر رسول اکرم نے وہاں دب کر صلح کر لی تھی یہاں تک کہ حضرت عمرؓ بھی چیں بہ جبیں تھے اور خوش نہ تھے۔ حضرت عمرؓ کا دماغ بہت بڑا سہی مگر نبوت کا دماغ تھوڑا ہی تھا۔ آپ جانتے ہیں بات کیا تھی مسلمانوں کے خلاف سازش کا دارومدار اس پر تھا کہ خیبر کے یہودیوں کی مالی قوت اور قریش کی عددی قوت یہ دونوں مل جاتی تھیں، اب قریش سے معاہدہ کر کے قریش کی عددی قوت کو خیبر کی مالی قوت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ پھر واپس مدینے آنے پر کمر بھی کھولنے کی اجازت نہیں دی گئی دو ماہ کے اندر اندر خیبر پہنچ کر خیبر کو "درست" کر دیا گیا ان کی مدد کو کوئی قریش نہیں آیا معاہدے کے بعد آ بھی نہیں سکتا تھا، آپ نے غور کیا یہ نبیؐ کی خارجی حکمتِ عملی کا ایک بڑا کارنامہ اور کمال تھا جس پر عام نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اب صحابہؓ کی سمجھ میں آیا کہ یہ تو بات ہی کچھ اور تھی ہم ہی غلط سمجھ رہے تھے۔ اصل میں بنیادی بات یہ ہے کہ جب کبھی کوئی تحریک پیدا ہو اور جب تعداد ایک طرف بہت زیادہ ہو گی تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے اور لوگ کرتے ہیں۔

س :۔ مولانا کہا جاتا ہے کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور اس کا علم صرف ائمہ ہی کو ہوتا ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج : بھائی یہ کلیہ ہی غلط ہے، ہر ظاہر کا باطن نہیں ہوتا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ باطن کا تصور ہی قرآن کے خلاف بغاوت ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے ظاہر حکم دیا، واضح حکم دیا تم باطن کہاں سے لا رہے ہو۔ اس پر آغا لی کی تو ایک مستقل کتاب ہے اس کا نام ہی ہے "کتاب الباطنیہ" یہ سب باطنیت افسانہ ہے، میں اپنے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھا ہوا ہوں یہ ظاہر ہے بتائیے اس کا باطن کیا ہو گا؟ ظاہر ہمیشہ باطن پر غالب ہوتا ہے آپ ظاہر پہ باطن کا کوئی غلاف چڑھائیں، کوئی معنی پیدا کریں ظاہری معنی ہی غالب ہوں گے۔

س :۔ اہلِ تشیع اور آغاخانیت میں دو بڑی اہم اصطلاحات میں "الامام" اور "النورؑ" یہ کیا ہیں؟

ج :۔ ان دونوں الفاظ سے نسل پرستوں نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں بڑا کام لیا ہے اور آج تک لے رہے ہیں۔ عقیدہ امامت کے لئے یہ الفاظ کیسے اختیار کئے گئے، کیوں اختیار کئے گئے اس کا سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ۶۱۰ء میں قرآن مجید کی پہلی آیت نازل ہوئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ہی سے نسلی برتری کے عقیدے کی تردید شروع کر دی۔ یہ بات عقلِ انسانی کے لئے قابلِ قبول نہیں تھی اور نہ آج ہے کہ جس بات پر انسان کو کوئی اختیار ہی نہ ہو وہ اس کے لئے برتری کی وجہ کیسے ہو سکتی ہے یا کمتری کا سبب کیوں بن سکتی ہے۔ کسی کا قریشی ہونا یا حبشی ہونا اس کے اختیار میں نہیں ہے اس کا سبب پیدا ہونا ہے اور ظاہر ہے پیدا ہونا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ اپنے اختیار اور پسند سے پیدا ہوئے تھے نہ ابولہب جو سردارِ قریش عبدالمطلب کا بیٹا تھا اور حضرتِ علی مرتضیٰؓ کا چچا تھا نہ اس نے اپنے اختیار سے اپنے ماں باپ کو چنا تھا نہ اپنے پیدا ہونے کی جگہ اور وقت کا تعین کیا تھا۔ ظاہر ہے سب انسان برابر ہیں اور انسان اپنے ارادی عمل ہی سے مکرم یا غیر مکرم ہو سکتا ہے اس بات اور نظریہ کی ابولہب اور ابوجہل جیسے قریشیوں نے شدید مخالفت کی ابولہب نے تو ایک بار بھرے مجمع میں صاف صاف کہہ دیا کہ محمدؐ کہتے ہیں کہ بتوں کی پوجا نہ کرو، ہم بتوں کو خالق و مالک نہیں مانتے انہیں خالقِ کائنات کے دربار میں اپنا سفارشی مانتے ہیں۔ محمدؐ کہتے ہیں تو ہم آج ہی سے ان کی پوجا چھوڑ دیتے ہیں۔ ہم محمدؐ کو اپنا بادشاہ بھی بنا لیتے ہیں۔ بے اندازہ مال و دولت بھی انہیں دینے کو تیار ہیں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ حبشی غلام بلالؓ کو اپنے برابر مان لیں اور اس کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانے بیٹھ جائیں۔ اس قسم کی نسل پرستی میں صرف قریش ہی گرفتار نہ تھے ساری دنیا گرفتار تھی اور آج تک گرفتار ہے یہود اولادِ یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ایسی پسندیدہ اور متبرک نسل بتلاتے ہیں کہ دوسرے ان کے مقابلے میں

کئی سیاسی و مذہبی تنظیمیں سازشوں کے ذریعے ملک کے وسائل و اقتدار پر قابض ہونے کے لیے کوشاں ہیں

صرف حیوانات اور جانوروں کا درجہ رکھتے ہیں دیکھ لیجئے آجکل اسرائیل میں کیا ہو رہا ہے۔ اسی قسم کا عقیدہ پارسیوں کا ہے ساسانیوں کے سوا کوئی اس قابل ہی نہیں کہ حکمراں ہو سکے بلکہ اسے انسان کا درجہ ہی حاصل نہیں ہے۔ برہمن کی نسل پرستی کو دیکھئے یا جاپانیوں کی نسل پرستی پر نظر ڈالئے۔ یونانیوں کا حال بھی اس سے بہتر نہیں، نارمنڈی کی نارمن نسل کا بھی یہی حال ہے۔ ہٹلر کا نعرہ آخر کیا تھا؟ دوسروں کو کیا کہیں خود مسلمانوں میں بھی آج پیرزادوں، خانزادوں اور نوابزادوں کی کمی نہیں ہے اور سید زادوں نے تو بڑے مالی فائدے اس عقیدے سے حاصل کئے ہیں اور آج تک حاصل کر رہے ہیں۔ گویا یہ دونوں اصطلاحیں فریب اور دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہیں۔

س :۔ مولانا امتِ مسلمہ میں رہنے کے لئے کم سے کم ضروری امور کیا ہیں؟

ج :۔ امتِ مسلمہ میں رہنے کے لئے دس امور ضروری ہیں۔ پانچ یقین وایمان سے متعلق ہیں اور پانچ کا تعلق عمل سے ہے۔

(۱) اللہ ایک ہے ان تمام صفات کے ساتھ جو اس نے قرآن مجید میں بیان فرمائی ہیں (۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہ تمام انبیاء جو ان سے پہلے تھے سچے تھے۔ نبی کریمؐ آخری نبیؐ ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اللہ پر نبوت ختم ہو گئی اب کوئی اور نہیں ہو سکتا جو اللہ کی رضا بتا سکتا ہو چاہے اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا جائے مثلاً ظلّی نبی یا امام یا اور کچھ۔ اسی طرح اللہ کے فرشتے ہیں اللہ ان سے کام لیتا ہے (۳) ہر انسان کو قیامت میں اپنے عقائد اور اعمال کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا اور وہ جزا اور سزا پائے گا (۴) قرآن مجید سچ اور حق ہے۔ اس میں کوئی کمی اور بیشی نہیں ہو سکتی۔ (۵) سارے انسان برابر ہیں نسل، رنگ یا وطن کی وجہ سے کوئی ایک دوسرے سے زیادہ مکرم نہیں ہو سکتا اس لئے کہ پیدا ہونا اور مرنا کسی کا اختیاری امر نہیں ہے اور نسل رنگ یا وطن کا دار و مدار پیدائش پر ہے۔

دوسرے پانچ امور یہ ہیں۔

(۱) اپنے ایمان کا دل سے یقین اور زبان سے واضح اقرار، نماز فرض ہے اس کی فرضیت سے انکار پر انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ زکوٰۃ فرض ہے، روزہ فرض ہے، حج فرض ہے انہیں نہ ماننے والا یا ان کی فرضیت سے منکر شخص بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا البتہ اگر کوتاہی کے سبب عمل نہ کرے تو وہ گنہگار ہو گا دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہو گا۔ (۲) ختم نبوت کے بعد کسی امام کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس کی کوئی ضرورت بتائی ہے۔ (۳) فقہ جعفریہ کوئی چیز نہیں ہے حضرت جعفر صادق سے اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ حضرت جعفر صادق کی وفات ۱۴۸ھ میں ہوئی اور فقہ جعفریہ کے نام سے تقریباً سات سو سال کے بعد بعض عالموں نے اپنے قیاس سے کچھ تھوڑے سے مسائل بیان کر کے اس کا نام فقہ جعفریہ رکھ دیا۔ یہ قیاسات بذریعہ روایت بھی حضرت جعفر صادق سے منقول نہیں ہیں۔ (۴) کسی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ فرائض جو اللہ تبارک تعالیٰ نے عائد کئے ہیں ان کو ہمیشہ کے لئے یا وقتی طور پر ساقط کر دے حتیٰ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ (۵) شریعت ان قوانین اور ضوابط کا نام ہے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ پابندی کرتے تھے

تحریکِ خلافت کے دوران

آغاخان نے انگریزوں کا

بھرپور ساتھ دیا

اور ہمیشہ پابند رہے۔ طریقت، حقیقت اور معرفت کے الفاظ چالاک لوگوں نے اپنے معتقدین سے دولت بٹورنے کے لئے بنائے ہیں ان کا کوئی ذکر قرآن مجید میں یا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں نہیں ہے اور نہ اس قسم کی جعلی باتوں سے کوئی ترقی ہو سکتی ہے۔

س :۔ مولانا آج کل یہ خبریں بھی گرم ہیں کہ آغاخانی پاکستان کے کچھ شمالی حصوں پر مشتمل ایک حکومت تشکیل دینے کی کوشش وسعی میں مشغول ہیں؟

ج :۔ جی ہاں ایسی کوشش کی جا رہی ہے۔ یوں تو پاکستان میں کئی سیاسی اور مذہبی اقلیتیں ہیں جن کی وفاداریاں ملک سے باہر کے آقاؤں سے وابستہ ہیں اور جو اندرونی خلفشار اور بیرونی مدد سے سیاسی قوت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ ایسی اقلیتوں کے لئے بظاہر یعنی عام معروف طریقوں سے اور انتخابات کے ذریعہ اپنے مقاصد کا حصول ناممکن ہے لہٰذا ان کے لئے اپنے مذموم مقاصد حاصل کرنے کی خاطر سازشوں کا جال بچھانا بے حد ضروری ہے ان میں آغاخانی اسمٰعیلیوں کی اقلیت واضح اور منفرد ہے یوں تو تاریخ میں بہت سی خفیہ اور تخریب پسند تحریکوں کا تذکرہ ہے مگر کوئی اسمٰعیلی باطنی تحریک کا مقابلہ نہیں کر سکتی جس کے حالیہ سربراہ شہزادہ کریم آغاخان ہیں۔ آغاخان سوم نے برطانوی ایجنٹ کی حیثیت سے ایک بہت ہی بڑا کردار ادا کیا برطانیہ سے وفاداری میں ان کے یوں تو بہت سے "کارنامے" ہیں جن میں سے معروف ترین یہ ہیں (الف) یہودیوں کے رہنما روتھشیلڈ سے مل کر آغاخان سوم نے اسرائیلی مملکت کی منصوبہ بندی کی اور اس سلسلے میں خلیفہ سلطان عبدالحمید خان کو تین بار یادداشتیں پیش کیں مگر وہ ان کی سازش کا شکار نہیں ہو سکا (ب) آغاخان سوم نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ خلیفہ کو درپیش مسائل کا حل یہ ہے کہ وہ ریاستہائے بلقان سے از خود دستبردار ہو جائیں (ج) برصغیر کے مسلمانوں کی تحریکِ خلافت میں آغاخان نے پوری طرح برطانوی آقاؤں کا ساتھ دیا (د) نتیجہ یہ ہوا کہ خود آغاخان اور ان کے مریدوں کو دونوں عالمی جنگوں میں اور پورے دورِ برطانیہ میں خالص وفاداری کے صلے میں آغاخان سوم اور ان کے صاحبزادے علی خان کو بہت سے اعزازات اور خطابات سے نوازا گیا۔

"الموت" کی حکومت کے تقریباً آٹھ سو سال قبل خاتمے کے بعد سے آغاخانی ایک اسمٰعیلی حکومت کے قیام کی جدوجہد کر رہے ہیں انہوں نے برطانوی حکومت کی کلیتہً حاشیہ برداری کے بعد اربابِ اقتدار پر اپنی ایک حکومت اور ملک کے قیام کے لئے دباؤ ڈالنا شروع کیا اور واضح کیا کہ ان کے تصرف میں افرادی قوت بھی ہے، ان کی اپنی زبان ہے، اپنا جھنڈا ہے۔ اپنی تہذیب ہے اپنا مسلک ہے اور مالی اعتبار سے بھی وہ لوگ بہت مضبوط ہیں لہٰذا انہیں ایک خطہ باقاعدہ ریاست کی تشکیل کے لئے دیا جائے انگریزوں نے جنگِ عظیم دوم کے بعد انہیں ملک شام دے دینے کا وعدہ کر لیا تھا لیکن آغاخانیوں کا مطالبہ مصر کے لئے ہوا یہ برطانوی حکومت کے لئے ممکن نہ تھا پھر انہوں نے سندھ کا مطالبہ کیا برطانوی حکومت نے اسے بھی خوبصورتی سے ٹال دیا اور آغاخان سوم کو صرف اعزازات اور خطابات کی حد تک محدود رکھا۔ اب یہ لوگ اپنے پیشوا کریم آغاخان چہارم کی رہنمائی میں ایک اسمٰعیلی ریاست کا پھر خواب دیکھ رہے ہیں جو پاکستان کے شمالی حصے میں چند علاقوں پر مشتمل اور رقبہ کے اعتبار سے

افغانستان کے برابر ہوگی جیسے ہنزا، ناگر، یاسین، پنیال، گلگت، مستوج، برغیل، کہت، یارخون، ٹوکھو اور اسی طرح دور دراز کے غیر ملکی علاقے مثلاً واخان، بدخشاں، اشکاشم، زیباک، رباط، شغنان یا میر وغیرہ ہوں گے۔ یہ ایک بہت نازک خطہ ہے جہاں افغانستان، روس، چین اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحدیں ملتی ہیں۔ یہ سازش بے حد خوفناک اور پاکستان کی سالمیت کیلئے زبردست خطرہ ہے، اس کی وجہ سے اسلام اور پاکستان کی ساری نظریاتی اور جغرافیائی سرحدیں مسمار ہوسکتی ہیں یہ سازش واخان سے ہنزہ تک سکم سے لے کر کراچی تک اور گوادر اور مکران کے پانیوں تک اپنے قدم جمانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ اس میں آزاد کشمیر کا سیاچن کا حصہ بھی شامل ہے رقبہ اس کا افغانستان کے لگ بھگ ہے ان مقامات میں سے بیشتر میں اسمٰعیلیوں کی اکثریت ہے بلکہ بعض علاقوں میں یہ حضرات صد فیصد ہیں آغاخانیوں نے اپنا علیحدہ قومی نشان بنا لیا ہے ایک علیحدہ جھنڈا ہے جس کا رنگ سبز اور سرخ ہے۔ اپنا ترانہ ہے جسے اسمٰعیلی ترانا کہا جاتا ہے۔ کریم آغاخان کو اس منصوبے میں روس کی امداد اور تعاون حاصل ہے روس ہمیشہ ان کی مدد کرتا رہا ہے اور یہ لوگ روس کی ہر مرحلہ پر ہم خیالی اور مدد کرتے رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان پر بھارتی حملے کے دوران سقوطِ ڈھاکہ کے موقع پر جملہ اسمٰعیلیوں نے روسی سفارت خانے ہی میں پناہ لی تھی۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھئے کہ آغاخان نے آج تک افغان مجاہدین کی کوئی مدد نہیں کی کوئی عطیہ نہیں دیا حتیٰ کہ زبانی طور پر بھی ان کے ساتھ اظہارِ ہمدردی نہیں کیا روس کے خلاف کچھ نہیں کہا گیا۔ پچھلے دنوں آغاخان نے گلگت اور ہنزہ وغیرہ کا پہلی مرتبہ تفصیلی دورہ کیا ساری امدادی سرگرمیوں کو دیکھا۔ دیہاتی تعاون کے پروگرام، سڑکوں کی تعمیر اور ان کا حال، ہیلی پیڈ، پل، پانی کی فراہمی کا نظام، اسپتال، مدارس غرض کہ ایک بھرپور سروے کیا گیا پھر آغاخان نے صدر مملکت سے ملاقات کے بعد اپنا اظہارِ مدعا بھی کیا جب اس علاقے کے عوامی راہنماؤں کو معلوم ہوا تو سب لوگ پریشان ہوگئے۔ سیاچن بیلٹ میں ہونے اور آزاد کشمیر کا علاقہ بھی شامل ہونے کی وجہ سے صدرِ آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان سے یہ لوگ ملے جنھوں نے صدرِ پاکستان کو صورتِ حال اچھی طرح سمجھائی اور یہ منصوبہ کھٹائی میں پڑ گیا معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سیاچن گلیشیر پر ہندوستان کو حملے کی دعوت بھی ان ہی حضرات نے دی تھی اور سمجھایا تھا کہ اس علاقے پر قبضہ کرکے آپ شاہراہ ریشم کو کاٹ سکتے ہیں اور پورے علاقے پر بھرپور نظر رکھ سکتے ہیں۔

سانحہ گلگت کے محرکات

اہل وطن ابھی تک گلگت میں پیش آنے والے افسوسناک واقعات سے بے خبر ہیں بعض اخبارات میں اس ضمن میں جو رپورٹیں شائع ہوئی ہیں وہ اتنی نامکمل اور سطحی ہیں کہ جن سے اہل وطن کی پریشانی بجائے کم ہونے کے زیادہ ہوتی ہے۔ تنظیم اہل سنت والجماعت شمالی علاقہ جات (گلگت) کے سیکرٹری اطلاعات جناب شرافت خان نے اپنے ایک مکتوب میں ان افسوسناک واقعات کے محرکات سے پردہ اٹھایا ہے۔

جناب شرافت خان کا کہنا ہے کہ گلگت میں گزشتہ دو دہائیوں سے شیعہ فرقہ کے لوگ صحابہ کرامؓ اور امہات المومنینؓ کی شان میں مسلسل گستاخیاں کرکے وہاں کے ماحول کو کشیدہ کئے ہوئے ہیں۔ اہل سنت نے ہمیشہ قانون کو ہاتھ میں لیے بغیر انتظامیہ سے درخواست کی کہ وہ یہ سلسلہ بند کرائے، مگر اس کے باوجود کہ ملک میں تحفظِ ناموسِ صحابہ آرڈیننس نافذ ہے، انتظامیہ نے اس سلسلہ میں کوئی تادیبی کارروائی نہیں کی۔

اسی طرح رمضان المبارک میں اسی فرقہ نے یوم قدس کے موقع پر ایک جلسہ منعقد کیا اور جلوس نکالا جس میں راستے بند کرکے ٹائر جلانے کے علاوہ امریکہ اور اسرائیل کے خلاف نعرہ بازی کرنے کے علاوہ پاکستان مردہ باد کے نعرے بھی لگائے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ان جلسوں اور جلوسوں میں حکومتِ پاکستان کے متعدد کلاس ون گزیٹڈ افسر بھی شامل تھے۔

اس واقعہ کے دوسرے روز گلگت کے بازاروں اور گلیوں کی دیواروں پر شیعوں نے صحابہ کرامؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شان میں سخت نازیبا الفاظ تحریر کیے۔ سنی نوجوانوں کو دیواروں پر نعرے لکھتے ہوئے دیکھ کر تھانے میں رپورٹ کی گئی کہ ان کو گرفتار کیا جائے، مگر کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

ان حالات میں اہل سنت والجماعت گلگت نے ایک قرارداد منظور کرکے شرپسند عناصر کی فوری گرفتاری اور سزا کی اپیل کرکے دس دنوں کی مہلت دی کہ انتظامیہ اگر قانونی کارروائی نہ کرسکی تو اہلِ سنت خود جواب دینے پر مجبور ہوں گے۔

انتظامیہ نے حسبِ معمول اس اپیل پر بھی کوئی توجہ نہیں دی اور مجرموں کو گرفتار کرنے کے لیے کوئی کارروائی نہ کی۔ سنا گیا کہ ڈی آئی جی پولیس محمد علی نے جو خود شیعہ ہیں، مجرموں کو گرفتار نہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے علاوہ پولیس کے اے آئی جی، گلگت کے اسسٹنٹ کمشنر اور پرنسپل انفارمیشن آفیسر بھی شیعہ ہیں اور اس ناطے شرپسندوں کو مکمل تحفظ اور پشت پناہی مہیا کر رہے ہیں۔

تکبیر رپورٹ

شیعوں نے عید بھی ایک روز قبل منائی اور اپنی عید کے روز دوپہر کے وقت چند شیعہ لڑکے اہل سنت کے ایک محلے پر چڑھے بیٹھے ہوئے آکر ریوالور سے ہوائی فائرنگ کرتے ہوئے سامنے اپنے محلے کی طرف بھاگ گئے۔ اہلِ سنت کے افراد نماز کے لیے ابھی گھروں سے نکل رہے تھے کہ چند سنی نوجوان ان لڑکوں کو دیکھنے کے لیے محلے سے باہر کھیتوں میں اترے تو اچانک مخالف سمت سے کلاشنکوف، ایل ایم جی اور دوسرے جدید خودکار اسلحہ سے ان پر فائرنگ شروع کی گئی جس سے ایک سنی نوجوان میر شمان شہید ہوگئے۔ اور کئی نوجوان زخمی ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پولیس اور ایف سی فورس نے ایرا کی تا کہ سندری کی شیعہ فائرنگ کرتے ہوئے پیچھے پہاڑ پر مورچہ بند ہوگئے ——

ان اشتعال انگیز کارروائیوں کے باوجود گلگت کی اہلِ سنت آبادی نے قانون کو ہاتھ میں نہیں لیا بلکہ مجرموں کی گرفتاری کی درخواست کی۔

گلگت کے مقامی سنی شیعوں کے مقابلے میں غیر منظم اور نہتے تھے، جبکہ شیعوں کو ایران اور بھارت سے وافر امداد و اسلحہ مل رہا تھا۔ (جس کی توثیق مورخہ ۲۶ مئی کے بی بی سی کے تبصرے سے بھی ہوتی ہے) گلگت میں اہلِ سنت پر ڈھائے جانے والے مظالم کی اطلاع کس طرح ضلع دیامر اور ضلع کوہستانی کے غیور مسلمانوں کو ہوئی۔ انہوں نے گلگت کی طرف پیش قدمی شروع کی اور گلگت سے ۳۰ کلومیٹر کے فاصلے پر موضع جنگوٹ میں اپنا مرکز بنایا اور وہاں سے گلگت کی انتظامیہ کو پھر درخواست کی گئی کہ مجرموں کو گرفتار کرکے قرار واقعی سزا دی جائے۔ لیکن حکام نے سنی اَن سنی کر دی۔ اس کے بعد دریا کے دوسری جانب جلال آباد (جو ایک شیعہ آبادی ہے) سے مسلح اس اجتماع پر جدید اسلحہ سے لیس ریٹائرڈ فوجیوں کے ایک گروپ نے فائرنگ شروع کی جس سے کئی افراد زخمی ہوئے اور یہاں سے ان فسادات کی ابتداء ہوئی۔

پولیس اور ایف سی فورس جب حالات کو سنبھالنے میں ناکام ہوگئیں تو فوج نے چارج سنبھال لیا۔ لیکن اگر مقامی سنی علماء اور قائدین قبائلی مسلمانوں کی منت سماجت کرکے واپس نہ بھیج دیتے تو یقیناً یہ لوگ گلگت شہر میں داخل ہوتے اور گلگت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ انہوں نے مقامی علماء اور قائدین کا کہا مان لیا اور واپس چلے گئے۔ اس طرح گلگت کے حالات اب قابو میں ہیں تاہم اگر شیعہ آبادی کی اشتعال انگیزیوں کو ختم نہ کیا گیا تو حالات کے بارے میں کوئی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔

□□

فساداتِ چترال و گلگت کے بارے میں آغا خان فاؤنڈیشن کی تردید جھوٹ کا پلندہ ہے

آغا خانیوں کی اشتعال انگیزی کی تفصیلات چترال کی عدالتوں کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

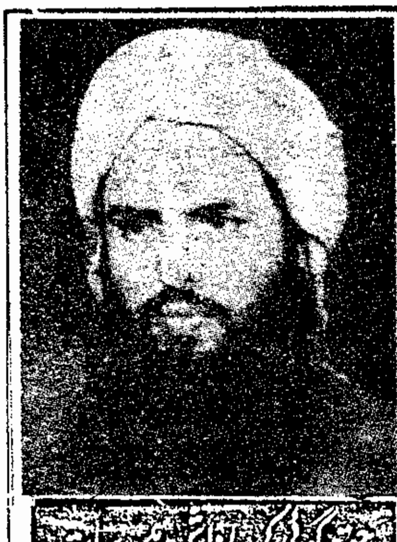
اسماعیلیوں کے عقائد اور مراسم کے بارے میں تکبیر میں شائع ہونے والی پہلی رپورٹ میں مولانا عبیداللہ چترالی کے حوالے سے کئی اطلاعات شامل تھیں۔ بعد میں آغا خان فاؤنڈیشن نے ان میں سے کئی باتوں کی تردید کر دی گزشتہ دنوں مولانا عبیداللہ چترالی خود کراچی تشریف لائے تو تکبیر نے اُن کا مؤقف جاننے کے لیے اُن سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے جو کچھ بتایا، نذرِ قارئین ہے۔

"تکبیر کے ایک شمارہ میں رمضان مرچنٹ اور عاشق علی کی طرف سے "تکبیر ہی میں شائع شدہ ایک مبنی برحقیقت رپورٹ" تردیدی جواب دینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ چونکہ میرا تعلق چترال سے ہے اور میں سارے واقعات کا عینی شاہد ہوں، اس لئے صورتِ حال کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ قوم صحیح صورتحال کے بارے میں تذبذب کا شکار نہ ہو جائے۔

۱۹۸۲ء میں رونما ہونے والے چترال کے واقعات کے بارے میں رمضان مرچنٹ صاحب کا کہنا ہے کہ "صرف چترال میں ہوئے تھے، گلگت میں کبھی نہیں ہوئے"۔ جناب رمضان صاحب کا یہ بیان ہزاروں لوگوں کے سامنے رونما ہونے والے واضح حقائق کو جھٹلانے اور اپنی غلطیوں اور زیادتیوں پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش ہے اس لئے کہ چترال کے علاوہ شمالی علاقہ جات میں ایسے واقعات سرزد ہوئے ہیں۔ چلاس میں ایک مسلمان شہید اور کئی زخمی کر دیئے گئے جس کے نتیجے میں آغا خان فاؤنڈیشن کی دو گاڑیاں جلائی گئیں اور ایک جماعت خانہ جلایا گیا۔ اس سے پہلے تقریباً ۱۹۵۲ء میں ہنیال گلگت کے اسماعیلیوں نے مسلمانوں پر حملے کئے اور عام مسلمانوں کے علاوہ کئی مسلمان سپاہی بھی مارے گئے۔ اس قسم کے چھوٹے بڑے واقعات ان علاقوں میں رونما ہوتے رہتے ہیں جو تقیہ کے بغیر چھپائے نہیں جا سکتے۔

جناب رمضان صاحب چترال کے واقعے کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "مولوی لوگ تقریریں کرتے ہیں اور یہ اشتعال پھیلانے والی تقریریں ہوتی ہیں"۔ اگر مولوی کی تقریر کے ردِعمل میں مخالف فریق (جسے خاموش رہنے کی ہر وقت ہدایت کی جاتی ہے، اپنے مذہب کو چھپانا اور غیروں کے سامنے اپنے مذہب کے بارے میں غلط بیانی کرنا ان کے ہاں سب سے بڑا کارِ ثواب سمجھا جاتا ہے) اشتعال میں آ سکتا ہے تو کیا قرآن اور ارکانِ اسلام کو چیلنج کرنے پر مسلمان اشتعال میں نہیں آ سکتا؟ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ پہل کس کی طرف سے ہوئی، مولویوں یا مسلمانوں کی طرف سے یا آغا خانی مشنریوں کی طرف سے۔ آغا خانی مشنری کھلے عام قرآن کو جھٹلانے اور پنج وقتہ نمازوں کا صریح انکار کرنے لگے۔ مسلمان ان کو جواب دینے کے لئے مجبور تھے۔ اگر قرآن و ارکانِ اسلام کے دفاع کو اشتعال دلانے کا نام دیا جا سکتا ہے تو ہم اس جرم کو نہ صرف اپنے سر پہ لیتے ہیں بلکہ اس پر مفتخر اور نازاں بھی ہیں۔

آغا خانیوں کی طرف سے مناظرہ کے لئے چیلنج دینے کے



حق گوئی کی پاداش میں سات برس سے چترال سے ضلع بدر
اسماعیلی خاندان سے تعلق رکھنے والے
مولانا عبیداللہ چترالی کا اظہار خیال

واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے جناب مرچنٹ صاحب فرماتے ہیں، "جی نہیں، یہ سب جھوٹ ہے، چترال میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا"۔ رمضان صاحب کے اس جھوٹ سے مجھے کوئی تعجب نہیں ہو رہا اگر علاقے کے ان لوگوں کو، جو مسئلہ کتمان سے ناواقف ہیں، اس کتمانِ حقیقت پر ضرور تعجب ہوگا۔ میں حیران ہوں کہ آغا خانی عوام کیوں اپنے آپ کو اتنا بے وقوف بنائے ہوئے ہیں کہ ان کے سامنے ہونے والے واقعے کی تکذیب پر بھی یہ اپنے آقاؤں سے پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ اسماعیلی مشنریوں کی خود ان کی آواز میں ریکارڈ شدہ کیسٹیں اب بھی ہمارے پاس موجود ہیں، جو ہم ہر وقت ہر جگہ سنا سکتے ہیں، جن میں دیگر خرافات کے علاوہ پنجگانہ نمازوں کی فرضیت کو چیلنج کیا گیا ہے۔ جب علماء اس چیلنج کا جواب دینے کے لئے میدان میں آئے تو متعلقہ مشنری بھاگ نکلا مگر دیگر اسماعیلی لیڈروں نے مشنری کی مذمت کرنے کی بجائے علماء اور مسلمانوں پر نہ صرف کیچڑ اچھالے بلکہ مناظرہ کے لئے تحریری چیلنج دیا جو ہمارے پاس ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ یہ خط ۱۳ جولائی ۱۹۸۱ء کو بھیجا گیا اور ۱۶ جولائی مناظرہ کی تاریخ مقرر ہوئی۔ آغا خانی ڈر کے مارے راہِ فرار ڈھونڈنے لگے۔ چنانچہ ۱۴ جولائی کو ہی چترال کے اسماعیلی لیڈرز تقریباً ۳۰۰ لوگوں کے جلوس کو ساتھ لے کر ہمارے گاؤں آئے تاکہ اس غیر متوقع کارروائی سے ہمیں مرعوب کر کے مناظرہ سے باز رکھ سکیں۔ رمضان کا مہینہ تھا مسلمان روزے سے تھے اور کام کاج سے فارغ ہو کر دوپہر کو آرام کر رہے تھے کہ آغا خانیوں کی اس اچانک آمد سے مطلع ہو کر مسجد میں جمع ہو گئے جبکہ آغا خانی پہلے سے جماعت خانے میں جمع تھے۔ مسلمانوں کو مناظرہ کے لئے تیار پا کر آغا خانی واپس ہوئے اور الٹے پاؤں گاؤں سے نکل گئے۔ مگر اپنے جرم کو چھپانے اور اپنی سبکی کا بدلہ لینے کے لئے پولیس کے ذریعے ہمیں اے سی سب ڈویژن بونی کے دفتر بلایا گیا جہاں ہماری اور ان کی آمنے سامنے گفتگو ہوئی،

تعارف

میں ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوا۔ میرے والد صاحب پہلے خود اسمٰعیلی تھے، لیکن جوان ہو کر یہ مذہب چھوڑ دیا اور مسلمان ہو گئے۔ پھر بحمد اللہ دین کی کتابیں بھی پڑھیں۔ میرے تمام رشتے دار اسمٰعیلی تھے اور اکثر اسی مذہب میں مرے اور میرے دادا، پردادا سب آغا خانی تھے اور میرے ماحول میں اب بھی آغا خانیوں کا اثر ہے، میرے رشتے دار سب آغا خانی ہیں۔ میں نے ابتدائی تعلیم کے بعد پشاور آ کر شب قدر، پشاور سٹی، سوات اور بعد ازاں اکوڑہ خٹک کے دارالعلوم حقانیہ میں داخلہ لیا۔ ۷۶ء میں میری فراغت ہوئی، پھر دارالعلوم سرحد میں تدریس کرتا رہا۔ چھٹیوں میں گھر جا کر اپنے رشتے داروں میں اسلام کی تبلیغ کرتا رہا، جس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ کئی لوگ مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں کو بھی آغا خانی عقائد کے بارے میں علم ہوا۔ اس سے مشتعل ہو کر آغا خانیوں نے کئی بار میرے خلاف سازش کی اور کئی بار حملے کیے، مگر خدا نے میری حفاظت فرمائی۔

ماہ رمضان ۸۱ء میں میں نے اپنی پہلی کتاب "مذہب اسمٰعیلیہ قرآن و حدیث کے آئینے میں" لکھی۔ اس کی اشاعت سے پہلے ہی ۱۴ جولائی ۸۱ء کا مندرجہ ذیل واقعہ رونما ہوا، جس کے نتیجے میں میری ضلع بدری کے احکام صادر ہو گئے۔ یکم جنوری ۸۲ء کو ضلع بدری کے حکم کی تجدید کی گئی اور مزید چھ ماہ کی پابندی لگائی گئی۔ یہ مدت پوری ہونے کے بعد میں چترال گیا، پھر چترال کا مذکورہ واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ ایک سال جیل میں رہنے کے بعد یکم شوال کو عیدالفطر کے دن عید کی نماز سے پہلے، اپنی رہائش گاہ واقع سول کوارٹرز پشاور پہنچا۔ بعد ازاں ۸۶ء کو دارالعلوم تعلیم القرآن کی بنیاد رکھی۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے ۸۷ء کو کیں باڑہ گیٹ منتقل ہوا اور دارالعلوم فی الحال وہاں پر قائم ہے۔ میں ہفت روزہ تکبیر کا شکر گزار ہوں کہ گئے گزرے دور میں بھی آزاد صحافت اور قلمی جہاد کا فریضہ ادا کر رہا ہے۔ اس کی روز افزوں ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔

جس میں ان کو ہزیمت و فضیحت اٹھانی پڑی اور مسلمان باعزت طور پر رخصت ہو گئے۔ پھر ایک طے شدہ منصوبے کے تحت باہر ہماری گاڑی روک کر پولیس کی موجودگی میں ہم پر حملہ کیا گیا مگر بفضل اللہ ہم بچ گئے۔ کئی گھنٹوں تک ڈی ایس پی شریف احمد کے دفتر میں آغا خانیوں نے ہمیں محصور رکھا۔ آخر کار مجسٹریٹ کی نگرانی میں پولیس نے ہمیں اپنے گاؤں تک پہنچا دیا۔ علاقے کے مسلمان مشتعل ہو کر اس واقعے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مجرموں کو سزا دینے کا مطالبہ کرنے لگے مگر واقعے کی تحقیقات کرنے کی بجائے مجھے دس ماہ کے لیے اپنے علاقے چترال سے نکال دیا گیا۔ ۶ اگست ۱۹۸۲ء کو میں لونی کی مسجد میں تقریر کر رہا تھا کہ آغا خانیوں نے اپنی سابقہ شکست کا انتقام لینے کے لیے مسجد کا گھیراؤ کیا۔ سینکڑوں مرد، عورتیں جوتوں سمیت مسجد میں گھس آئے اور مسلمانوں پر حملے کیے۔ مسجد کے لاؤڈ اسپیکر توڑ دیے۔ ہم بمشکل تمام انہیں اس مسجد سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوئے اور دروازے بند کر دیے۔ ان لوگوں نے مسجد کے شیشے توڑ دیے مگر دروازے توڑنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ۸ گھنٹے بعد پولیس اور چترال اسکاؤٹ کے جوانوں نے آ کر محاصرہ توڑ دیا، اپنی حفاظت میں مسلمانوں کو ان کے گھر پہنچایا اور زخمی مسلمانوں کو ہسپتال لے جا کر مرہم پٹی کی گئی۔ یہ خبر سن کر چترال میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ نتیجتاً سارا چترال سراپا احتجاج بن گیا۔ ۸ اگست ۱۹۸۲ء کو احتجاجی جلوس چترال بازار سے گزر رہا تھا کہ تاک میں بیٹھے ہوئے آغا خانیوں نے جلوس پر فائرنگ شروع کر دی جس سے چار نوجوان شہید اور بیسیوں زخمی ہو گئے۔ ادھر فائرنگ کرنے والوں کا سراغ لگا کر لاٹھیوں اور ڈنڈوں سے مار مار کر ڈھیر کر دیا گیا۔ یہ تین افراد تھے جن میں ایک ڈائریکٹر زراعت سیف الملوک، دوسرا مشنری اور تیسرا پولیس کا آغا خانی سپاہی تھا جو مکئی کے کھیت میں چھپ کر سرکاری رائفل سے فائرنگ کر رہا تھا۔ پولیس نے سینکڑوں مسلمانوں اور آغا خانیوں کے خلاف مقدمہ درج کر لیا۔ یاد رہے کہ میں اس جلوس کے دوران چترال بازار میں موجود نہیں تھا، پھر بھی حکومت نے مجھے اور مولانا عبدالرحیم صاحب کو گرفتار کر کے ایک سال تک جیل میں رکھا۔ اس کے بعد تاحال مجھ پر چترال میں داخلے کی پابندی ہے۔ اس تفصیل کے بعد غور فرمائیے مرچنٹ صاحب کا

واخان پر روس کا قبضہ آغا خانیوں کے مکمل تعاون کی وجہ سے کسی مزاحمت کے بغیر ہو گیا کیوں کہ اس علاقے کی سو فی صد آبادی اسمٰعیلیوں پر مشتمل ہے۔

یہ کہنا کہ مناظرے کا چیلنج نہیں دیا گیا، دروغ گوئی اور واضح حقیقت کو جھٹلانے کے سوا کیا ہے؟ آپ چاہیں تو چترال کی عدالتوں سے ان تمام کارروائیوں کا ریکارڈ طلب کر سکتے ہیں۔

آغا خان فاؤنڈیشن کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے رمضان مرچنٹ فرماتے ہیں کہ "فاؤنڈیشن کی ممبر سازی کے لیے کسی سے کوئی فیس وصول نہیں کی جاتی۔" مجھے افسوس ہے کہ رمضان صاحب نے اسماعیلی دنیا میں اپنی پوزیشن کی پرواہ کیے بغیر بہت بڑی غلط بیانی فرمائی ہے اس لیے کہ دیہی کمیٹی تشکیل دیتے وقت ہر ممبر سے تین سو روپیہ فیس لازماً وصول کرنے کے علاوہ دس روپیہ ماہوار دینا لازمی ہوتا ہے اور رمضان صاحب کے اپنے کہنے کے مطابق اس قسم کی کمیٹی کے ارکان کی بچت کی رقم جو چونتیس ملین تک جا پہنچی ہے اگر فیس وصول نہیں کی جاتی تو یہ رقم کہاں سے آئی؟ اگر یہ رقم کمیٹی کے ارکان کی ہے تو ذرا یہ بتایا جائے کہ کسی بھی جگہ منصوبے کی تکمیل کے بعد ممبروں کو یہ رقم واپس کی گئی ہے؟ بہت سے دیہات میں کام مکمل ہونے کے بعد آغا خان فاؤنڈیشن کی طرف سے دوسرا منصوبہ لینے سے انکار کیا گیا مگر جمع شدہ رقم واپس نہیں کی گئی۔ اصل صورت حال یہ ہے کہ ارکان کمیٹی کی بچت رقوم کا نام دے کر علاقے کے لوگوں کو مستقل طور پر آغا خان فاؤنڈیشن کے زیر اثر رکھنے کی یہ ایک سازش ہے کہ انہی پیسوں کو بنیاد بنا کر آئندہ انہیں ٹریکٹر وغیرہ فراہم کیے جائیں جو بنکوں سے سود پر قرضہ کی بنیاد پر ملتے ہیں۔ یہ اس طرح سادہ لوح لوگوں سے پیسے بٹورتے ہیں۔ رمضان مرچنٹ کے مطابق "جانوروں کو ٹیکے لگانے کی دو روپیہ فیس وصول کی جاتی ہے کیونکہ مفت ٹیکے لگانے سے اس کی افادیت ختم ہوتی ہے۔" یہ عجیب منطق ہے کہ کروڑوں روپے کے منصوبہ جات بقول ان کے مفت مکمل کیے جانے پر ان کی افادیت ختم نہیں ہوتی اور مفت ٹیکے لگانے پر اس کی افادیت ختم ہو جاتی ہے۔ شاید ٹیکے لگانے والے ادارے نے ٹیکے سے سرگوشی کی ہو کہ دو روپے کے بغیر اثر نہ کرنا۔ اس قسم کی بچگانہ باتوں سے رمضان صاحب اور عاشق علی صاحب کی جھنجھلاہٹ کھل کر سامنے آتی ہے اور اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ فاؤنڈیشن کے بارے میں ہمارے خدشات سو فیصد درست ہیں۔ فاؤنڈیشن کے ذمہ دار نہ ان کی تردید کر سکے اور نہ ہی اپنی صفائی پیش کر سکے۔ "تکبیر" کے اس سوال کے جواب میں کہ "شمالی علاقہ جات کو اپنی امدادی کارروائیوں کے لیے مخصوص کرنے کی وجہ کیا؟" عاشق علی صاحب فرماتے ہیں کہ "وہاں پر ہمارے ہم خیال لوگوں کی اکثریت ہے۔" کیا اس سے اس حقیقت کا اظہار نہیں ہوتا ہے کہ یہ سارے کام انسانی ہمدردی کی بنیاد پر نہیں بلکہ کسی دوسری پوشیدہ غرض سے کیے جا رہے ہیں ورنہ تھر کے مفلوک الحال

اور جاکنت کے قریب قحط زدگان کو کیوں نظرانداز کیا جاتا؟ نیز اگر شمالی علاقہ جات کو مخصوص کرنے کی وجہ صرف ان لوگوں کی اپنی اکثریت ہے تو وہاں کی مسلم اکثریتی آبادی پر فاؤنڈیشن کو مسلط کرنے کی کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ یہاں تک کہ ... کے ممبران ڈسٹرکٹ کونسل کے ذریعے لوگوں کو یہ دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ "فاؤنڈیشن" سے قرضہ لئے بغیر سرکاری فنڈ سے بھی حصہ نہیں دیا جائے گا۔۔۔ رمضان مرچنٹ کے کہنے کے مطابق یہ علاقہ دنیا کا پسماندہ ترین علاقہ ہے ۔۔۔ اگر مان بھی لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ۱۹۸۲ء میں چترال میں رونما ہونے والے واقعات کے بعد جناب آغا خان صاحب کو ان علاقوں کی پسماندگی کا خیال کس طرح آیا جبکہ ان کے ماننے والے خاصے عرصے سے یہاں رہتے ہیں اور انگریز گورنمنٹ نے آغا خان کی امامت میں ان کو مجتمع کرنے کے لئے ان کا باقاعدہ سروے اور مردم شماری بھی کی تھی اور یہ کہ امام زمان کو (اسماعیلی عقیدہ کے مطابق) اپنے مریدوں کے لمحے لمحے کی خبر ہوتی ہے تو ۸۲ء کے واقعے کے بعد امام صاحب کی شانِ کریمانہ کیوں اچانک جوش میں آئی اور اس سے پہلے اپنے ان مفلوک الحال پسماندہ ترین ماننے والوں کا خیال کیوں نہیں کیا؟ اس یکایک کرم فرمائی کا مقصد قرآن کی بےحرمتی، مسلمانوں کی خون ریزی اور شعائر اسلام کی برملا توہین پر انعام دینا تو نہیں؟ یا فاؤنڈیشن کی آڑ میں آغا خانیوں کو مسلح کر کے آئندہ مسلمانوں پر منظم حملے کے لئے تیار کرنا ہے؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ۸۲ء کے بعد لاکھوں کی تعداد میں کلاشنکوف و دیگر اسلحے گلگت اور چترال کے آغا خانیوں میں تقسیم کئے گئے؟ کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ ہنزہ میں زیرِ زمین اسلحہ خانے میں ذخیرہ شدہ غیر ملکی جدید قسم کے اسلحوں کو جیتو زکن کے پیر صاحب کے ذریعہ مختلف علاقہ جات کے آغا خانیوں میں تقسیم کیا جا رہا ہے اور استعمال کے طریقے سیکھنے کے لئے جماعت خانوں میں والنٹیئروں کو باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے؟ اور کیا آغا خان کی نوازشات کا مقصد اپنے ہدف کو حاصل کرنے کی خاطر مسلمانوں کو پیسوں کی فکر و لالچ میں پھنسا کر اپنی طرف سے ان کی توجہ ہٹانا ہے یا پھر مسلمانوں کو اس چال کے ذریعے آپس میں الجھانا ہے تاکہ وہ جائز و ناجائز کی بحث میں پڑ کر اصل مسئلہ سے ہٹ جائیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سارے سوالات کے جواب آپ کو ہاں میں دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں ۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے عاشق علی صاحب فرماتے ہیں کہ "ہماری جماعت میں رضاکارانہ کاموں کی بڑی اہمیت ہے"۔ عاشق صاحب بتائیں کہ فاؤنڈیشن کے جنرل مینیجر کی تنخواہ کتنی ہے؟ کیا ۸۰ ہزار روپے ماہوار تنخواہ (جو سلطان شعیب کو دی جاتی ہے) لینے کو رضاکارانہ کام کہا جا سکتا ہے اور ذرا یہ بتانے کی بھی زحمت فرمائیے کہ کیا فاؤنڈیشن کے مسلمان ملازم کو ۴ ہزار سے کم تنخواہ ملتی ہے؟ اگر رضاکارانہ کام ہو رہا ہے تو مسلمان سرکاری ملازمین کو زیادہ تنخواہ کا لالچ دے کر دوسری ملازمتوں سے نکال کر فاؤنڈیشن میں کیوں لگایا جاتا ہے؟ مجھے ایسے سرکاری ملازم بھی معلوم ہیں جن کو کسی قسم کا لالچ قبول کرنے سے انکار پر متعلقہ محکمے کی طرف سے آرڈر جاری کرایا گیا کہ فاؤنڈیشن کے ساتھ تعاون کیا کریں ۔ کیا رضاکارانہ کام ایسے ہوتا ہے؟

عاشق علی صاحب شمالی علاقہ جات میں اپنی کارروائیوں کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تکبیر نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے وہ سب درست ہے لیکن اس میں سے جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے وہ غلط ہے ،، تکبیر نے آغا خانی سرگرمیوں کے نتیجے کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ آغا خانی یہاں کسی غیر معمولی مقصد کے لیے کام کر رہے ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کا مقصد اپنی علیحدہ اسٹیٹ کا قیام ہو ۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ آغا خانی اپنے اکثر عقائد و نظریات کی بنیاد منطق و فلسفہ پر رکھتے ہیں حالانکہ وہ خود منطق کی ابجد سے بھی واقفیت نہیں رکھتے اگر ایسا نہ ہوتا تو عاشق علی صاحب اپنی کارروائیوں کے منطقی نتائج سے انکار نہ کرتے کیونکہ منطقی نتائج واضح اور ناقابلِ انکار ہوتے ہیں خدا را غور فرمایئے کہ افغانستان کا صوبہ "واخان"، بغیر کسی بھی مزاحمت کے روسی کنٹرول میں گیا جبکہ افغانستان کی باقی سرزمین پر مجاہدین سپر پاور کا ناک میں دم کر چکے ہیں ۔ پھر "واخان"، کو باقاعدہ طور پر روس میں ضم کیا گیا اور چترال کی سرحد کے متصل واخان میں بہت بڑا زمین دوز میزائیلوں کا اڈہ بنایا گیا ہے ۔ پختہ سڑکیں چترال کی سرحدات تک پہنچ گئیں ہیں اور ہوائی اڈہ واخان میں تعمیر کیا گیا ہے ۔ کیا کوئی آغا خانی یا غیر آغا خانی یہ بتا سکتا ہے کہ واخان میں ان ساری کارروائیوں کے دوران روسیوں کو کسی مزاحمت کا بھی سامنا کرنا پڑا ہو اور کم از کم واخان کے باشندوں نے اس سلسلے میں احتجاج کیا ہو یا کوئی واخانی ہجرت کر کے پاکستان آیا ہو جبکہ لاکھوں کی تعداد میں افغان مہاجرین پاکستان کی طرف ہجرت کر کے آتے ہیں آخر واخان کو یہ منفرد حیثیت کیوں حاصل ہے؟ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ واخان کی سو فیصد آبادی آغا خانیوں کی ہے شاید حاضر امام نے ان کے پاس فرمان بھیجا ہو کہ روسیوں کا خیر مقدم کریں اور اپنی ریاست کے قیام کی خوشخبری سننے کا انتظار کرتے رہیں کیا اسماعیلی لیڈر اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ آغا خانیوں کو مشورہ دیا گیا ہے کہ مسلمانوں سے نقل مکانی کا مطالبہ کرو یعنی یہ کہ زیریں چترال میں آغا خانیوں کی اقلیت بالائی چترال کی طرف منتقل کی جائے اور بالائی چترال کی مسلم اقلیت مرکزی چترال کی طرف منتقل کیا جائے اور اس مرحلے کی تکمیل کے بعد پھر چترال کے بالائی حصے کو گلگت کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کیا جائے ۔ کیا یہ بات درست نہیں کہ دو سال قبل آغا خان نے گلگت کو آزاد تجارتی علاقہ قرار دینے کا مطالبہ کیا تھا؟ کیا یہ حقیقت نہیں کہ آغا خان نے اپنے پچھلے دورۂ پاکستان کے دوران چترال اور گلگت میں کئی دن گزارے اور طویل خفیہ میٹنگیں کرتے رہے پھر اسلام آباد آ کر صدر ضیاء الحق سے شمالی علاقہ جات اور چترال کو علیحدہ صوبہ بنانے کا مطالبہ کیا اور اس کے تمام اخراجات خود برداشت کرنے کی ذمہ داری لی لیکن آزاد کشمیر کی ایک اہم سیاسی شخصیت کی مداخلت پر فی الحال اس صوبے کا اعلان روک دیا گیا ہے چونکہ شمالی علاقہ جات اور چترال براہِ راست روس اور بھارت کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور روس اور بھارت کے یہ ارادے کسی سے مخفی نہیں کہ شاہراہ ریشم پر قبضہ کر کے پاکستان کو اپنے عظیم حلیف چین کے ساتھ رابطہ سے محروم کیا جائے تاکہ ان کے لیے پاکستان کو ہڑپ کرنا آسان ہو جائے اسی غرض سے سیاچین گلیشیر کے برفانی علاقے میں لڑائی کا طویل سلسلہ جاری ہے ۔ خدانخواستہ اگر چترال و گلگت کو آغا خانی اکثریتی صوبے کی حیثیت دی گئی تو آگے چل کر روس کے اشارے سے "واخان" اور بدخشان کے بالائی علاقوں (جہاں آغا خانی رہتے ہیں) گلگت اور چترال کو ملا کر مذہبی بنیاد پر ایک آزاد ریاست قرار دینے کا مطالبہ کیا جائے گا اور معمولی گڑبڑ کو بہانہ بنا کر روس مداخلت کر کے اس اہم ترین علاقے کو پاکستان سے کاٹ اسرائیل کی طرز پر اسماعیلی اسٹیٹ بنا دیگا ۔ اقوامِ متحدہ میں اپنے حلیف ملکوں کے ذریعے اس کو تسلیم بھی کرائے گا ۔ یہ اسماعیلی ریاست پاکستان اور دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے چیلنج اور ناسور کی شکل اختیار کر جائے گی یہ تمام تر نتائج شمالی علاقہ جات میں آغا خانیوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی اور ان کی پراسرار سرگرمیوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور یہ محض مولویانہ مفروضے نہیں بلکہ منطقی نتائج ہیں جو کہ ناقابلِ تردید و انکار ہیں اگر یہ نتیجے غیر منطقی ہیں تو دنیا میں کوئی ایسی مثال بتائیں جو منطقی نتیجہ کہلاتی ہو ۔ لہٰذا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ شمالی علاقہ جات میں آغا خانی کارروائیوں پر پابندی لگائی جائے ۔ تمام آغا خانی اثاثے منجمد کر کے ان کے ذرائع آمدنی کی تحقیق کی جائے ۔ آغا خانی مشنری اسکولوں کو سرکاری تحویل میں لیا جائے ، آغا خانی فاؤنڈیشن اور آغا خان رورل سپورٹ پروگرام کو فوری طور پر سرکاری تحویل لیا جائے ۔ آغا خانی اکثریتی صوبہ بنانے کی سازش کے بارے میں واضح اعلان کے ذریعے قوم کو مطمئن کیا جائے ۔

کیا آغاخان آلِ رسولؐ ہیں؟

ایک علمی اور تحقیقی مطالعہ

تلخیص و ترجمہ
محمد نعیم عارفی

ہم ذیل میں جناب سادق قرین خاں کی علمی تحقیقی کتاب "کیا آغاخان آلِ رسول ہیں" کی تلخیص دے رہے ہیں۔ کتاب میں اس مسئلے پر بحث کی گئی ہے کہ موجودہ آغاخان حضرت علیؓ کی اولاد ہیں حقیقتاً "آلِ رسول" ہیں یا ایک داعی کی کاوشوں سے حلقۂ امامت میں داخل کردہ ایک فیمنن کی معلبی اولاد؟ یہ خالصتاً ایک تحقیقی اور تاریخی مسئلہ ہے۔ درج ذیل کتاب میں ایران کی اسماعیلی سوسائٹی ہندوستان اور پاکستان کی اسماعیلی سوسائٹیز اور امریکی روسی اور جرمن مستشرقین کی علمی تحقیقات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اگر آغاخانی علماء رہنمائی کر سکیں اور حقائق پر مبنی علمی و تحقیقی مواد مہیا فرمائیں تو تکبیر کے صفحات حاضر ہیں۔

بالعموم مسلمان آغاخان کی بہت عزت کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ آلِ رسولؐ ہیں۔ ان کے اس دعوے کی وجہ سے اسرائیلی برادری میں ان کی پرستش کی جاتی ہے، کیونکہ عام خیال یہی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی نسل سے ہیں، جو خاتم النبیین رسول اکرمؐ کے عم زاد اور داماد تھے۔ اسمٰعیلی مشنریز کا پروپیگنڈہ یہ ہے کہ اپنے آخری ایام میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی وحی کے تحت حضرت علیؓ کو رسول اکرمؐ نے امامِ اول مقرر کیا تھا اور یہ اعلان فرما دیا تھا کہ ان کی اولاد میں سے نسل بعد نسل امام مقرر ہوتے رہیں گے اور یہ امام تا یومِ قیامت مسلمانوں کے روحانی لیڈر رہیں گے۔

موجودہ کریم آغاخان جو تھے آغاخان حضرت علی کی نسل کے بچپاسویں فرد اور انچاسویں امام ہیں۔ کریم آغاخان کے والد پرنس علی خان، آغاخان سوم کے صاحبزادے تھے، جن کی وراثت اور ولی العہدی کا اعلان ۱۹۳۰ء میں باقاعدہ کر دیا گیا تھا، مگر انہیں بعض نامعلوم وجوہ کی وجہ سے امامت کا سزاوار نہیں سمجھا گیا اور خود انہی کے بیٹے پرنس کریم خان کو ۱۹۵۷ء میں چوتھا آغاخان مقرر کر دیا گیا۔ شامی آغاخانیوں نے اس پر زبردست احتجاج کیا، کیونکہ چودہ سو سال سے اب تک ہر امام کا بیٹا ہی امام بنتا آیا تھا۔ اس مشکل کو خود پرنس علی خان نے شام جا کر حل کیا اور وہاں کے آغاخانیوں کو سمجھایا کہ خود مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں اور آپ لوگ کریم آغاخان کو امام تسلیم کر لیں۔

آغاخان کا یہ دعویٰ کہ وہ حضرت علی اور حضرت فاطمہؓ کی نجابت اولاد ہیں، ایک ایسی تاریخی حقیقت سے تعلق رکھتا ہے، جسے آغاخانی حضرات زبانی ثابت کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں، مگر تاریخی طور پر اس سلسلے میں منطقی دلائل نہیں ملتے۔ ۱۹۳۵ء تک ایسی کوئی کتاب موجود نہیں تھی، جو آغاخانیت کی مکمل تاریخی دستاویز کی حیثیت سے پیش کی جا سکتی ہو، جس میں عرب کے امام اول علیؓ سے ہندوستان کے کریم آغاخان یا ان کے دادا تک کے تاریخی واقعات مندرج ہوں۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ۱۹۳۵ء میں گجراتی زبان میں بمبئی میں چھپی، جس کا عنوان "نور المبین" تھا اور مصنف تھے علی محمد جان محمد چنارا۔ اس کتاب میں مختلف دستاویزات سے تاریخی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی تھی، جو آغاخان کے اہلِ خاندان کے پاس سے، جو پونا اور بمبئی میں مقیم تھے، فراہم ہوئی تھیں۔ ۱۹۳۶ء میں جب آغاخان کی گولڈن جوبلی منائی گئی اور انہیں سونے میں تولا گیا، تو اس مبارک موقع پر "نور المبین" کا ایک خوبصورت ایڈیشن بھی طبع کیا گیا، جو ۸۲۳ صفحات پر مشتمل تھا اور آغاخان نے ایک فرمان بھی جاری فرمایا کہ ہر اسمٰعیلی کے پاس اس کا ہونا باعثِ خیر و برکت ہے، چنانچہ یہ ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، مگر بدقسمتی سے اس کتاب کی اشاعت کے فوراً بعد ہی، اس کتاب اور اس کے مندرجات پر شدید تنقید شروع ہو گئی۔ کتاب میں پیش کردہ معلومات کو غلط ٹھہرایا گیا، غیر تحقیقی اور غیر واضح کہا گیا، چنانچہ کتاب کو آغاخان کے معتمدین اور فاضل آغاخانیوں نے دوبارہ اور سہ بارہ چیک کیا اور تیسرا ایڈیشن ایک آغاخانی عالم جعفر علی محمد صوفی کی زیرِ ادارت بمبئی کی اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن آف انڈیا نے چھاپا، جو ۵۴۳ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن، اسمٰعیلی اعتقادات اور دین کی ترویج و اشاعت کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن ہے، جس کے اخراجات آغاخان کی

آغا خان کے اولادِ رسولؐ ہونے کے بارے میں اسماعیلی مذہب کی کتابیں تضادات سے پُر ہیں۔

جیبِ خاص سے ادا ہوتے ہیں۔ ایسوسی ایشن کے سب ارکان کا انتخاب آغا خان خود کرتے ہیں اور اس کے ارکان کی تنخواہیں بھی آغا خان کے خزانے سے ادا ہوتی ہیں، چنانچہ یہ کتاب آغا خانیت کی سرکاری دستاویز قرار دی گئی۔

۱۹۷۵ء میں پیرس کانفرنس میں جس کی صدارت موجودہ آغا خان نے کی، یہ ریزولیوشن پاس ہوا کہ نور المبین کا ایک مختصر ایڈیشن چھاپا جائے، جس میں دینیات کے بجائے تاریخی مواد پر توجہ مرکوز کی جائے اور یہ ایڈیشن گجراتی کے علاوہ، انگریزی، اردو، فرنچ، عربی اور فارسی میں بھی طبع ہو اور اس کتاب کو اماموں کی تاریخ کی ایک مستند کتاب کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔ اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری پاکستان کی اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن پر ڈالی گئی، جس نے ۱۴ جولائی ۷۶ء تک اسے مکمل کر کے گجراتی اور اردو میں شائع کر دیا۔ اس کتاب میں بعض تاریخی تبدیلیاں بھی کی گئیں۔ مثلاً پہلی نور المبین میں ۲۳ ویں امام کی تاریخ پیدائش جو تحریر ہے، اسے اس جدید ایڈیشن میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اس کا گجراتی ایڈیشن، جو ۴۲۲ صفحات پر مشتمل ہے، کراچی سے طبع ہوا۔ پہلی نور المبین میں ۲۳ ویں امام حسن کی تاریخ پیدائش ۵۰۶ھ ہے، جبکہ نئے ایڈیشن میں اسے ۵۲۰ھ کر دیا گیا ہے۔ اس طرح تقریباً چودہ سال کا فرق ہوا ہے، جس پر نہ کوئی وضاحت پیش کی گئی ہے، نہ اس تبدیلی کا ذریعہ بیان کیا گیا ہے۔

عرب میں حضرت علی سے لے کر ہندوستان کے کریم آغا خان یعنی پچاس پشتوں تک ۲۳ ویں امام حسن کی شخصیت سب سے زیادہ متنازع رہی ہے، اسمٰعیلی تاریخ کے ماہرین نے جن میں پروفیسر برنارڈ لیوس اور پروفیسر آئیو نیوش پیش پیش ہیں۔ خود نور المبین میں بھی اعتراف کیا گیا ہے کہ چھٹے، سولہویں، اٹھارہویں اور ۲۳ ویں امام کو چیلنج کیا جاتا رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی مسٹر رضا سورتی نے اپنی گجراتی زبان میں تحریر شدہ کتاب میں ان اختلافات کو بیان کیا ہے اور جرمن مورخ جوزف وان ہیمر کی تحقیق کو پیش کیا ہے۔ وان ہیمر کی کتاب کا انگریزی ترجمہ HISTORY OF THE ASSASSINS بھی لندن سے ۱۸۳۵ء میں چھپ کر بہت مشہور ہوا تھا۔ ان محققین کے بیانات کی تفصیل میں جائے بغیر ہم ان کا لب لباب لیتے ہیں، جو یہ ہے کہ:۔

۱۔ کیا حسن ذکرہ السلام ایک مبلغ بزرگ کے پوتے تھے اور امام نزار کی صلبی اولاد نہیں تھے؟

۲۔ کیا امام حسن کا پہلا دعویٰ کہ وہ امام نزار کے روحانی بیٹے ہیں، بعد میں اس یقین میں تبدیل نہیں کر دیا گیا تھا کہ وہ محمد کی وفات ۵۵۷ھ میں ہوئی اور اس کی وفات کے دو سال بعد اس کے بیٹے حسن نمبر ۲ نے امامت کا دعویٰ کیا اور تاریخی بیان جاری کیا۔

۳۔ اسمٰعیلی روایت کے مطابق، جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے، تختِ امامت ایک دن کے لیے بھی خالی نہیں رہتا۔ اگر امام قاہر کا بیٹا حسن نمبر ۱ دائی امامت تھا، تو اسے ۵۵۷ھ ہی میں اپنے والد کی وفات پر امامت کا دعویٰ کر دینا چاہیے تھا، اس نے ایسا دو سال بعد کیوں کیا۔

چوتھی حقیقت ۔ پہلا عجیب اتفاق۔

نور المبین کی تحریر کے مطابق حسن نمبر ا کے والد کا انتقال ۱۱۶۲ء میں ہوا، اسی میں یہ بھی تحریر ہے کہ حسن نمبر ۲ کے والد کا انتقال ۱۱۶۲ء میں ہوا۔ برنارڈ لیوس نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ حسن نمبر ۲ کے والد کا انتقال ۱۱۶۲ء میں ہوا۔

پانچویں حقیقت ۔ دوسرا عجیب اتفاق

برنارڈ لیوس لکھتا ہے، حسن نمبر ۲، ۱۱۲۷ء میں پیدا ہوا۔ نور المبین کہتی ہے، حسن نمبر ا، ۱۱۲۷ء میں پیدا ہوا تنک اتہاس جو پاکستان کی اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن نے ۱۹۷۵ء میں شائع کی۔ ہندوستان میں مطبوعہ کتاب کی تاریخ میں تبدیلی کر کے تاریخ ولادت ۱۱۲۶ء / ۱۱۲۷ء لکھتی ہے۔

چھٹی حقیقت ۔ تیسرا عجیب اتفاق

پروفیسر برنارڈ لیوس کی تحریر کے مطابق حسن نمبر ۲ کی وفات ۱۱۶۶ء میں ہوئی۔ نور المبین اور تنک اتہاس کے مطابق حسن نمبر ا کی وفات ۱۱۶۶ء میں ہوئی۔

ساتویں حقیقت ۔ چوتھا عجیب اتفاق

نور المبین تنک اتہاس کے مطابق حسن نمبر ا ۱۱۶۲ء میں امام بنا۔ نور المبین یہ بھی کہتی ہے کہ حسن نمبر ۲ الموت کا حاکم ۱۱۶۲ء میں بنا۔ یہی برنارڈ لیوس بھی لکھتا ہے کہ حسن نمبر ۲ الموت کا حاکم ۱۱۶۲ء میں بنا۔

آٹھویں حقیقت ۔ پانچواں عجیب اتفاق

نور المبین اور تنک اتہاس کے مطابق حسن نمبر ا کے ۱۱۴۷ء میں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ برنارڈ لیوس لکھتا ہے، حسن نمبر ۲ کے ۱۱۴۷ء میں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اب یہ نکتے ملاحظہ فرمائیے۔ ۱۔ کیا تاریخ میں اس قسم کے عجیب و غریب اتفاقات، اتفاق ہو سکتے ہیں؟ ۲۔ نور المبین کا یہ بیان کہ دونوں کے نام حسن تھے اور دیگر عجیب اتفاقات اسے غیر یقینی کہانی نہیں بنا دیتے؟ ۳۔ اگر حسن ایک ہی تھا، جیسا کہ بعض دیگر مؤرخین نے تحریر کیا ہے، تو وہ کون تھا؟ ایک امام کا بیٹا تھا یا ایک داعی کی اولاد تھا ـــ

تصحیح

(صفحہ نمبر ۴۳ تا ۴۶ کے مضمون میں)

تکبیر کے گزشتہ شمارے میں "گزارشِ احوالِ واقعی" کے عنوان سے اسماعیلیوں کے بارے میں پیارعلی ولد غلام حسین کے بیان پر مبنی جناب عظمت اللہ عباسی کی رپورٹ میں صفحہ ۴۲ کے تیسرے کالم کے پہلے دو پیراگرافوں کے بعض حصے ترتیب میں غلطی ہو جانے کے سبب بے ربط ہو گئے ہیں۔ یہ عبارت درست ترتیب کے ساتھ یوں ہے۔

اسمٰعیلی فرقہ کے نزدیک حضرت محمد مصطفیٰؐ کو جہاں تک آخری نبی ماننے کا تعلق ہے اس بارے میں برادری کے ہر فرد کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کا درجہ تمام انبیاء سے بڑھ کر ہے اور محمد مصطفیٰؐ کے برابر ہے بلکہ اسماعیلی فرقہ کی معتبر کتابوں میں اور بہت سے وعظوں میں یہ تک کہا جاتا ہے کہ علی اللہ کے مقرر کردہ ہیں اور انہوں نے محمدؐ کو نبی مقرر کیا ہے۔

آغا خان فاؤنڈیشن کے سربراہ وزیر عاشق علی نے زیرِ تبصرہ اپنے وضاحتی بیان میں بالکل بجا فرمایا ہے کہ مذہبی اختلاف ہونا کوئی نئی چیز نہیں ہے لیکن بلاشک عام مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں پائے جانے والے اختلافات کو فروعی نوعیت کے اختلاف کہا جا سکتا ہے جو کہ مسلم معاشرہ میں رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن اسمٰعیلی برادری کو مذہبِ اسلام کی غلط تعلیم دے کر انہیں غلام بنانے والوں نے قرآن کے بنیادی عقائد ہی تبدیل اور مسخ کر کے اپنی پوجا کروانا شروع کر دی ہے لہٰذا انہیں فروعی اختلافات قرار دے کر مدِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔

تکبیر (۲۶) ۱۴ اپریل ۱۹۸۸ء

درج ذیل حقائق سے صحیح تصویر سامنے آتی ہے۔

نویں حقیقت ـ "ممکن ہے کہ"

نورالمبین نے صفحہ نمبر ۲۶۱ پر الموت کی لائبریری سے حاصل شدہ ایک کتاب "تاریخ جہاں گشتہ"، جسے دورِ متوسط کے مشہور مؤرخ امام نزار کی صلبی اور حقیقی اولاد ہیں؟

۲ ـ کیا درحقیقت آغا خان کا یہ دعویٰ کہ وہ اہلبیت میں سے ہیں، صرف روحانی اولاد ہونے کا دعویٰ ہے یا وہ حقیقتاً حضرت علی کی صلبی اور حقیقی اولاد ہیں؟

یہ کوئی معمولی سوالات نہیں ہیں، ان سوالات کے جوابات میں محققین، مؤرخین اور خود اسمٰعیلی علماء نے متعدد کتب تصنیف کی ہیں، مگر ان میں سے اکثر و بیشتر غیر واضح، تذبذب کا شکار اور تضادات سے پُر نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستان اور پاکستان کی اسمٰعیلی سوسائٹیز کی تصنیف اور مرتب کردہ کتب میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ ذیل میں ہم چار مستند ترین کتب کا حوالہ دے رہے ہیں، جو اسمٰعیلی مذہب پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہیں، مگر ان کے مندرجات میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ "نورالمبین" ۱۹۵۱ء کا نظرثانی شدہ ایڈیشن مطبوعہ دی اسمٰعیلی ایسوسی ایشن فار انڈیا۔

۲۔ "تنک اتہاس" ۱۹۸۰ء کا نظرثانی شدہ ایڈیشن مطبوعہ دی اسمٰعیلی ایسوسی ایشن فار پاکستان۔

۳۔ "الاموت والاساتذہ" ۱۹۶۰ء کا ایڈیشن مطبوعہ اسمٰعیلی سوسائٹی، تہران، ایران۔

۴۔ "شام کے اسمٰعیلی"، مطبوعہ ۱۹۷۰ء یہ کتاب ایک اسمٰعیلی مؤرخ ڈاکٹر مصطفیٰ غالب پی، ایچ ڈی کی تحقیق ہے۔

ایک طویل روایت کو، جو صدیوں سے چلی آ رہی ہو، ترک کر دینا آسان نہیں ہوتا۔ بالعموم کوشش یہی کی جاتی ہے کہ اسے برقرار رکھا جائے، مگر جب ناقابلِ تردید حقائق سامنے آ جائیں، تو روایتی، تصوراتی یا تخیلاتی باتیں برقرار نہیں رہتیں، دن کی روشنی میں آنکھیں موند لینا اور یہ سوچ لینا کہ سورج موجود نہیں ہے، اپنے آپ کو دھوکا دینا ہوتا ہے۔ یہ دراصل ضمیر کو قتل کر دینے اور پھر عمر بھر اس کی لاش اٹھائے پھرنے کے مترادف ہے، بظاہر ایسا کرنے سے سکون سا محسوس ہوتا ہے، مگر درحقیقت اس عمل سے جو بے چینی، تذبذب، اضطراب اور ناآسودگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، وہ رفتہ رفتہ ناقابلِ برداشت ہو جاتی ہے۔ جتنے زیادہ عرصے آپ ضمیر کو دبائے رکھیں گے، اتنا ہی شدید اس کا ردِعمل ہوگا۔ آیئے اسمٰعیلی کتب کی روشنی میں کچھ حقائق کا مطالعہ کریں:

پہلی حقیقت ـــــ دو حسن

نورالمبین کے صفحات نمبر ۲۵۸ اور ۲۶۳ پر درج ہے کہ حسن دو تھے۔ ایک حسن قاہر کے بیٹے تھے، جو نزار کی اولاد میں تھے۔ دوسرے حسن داعی محمد کے بیٹے تھے، جو داعی کیا بزرگ امید کے بیٹے تھے۔ کیا بزرگ حسن بن صباح کے منتخب کردہ جانشین تھے، جنہوں نے رودبار ایران میں الموت کے مقام پر اسمٰعیلی قوت کو مستحکم کیا تھا۔ حسن بن صباح اور کیا بزرگ الموت کے حاکم اور داعی تھے، جنہوں نے "حشاشین" کے نظام کو مضبوط کیا تھا، داعی حضرات نہ اولادِ علی تھے، نہ آئمہ تھے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں حسن ہم عصر تھے۔ سہولت کے لیے حسن بن قاہر کو حسن اول اور حسن بن داعی محمد کو حسن دوم لکھا گیا ہے۔ اب درج ذیل نکات ملاحظہ فرمایئے۔

۱۔ اسمٰعیلی مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ داعی محمد کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام حسن تھا۔

۲۔ اسمٰعیلی مؤرخین یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ حسن دو تھے۔

۳۔ دیگر مؤرخین جیسے پروفیسر برنارڈ لیوس اور جے وان ہیمر وغیرہ نے صرف ایک حسن کا تذکرہ کیا ہے، جو داعی محمد کا بیٹا تھا۔

دوسری حقیقت ـ داعی محمد کے بیٹے حسن کا دعویٰ برائے امامت۔

نورالمبین کے صفحہ نمبر ۲۵۸ پر تحریر ہے کہ حسن نمبر دو نے امامت کا دعویٰ کیا اور اپنے والد داعی محمد کی زندگی ہی میں اس نے خود کو امام کہلوانا شروع کر دیا۔ وہ ایک جھوٹا مدعیٔ امامت تھا۔ نورالمبین میں ایک ایرانی مؤرخ کی کتاب روضۃ الصفا کے حوالے سے یہ بھی درج ہے کہ داعی محمد اپنے بیٹے کے اس جھوٹے دعوائے امامت سے سخت ناراض تھا اور اس نے اپنے بیٹے کے ماننے والے لوگوں میں سے ۲۵۰ کو قتل کرا دیا تھا اور بقیہ کو الموت سے نکال دیا تھا۔ کچھ مؤرخین کے مطابق قتل کیے جانے والوں کی تعداد ۵۰۰ تھی۔ اب یہ نکات بھی ملاحظہ کیجیے۔ (۱) اسمٰعیلی مؤرخین تسلیم کرتے ہیں کہ داعی محمد کے بیٹے نے امامت کا دعویٰ کیا۔ ۲۔ دعوائے امامت الموت کی حدود میں کیا گیا۔ ۳۔ یہ دعویٰ یقیناً ایک طویل مدت تک جاری رہا، کیونکہ اس کے بغیر اتنی بڑی تعداد میں اس کے ماننے والے نہیں ہو سکتے تھے۔

تیسری حقیقت ـ ۱۷ رمضان ۵۵۹ھ کی تاریخی قرارداد۔

نورالمبین کے صفحہ ۲۶۵ پر تحریر ہے کہ حسن نے ایک تاریخی دعویٰ کیا تھا۔ ایسا ہی برنارڈ لیوس نے بھی تحریر کیا ہے، تاریخ اور مقام وغیرہ نورالمبین میں بھی وہی ہے، جیسا پروفیسر برنارڈ نے لکھی ہے مگر نورالمبین کے مطابق یہ دعویٰ حسن نمبر ا نے کیا تھا، حسن نمبر ۲ نے نہیں جیسا کہ پروفیسر برنارڈ نے لکھا ہے۔ یہاں درج ذیل نکتے قابلِ غور ہیں۔

۱۔ اسمٰعیلی مؤرخین کے ریکارڈ کے مطابق امام قاہر کی وفات ۵۵۷ھ میں ہوئی اور اس کی وفات کے دو سال بعد ان کے بیٹے حسن نمبر ا نے امامت کا دعویٰ کیا اور تاریخی بیان جاری کیا۔

۲۔ برنارڈ لیوس اور دوسرے مؤرخین کے مطابق داعی اناملک جوینی نے تحریر کیا ہے، سے اخذ شدہ معلومات کی روشنی میں تحریر ہے کہ امام حسن ۵۰۶ھ مطابق ۱۱۱۲ء میں الموت میں پیدا ہوا تھا اور عین ممکن ہے کہ وہ امام نزار کی آل میں سے ہو۔ "عین ممکن ہے کہ" الفاظ سے غیر یقینی کا تاثر پیدا ہوتا ہے، جس سے اختلاف اور بحث و تمحیص کے دروازے کھلتے ہیں۔

دسویں حقیقت ـ اس کا دعویٰ جعلی ہے۔

نورالمبین کے صفحہ نمبر ۲۶۵ نے اطہر محمدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ عباسی خلیفہ نے کہا تھا کہ حسن نمبر ۲ یہ کوشش کر رہا ہے کہ اپنا خونی رشتہ امام مستنصر باللہ سے جوڑ دے (جو امام نزار کے والد تھے) مگر اس کا دعویٰ جھوٹا اور جعلی ہے۔ پھر عباسی خلیفہ نے حسن نمبر ۲ کا ایک نسب نامہ جاری کیا جسے نورالمبین نے جعلی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ امام کے ماننے والوں کو گمراہ کرنے کے لیے گھڑا گیا تھا۔

گیارہویں حقیقت ـ امام ایک داعی کے گھر پیدا ہوا تھا۔

نورالمبین کے صفحہ نمبر ۲۵۳ پر امام مہتدی کی ایک بشارت درج ہے، جس کی رو سے حسن نمبر ۱ کے دادا نے اپنے ایک داعی محمد کو بلا کر کہا کہ میری بیوی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے، جو مستقبل کا امام ہوگا۔ وہ تمہارے گھر پیدا ہوگا۔ تم میری بیوی کو، جو حاملہ ہے، اپنے گھر لے جاؤ اور وضع حمل تک اس کی حفاظت کرو، چنانچہ داعی نے ایسا ہی کیا۔ جب لڑکا پیدا ہوا، تو اس کا نام قاہر رکھا گیا، جو حسن نمبر ۱ کا والد تھا۔ ولادت کے بعد امام مہتدی نے اپنے لڑکے کو جا کر دیکھا، دعا دی اور پیار کرنے کے بعد اپنی بیوی کو سند دی، جس کی رو سے امام مہتدی کے بعد قاہر کو امام بنانے کا حکم دیا گیا تھا، اس کے بعد امام مہتدی روپوش ہو گئے۔ یہاں درج ذیل نکات قابلِ ملاحظہ ہیں۔

۱۔ نورالمبین نے کوئی وجہ بیان نہیں کی کہ کیوں امام مہتدی کی بیوی گھر پر وضع حمل سے قاصر تھی۔

۲۔ نورالمبین نے بشارت کا واقعہ تو بیان کیا اور امام کے اپنے داعی کے گھر جانے اور سند امامت تفویض کرنے کا ذکر بھی کیا، مگر بچے کا سن پیدائش وغیرہ کا کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا۔

(جاری ہے)

ایک علمی اور تحقیقی مطالعہ

گزشتہ سے پیوستہ

تلخیص و ترجمہ
محمد نعیم عارفی

آغاخان کے کئی اجداد کی شخصیت دیومالائی کہانیوں کی طرح پراسرار ہے

کیا آغاخان آل رسولؐ میں؟

۳- امام مہتدی کے روپوش ہو جانے کا کوئی سبب بھی بیان نہیں کیا گیا ہے۔

۴- امام مہتدی کی تاریخ پیدائش بھی درج نہیں کی گئی ہے۔ اس طرح امام کے ایک داعی کے گھر پیدا ہونے کا پورا واقعہ اسماعیلی مورخین نے ایک طلسماتی انداز میں بیان کیا ہے۔

بارھویں حقیقت - امام قاہر کی سند امامت

نورالمبین کے صفحہ ۲۵۵ پر تحریر ہے کہ داعی محمد نے تمام علاقوں سے لوگوں کو جمع کیا اور ایک لڑکے کو ان کے سامنے لایا گیا اور اس کے بارے میں پیشین گوئی بتائی گئی کہ یہ امام زمان ہیں اور سیاسی طور پر یہ الموت کے حاکم بھی ہیں۔ ساتھ ہی داعی حسن بن صباح کی اس خواہش کا تذکرہ بھی کیا گیا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ میں روحانی اور سیاسی طور پر ایک شخص کو حاکم وقت دیکھنا چاہتا ہوں اور کہا گیا کہ امامت اور ملکیت اب ان میں مرتکز ہے۔ داعی محمد نے کہا "یہ میری بہت بڑی خوش نصیبی ہے کہ میں اس مقدس فریضے کو انجام دے رہا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے داعی محمد نے تمام حکومت اس لڑکے کے حوالے کی اور اسے امام قاہر کا لقب دیا۔ ساتھ ہی نورالمبین میں درج ہے کہ حاضرین میں سے بہت سے حضرات نے اس پر شدید اعتراض بھی کیا۔ اس پر داعی محمد نے اپنی بیوی کو بلا کر سند لانے کو کہا اور کہا یہ وہ سند ہے جو اس بچے کے والد امام مہتدی نے عطا کی تھی۔ اس ثبوت کی رو سے یہ امام وقت ہے۔ نورالمبین میں مزید تحریر ہے کہ اس مخالفت اور سرکشی کو جو اس موقع پر پیدا ہوئی تھی' فرو کرنے میں داعی محمد کو پانچ سال لگے اور انہوں نے اس مخالفت کو دبانے کے لئے بہت سے ذرائع استعمال کئے۔ آخر میں ۵۵۹ھ مطابق ۱۱۶۲ء میں یہ قضیہ فرو ہوا۔ اب یہاں چند نکات قابل غور ہیں:

۱- اگر پیشین گوئی والا بچہ یعنی امام قاہر امام مہتدی کی جائز اولاد تھا تو پھر یہ ہنگامہ اور مخالفت کیا معنی رکھتی ہے؟

۲- جیسا کہ نورالمبین میں درج ہے کہ امام قاہر کا دورِ امامت صرف پانچ سال پر محیط تھا یعنی ۱۱۵۷ء سے ۱۱۶۲ء تک تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ امام قاہر کا سارا دورِ امامت فتنہ، سرکشی اور شورید گی کو فرو کرنے ہی میں صرف ہو گیا اور ان کی زندگی میں ان کی امامت کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

۳- اسماعیلی مورخین نے امام قاہر کی تاریخ پیدائش کہیں درج نہیں کی ہے، صرف یہ لکھا ہے کہ امام قاہر ۱۱۵۷ء میں تخت امامت پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ اس سنہ جلوس سے بھی امام قاہر کی کم از کم عمر کا تخمینہ بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

(الف) امام قاہر کا بیٹا حسن ۱۱۱۲ء یا ۱۱۲۶ء میں پیدا ہوا تھا (اسماعیلی کتب کے مختلف نسخوں میں یہی تحریر ہے)

(ب) اس طرح امام حسن کی عمر پینتالیس سال تھی (۱۱۵۷ء میں سے ۱۱۱۲ء منہا کر لیجئے) یا پھر ان کی عمر ۳۱ سال تھی (۱۱۵۷ء میں سے ۱۱۲۶ء منہا کر لیجئے) جب ان کے والد امام قاہر امام بنے۔

(ج) اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام قاہر کو کم از کم اپنے بیٹے حسن سے پندرہ سال تو بڑا ہونا چاہئے (یعنی ساٹھ سال یا پھر چھیالیس سال کا) یہاں چند بہت اہم سوالات پیدا ہوتے ہیں:

۱- اس طویل عرصے یعنی ساٹھ سال یا چھیالیس سال کی عمر تک پہنچتے ہوئے بھی ان کے اپنے والد امام مہتدی نے اپنے بیٹے کا کسی سے کبھی تعارف اپنے بیٹے کی حیثیت سے کیوں نہیں کرایا اور کیوں نہیں کہا کہ میرے بعد میرا یہ بیٹا امام ہوگا۔ واضح رہے کہ ان کا انتقال ۱۱۵۷ء میں ہوا تھا۔

۲- داعی محمد کی بیوی یا امام مہتدی کی بیوی کو بالآخر "سند" کیوں پیش کرنا پڑی تھی؟ کیا یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس ساٹھ سالہ امام کا والد کون تھا؟

۳- امام قاہر ۱۱۵۷ء جب مرتبۂ امامت پر سرفراز ہوئے تھے' اس وقت وہ کوئی بچے نہیں تھے بلکہ باپ ہی نہیں دادا بھی بن چکے تھے۔ اس وقت تک بھی ان کی شخصیت اتنی نامعلوم اور غیر معروف تھی کہ ان کی شناخت کرانا پڑی۔ (حالانکہ وہ دادا بن چکے تھے۔ واضح رہے کہ امام قاہر کا پوتا علی محمد ۱۱۴۷ء میں پیدا ہوا تھا)

مندرجہ ذیل حقائق قاری کو ایک مختلف ہی کہانی سناتے ہیں۔



۱۔ تو پھر کیا کسی فرد یا کسی شخصیت کا نام تھا یا امام حسن نے لفظ "قاہر" کو اپنے لقب کے طور پر اختیار کیا تھا؟

۲۔ داعی محمد کے گھر پیدا ہونے والی شخصیت کون تھی

(الف) امام قاہر (ب) حسن نمبرا (ج) یا پھر حسن نمبر۲

۳۔ کیا امام مہتدی کبھی کہیں پیدا ہوئے تھے یا اسماعیلی تاریخ میں ایک علامتی شخصیت کا روپ رکھتے ہیں۔ اسی لئے ان کا تذکرہ ہمیشہ غائب امام کے طور پر کیا جاتا ہے جو نادراً ہی طلسماتی طور پر کبھی کہیں ظاہر ہوئے تھے۔

۴۔ امام مہتدی کے والد امام ہادی کبھی اسکندریہ کے جیل خانے سے باہر آسکے تھے؟ کیا وہ ایران میں "الموت" تشریف لائے تھے؟

۵۔ امام ہادی، امام مہتدی اور امام قاہر نے الموت کی سیاست میں کبھی عملی طور پر بھی حصہ لیا تھا کبھی "حشاشین" کی فوجی مہمات میں شریک ہوئے تھے جیسا کہ متعدد مورخین نے اپنی کتب میں تحریر کیا ہے۔

۶۔ امام ہادی، امام مہتدی اور امام قاہر کی ولادت کی تاریخیں کیوں آج تک اسماعیلی مورخین نے اپنی کتب میں درج نہیں کی ہیں؟

۷۔ کیا اس بات کا امکان ہے کہ اسماعیلی مورخین ان تین عظیم شخصیتوں یعنی اپنے آئمہ کی ولادت کی تاریخیں بیان کر سکیں گے۔

۸۔ جب ایک اسماعیلی مورخ نے ان تینوں آئمہ کی ولادت کی تاریخیں تخمینی اور قیاسی طور پر متعین کرنے کی کوشش کی تو اسے کیا کیا واقعات پیش آئے اور کن کن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔

مندرجہ بالا سوالوں کا تشفی بخش جواب تلاش کرنا اسماعیلی مورخین کے لئے بیحد مشکل اور کٹھن مسئلہ ہے۔ اگر ایسا کرنے کی کوشش کی گئی اور واقعی انصاف سے کام لیا گیا تو قاری کے سامنے یقیناً ششدر کر دینے والے ہوش ربا حقائق سامنے آئیں گے۔

روس کے مشہور مورخ اور محقق پروفیسر آیوانو نے اسماعیلی لٹریچر پر مبنی مخطوطات اور کتب کا فارسی سے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ اسماعیلی تاریخ اور دینیات کے میدان میں پروفیسر آیوانو کی تصانیف، تراجم اور تحقیقات کو خود آغاخان نے بھی بے حد سراہا ہے۔ ۵۸-۱۹۵۷ء میں پروفیسر آیوانو نے بنفسِ نفیس الموت اور اس سے متعلقہ تاریخی مقامات کا خود جا کر سروے کیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی ایسے تمام مقامات جو ایرانی اسماعیلیات سے متعلق تھے اور اسماعیلی مذہب کی قدیم تاریخ سے متعلق تھے، آیوانو نے جا کر دیکھے۔ ان سے متعلق کتب کھنگالیں اور پھر اپنی ان تمام تحقیقات کی روشنی میں پروفیسر آیوانو نے ایک کافی تفصیلی سروے رپورٹ شائع کی۔ اس پورے منطقے کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ "شاید مستقبل کے محقق اور اسماعیلیات کے شائقین کے لئے جو حقائق کے انکشافات میں دلچسپی رکھتا ہو، میری ان تحقیقات سے کافی مدد ملے۔ ایسے لوگ جو الموت کے سیاسی، ثقافتی، دینی اور تاریخی حالات سے حقیقی دلچسپی رکھتے ہوں گے، ان کے لئے میری ان تحقیقات میں بہت کچھ مواد موجود ہے۔ پروفیسر آیوانو کی یہ قیمتی اور بیحد معلوماتی سروے رپورٹ تہران کی اسماعیلی سوسائٹی نے تہران سے ۱۹۶۰ء میں شائع کی تھی۔ اس سروے رپورٹ کا جو ایک قیمتی کتاب کی شکل میں ہے، نام "الموت اور لاماسار" رکھا گیا ہے۔ طابع کا پتہ ہے: کیہان پریس، فردوسی ایونیو، تہران (ایران)۔

<u>تیرھویں حقیقت۔ القاہر بامراللہ، امام کا نام نہیں لقب تھا</u>

اپنی تصنیف "الموت ولاماسار" کے صفحہ ۲۸ پر پروفیسر آیوانو رقمطراز ہیں:

خداوند جلال الدین حسن الذکرالسلام ۲۶ ۱۱ء (مطابق ۵۲۰ھ) میں پیدا ہوئے اور ۲ ربیع الاول ۵۵۷ھ (۲۰ فروری ۱۱۶۲ء) میں کیا بزرگ کی وفات پر الموت اور متعلقہ علاقے کے حاکم بن گئے، اور انھیں سرکاری طور پر کیا محمد کا بیٹا تسلیم کر لیا گیا۔ ان کے تختِ حکومت پر متمکن رہنے کے درمیان ہی ایک بڑی مشکل اور خلفشار پیدا ہو گیا اور یہ سوال اٹھایا جانے لگا کہ وہ (امام حسن) امام مہدی کے فرزند ہیں (یعنی شہزادے نزار کے پوتے) یا امام قاہر بامراللہ کے بیٹے ہیں اور اس طرح سے امام مہتدی کے پوتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اوپر تحریر شدہ لقب القاہر بامراللہ امام حسن نے خود اختیار کیا تھا۔

اگر القاہر بامراللہ لقب تھا تو پھر پیشین گوئی والا بچہ بھی جو داعی محمد کے گھر پیدا ہوا تھا حسن تھا، امام قاہر نہیں تھا۔

<u>چودھویں حقیقت۔ نورالمبین کہتی ہے قاہر شاہ لقب تھا</u>

نورالمبین کے صفحہ ۲۹۷ پر مذکور ہے کہ امام رکن الدین خورشاہ کو نامنہ الناس از راہ عقیدت "قاہر شاہ" کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس سلسلے میں ۱۸۲۹ء میں لندن سے شائع شدہ سرجان میلکم کی کتاب "تاریخ ایران" کا حوالہ بھی موجود ہے۔ رکن الدین الموت کے دور کے اماموں میں سے آخری امام تھا۔ یہاں درج ذیل نکات قابلِ غور ہیں:

۱۔ نورالمبین اور سرجان میلکم کی تاریخی کتاب "تاریخ ایران" میں درج شدہ حقیقت یہ ظاہر کرتی ہے کہ روسی محقق پروفیسر آیو نو کا یہ نظریہ درست ہے کہ "القاہر" اسمٰعیلی اماموں کے مرغوب القاب میں سے ایک لقب تھا جو انہوں نے اپنے "الموت" کے دورِ حکومت میں اختیار کیا تھا۔

۲۔ اگر "القاہر" حسن نمبر ۱ کا لقب تھا، نام نہیں تھا، تو پھر ایک مزید امام یا گردہِ ائمہ میں ایک اور اضافی شخصیت کو داخل کر دیا گیا۔ گویا آغاخان کے خاندان کے اسماء الرجال میں ایک طلسماتی شخصیت کا اضافہ۔

۳۔ امام قاہر، اس کے بیٹے یا پوتے کی پیدائش کی تاریخیں نہ نورالمبین میں درج ہیں، نہ "تنک اتہاس" میں تحریر کی گئی ہیں۔ اس طرح بھی یہ حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ اسماعیلی اماموں کی نسل میں اس طرح اضافہ کر دیا گیا ہے اور اسے چھپانے کے لئے تاریخ سے ان اماموں کی پیدائش کے سال ہی غائب کر دئے گئے ہیں۔

پندرھویں حقیقت ۔ دو نسلیں، بیٹا اور پوتا ۱۸ سال کے عرصے میں پیدا ہوئے

نورالمبین سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ امام مستنصر باللہ کا ۱۰۹۴ء میں مصر میں انتقال ہوا تھا اور نتیجے میں اس کا بیٹا نزار امام بنا تھا۔ امام نزار، اس کا بیٹا ہادی اور دوسرے افرادِ خاندان کو امام نزار کے بھائی "مستعلی" نے قید کر رکھا تھا۔ مستعلی خود امامت کا دعویدار تھا۔ نورالمبین کے صفحہ ۲۲۱ پر تحریر ہے کہ ہادی اسکندریہ میں قید خانہ سے کسی طرح رہا ہو گیا اور مصر سے بھاگ کر ایران میں قلعہ لاماسار میں جاگزیں ہوا۔ نورالمبین میں ہادی کے جیل سے نکلنے کا سن تحریر نہیں کیا گیا ہے مگر بہرحال امکانی طور پر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ۱۰۹۴ء یا اس کے لگ بھگ ہوگا۔

نورالمبین کے صفحہ ۲۵۰ پر درج ہے کہ امام ہادی نے ایک پاکیزہ اطوار ایرانی خاتون (جس کا نام درج نہیں ہے)، جو وہاں کی رہنے والی تھی، شادی کر لی تھی جس سے اس کا بیٹا مہتدی پیدا ہوا۔ (جس کا سنِ ولادت نامعلوم ہے) یہ ولادت ایران میں لاماسار کے قلعہ میں ہوئی تھی۔ اب اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ولادت یقیناً ۱۰۹۴ء کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اب اگر ہم اماموں کے خاندانی چارٹ پر نظر ڈالیں تو حسن نمبر ۱ (جو مہتدی کا پوتا سمجھا جاتا ہے) ۱۱۱۲ء میں پیدا ہوا ہوگا۔ اب اس اٹھارہ سال کے فرق کا

اسماعیلی پیشوا کے نسب نامے
پر اعتراضات دور کرنے کے
لیے ترمیم و تبدیلی
کا عمل مسلسل جاری ہے

خود اندازہ لگالیجئے (یعنی ۱۱۱۲ء میں سے ۱۰۹۴ء منہا کر لیجئے)

سولھویں حقیقت ۔ بیٹا باپ سے پہلے پیدا ہوا

جیسا کہ ہم پہلے نورالمبین کے حوالے سے لکھ چکے ہیں، (گیارھویں حقیقت ملاحظہ ہو) کہ امام مہتدی نے اپنے بیٹے قاہر کو پیار کیا اور سند (ثبوت امامت) داعی محمد کے گھر میں قاہر کی ولادت پر اپنی بیوی کو دی کہ بوقت ضرورت ثبوت امامت کے طور پر پیش کر دی جائے۔ اس سے یہ حقیقت واضح اور ثابت ہوتی ہے کہ جب قاہر کی ولادت ہوئی تو امام مہتدی حیات تھا اور تختِ امامت پر متمکن تھا جب ہی تو اس نے سند دی تھی اور اپنے بچے کو پیار کیا تھا۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قاہر کی ولادت ۱۱۳۶ء اور ۱۱۵۷ء کے درمیان کسی وقت ہوئی جو امام مہدی کا دورِ امامت تھا۔ نورالمبین میں تحریر ہے کہ قاہر کا بیٹا حسن ۱۱۱۲ء میں پیدا ہوا یعنی اپنے والد قاہر سے ۲۴ سے ۴۵ سال پہلے کے عرصے میں جو یقیناً حیاتیاتی طور پر ناقابلِ یقین ہے۔

چلئے اگر نورالمبین کی بات کو صحیح نہ مانا جائے تو بھی حسن کا جدید ترین اور تبدیل شدہ سنِ پیدائش بھی ۱۱۲۶ء ہے جو اسماعیلی مورخین نے ۱۹۸۰ء کے عشرے میں اپنی مستند تاریخی کتاب "تنک اتہاس" میں تحریر کیا ہے جسے اسماعیلیہ ایسوسی ایشن آف پاکستان نے کراچی سے شائع کیا ہے اور اس طرح تاریخ کی انتہائی غیر منطقی حقیقت کہ امام حسن کی ولادت اپنے والد امام قاہر کی ولادت سے کم از کم دس سال پہلے ہوئی تھی، ناقابلِ تردید ہے۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں مگر یہ ایک مسلمہ اور ثابت شدہ حقیقت ہے جو خود اسماعیلی تاریخ کی کتب سے ثابت ہے۔

سترھویں حقیقت ۔ حسن نمبر ۲ کی پیدائش ایک مصنوعی کہانی ہے۔

نورالمبین اور تنک اتہاس دونوں مستند اسماعیلی کتب میں علی محمد کی تاریخ پیدائش ۱۱۴۷ء درج ہے۔ ساتھ ہی امام مہتدی کی تاریخ وفات بھی ۱۱۵۷ء درج ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب امام مہتدی کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا قاہر، پوتا حسن اور پڑپوتا علی محمد، جو اس وقت دس سال کا تھا (۱۱۵۷ء میں سے ۱۱۴۷ء منہا کر لیجئے) موجود تھے۔

مہتدی ۱۱۳۶ء میں امام بنا اور اس کے گیارہ سال بعد یعنی ۱۱۴۷ء میں اس کا پڑپوتا بھی موجود تھا یعنی علی محمد جسے خود اسماعیلی مورخین تسلیم کرتے ہیں۔ اگر حقیقتاً ایسا تھا تو داعی محمد کا امام مہتدی کے لئے غمگین ہونا کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے اور امام مہتدی کی پیشین گوئی کہ ایک بیٹا پیدا ہونے والا ہے، قطعاً غیر حقیقی، غیر منطقی اور ایک جھوٹی کہانی معلوم ہوتی ہے۔ اگر ہم کھینچ تان کے کوئی منطقی جواز پیدا کرنے کی کوشش کریں تو اتنا کہا جاسکتا ہے کہ اسماعیلی مورخین نے یہ قصہ صرف اس لئے تصنیف کیا ہے کہ وہ اپنی پہلے سے بیان کردہ "دو حسن" والے قصے کو کس طرح ثابت کریں جو دونوں داعی محمد کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ ایک امام حسن کی صورت میں اور دوسرا داعی حسن کی شکل میں حقیقتاً حسن فقط ایک تھا جو داعی محمد کا بیٹا تھا اور اگر ہم اسکا نسب نامہ تلاش کریں تو کچھ اسطرح بنتا ہے۔

۱۔ کیا محمد (حسن بن صباح کا جانشین)
۲۔ داعی محمد ۱
۳۔ حسن ۲
۴۔ محمد ۲
۵۔ جلال الدین حسن
۶۔ علاؤ الدین محمد
۷۔ رکن الدین خورشاہ

اب مشہور مورخ اتالک جوینی (۱۲۲۶ء - ۱۲۸۳ء) کی کتاب THE ASSASINS کے صفحہ نمبر ۹۵ پر یہ تحریر

تصحیح

گزشتہ شمارہ میں شامل زیرِ نظر تحریر کی پہلی قسط میں عبارت کی ترتیب غلط ہو جانے کے سبب ۳۶ ویں صفحہ کے دوسرے کالم میں "چوتھی حقیقت" کی ذیلی سرخی سے لے کر ۳۷ ویں صفحہ کے پہلے کالم میں "پہلی حقیقت" کی ذیلی سرخی سے قبل تک کی عبارت، پہلے شائع ہو گئی ہے۔ براہِ کرم قارئین ترتیب کو درست کر کے مطالعہ فرمائیں۔ (ادارہ)

آغاخاں کے ماننے والوں نے جس دن اُن سے اُن کی روحانی قوتوں کا ثبوت طلب کرلیا، اُسی دن اُن کی اصلیت ہر ایک پر کھل جائے گی

ملاحظہ کیجیے "رکن الدین خورشاہ اور اس کے ماننے والوں کو پہلے تو ہلاکو خان نے نکال باہر کیا پھر ہلاکو خان کی فوج نے ان سب کو تہہ تیغ کر دیا تھا۔ پھر نہ اس کا اور نہ اس کے خاندان کا کوئی سراغ باقی رہا تھا۔ بعد میں اس کی کل اولاد کے بارے میں صرف لوگوں کے لبوں پر کہانیاں رہ گئی تھیں جو دنیا کی عام روایت ہے۔"

ایران سے اسماعیلیوں کا اس طرح خروج اسماعیلی تاریخ کا ایک اور المناک باب ہے جیسے جوینی نے بیان کیا ہے۔ ۱۷ اماموں ... اُنش کی تاریکیں (یعنی) انسلاں کا تاریکی تسلسل ... درج ہیں ... سے ان کا کوئی پتہ چلتا ہے۔ کاش ... ورخین بیان کرسکتے۔

اٹھارویں حقیقت۔ حسن بن صباح بن محمد

ڈاکٹر مصطفےٰ غالب ایک شامی اسماعیلی ہیں جنہوں نے ادب اور تاریخ میں کینیڈا کی میکگل یونیورسٹی سے ۱۹۷۰ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ ڈاکٹر غالب اپنی کتاب "شام کے اسماعیلی" کے صفحہ ۷۳ پر رقمطراز ہیں۔

وہ دستاویز جو ہمارے نقطۂ نظر کو ثابت کر سکے وہ خط ہے جو تمام اسماعیلی نزاریوں میں تقسیم کیا گیا تھا جسے امام حسن بن حسن بن محمد بن علی بن نزار نے ۵۵۸ھ میں تحریر کیا تھا۔ اس خط میں انہوں نے کہا تھا "ہمارے نائب الحسن بن محمد بن کیا بزرگ ہمارے داعی اور ہماری حجت ہیں۔ وہ تمام لوگ جو ہمارے دین، اصولوں اور طریقۂ کار کو مانتے ہیں انہیں تمام دینی اور سیاسی و معاشرتی امور میں ان کے احکامات ماننے ہوں گے ان کے قوانین چلانا ہوں گے اور ان کی تعاریف اور ہدایت و رہنمائی کو ہماری طرف سے سمجھنا ہوگا۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ماننے والے ان کے احکامات کی خلاف ورزی نہیں کریں گے ان کے احکامات کو حرف بہ حرف تسلیم کریں گے بالکل اسی طرح جیسے وہ ہماری طرف سے جاری کئے گئے ہیں۔ یہاں قابل لحاظ باتیں یہ ہیں۔

۱۔ لفظ "بن" کے معنی بیٹے کے ہوتے ہیں۔

۲۔ الامام حسن کو حسن کے بیٹے کے طور پر لکھا گیا ہے القاہر کے بیٹے کے طور پر نہیں۔

۳۔ حسن بن حسن کو محمد کا پوتا لکھا گیا ہے مہتدی کا نہیں لکھا گیا۔

۴۔ الامام حسن بن حسن کے نائب الحسن بن محمد تحریر کئے گئے ہیں۔

۵۔ اس بیان سے تین حسن اور دو محمد ثابت ہوتے ہیں

انیسویں حقیقت۔ اسماعیلی دعائیں

اسماعیلی تاریخ کی کتابوں کے علاوہ ایک اور ذریعہ بھی ہے جس سے اسماعیلی اماموں کے نسب نامے کے بارے میں کسی قدر معلومات مہیا ہو سکتی ہیں اور وہ ذریعہ ہے دعاؤں کی کتاب۔ تمام دنیا کے جماعت خانوں میں دعا مانگتے وقت روزانہ تمام کے تمام ۴۹ اماموں کے نام لئے جاتے ہیں ۲۳ ویں متنازعہ امام حسن کا نام بھی کتاب۔ دعا میں درج ہے اور پکارا بھی جاتا ہے مگر انہیں مولانا علی ذکرالسلام کے نام سے پکارا جاتا ہے مولانا حسن علی ذکر السلام کے نام سے نہیں پکارا جاتا اس سے نہ ان کا لقب ظاہر ہوتا ہے نہ ان کے مرتبے کا پتہ چلتا ہے اسماعیلی دعاؤں کی کتاب سے جو نسب نامہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے

مولانا مستنصر باللہ، مولانا نزار، مولانا ہادی، مولانا مہتدی، مولانا قاہر، مولانا علی ذکرالسلام، مولانا علی محمد، مولانا جلال الدین حسن۔ مولانا علاؤالدین محمد، مولانا رکن الدین خیری شاہ۔

پروفیسر آئیوانو اپنی کتاب "الموت ولاماسار" کے صفحہ ۲۸ پر لکھتا ہے "اسماعیلی الفاظ میں اس طرح دعائیں ایک معین اور مخصوص مفہوم رکھتی ہیں گویا یہ دعا بالخصوص علیٰ ذکر السلام سے متعلق ان کے "قائم" ہونے کے لئے ہے اور اسماعیلی الفاظ میں قائم "مہدی" کے لئے مخصوص لفظ ہے جو قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے ان کا حقیقی نام ابھی تک پردۂ اخفا میں ہے گویا اس طرح دعا کے الفاظ میں مفہوم کچھ اس طرح بنتا ہے کہ " سلام اور برکتیں ان پر نازل ہوں جن کا کوئی بھی نام ہو یا جو نام بھی وہ اپنے لئے پسند فرمائیں"۔ مورخ اینز فرانز یوس نے اپنی تاریخی کتاب "تاریخ نظام عشتا شیش" میں صفحہ ۸۷ پر تحریر کیا ہے "اور حسن نمبر ۲ نے اپنے آپ کو مہدی یا قائم ظاہر کیا ہے جس کے معنی ہیں قیامت لانے والا" (اینو فرانز یوس کی مندرجہ بالا کتاب FUNK AND WAGNALLS نے نیو یارک سے ۱۹۶۹ء میں شائع کی ہے)

> آغاخاں کا شجرۂ نسب
>
> حقائق کے بجائے قیاس
>
> اور مفادات کی بنیاد پر
>
> مرتب کردہ نظر آتا ہے۔

پروفیسر آئیوانو نے ایک بے حد اہم اور توجہ طلب سوال اٹھایا ہے وہ لکھتا ہے:

(الف) شیعہ اثنا عشری حضرات اس دن سے امام مہدی کے انتظار میں ہیں جس دن سے ان کے امام غائب ہو گئے ہیں۔

(ب) شیعہ مستعالین اس دن سے اپنے امام مہدی کے منتظر ہیں جب سے وہ پردے میں چلے گئے ہیں۔

(ج) شیعہ اسماعیلی نزاری حضرات بھی اپنے امام مہدی کے انتظار میں ہیں اس دن سے جس دن امام نزار اور ان کی آل اولاد کو قید خانے میں تہہ تیغ کر دیا گیا تھا یا پھر وہ اسکندریہ مصر کے قید خانے میں خود وفات پا گئے تھے۔

(د) داعی حسن (جو داعی محمد کے بیٹے تھے) نے مردہ سلسلۂ امامت کو یہ کہہ کر زندہ کیا تھا کہ وہ خود مہدی موعود ہے۔ کیا اسی کو تو مولانا علی ذکرالسلام کے طور پر الموت کے اسماعیلی تسلیم نہیں کرتے تھے؟

حقیقی امام

اسماعیلی عقیدے کے مطابق ایک حقیقی اور صحیح النسب امام اس وقت تک انتقال نہیں کرتا جب تک اس کے ایک مذکر اولاد پیدا نہ ہو جائے جو اس کے وصال کے بعد اس کی جگہ لے سکے چنانچہ آنے والے امام کو اس کے والد یا دادا امام کے طور پر متعین کر دیتے ہیں اس کے بعد ہی ان کی وفات ممکن ہے گویا اس طرح ایک حقیقی اور صحیح امام ہمیشہ آل علی میں سے ہوتا ہے جو پہلے امام تھے بالفاظ دیگر ایک حقیقی امام نسبی طور پر اولاد علی آل رسول ہوگا اپنے نسب سے کبھی برگشتہ نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی مفقود الخبر، غائب یا غیر موجود ہو سکتا ہے۔ گویا اسماعیلی نظریۂ امامت کی بنیاد یہی ہے کہ امام ڈائریکٹ آل علی ہوگا، خانزادۂ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا۔ اس کا حکم قرآن ہوگا وہ قرآن کو تبدیل کر سکتا ہے قرآن کی سورتوں اور آیتوں

بقیہ صفحہ ۴۲ پر

صفحہ ۵۹ سے آگے (آغاخان: دولت اور مشاغل)

حاصل مطالعہ

سرجارلس نیپیر کو مدد دی تھی تاکہ کسی طرح انگریز سلطنت قائم ہوجائے تو اپنے پڑپوتے کو دیکھ کر اور یہ بدلی ہوئی دنیا پاکر کس قدر حیرت زدہ ہوتے۔ پرنس کریم تین چوتھائی یورپین ہیں اور ایک چوتھائی اطالوی کیونکہ ان کی دادی تھریسیا میگلیانو (علی خاں کی والدہ) ایک اطالوی خاتون تھیں۔ ان کا آدھا خون والدہ کی طرف سے انگریزی ہے کیونکہ علی خاں کی پہلی بیوی اور پرنس کریم کی والدہ جون یارڈے بلر ایک انگریز خاتون ہیں۔ پرنس کریم کی خالائیں ڈچیز آف بیڈفورڈ اور لیڈی ایمورٹی ہیں۔ اسماعیلیوں میں وہ پہلی شخصیت ہیں جو اس طرح اعلیٰ انگریز شاہی خاندان میں ضم ہوئی ہے۔ ان کے والد کی اعلیٰ حلقوں میں کبھی زیادہ پذیرائی نہیں ہو سکی۔ ان کے دادا اپنے تموّل اور سحرانگیز شخصیت کی وجہ سے راجوں، مہاراجوں اور نوابوں کی صفوں میں تو شمار ہوتے رہے مگر یورپ کے صحیح النسب خاندانوں سے زیادہ قریب نہیں ہو پائے، ایک مرتبہ تو ایک اعلیٰ خاندانی لیڈی نے ان کے قریب کرسی پر بیٹھنے سے انکار کر کے ان کی بڑی توہین کی تھی، اس کا کہنا تھا کہ یہ کالا شخص کچھ بھی ہو، اس مرتبے کو نہیں پہنچا کہ میرے پاس بیٹھ سکے۔ انہیں اگرچہ لارڈ جیورربرک، ڈیوک آف کونیٹ اور پرنس آف ویلز نے ۱۸۹۸ء میں میرلیبون کلب کا ممبر بنا دیا تھا پھر بھی لندن کی سڑکوں پر دوڑتی ہوئی بسوں میں جو اشتہار چسپاں ہوتے تھے ان پر لکھا ہوتا تھا "چاکلیٹ کھایئے گہرے کتھئی اور قیمتی۔ آغاخان کی طرح"

> **ان کے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی تعداد ۶۰۰ سے زیادہ ہے جن میں سے صرف ایک گھوڑے کی قیمت جو پہلی گھڑدوڑ میں اوّل آیا تھا، ۱۹ ملین ڈالر تھی۔**

آغاخان سوم مہاتما گاندھی کی طرح اپنے دور کی مشہور ترین شخصیت رہے مگر ان دونوں کی شہرتوں کی نوعیت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ۲۴۳ پونڈ وزنی آغاخان کو ہیروں میں تولا گیا اور تقریباً ۴۰ سال تک گھڑدوڑ کے میدانوں کے وہ بے تاج بادشاہ بھی رہے۔ "ایکی" جو آغاخان سوم کا لقب تھا، تمام آغاخانیوں کو مغربی طور طریقوں اور طرز بود و ماند کا عادی بنا دینا چاہتے تھے مگر وہ اس سلسلے میں اپنی خاندانی وجاہت اور دینی مرتبے کے پیش نظر خود بھی بڑے محتاط رہے۔

پرنس علی خان نے اپنے لڑکے پرنس کریم کو ۱۴ سال کی عمر میں انگلستان کے بجائے سوئٹزرلینڈ میں واقع ایک اسکول میں داخل کرایا جہاں وہ چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا برطانوی نسل کی بنیادی خصوصیات سے اچھی طرح واقف ہو جائے اور برٹش نسلی تعصب کی زد سے محفوظ رہے جس کا انہیں بارہا تجربہ ہوا تھا۔

یہ ۱۹۵۰ء کی دہائی ہے، فرانس کے شہرہ آفاق اسکول لی روزے میں، جو اپنے اطراف و جوانب کے خوبصورت مگر سحرانگیز ماحول کی وجہ سے نوابوں، راجاؤں، ڈیوکس، سحرزدہ شاہوں کے فرزندوں، پرنس رینیئر اور صنعتی ملکوں کے ولی عہدوں میں بیحد مقبول ہے، دو نوجوان خوبصورت بچے زیر تعلیم ہیں جن کی خصوصی حفاظت کی جاتی ہے۔ ہر ہفتے ایک باوقار طویل رولس رائس جس کے دبیز ڈارک شیشوں کے پیچھے سے کچھ نظر نہیں آتا، اس اسکول کے

> **صرف پاکستان کے جماعت خانوں سے**
> **آغاخان کی آمدنی ۳ کروڑ روپیہ ماہانہ ہے**

کورٹ یارڈ اور سبزہ زار کا چکر لگاتی ہے۔ دونوں خوبصورت بچے جو اس کار کے منتظر رہتے ہیں، دوڑ کر قریب آتے ہیں۔ کار کا خودکار شیشہ آہستہ آہستہ اترتا ہے جس میں سے ایک موٹا نکلا ہوا "کلرڈ" ہاتھ برآمد ہوتا ہے۔ لڑکے ایک ایک کر کے اس ہاتھ کو چومتے ہیں۔ بچوں کو یہ دست مبارک کچھ رقم دیتا ہے۔ ہاتھ کھنچتا ہے، آہستہ آہستہ شیشہ چڑھ جاتا ہے اور کار واپس اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔ بزرگ آغاخان کا یہ معمول سالوں جاری رہتا ہے اور دونوں شہزادے پرنس کریم اور پرنس امین اپنے عظیم دادا سے اسی طرح ملتے رہتے ہیں۔

بوڑھے آغاخان کی ۸۰ ویں سالگرہ میں صرف چند ماہ باقی تھے کہ ۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء میں جنیوا کے قریب سوئٹزرلینڈ کی خوبصورت قیام گاہ میں ان کا انتقال ہوگیا۔ دوسرے دن تمام افراد خاندان اور اسماعیلی مذہب کے اکابرین کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں جمع ہوئے جہاں لندن کے لائیڈز بینک کے لاکرز سے آہنی صندوق میں بند وصیت لا کر کھولی گئی۔ ہر طرف چھائی ہوئی خاموشی کو وکیل قانون کی سپاٹ مگر موثر آواز نے وصیت پڑھتے ہوئے توڑا۔ لوگ سانس روکے وصیت سن رہے تھے جس کے الفاظ تھے: "میں پورے ایقان کے ساتھ سمجھتا ہوں کہ شیعہ اسماعیلی فرقے کے بہترین مفاد میں ہے کہ میرا جانشین وہ نوجوان ہو جو پچھلے چند سالوں میں میرے زیر تربیت سن شعور کو پہنچا ہے مجھے یقین ہے کہ یہ نوجوان امامت کے جدید تقاضوں کو کامیابی کے ساتھ پورا کرے گا، یہ نوجوان ہے میرا پوتا پرنس علی سلیمان خان کا بیٹا پرنس کریم جو میرے بعد آغاخان بھی ہوگا، یہی پیر ہوگا اور یہی امام ہوگا، میرے تمام ماننے والوں کو اسی کی اتباع کرنی چاہیے۔"

دو آدمیوں کے لئے یہ وصیت ایٹم بم کے دھماکے سے کم نہیں تھا، علی خان کے لئے اور صدرالدین خان کے لئے۔ ۴۶ سالہ علی خاں اگرچہ جانتے تھے کہ ان کے والد ان کی بہت سی بے تکی حرکتوں کی وجہ سے انہیں پسند نہیں کرتے مگر وہ خیال کرتے تھے کہ ان کی بے راہروی بلکہ کجروی کا بوڑھے آغاخان کو علم نہیں۔ پرنس صدرالدین نے کچھ ہی دنوں قبل ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ وہ علی خاں سے برابری کے دعوے کے ساتھ امامت کے مستحق ہیں مگر بہرحال والد صاحب کے ہر فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیں گے کیونکہ یہی خاندان اور اسماعیلی فرقے کے مفاد میں ہوگا۔ اپنے والد کے اس فیصلے سے انہیں اس قدر ذہنی صدمہ ہوا کہ وہ فوراً ولا چھوڑ کر روانہ ہوگئے۔ علی خان اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے بیٹے سے بغلگیر ہوئے اور انہیں اس "عظیم فیصلے" پر مبارکباد دی مگر ان کی محبوبہ بیٹینا نے لندن میں بتایا کہ درحقیقت وہ ایک سکتے کے عالم میں تھے کہ انہیں شدید ذہنی

بقیہ صفحہ نمبر ۳۶ پر



بے ریاست تاجدار آغا خاں نے اپنی ریاست کے قیام کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کا انتخاب کرلیا ہے

دھچکا پہنچا تھا جسے انہوں نے بڑی دانشمندی سے چھپالیا تھا۔ پرنس کریم، جو اس وقت صرف ۲۰ سال کے ایک نوجوان سے طالب علم تھے اور ہارورڈ میں زیر تعلیم تھے، اس اچانک واقعے سے بہت زیادہ متاثر معلوم نہیں ہوتے تھے۔ شاید انہیں ایکدم اس بات کا احساس نہیں ہوا کہ وہ اب پندرہ ملین اسماعیلیوں کے سیاہ و سپید کے مالک اور دنیا کے دولتمند ترین انسان ہیں۔ انہیں ان کی والدہ جون ملی خان کے ساتھ کوٹھی کے لان میں لایا گیا جہاں ان سے پاکستان، ہندوستان، سنگاپور، ڈغاسکر اور دیگر متعدد ملکوں سے آئے ہوئے اسماعیلی لیڈروں نے ملاقات کی اور مبارکباد پیش کی۔ بعد میں ان کی والدہ نے بتایا کہ پرنس کریم کو اپنی کمیونٹی اور عالم اسلام کی فلاح و بہبود کا بیحد خیال ہے، اس لئے انہوں نے اتنی بڑی ذمہ داری کو سنبھالنے کا تہیہ کرلیا ہے۔ پرنس کریم نے پوری ذمہ داری اور تندہی سے اپنی تعلیم مکمل کی اور بڑی مہارت کے ساتھ بزنس کے امور نمٹانے شروع کردیے۔ اکتوبر میں پرنس کریم کی ماڈل گرل سیلی سے باقاعدہ منگنی ہوگئی جس میں پرنس نے انہیں جو انگوٹھی پیش کی، اس میں پنگ پانگ کی گیند کے برابر ایک انتہائی قیمتی ہیرا جڑا ہوا تھا۔ ۱۲ر اکتوبر کو یہ خوبرو جوڑا باقاعدہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگیا۔ یہ شادی عیسائی طریقے کے مطابق ہوئی مگر ایک ہی ہفتے بعد پیرس کی اسماعیلی مسجد کے امام صاحب نے اسلامی طریقے سے بھی ان کا نکاح پڑھادیا۔ شادی کے بعد دلہن کے ساتھ ہی ساتھ ان کے نام کو بھی مشرف بہ اسلام کرلیا گیا اور وہ پرنسس سلیمہ کہلائی جانے لگیں۔

شادی کے وقت پرنس کریم کی عمر ۲۲ سال تھی جبکہ دلہن ماڈل گرل سیلی ۲۹ سال کی تھیں۔ وہ طلاق یافتہ تھیں اور اس بلند مرتبے کا شاید اپنے خواب و خیال میں بھی تصور نہیں کرسکتی تھیں جو انہیں خوش قسمتی سے اچانک حاصل ہوگیا تھا۔ ان کے والد برٹش آرمی میں لیفٹیننٹ کرنل تھے۔ ان کی ولادت نئی دہلی میں ہوئی۔

پرنس کریم کی زندگی لگے بندھے اصولوں اور پہلے سے طے شدہ معمولات کے مطابق گزرتی رہی۔ انہیں مختلف اوقات میں مختلف شہروں میں موجود رہنا ہوتا ہے۔ کبھی وہ سارڈینیا کے پورٹو سرود میں ہوتے ہیں تو کبھی جنیوا میں، جہاں پرنس امین کمیونٹی امور کی دیکھ بھال کے لئے مستقلاً رہتے ہیں۔ انہیں بین الاقوامی سوسائٹی میں بھی بھرپور طور پر شریک رہنا ہوتا ہے۔ ملکوں کے صدور، وزرائے اعظم، بادشاہوں، ولی عہدوں، امراء، سفراء، بڑے تاجروں غرض دنیا بھر کے اونچے لوگوں سے ان کے تجارتی، سیاسی اور معاشرتی تعلقات ہیں۔ ہر تین سال کے بعد پرنس کریم کو افریقہ اور ایشیا کے مذہبی امور کے تصفیوں اور دیکھ بھال کے لئے دورے بھی کرنے ہوتے ہیں۔ شہزادی سلیمہ کے دوستوں میں لے دے کے ہالی وڈ کے مرحوم ایکٹر یل برائنر (YUL BRYNNER) کی بیوہ ڈورس برائنر ہیں، جن سے مل کر وہ دل بہلا لیا کرتی ہیں یا پھر بیک گیمن کھیلتی رہتی ہیں۔

پرنس کریم کا ایگل مانٹ کا محل ایک عجوبۂ روزگار ہے۔ بے حد وسیع و عریض کوٹھی ہے جو پیرس سے ایک گھنٹے کی مسافت پر جنگلات اور باغات سے گھرا ہوا ہے۔ سترھویں صدی کے فرنیچر سے آراستہ اس محل میں پرنس کریم کے نوادرات، خاندانی قیمتی اشیاء اور مشرق کی تمام چیزیں جمع ہیں۔ یہ دراصل ایک محل ہی نہیں، بہت سے محلوں، اصطبلوں اور دیدہ زیب مقامات کا مجموعہ ہے جہاں علیحدہ علیحدہ عمارات ہیں۔ ایک مقام سے دوسرے مقام تک جانے کے لئے کاریں استعمال کی جاتی ہیں۔ پرنس کا مذہبی سیکرٹریٹ بھی یہیں ہے۔ مہمان خانے، اصطبلوں، سیکرٹریٹ کی بلڈنگوں اور خود پرنس کی قیامگاہ پر مشتمل یہ جگہ خود نادر مقامات میں شامل ہے۔ اس جگہ کی کشادگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اصطبلوں کے بعد ریس کورس آتی اور پھر کئی ریس کورس کے میدان بھی اس میں شامل ہیں۔ چھٹیوں میں پرنس کے بچے بھی ماں باپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ شہزادی زہرہ تو ماں کے ساتھ ساتھ ہی رہتی ہیں مگر بیٹوں کا رویہ اپنی ماں کے ساتھ کچھ زیادہ اچھا نہیں رہتا۔ سیلی مگر ایک بہت اچھی اور صابر و شاکر ماں کا کردار ادا کرتی ہیں۔ ہاں ان کی ساس پرنس کی والدہ اپنی بہو سے بہت خوش اور مطمئن رہتی ہیں، مگر چونکہ انہوں نے بھی ۱۹۸۶ء میں کسی موسیکا مرد سے شادی کرلی ہے، لہٰذا کم ہی آپاتی ہیں۔ پرنسس سلیمہ بھی اب کمیونٹی میں بیگم صاحبہ کہلاتی ہیں، سوشل محفلوں میں بھی بہت حصہ لیتی ہیں۔ کمیونٹی کی طرف سے منعقد محفلوں میں وہ اکثر مہمانِ خصوصی بنتی ہیں، ان کی زندگی کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ ذاتی ہیلی کاپٹر اور ہوائی جہاز ہوتے ہوئے بھی وہ ہوائی سفر سے بہت ڈرتی ہیں اور حتی الامکان کم سے کم ہوائی سفر کرتی ہیں۔

اسمٰعیلی فرقہ، اسمٰعیلیت اور آغا خان کے کوائف کی اشاعت پر بڑی گہری نظر رکھتا ہے۔ ایسی تحریریں جن سے "اسمٰعیلیت" پر کسی بھی طرح منفی انداز میں روشنی پڑسکتی ہے عموماً عدالتوں میں چیلنج کردی جاتی ہیں جن کی ایک نمایاں مثال میرولبری کی ۱۹۸۴ء میں تین سالہ کاوشوں کے بعد تحریرکردہ ۳۸۴ صفحات پر مشتمل مبسوط کتاب THE AGHA KHANS بھی ہے، جس کے خلاف آغا خان نے دعویٰ دائر کردیا تھا اور بالآخر فتح انھی کی ہوئی اور کتاب مجبوراً واپس لے لی گئی۔

آغا خان نے خود اخبار نگار جنین سے متعلق ایک خاتون صحافی HELLA PICK کا انتخاب کیا تھا کہ وہ ان کی حیثیت، شخصیت اور اسمٰعیلی مذہب میں ان کے مرتبے کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ایک کتاب لکھے۔ کتاب کی آؤٹ لائن اور مندرجات بھی طے ہوگئے تھے۔ دو سال کی سخت محنت اور دنیا کے متعدد چکر لگانے کے بعد آخری مسودہ، جب تین مرتبہ تحریر کیے جانے کے بعد تیار ہوا، تو پرنس امین کی طرف سے نامنظور کردیا گیا اور اسمٰعیلی بڑے لوگ بھی اس سے مطمئن نہ تھے، چنانچہ ہیلا پک نے یہ کہہ کر لکھنے کا خیال ہی ترک کردیا کہ میں عامۃ الناس کے ردِعمل کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

اب صورتحال یہ ہے کہ "آغا خانیت" ایک فرد واحد کی مملکت ہے، جس کی طاقت ناقابلِ یقین ہے، جس کی دولت کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، جس کے سیاسی، تجارتی، معاشرتی اور مذہبی اثرات کی لپیٹ میں آج پوری دنیا ہے۔ وہ ایک ایسے ماڈرن مسلم لیڈر ہیں، جن کے خلاف لب کشائی کی بمشکل ہی جرأت کی جاسکتی ہے۔

ڈینیلی نیشر کے اس مضمون میں آغا خان سوئم، پرنس علی، پرنس امین، صدر الدین اور کریم آغا خان کی نجی زندگی سے متعلق بہت سی تفصیلات دی گئی ہیں جن سے ہماری دلچسپی [illegible] نہیں، اس لیے ہم نے ان کے تذکرہ سے [illegible] تکبیر کے لیے مضمون کے صرف ان حصوں کا انتخاب کیا گیا ہے، جو آغا خان کی دولت، کاروبار اور ان کے عام پبلک مشاغل سے متعلق ہیں۔ ان سے بہرحال یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس فرقے کی عالمگیر حیثیت کیا ہے اور "بے تاج بادشاہ" کے بجائے "بے ریاست باتاج بادشاہ" کا اطلاق کس طرح ہوتا ہے۔ اب اس "تاج" کے لیے ایک ریاست کی ضرورت ہے، جس کے قیام کے لیے پاکستان کے شمالی علاقوں کا انتخاب کیا گیا ہے۔

ooo

سر آغا خان کے ساتھ ایک شام



تحریر: ڈاکٹر افضل اقبال
ترجمہ: محمد نعیم عارفی

یہ ۱۹۵۱ء کے موسم بہار کی ایک انتہائی سرد صبح ہے نو بج رہے ہیں اور میں خیابانِ تخت جمشید تہران میں پاکستان کے سفارتخانے کے استقبالیہ روم میں بیٹھا ہوں۔ ایک خوبصورت رولس رائس جانی جاتی ہے میں داخل ہوتی ہے جس پر کوئی نمبر نہیں صرف ایک تاج کندہ ہے ایک باوردی ڈرائیور لیموزین سے نکل کر استقبالیہ کمرے میں آتا ہے۔ پاکستانی سفیر جن کی رہائش گاہ ذرا فاصلے سے ہے غالباً ناشتے میں مصروف ہیں۔ استقبالیہ کلرک ڈرائیور کو میری طرف متوجہ کرتا ہے۔ ڈرائیور کہہ رہا ہے کیا سفیر صاحب سر آغا خان سے مل سکتے ہیں؟ میں صورت حال کو سمجھتے ہوئے بھاگ کر چانسری جاتا ہوں جہاں کار میں کمزور، نحیف و بیمار آغا خان اپنے پیروں پہ گرم بھورے رنگ کی کشمیری شال ڈالے نیم دراز ہیں۔ میں انہیں ممکنہ گرمجوشی سے خوش آمدید کہتے ہوئے بتاتا ہوں کہ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر اپنی قیام گاہ میں ناشتہ کر رہے ہیں آپ تشریف لائیں میں ابھی انہیں بلوائے لیتا ہوں۔ وہ بڑی نرمی سے میری پیشکش کو مسترد کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہم تو صرف ملاقاتیوں کی کتاب پر دستخط کر کے چلے جائیں گے۔ بے حد مشغول ہیں اور خاصے علیل بھی۔ ہمارا مقصد صرف ایک دوستانہ ملاقات تھی ہم سفیر صاحب کو اس غیر مناسب وقت میں زحمت نہیں دینا چاہتے میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اتنے معزز مہمان کی پذیرائی کس طرح کروں گھبراہٹ میں میں دوڑ کر ملاقاتیوں کی کتاب لے کر آتا ہوں مگر سر آغا خان اس پر وہاں دستخط کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں اسے وہیں کمرہ استقبالیہ میں لے چلو ہم اس پر وہیں دستخط کریں گے۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں "ہم پاکستانی شہری ہیں کم از کم تعظیم جو ہم اپنے ملک کو دیں وہ یہ تو ہونی چاہیے کہ ملک سے باہر ہونے کی صورت میں وقتاً فوقتاً ملک کے سفارتخانے جاتے رہیں۔" آغا خان کی وھیل چیئر کار سے نکالی جاتی ہے اس اثناء میں کئی چپراسی اور دیگر لوگ جمع ہو چکے ہیں جو ان کی استقبالیہ کمرے تک پہنچنے میں مدد کرتے ہیں۔ وہ واحد رعایت جو آغا خان نے مجھ سے چاہی یہ تھی کہ میں کتاب ان کی گود میں رکھ دوں جہاں وہ آسانی سے اس پر دستخط کر سکیں کیونکہ وہ اس ڈیسک تک نہیں پہنچ پائیں گے جس پر عام طور پر یہ کتاب رکھی رہتی ہے۔ سر آغا خان تو اپنا کام منٹوں میں نبٹا کر واپس کار میں بیٹھے جو چند ثانیوں میں نظروں سے اوجھل ہو گئی... مگر بقول شخصے نہ دیکھنے والوں پہ کافی دیر تک سکتہ رہا۔ اتفاق دیکھئے چند ہی منٹ بعد سفیر کبیر پاکستان تشریف لے آئے۔ جیسے ہی ان کے علم میں آیا کہ سر آغا خان تشریف لائے تھے اور ملاقاتیوں کی کتاب میں دستخط کر کے روانہ ہو گئے ہیں تو وہ بے حد مضطرب اور بے چین ہوئے۔ یہ سفیر ایران میں پاکستان کے پہلے سفیر جناب راجہ غضنفر علی خاں تھے جو پاکستان بننے سے پہلے بھی ہندوستان کی عبوری حکومت میں شریک رہ چکے تھے بے حد منجھے ہوئے سیاست داں تھے اور آغا خان کو اپنے ذاتی دوستوں میں شمار کرتے تھے۔

عام طور پر سفرا و سفارت خانوں میں آنے والے معزز حضرات کو جواباً اپنے کارڈ ارسال کرتے ہیں اور حسب سہولت اور حسب مراتب معززین و ظیفوں کو چائے، کھانوں اور دیگر تقریبات میں مدعو کرتے ہیں۔ مگر آغا خان کوئی معمولی شخصیت نہ تھے وہ پاکستانی ہونے کے ساتھ ساتھ ایرانی شہری بھی تھے اور ان دنوں شاہ ایران کے خصوصی "ماربل پیلس" میں قیام فرما تھے۔ سفیر صاحب نے فوراً گاڑی نکلوائی اور جوابی ملاقات کے لیے ماربل پیلس پہنچ گئے۔ چند ہی منٹوں بعد وہ آغا خان سے خوش گپیوں میں مشغول تھے۔ آغا خان سے راجہ غضنفر علی خاں کی گفتگو جاری ہی تھی کہ شاہ ایران تشریف لے آئے۔ آغا خان تو وھیل چیئر سے اٹھ نہیں سکتے تھے ان کے علاوہ سب ہو نے کھڑے ہو کر شاہ ایران کو تعظیم دی اور ان سے مؤدب انداز میں کچھ گفتگو شروع کر دی اسی اثنا میں مہمانوں میں چائے پیش کی جانے لگی۔ راجہ صاحب نے ایک ہاتھ میں چائے کی پیالی لے لی اور دوسرے میں شکر دان سے کیوب نکالنے والا چمٹا پکڑ کر شوگر کیوب نکال کر چائے میں ڈالنا چاہے تو جب شاہ کی طرف ہونے کی وجہ سے توازن بگڑ گیا اور گھبراہٹ میں چائے ان کی پتلون پر الٹ گئی۔ بیرے نے فوراً کپڑا لا کر پتلون صاف کرنے کی کوشش کی شاہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئے مگر راجہ صاحب نے اپنے آپ کو بڑی نازک پوزیشن میں محسوس کیا آئندہ پھر زندگی بھر انہوں نے چمٹے کے بجائے ہاتھ سے کیوب نکال کر چائے کی پیالی میں ڈالے ساتھ ہی آغا خان سے سفارت خانے میں ملاقات نہ ہونے پر بھی وہ بعد میں زندگی بھر ملول رہے۔

اگرچہ آغا خان کافی علیل تھے پھر بھی راجہ صاحب نے ان کے اعزاز میں ایک زبردست رنگارنگ عشائیے کا اہتمام کیا اور ان سے مہمانِ خصوصی بننے کی بطور خاص درخواست کی جسے آغا خان نے اپنے دوست کی دلجوئی کی خاطر بخوشی مان لیا۔ یہ عشائیہ صرف عشائیہ نہیں تھا ڈنر ڈانس کے علاوہ کئی تفریحات پر مشتمل تھا سوائے شاہ ایران کے اس محفل میں سارا شاہی خاندان موجود تھا۔ شاہ کی جڑواں ہمشیرہ شہزادی اشرف پہلوی بے حد قیمتی جواہرات سے مزین زرق برق لباس پہنے آغا خان سے بڑے دلچسپ مذاق کر رہی تھیں شہزادی کے شوہر جو اس وقت ڈائریکٹر جنرل سول ایوی ایشن تھے ایک دوسرے کونے میں نوجوان خوبرو دوشیزاؤں سے ہنسی مذاق میں مشغول تھے۔ شاہ کی دوسری بہنیں شہزادی شمس، شہزادی فاطمہ وغیرہ بھی موجود تھیں مگر محفل کی جان آغا خان کی طویل القامت انتہائی خوبصورت اور پرکشش فرانسیسی بیگم تھیں۔ ان کی مقناطیسی جاذب نظر شخصیت کی وجہ سے لوگ پروانہ وار ان کے اطراف جمع تھے۔

اس وقت میری ڈیوٹی آغا خان کی وھیل چیئر پر تھی میں ان کی خدمت کر رہا تھا۔ اس خدمت نے اگرچہ مجھے اس شوخ و شنگ محفل کی متعدد دلچسپیوں سے محروم رکھا مگر میں آغا خان کے بے حد قریب ہونے اور انہیں بہتر طور پر جاننے کی سعادت سے بہرحال مستفید ہوتا رہا۔ ان کا مذاحیہ انداز

اور دلچسپ کیئے جملے مجھے ہمیشہ یاد رہیں گے وہ کس قدر زندہ دل، حسن و جمال کے دلدادہ اور فراخدل ہیں اس کا مجھے پہلی مرتبہ اندازہ ہو رہا تھا۔ محفل کا دورانیہ کافی طویل تھا سفیر صاحب مختلف میزوں پر جا جا کر مہمانوں کو ذاتی طور پر خوش آمدید کہہ رہے تھے اسی اثناء میں آغا خان کو احساس ہوا کہ سفیر صاحب نے ابھی تک ڈانس میں حصہ نہیں لیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کی بیگم صاحبہ کی میز پر جاؤں اور انہیں بلا کر لاؤں۔ بیگم صاحبہ جو ایک جاذب نظر طویل القامت بے حد خوبصورت خاتون تھیں۔ سفیر پاکستان ان سے بھی کچھ زیادہ طویل القامت تھے ساتھ ہی ان کے ایک فٹ اونچے صافے نے انہیں طویل تر بنا دیا تھا۔ انہیں خیال آیا کہ سفیر اور ان کی بیگم کا جوڑا بہت اچھا رہے گا۔ انہوں نے کہا اگر مجھ جیسے پستہ قد آدمی سے شادی سے پہلے یہ خاتون سفیر سے مل چکی ہوتی تو صورتِ حال مختلف ہوتی۔ پھر بیگم سے مخاطب ہوئے اور کہا "تم سفیر کے ساتھ ڈانس کرو۔" مگر میں کس طرح ان کے ساتھ ناچوں، انہوں نے تو مجھ سے کہا ہی نہیں"۔ بیگم صاحبہ نے احتجاجاً کہا۔ "بیوقوفی مت کرو میری جان" انہوں نے کہا "یہ قوانین مشرق میں نہیں چلتے سفیر شرمیلا آدمی ہے جاؤ اسے فرش پر کھینچ لاؤ۔"

بیگم صاحبہ نے ایسا ہی کیا انہوں نے ایک دلاویز مسکراہٹ کے ساتھ سفیر صاحب کو فرش پر کھینچ لیا اور ان کے ساتھ رقص کرنے لگیں۔ سفیر صاحب خبط الحواسی کے عالم میں بیگم آغا خان کے ساتھ کھنچے کھنچے پھر رہے تھے۔ بیگم صاحبہ مسکرا کر بظاہر رقص سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو رہی تھیں سفیر صاحب نے بیگم صاحبہ سے معذرت کرنی چاہی اور کہا "مجھے رقص کی الف بے بھی نہیں معلوم" مگر بیگم صاحبہ نے جو اپنے شوہر آغا خان کے ایماء کو اچھی طرح سمجھتی تھیں ان کی ایک نہیں سنی اور کہا "یہ کیا مشکل کام ہے میوزک کی دھن پر بس قدم بڑھاتے رہیے" سفیر صاحب بغیر کچھ سوچے سمجھے ان کا ساتھ دیتے رہے۔ سفیر اور بیگم آغا خان محوِ رقص تھے اور سب لوگوں کی نظریں اس خوش قامت اور خوش قسمت جوڑے پر جمی ہوئی تھیں، آغا خان بھی اس منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے مگر سفیر پاکستان کی حالت بہت دگرگوں تھی ان کے پاؤں بے ہنگم پڑ رہے تھے، سانس پھولی ہوئی تھی پسینے پسینے تھے اور بے حد شرمندہ نظر آ رہے تھے جب یہ جوڑا بے ڈھنگے انداز میں ناچتے ہوئے آغا خان کی وھیل چیئر کے قریب آیا تو آغا خان نے اپنی بیگم کے انتخاب پر انہیں داد دی اور سفیر صاحب سے گفتگو کرنے لگے انہوں نے دونوں کی شخصیات کی مناسبت اور ہم آہنگی کا ذکر کیا اور کہا آپ دونوں کا جوڑا محوِ رقص افراد میں سب سے زیادہ موزوں اور ہم آہنگ ہے۔ آپ ایک دوسرے کے لیے بے حد مناسب ہیں۔ کیا صرف رقص کے فرش پر؟ بیگم نے قہقہہ لگاتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا اور اس قہقہے میں قرب و جوار میں کھڑے سب لوگ شامل ہو گئے۔

رات کافی بھیگ چکی تھی۔ پارٹی کا جوش و خروش اپنے شباب پر تھا۔ اپنی اپنی جگہ ہر شخص پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آغا خان میری طرف دیکھ کر کچھ متاسف ہوئے اور فرمایا "تم کیوں رقص میں حصہ نہیں لیتے جاؤ تم بھی ڈانس کرو"۔ انہیں بے حد مایوسی ہوئی جب میں نے جواباً عرض کیا "سر مجھے ڈانس کرنا نہیں آتا"۔ انہوں

آغا خان نے اپنی بیگم سے کہا!

سفیر شرمیلا آدمی ہے جاؤ اُسے رقص کیلئے فرش پر کھینچ لاؤ

نے مجھے کچھ پینے کو کہا میں نے پھر عرض کیا "سر میں نہیں پیتا"۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ نہ میں پیتا ہوں نہ ڈانس کرتا ہوں یہاں تک کہ سگریٹ بھی نہیں پیتا۔ انہوں نے کہا "نوجوان آدمی پھر تم کرتے کیا ہو۔ زندگی ضائع کرنے والی چیز نہیں۔ مجھے دیکھو اگرچہ بیماری نے مجھے کرسی سے چپکا رکھا ہے مگر میں لمحہ بہ لمحہ زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہوں جوانی کے مزے لو زندگی سے استفادہ کرو۔ دیکھو میں اگرچہ ڈانس نہیں کر رہا مگر موسیقی کی ایک ایک تان اور فلور پر ہونے والی ایک ایک جنبش سے لطف اندوز ہو رہا ہوں، رقص نہ کرتے ہوئے بھی رقصاں ہوں۔" انہوں نے پھر ایک مرتبہ زور دیا کہ میں جا کر اپنی ہم رقص تلاش کر لوں مگر میں نے پھر مؤدبانہ عرض کیا "سر میں کسی شرم و حجاب یا جھوٹے مذہبی لبادے میں ملفوف نہیں حقیقتاً میں رقص سے بالکل نابلد ہوں"۔ انہوں نے پھر کہا "کوئی بات نہیں ہر چیز کی ابتدا کرنی پڑتی ہے تم جا کر شروع ہو جاؤ ڈانس کوئی ایسی مشکل چیز نہیں جسے سیکھنے کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت ہو"۔ میری نظروں میں اپنے سفیر کا لاچار بے بس اور شرمندہ چہرہ گھوم گیا میں نے ایک مرتبہ پھر معذرت کر لی۔ وہ کچھ دل گرفتہ ہو کر خاموش ہو گئے مگر پھر کچھ سوچ کر بولے "کوئی بات نہیں رقص نہیں کر سکتے تو کچھ پیو ضرور"۔ میں بار بار کے انکار سے شرمندہ ہو چکا تھا ان کے اصرار پر شیمپین کے دو گلاس لے آیا ایک ان کے لئے دوسرا اپنے لئے ہم دونوں چسکیاں لے لے کر شراب پینے لگے۔ اب آپ سے کیا عرض کروں واقعی شراب پینے میں لطف آیا مجھے ذائقہ دار محسوس ہونے لگی حالانکہ میں پہلی مرتبہ پی رہا تھا۔

شراب جیسے عام حالات میں میں چھونے کی بھی ہمت نہ کر پاتا آغا خان کی ترغیب پر اور ان کے ساتھ پینے میں مجھے مزید ارگلی اور کوئی شرم حجاب یا شرمندگی کا احساس بھی نہیں ہوا۔ پیگ مکمل ہوتے ہی مجھے اس شام کی خوبصورتی، جمال اور دلآویزی کا احساس ہونے لگا۔ میرے سامنے اپنے وقت کی خوبصورت ترین خواتین محوِ رقص تھیں مردوں میں طاقت ور ترین شخصیات نہ صرف سامنے محوِ رقص تھیں اپنی مدِ مقابل خواتین کے سامنے بچھی جا رہی تھیں عجز و نیاز کا پیکر بنی ہوئی تھیں مجھے بھی اپنی شخصیت اہم اور دلاویز محسوس ہونے لگی۔ مجھ میں اعتماد کی لہریں ہلکورے لینے لگیں پیشِ نظر خواتین میں سے ہر ایک مجھے قابلِ حصول محسوس ہو رہی تھی کاک پر کاک اڑ رہے تھے بہترین کھانے سرو ہو رہے تھے بہترین شرابوں کی فراوانی تھی ساتھ ہی آغا خان بھی کھلتے جا رہے تھے۔ ان کے دلچسپ تبصرے، رقص و سرود پر ماہرانہ تنقید زبانِ حال سے شاہد تھی کہ اس میدان میں شاید ہی کوئی ان کا مدِ مقابل ہو۔ نوجوان مردوں اور خواتین پر ان کے خوبصورت تبصرے ممکن ہے میں یہاں تحریر نہ کر سکوں مگر مردوں سے چپکی ہوئی عورتوں کو دیکھ کر وہ مجھے ایک جہانِ تازہ کی سیر کرا رہے تھے۔ رقص و سرود کی اس محفل میں کئی وقفے بھی ہوئے مگر گھنٹوں سے پینے والے بھی مدہوش محسوس نہیں ہو رہے تھے۔ تھک جانے والوں کی جگہ نئے جوڑے لے رہے تھے۔ ہمارے سفیر صاحب نے صرف ایک دودھ کا پیالہ پیا تھا مگر محفل کی بھرپور کامیابی انہیں بھی مخمور بنائے ہوئے تھی۔ آغا خان اگرچہ جسمانی طور پر محفلِ رقص میں حصہ لینے سے معذور تھے، مگر شراب پینے والوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ روحانی طور پر بے حد مسرور تھے۔ ان کی کرسی رقاص جوڑوں کے قدموں کی طرح فرش پر متحرک رہی تھی۔ وہ بھرپور انداز میں انجوائے کر رہے تھے، چہرہ تازہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا، سرخ اور مسکراتا ہوا۔

آج میں آغا خان کی شخصیت کے بہت سے رموز سے آشنا ہو گیا تھا۔ میں اگرچہ انہیں بہت پہلے سے جانتا تھا مگر مجھے صرف اس قدر معلوم تھا کہ وہ ایک بے حد متمول شخصیت ہیں۔ ان کے شوق بھی مجھے ہی کیا سب کو معلوم تھے۔ مثلاً ان کے گھوڑوں کے اصطبل لاثانی تھے، گھڑ دوڑ میں ان کے

باقی صفحہ ۴۴ پر

دلیپ کمار کا دورۂ پاکستان

ایک سربستہ راز جس پر سے پردہ اُٹھتا جا رہا ہے

بھارت کے عالمی شہرت یافتہ فلمی اداکار دلیپ کمار (اصل نام یوسف خان) گزشتہ ماہ اپنی بیگم سائرہ بانو کے ساتھ پاکستان آگئے۔ انہوں نے اپنے مولد اور آبائی وطن پشاور کے علاوہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد اور بقیہ تین صوبائی دارالحکومتوں لاہور، کراچی اور کوئٹہ کا بھی دورہ کیا۔ انہوں نے اس دورے کو ایک سہانے خواب کی تکمیل قرار دیا اور پشاور میں اپنے مکان، محلے اور گلی کوچوں کی زیارت بڑے جذباتی اور ڈرامائی انداز میں کی اور ہر موقع پر اظہارِ جذبات میں فلمی مکالمات اور اداکاری کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

دلیپ کمار کا یہ دورہ فلمی دنیا کے علاوہ ملک کے سنجیدہ حلقوں میں بھی زیرِ بحث رہا ہے اور اس سلسلہ میں جو سوالات موضوعِ گفتگو بنے رہے ہیں، وہ یہ ہیں:

۱۔ دلیپ کمار کو اپنے آبائی وطن پشاور سے اسی درجہ قلبی لگاؤ تھا تو کیا قیامِ پاکستان کے بعد گزشتہ اکتالیس سال میں انہوں نے یہاں آنے کی کوئی کوشش کی؟

۲۔ کیا انہوں نے بھارت میں پاکستانی سفارت خانہ کو کبھی ویزا کی کوئی درخواست دی؟

۳۔ کیا حکومتِ پاکستان نے ان کی ایسی کوئی درخواست کبھی مسترد کی؟

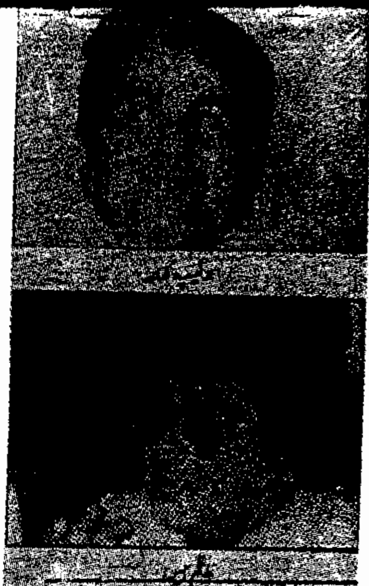
۴۔ اپنی شدید مصروفیات کے باوجود کیا دلیپ کمار کبھی ملک سے باہر بیرونی دورے پر نہیں گئے؟

۵۔ اگر وہ بیرونِ ملک گئے ہیں تو ان کی ترجیحات میں اپنے محبوب وطن اور جائے ولادت کا دورہ کیوں کوئی گنجائش نہ پا سکا؟

۶۔ کیا دلیپ کمار کی راہ میں مالی مشکلات حائل رہی ہیں؟

۷۔ کیا دلیپ کمار نے پشاور میں اپنے احباب، اعزا یا بچپن کے دوستوں میں کسی کے نام خط یا پیغام میں کبھی پشاور آنے کی آرزو کا اظہار کیا ہے؟

۸۔ کیا انہوں نے پاکستان کی فلمی صنعت کی کسی تنظیم یا



اپنے پرانے ساتھی فلمی اداکار یا اداکارہ سے کبھی زیارتِ وطن کا اظہار کیا ہے؟

۹۔ کیا پاکستان کے فلمسازوں یا فلمی اداکاروں اور اداکاراؤں نے انہیں کبھی پاکستان آنے کی دعوت دی ہے؟ اگر دی ہے تو اسے قبول کر کے اور انہیں شرفِ میزبانی عطا فرمانے سے انہوں نے کیوں گریز کیا ہے؟

۱۰۔ دلیپ کمار نے دورۂ پاکستان کے بعد بمبئی سے اپنے دوست ایس ایم وارث کے نام ۱ مئی کو روزنامہ نوائے وقت کے صفحۂ اول پر شائع ہونے والے خط میں لکھا ہے کہ وہ آئندہ دورہ میں پشاور کا "مشن اسپتال" دیکھنے آئیں گے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی دلچسپی "فاطمید بلڈ بنک" یا "مشن اسپتال" کی زیارت تک کیوں محدود ہے؟ کیا اس ملک میں ان کے ہم عقیدہ بھائیوں نے کوئی ایسا قابلِ ذکر ادارہ یا اسپتال قائم نہیں کیا جس کے دیکھنے کی آرزو ان کے دل میں مچلتی ہو؟

ظاہر ہے ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے اور ان کے حالیہ دورے کو یا مستقبل میں ہونے والے کسی اور دورے کو یہی پہلو خاصا پُراسرار اور مشتبہ بنا دیتا ہے۔ بنیادی سوال یہ ہے کہ انہوں نے زیارتِ وطن کی آرزو کی تکمیل کے لیے "فاطمید" کے دعوت نامہ کی ضرورت کیوں محسوس کی اور اسی سے منسلک سوال یہ ہے کہ آخر آغاخانیوں کی ذیلی تنظیم "فاطمید" کی نگاہِ انتخاب دلیپ کمار پر کیوں پڑی۔ آخر دلیپ کمار سے اس تنظیم کا یا اس کے سربراہ ناظم جیوا صاحب کا کیا تعلق یا رشتہ ہے؟ اگر ہے بھی تو اس تعلق نے دورۂ پاکستان کی اس انتہائی مہنگی میزبانی کے منصوبے کی صورت کیسے اختیار کی؟ آخر دلیپ کمار کے لئے ناظم جیوا سے کہیں زیادہ پرانے، بے تکلف اور صاحبِ ثروت دوست احباب اور "پروانے" یہاں موجود ہیں۔ ان کی میزبانی یا نجی دورہ بھی تو زیارتِ وطن کا ذریعہ بن سکتا تھا، اس سے گریز کیوں کیا گیا؟

اس سلسلہ میں "تکبیر" نے اپنے ذرائع سے جب اصل حقائق و محرکات جاننے کی کوشش کی تو چونکا دینے والے انکشافات سامنے آئے۔ بمبئی اور کراچی کے انتہائی باخبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ یہ دورہ درحقیقت آغاخان کے اشارے پر ہوا ہے جو پشاور اور شمالی علاقوں میں اپنی سیاسی، مذہبی اور نام نہاد فلاحی سرگرمیوں پر وہاں کے مسلمانوں اور بالخصوص علماء میں ابھرنے والے شدید ردِّ عمل، ان کے مسلسل مظاہروں، احتجاجی جلسوں اور مذمتی بیانات سے خاصے پریشان تھے اور صورتحال کو اپنے حق میں اس طرح ہموار کرنے کی تدابیر سوچ رہے تھے جن کے ذریعے آغاخان فاؤنڈیشن اور فاطمید جیسے اداروں کے منصوبوں کی تکمیل ممکن ہو سکے اور ساتھ ہی سرکاری مشینری اور صوبائی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدیداروں میں اثر و رسوخ کو وسعت دی جا سکے۔ ذرائع ابلاغ اور بالخصوص مقامی پریس کو اپنی پبلسٹی کے لئے استعمال کر کے اس کا مزاحمتی کردار تبدیل کیا جا سکے اور ملک کے مرکزی و صوبائی دارالحکومتوں میں حکام اور بااثر طبقات سب کے اندر نرم گوشہ پیدا کر کے ذاتی روابط کو فروغ دے کر اور مستحکم بنا کر اپنے لئے ایک مجموعی سازگار فضا تیار کی جا سکے۔ دلیپ کمار کی پشاور کی وطنیت، فلمی اداکار کی حیثیت سے حلقۂ خواص و

بقیہ: دلیپ کمار

عوام میں مقبولیت اور پریس میں پبلسٹی کے نقطۂ نظر سے غیر معمولی اہمیت کے تین بنیادی عناصر کے پیشِ نظر نگاہِ انتخاب ان پر پڑی۔

بمبئی کے ذرائع کے مطابق دلیپ کمار سے اس دورے کی درخواست کریم آغا خان کے بھائی پرنس صدرالدین نے کی تھی اور انہیں اس کے لیے ایک کروڑ روپے معاوضہ کی پیشکش بھی کی گئی۔

پاکستان میں میزبانی کی ذمہ داری، فاطمید کے ناظم جیوا صاحب کو سونپی گئی۔ ناظم جیوا نے باقاعدہ دعوت نامہ ارسال کیا اور رقم بمبئی میں ادا کر دی گئی۔ حسبِ توقع پاکستان میں دلیپ کمار کو غیر معمولی پذیرائی حاصل ہوئی۔ انہیں حکومتِ پاکستان کے سرکاری مہمان کی حیثیت دی گئی۔ ہماری معتبر اطلاع کے مطابق، ناظم جیوا نے اس دورے سے قبل پشاور جا کر گورنر سرحد جناب فدا محمد خان سے درخواست کی کہ وہ دلیپ کمار کو گورنر ہاؤس میں ٹھہرائیں اور انہیں سرکاری مہمان کی حیثیت دیں۔ ان کی درخواست قبول کر لی گئی اور اس کے نتیجے میں، حسبِ توقع پورے صوبے کی انتظامیہ دلیپ کمار، ناظم جیوا اور آغا خان کمیونٹی کے مقامی رہنماؤں کے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کر بیٹھی۔ بعد ازاں وہ اسلام آباد، لاہور اور کراچی میں بھی اسی طرح نوازے گئے۔ کراچی میں ایک اور میزبان، فاؤنڈیشن نے دلیپ کمار کو تین لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔ کرشمہ پہنچنے تک، اس منصوبے کی کچھ سن گن صوبائی انتظامیہ کو اپنے ذرائع سے ہو گئی تھی اس لیے وہاں پشاور، اسلام آباد، لاہور اور کراچی والی پذیرائی نہ ہو سکی اور نسبتاً سرد مہری کا رویہ اختیار کیا گیا۔

۱۰ اپریل کو اسلام آباد میں اوجھڑی کیمپ کے سانحہ نے دلیپ کمار کو پبلسٹی کی غیر معمولی سہولت اور مرکزیت سے محروم کر دیا۔ یہ حادثہ رونما نہ ہوتا، تو پاکستان کا پریس، دلیپ کمار اور ناظم جیوا کی گرفت میں رہتا اور استقبالیہ تقریبات کا رنگ بھی پھیکا نہ پڑتا۔

دریں اثناء بعض اعلیٰ حکام نے تکبیر کو بتایا ہے کہ وہ اس دورے کے اسباب و محرکات اور بالخصوص شمالی علاقوں میں اس کے ثمرات اور آغا خانیوں کی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہے ہیں اور مناسب وقت پر کچھ ضروری اقدامات بھی عمل میں لائے جائیں گے۔ اعلیٰ سطح پر یہ سوال بھی زیرِ بحث ہے کہ آخر دلیپ کمار کو سرکاری مہمان کی حیثیت کیوں دی گئی، جبکہ بھارت سے آنے والے مسلم زعماء مثلاً مولانا ابوالحسن علی ندوی یا شاہی مسجد کے امام بخاری تک کو یہ حیثیت کبھی نہیں دی گئی۔ معلوم ہوا ہے کہ بھارت کے مسلمانوں کے دینی اور سیاسی حلقوں نے بھی دلیپ کمار کی اس غیر معمولی پذیرائی پر سخت اظہارِ ناپسندیدگی کیا ہے اور اسی نوعیت کا ردِ عمل پاکستان کے اندر بالخصوص پشاور اور شمالی علاقہ جات کے دینی حلقوں نے ظاہر کیا ہے۔ دلیپ کمار کے تازہ خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آئندہ وہ کسی مسیحی تنظیم کی دعوت پر پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے ہیں، تاکہ وہ عیسائیوں کے قائم کردہ مشن اسپتالوں اور اسکولوں کا دورہ کر کے ان کی کوئی خدمت انجام دے سکیں۔

تکبیر (۲۹) ۲۶ ... ۱۹۸۸ء

صفحہ نمبر ۳۸ کا باقی حصہ

مسز آغا خان کے ساتھ

گھوڑ سے ہمیشہ اوّل رہتے تھے، سیاست ان کے گھر کی لونڈی تھی، فکشن، فلاسفی، روحانیات، جمالیات، خوبصورت پھول اگانا، لکھنا پڑھنا، ان سب کے وہ ماہر تھے۔ دنیا بھر کے سیاستدان، ادیب، شاعر، اسپورٹسمین، ہیرے جواہرات کے شائقین، امراء، نواب، سلاطین اور نادر چیزوں کے شائق ان کے احباب میں شامل تھے۔ وہ ایک متمول کمیونٹی کے امام، روحانی لیڈر اور بے تاج بادشاہ تھے۔ خوبصورت عورتوں اور وجیہہ مردوں کو دعوتیں دینا ان کا شوق تھا۔

ہز ہائی نس سر سلطان محمد شاہ آغا خان اس عمر میں بھی اس قدر انجوائے کر سکتے ہیں، اتنے زندہ دل ہیں اور نوجوان خواتین کی نفسیات پر اس قدر عبور رکھتے ہیں، اس کا مجھے اندازہ نہ تھا۔ یہ ۲۵ سال سے بھی زیادہ عرصے کی بات ہے۔ آج وہ ہم میں نہیں، مگر مجھے یقین ہے کہ وہ آج بھی جنت الفردوس میں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے، حوروں کے ساتھ رقص کر رہے ہوں گے اور شرابِ طہور کا جام ان کے ہاتھ میں ہوگا۔ (ماخوذ از روزنامہ ڈان کراچی ۱۲ر نومبر ۱۹۸۰ء)

بقیہ بنات النبیؐ

صفحہ نمبر ۴۵ کا باقی حصہ

چمڑے کی تیار ہوئی جس میں کھجور کے درخت کا پوست بھرا گیا، امام احمد کی روایت کے مطابق ایک کملی مخملی، ایک مشک اور ایک تکیہ چرمی بھی جہیز میں تھا اس طرح آپؐ نے حضرت علیؓ کا نکاح کر دیا۔ مہر چار سو مثقال چاندی تھا۔

بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے تاحیاتِ فاطمہؓ دوسری کسی خاتون سے نکاح نہیں کیا۔ حضرت فاطمہؓ کی عمر اٹھائیس برس اور ایک روایت کے مطابق انتیس برس کی ہوئی اور وفات بروز سہ شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۱ھ میں واقع ہوئی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

آپؓ کا شمار ان چار خواتین میں ہوتا ہے جن کا مرتبہ دنیا میں سب سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ ۱۔ حضرت آسیہؓ زوجہ فرعونِ مصر ۲۔ حضرت مریمؓ امِ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ۳۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ ۴۔ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ۔

آنحضرتؐ کو حضرت فاطمہؓ بے حد عزیز تھیں آپؐ نے اپنی وفات سے پیشتر حضرت فاطمہؓ کو بشارت دیدی تھی کہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے مجھ سے تم ملو گی۔

اس خوش خبری سے حضرت فاطمہؓ کو بے حد خوشی ہوئی اور آپؐ کی زبانِ مبارک سے آپؐ کے انتقال کی خبر سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کی بہت کچھ تلافی ہو گئی۔ چنانچہ حضورؐ کی وفات کے تھوڑے عرصے بعد ہی حضرت فاطمہؓ نے انتقال فرمایا۔

تکبیر (۲۵) ۱۶ر جون ۱۹۸۸ء

آغا خانیت سے متعلق

کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا!

دو اسمٰعیلی خواتین کے قبولِ اسلام کی رُوح پرور روداد

یہ آج سے دس سال پہلے ۱۹۷۸ء کے اواخر کا ذکر ہے۔ ان دنوں میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں فائنل ایئر کی طالبہ اور اسلامی جمعیت طالبات کی رکن تھی۔ مجھے اپنی بیماری کے سلسلے میں کراچی جانا پڑا جہاں میں دو ماہ رہی۔ کراچی میں میرے اس قیام کی یادیں آج تک دل میں روزِ اوّل کی طرح تازہ ہیں۔ ماہنامہ تکبیر میں آغاخان فرقے کے بارے میں معلومات نے مجھے میرے ان سوالوں کا جواب دے دیا جو دس سال پہلے میرے ذہن میں اٹھے تھے اس کے ساتھ ہی میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان واقعات کو تکبیر کے قارئین تک بھی پہنچا دوں جو میرے لئے حیران کن تھے۔

ان دنوں میری تحریکی بہنیں مجھے ایک خاتون کے ہاں لے گئیں جن کا تعلق آغاخانی گروہ سے تھا۔ وہاں ایک صاحب نے پس پردہ درسِ قرآن دیا اور پھر مولانا مودودیؒ کے ساتھ اپنی نشستوں کے احوال بتاتے ہوئے بتایا کہ میں کس طرح مسلمان ہوا۔ اس سلسلے میں انہوں نے "خطبات" اور "دینیات" کا حوالہ دیا اور کہنے لگے کہ چونکہ "دینیات" نے مجھے آغاخانی جہالت کی تاریکیوں سے نکالا ہے لہٰذا میں اس کتاب کو اس کی ظاہری ہیئت تبدیل کرکے اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کروا کے مفت تقسیم کرتا ہوں تاکہ اس گروہ کے دوسرے افراد بھی اس طلسم سے آزاد ہو جائیں۔ جس خاتون کے ہاں یہ محفل تھی وہ ہمیں بے حد محبت سے ملیں اور دوبارہ آنے کو کہا۔ دوسری مرتبہ افطار پارٹی میں ہم ان کے گھر گئے۔ انہوں نے کھلانے میں اتنا اہتمام کیا اور اتنے اصرار سے ہمیں کھلایا کہ ہم مزید دو دن تک کچھ اور کھانے کی گنجائش ختم کرکے ان کے ہاں سے نکلے۔ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ بہت دلچسپ انداز میں بتایا ان کا وہ والہانہ انداز اور اسلام سے محبت مجھے اب تک متاثر کئے ہوئے ہے۔ کہنے لگیں کہ میرے شوہر مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کی شدید خواہش کے باوجود میں اپنا دین چھوڑنے پر تیار نہ ہوئی۔ شوہر بہت کوشش کرتے لیکن میں سنی ان سنی کر دیتی۔ انہوں نے مجھے غالباً "خطبات" پڑھنے کو دی تو میں نے بھی انہیں اپنی کوئی کتاب دے دی۔ انہوں نے تو ساری پڑھ ڈالی اور میں نے نہیں پڑھی۔ میرے شوہر نے اس پر بھی نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "کوئی بات نہیں اگر تم نے یہ کتاب نہیں پڑھی ہم دونوں ملکر اس کو پڑھیں گے۔" اس کے بعد انہوں نے مجھے وہ کتاب پڑھانی شروع کی اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن اور دل کی دنیا بدلتی چلی گئی حتیٰ کہ

تحریر: اُمِ حارث

میں دل اور جان کی ساری گہرائیوں سے اسلام کی سچائیوں پر ایمان لے آئی۔ لیکن میں نے اپنے شوہر کو نہیں بتایا اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں خدا کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں اور نماز پڑھوں تو میں شوہر کے دفتر جانے کا انتظار کرتی جیسے ہی وہ روانہ ہوتے میں اللہ جی کے حضور گریہ وزاری کرتی رہتی۔ ایک دن میں اس انہماک سے نماز پڑھ رہی تھی دیر تک دعا مانگنے کے بعد میں نے جانماز تہ کی اور جو مڑ کے دیکھا تو شرم کے مارے میں وہیں بیٹھی رہ گئی میرے شوہر نہ جانے کب سے کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے وہ دفتر سے کسی کام کے سلسلے میں آئے اور یہ منظر دیکھ کر اس قدر

> **میرے شوہر نے جو مسلمان ہو گئے تھے**
> **مجھے خطبات نامی کتاب پڑھ کر سنانی**
> **شروع کی اور اس کی سماعت کے ساتھ**
> **ساتھ میرے دل کی دنیا بدلتی چلی گئی**

خوش ہوئے کہ بے اختیار رونے لگے اور گویا ہوئے کہ خدایا تیرا شکر ہے میں تو سمجھتا تھا کہ میرے گھر میں ہنوز جہالت کے اندھیرے ہیں۔ میں نے جواب دیا "جبکہ یہ اندھیرے کئی ماہ پہلے ہمارے گھر کی دہلیز پار کر چکے ہیں اور اب یہاں پر توحید کا اجالا ہے۔"

وہیں ایک نوجوان لڑکی سے بھی ملاقات ہوئی جس نے ہمیں اپنے گھر کا ایڈریس دیا اور بااصرار آنے کو کہا۔ کچھ دنوں کے بعد میں اور میری ایک تحریکی ساتھی اس کے گھر کی راہ پر چل پڑے۔ میرے لئے تو کراچی کے سب ہی راستے اجنبی تھے لیکن جب بس سے اترے تو مجھے یوں لگا میں کسی اجنبی دنیا میں چلی آئی ہوں۔ ایک طرف ایک بڑی سی عمارت (جماعت خانہ) تھی اور دوسری طرف منزل در منزل فلیٹس کا سلسلہ اور بیرونی گیٹ پر پہرے۔ گیٹ پر کھڑے لوگوں نے ہمیں گھورنا شروع کر دیا لیکن جب ہم نے اس لڑکی کے گھر کا ایڈریس بتایا اور نام وغیرہ لیا تو ہمیں جانے دیا گیا۔

شاہ بانو کا گھر دوسری منزل پر تھا۔ ہم پوچھتے پوچھتے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ بہت خوش ہوئی۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ایک تصویر پر ہماری نظر پڑی۔ ہم نے پوچھا کہ تمہارے ذہنی انقلاب کے بعد یہ تصویر کیوں یہاں لٹک رہی ہے؟ کہنے لگی، اگر یہ تصویر ہم یہاں سے ہٹا دیں تو ہمیں اس کمیونٹی سے نکلنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک ہماری مشکل یہ بھی ہے کہ اگر ہم پردہ کریں تو جب بھی ہمارا جینا دوبھر کر دیا جائے گا۔ ہمارے گھروں میں باقاعدہ چیکنگ ہوتی ہے اور اگر آغاخان کی یہ تصویر گھر میں نمایاں جگہ پر نہ ہو تو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہم ذہن میں ان گنت سوالات لئے وہاں بیٹھے اس کی باتیں سنتے رہے اور تھوڑی دیر بعد ہم وہاں سے اداس اداس واپس آ گئے۔ شاہ بانو نے مجھے کہا کہ "آپ مجھے بہت یاد آئیں گی اور آپ نے جو درسِ قرآن دیا ہے وہ میں نے ٹیپ کر لیا ہے اور یہ کیسٹ ہم یہاں سے بہت دور ہنزہ بھجوائیں گے، جہاں ہمارے رشتہ دار رہتے ہیں۔" شاہ بانو

کے ساتھ جتنا وقت گزرا، بیہ عجیب بات نوٹس میں آتی رہی کہ وہ جب بھی ہنستی یا مسکراتی تو یوں جیسے زبردستی ایسا کر رہی ہو اور اس کی آنکھوں میں نہ معلوم اداسیوں نے جیسے ڈیرے جما رکھے تھے۔

اتفاق کی بات ہے کہ پچھلے سال میں اپنے شوہر کے ہمراہ سیر کے لیے ہنزہ گئی۔ وہاں مجھے شاہ بانو بہت یاد آئی اور وہاں میں نے اسی نوعیت کی عمارات بہت تعداد میں دیکھیں اور ہنزہ سے خنجراب ٹاپ تک ہر ۵ - ۶ میل کے بعد "آغا خان رورل ڈیولپمنٹ پراجیکٹ" کے نام سے کہیں تو تعمیر شدہ اور کہیں زیرِ تعمیر کوئی منصوبہ بلند بالا پہاڑوں میں عجیب شان پیدا کرتا نظر آیا۔ ہنزہ میں علی آباد سے ۶ میل دور اور کافی بلندی پر ایک خوبصورت ترین مقام "کریم آباد" (پرنس کریم کے نام سے) سیر و تفریح کے دلدادہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے ہم وہاں ایک رات رہے اور ہوٹل کے آغا خانی منیجر نے بتایا کہ یہاں کی ۹۵ فیصد آبادی آغا خانی ہے اور صرف ۵ فیصد مسلمان۔ اس کی باتیں سن کر یہ فکر میرے ذہن کے ساتھ چپک کر رہ گئی کہ ۹۵ فیصد آبادی جو کہ ہزاروں پر مشتمل ہے کے لیے دس سال پہلے کا بیچا ہوا درسِ قرآن کا ایک کیسٹ کیا کرے گا؟!

آغا خان صفحہ نمبر ۳۴ کا بقیہ حصہ

میں اپنی حسبِ منشاء تبدیلی اور تغیر و تبدل کا مجاز ہوتا ہے ایک حقیقی امام کو اپنے ماننے والوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ہمیشہ موجود اور ظاہر رہنا ہوتا ہے۔ وہ کبھی خفیہ یا غائب نہیں ہو سکتا۔ کوئی اسماعیلی داعی جائز اور حقیقی امام نہیں بن سکتا۔ داعی کو تبلیغ کے لئے امام کی طرف سے مقرر کیا جا سکتا ہے مگر امام نہیں بنایا جا سکتا۔ داعی کی شخصیت نہ قرآن کو تبدیل کر سکتی ہے نہ اس میں تحریف کی مجاز ہے۔ غیر شیعہ حضرات کے نقطۂ نظر کے مطابق قرآن کو تبدیل کر دینے اس میں تحریف یا نعوذ باللہ اسے ساقط کر دینے کا عقیدہ ناقابلِ تصور ہے۔

ایک حسن کے بجائے دو حسن

ایک حسن کے بجائے دو حسن کیوں، کس طرح اور کیسے!
اس سوال کا جواب آسان نہیں، اسماعیلی عقیدے اور اس کی ساری بنیاد اس سوال کے حقیقی جواب پر متزلزل ہو جاتی ہے اس کا طلسماتی انداز میں پردۂ اخفا میں رہنا ہی اسماعیلی حضرات کو مناسب نظر آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حسن کی شخصیت کا یہ راز جب تک راز ہے سادہ لوح اسماعیلی حضرات کو اپنے عقائد اور مذہبی طریقۂ کار میں تحفظ، یقین، ایمان اور بھروسہ کی کیفیات نظر آتی ہیں۔ امام حسن کی شخصیت مہدی آخر الزماں کی شکل میں بڑی خوش آیند قابلِ بھروسہ اور دستگیر نظر آتی ہے یہ کھوج کرید کہ حسن امام آخر الزماں اور حسن امام اولِ علی کی اولادِ حقیقی میں کیا رشتہ ہے کیا راز ہے۔ اچھے اسماعیلیوں کے لئے نہ مناسب ہے نہ اس کی شاید اجازت ہی ہے اس قسم کے سوالات اور تحقیق و تدقیق حقیقتاً ایک حق کے متلاشی اسماعیلی کو جو سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور تاریخ کے تناظر میں دور تک دیکھ بھی سکتا ہو اپنے علائق سے بیگانہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔ اسماعیلیت کا ایک بنیادی اور مشہور عقیدہ یہ ہے کہ ایک حقیقی امام سب کچھ جانتا ہے اس سے نہ کوئی چیز چھپی رہ سکتی ہے نہ چھپائی جا سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ معصوم عن الخطا ہوتا ہے جو کچھ کرتا ہے ہمیشہ صحیح ہوتا ہے اس سے اغلاط کا صدور ممکن ہی نہیں اس کے علاوہ وہ ایک حقیقی مرشد اور رہنما ہوتا ہے اس کی زیرِ ہدایت لوگ نہ غلطی کر سکتے ہیں نہ دھوکا کھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا امام، انکا ہادی، انکا مرشد و رہنما ایسے ہونے دے گا جبکہ وہ ہر چیز، ہر حاضر و غائب حقیقت سے کما حقہ واقف ہوتا ہے۔ بہر حال شاید اب وہ وقت قریب ہے جب امام زماں آغا خان سے ان کے دو ملین ماننے والوں (آغا خانی حضرات کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کی تعداد اس وقت دنیا میں بارہ سے بیس ملین یعنی ایک کروڑ بیس لاکھ سے دو کروڑ تک ہے، ناقابلِ یقین ہے) میں سے کوئی شخص یا اشخاص انکے اس دعوے کا ثبوت چاہیں گے اور اس دعوے کا پول جلد ہی کھل جائے گا کہ ان میں کتنی روحانی قوتیں مرتکز ہیں۔ کچھ منحرفین کے اقوال کے مطابق بعض آغا خانی حضرات کی طرف سے روحانی رہنمائی، تاریخ، ایمان و اعتقاد اور روایات پر بعض سوالات کے جواب میں آغا خان کی خاموشی نے انہیں کافی حد تک متزلزل کر بھی دیا ہے مگر ابھی شاید علم ایمانی کیفیت اور اکثریت کی حمایت نے انہیں لب کشائی سے باز رکھا ہے مگر کب تک! تاریخ بہت جلد بہت سے سوالات کا خود جواب پیش کر دے گی اور جب تک ایسا نہیں ہوتا اسماعیلی جماعت خانوں میں دن میں تین مرتبہ مولانا علی ذکر السلام کے نعرے گونجتے ہی رہیں گے ہماری دعوت بہر حال وہی ہے جو قرآن کی دعوت ہے اور وہ ہے
"بَلْ اَتَیْنٰھُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ" (المؤمنون ۹۰)
(ترجمہ:۔ اور جو امرِ حق ہے وہ ہم ان کے سامنے لے گئے ہیں اور کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں)

گلگت و چترال میں تکبیر کیخلاف انتظامیہ کی مہم

کراچی (اسٹاف رپورٹر) گلگت اور چترال میں مملکت پاکستان کی سالمیت کے خلاف آغا خانیوں کے خفیہ عزائم و منصوبوں کے انکشافات کے بعد، جو دو ماہ قبل تکبیر نے اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں شائع کیے تھے۔ ان دو علاقوں کی مقامی انتظامیہ نے اسمٰعیلی طبقۂ آبادی کا آلۂ کار بنتے ہوئے وہاں ہفت روزہ تکبیر کی ترسیل اور فروخت جبراً بند کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ اس بارے میں تکبیر کے ایجنٹ نے دفتر تکبیر کو مقامی انتظامیہ کی ان ناپسندیدہ سرگرمیوں سے مطلع کرتے ہوئے بتایا کہ مقامی پولیس اسے تنگ کر رہی ہے اور سرکاری انتظامیہ کے اہلکار تکبیر کی فروخت سے روکنے کے لیے اس پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں

آوازِ خلق

فاطمید فاؤنڈیشن کے لیے

۶۰ لاکھ کی زکوٰۃ کیوں - ؟

جناب والا ۱۹ اپریل کے جنگ میں یہ خبر پڑھ کر بیحد دکھ ہوا کہ مرکزی زکوٰۃ کونسل نے اپنے ایک حالیہ اجلاس میں جس کی صدارت کونسل کے چیئرمین اور سپریم کورٹ کے جج جناب جسٹس شفیع الرحمن کر رہے تھے آغا خانیوں کی طرف سے قائم کردہ فاطمید فاؤنڈیشن کو ساٹھ لاکھ روپے دینے کا فیصلہ کیا ہے تمام اہلِ تشیع حضرات اور آغا خانی حضرات پاکستانی بینکوں میں اپنی زکوٰۃ نہیں کٹواتے اور سب نے لکھ کر دیا ہوا ہے۔ کہ ہم اہلِ تشیع ہیں لہٰذا ہماری زکوٰۃ نہ کاٹی جائے چنانچہ ان کی زکوٰۃ نہیں کٹتی۔ پھر اہلِ تشیع کے ہاں فقہ جعفریہ کے مطابق صرف شیعہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ ایسے حضرات جو زکوٰۃ کٹواتے بھی نہیں اور ان کے ہاں مستحقِ زکوٰۃ صرف اور صرف شیعہ ہے انہیں کروڑوں پاکستانیوں کے اکاؤنٹس سے زبردستی کاٹی ہوئی زکوٰۃ میں سے رقوم مختص کر دینا صریحاً ظلم ہے ایک طرف تو حکومت کا رویّہ یہ ہے کہ جب سب فرقے نفاذِ شریعت پر متفق ہو جائیں گے شریعت نافذ کر دی جائے گی ہم فی الحال مجبور ہیں دوسری طرف عام اہلِ سنت والجماعت حضرات کی زکوٰۃ زبردستی کاٹ لینا اور پھر ایسے لوگوں کو دینا جو حکومت کو زکوٰۃ دیتے ہی نہیں نہ صرف سراسر ظلم ہے بلکہ اس سلسلے میں صدر پاکستان اور وزیراعظم یقیناً اہلِ پاکستان کے سامنے جواب دہ ہیں۔ مزید یہ بھی عرض کرنا ہے کہ زکوٰۃ کونسل میں ایک شیعہ عالم بھی رکھے گئے ہیں۔ کیوں؟ جو فرقہ زکوٰۃ دیتا ہی نہیں یا صرف اپنے لوگوں کو دیتا ہے اسے اس زکوٰۃ کونسل میں جو ہمارے پاکستان کے نظامِ زکوٰۃ کا انتظام کرتی ہے شامل کرنا کیا صرف اسلئے نہیں کہ وہ چور دروازوں سے غیر مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ دلوائے جیسے فاطمید کو دلوائی گئی ہے؟

(غلام مرتضیٰ خان بیت الکبریٰ ۱۹۲ - B، بلاک D
شمالی ناظم آباد کراچی)

ہفت روزہ تکبیر کراچی
INTERNATIONAL URDU WEEKLY
TAKBEER
KARACHI-PAKISTAN

گزارش احوالِ واقعی

ہم ہندو ہیں!

یہ نہ ہندو ہیں نہ مسلمان

بمبئی ہائیکورٹ میں آغاخانیوں کا دلچسپ مقدمہ اور اس کا فیصلہ

اسماعیلیوں کا عقیدہ ہے کہ:

حاضر امام کو قرآنی احکام میں ردّ و بدل کے کُلی اختیارات حاصل ہیں

وہ قرآن کے حلال کردہ امور کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتے ہیں

آغاخان کی پاکستان میں بڑھتی ہوئی دلچسپی اور اس کے اسباب پر سابق ہفت روزہ تکبیر کی رپورٹ کے جواب میں آغاخان فاؤنڈیشن کی جانب سے جو وضاحتیں پیش کی گئی ہیں وہ گول مول، اصل اور بنیادی موضوع سے ہٹ کر اور کذب گوئی کا پلندہ ہیں۔ اسماعیلی عقائد، رسومات، طریقہ عبادت اور وقتاً فوقتاً مذہب اور مذہبی معتقدات اور رسومات سے متعلق اس فرقہ میں جو تبدیلیاں آئیں یا لائی گئی ہیں، میں اپنی گزشتہ اجداد نسلوں سے اس برادری سے اپنے تعلق کی بناء پر ان تمام باتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ لہٰذا عوام، علمائے کرام اور حکومت کی واقفیت اور رشد مذہبی کے لئے چند اہم اور ناقابلِ تردید حقائق منظرِ عام پر لانا چاہتا ہوں تاکہ مذہبی پیشوائی کی آڑ میں بھولے بھالے اسماعیلی معتقدین سمیت عالمِ اسلام اور پاکستان کو نقصان پہنچانے کا جو منصوبہ تیار کیا گیا ہے اس کی بروقت روک تھام کر کے ملک و ملت کو اس سے بچایا جا سکے۔ میں پوری ذمہ داری اور احساسِ آخرت کے ساتھ اور ثابت کر دینے کی گارنٹی کے ساتھ کہتا ہوں کہ مذکورہ وضاحت میں آغاخان فاؤنڈیشن کے وزیر عاشق علی اور رمضان مرچنٹ وغیرہ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ اللہ کی توحید، اس پر پورا بھروسہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری پیغمبر اور قرآن پاک کو اللہ کی آخری کتاب اسی طرح دل سے تسلیم کرتے ہیں جیسے کہ اور مسلمان۔ درحقیقت ان مذہبی پیشواؤں کی بقاء کا راز یہی ہے کہ بات اس طرح کی جائے کہ سننے والا کچھ اور مطلب نکالے لیکن حقیقت کچھ اور ہی کیوں نہ ہو۔ یہ لوگ اپنے اسماعیلی معتقدین کو توحیدِ الٰہی کے بارے میں یہ تعلیم دیتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نور سے پیدا ہوئے تھے۔ ان کا جسم نوری تھا جو کہ بعد ازاں حضرت علی علیہ السلام کی ذات میں منتقل ہو گیا اور اس کے بعد یہ نور امام کی بڑی نرینہ اولاد میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور یہ کہ اللہ، علیؑ اور حاضر امام (آغاخان) ایک ہی نور سے ہیں، اس لئے

اسماعیلی عقائد سے تائب ہو جانے والے پیار علی ولد غلام حسین ساکن ٹنڈو باگو ضلع بدین کا بیان

حاضر امام اس دنیا میں اللہ کا مظہر ہے جسے اللہ کے بندوں کی رہبری کے لئے وقت، محلِ وقوع اور حالات کے مطابق احکامات جاری کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے۔ اسماعیلی فرقہ کے مذہبی پیشوا مسلمانوں کے اس عقیدہ کی نفی کرتے اور غلط قرار دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد قرآن میں درج شدہ احکامِ الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔

قرآن کو اللہ کی آخری کتاب ماننے کے متعلق اسماعیلی فرقہ بھی دوسرے شیعہ فرقوں کی مانند یہ ایمان رکھتا ہے کہ اصلی قرآن جو کہ اللہ کی کتاب ہے وہ حضرت علیؓ نے جمع کی تھی اور

تحریر: عظمت اللہ عباسی

جب ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اسے رائج کرنے سے انکار کیا تو حضرت علیؓ نے اسے ایک صندوق میں بند کر کے مہر لگا دی اور کہہ دیا کہ اب اسے نہ کوئی دیکھ سکتا ہے نہ ہی چھو سکتا ہے۔ جب مہدی آخر الزماں آئیں گے تب اس کو صندوق سے نکال کر رائج کریں گے۔ لہٰذا اسماعیلی فرقہ کے ہر فرد کو شروع ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ جو قرآن آج دنیا میں ہے وہ نقلی ہے اور حاضر امام یعنی ہز رائل ہائینس پرنس کریم آغاخان کی ذات ایک بولتا ہوا قرآن ہے یعنی قرآن پاک میں جو احکامات ہیں، ہمارا حاضر امام اپنی صوابدید کے مطابق ان میں حسبِ ضرورت ردّ و بدل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اس میں درج شدہ

حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتا ہے۔ اس ضمن میں اسماعیلیوں کو بچپن ہی سے یہ باور کرایا جاتا ہے کہ وہ دیگر مسلمانوں کی طرح نہ تو قرآن پڑھیں اور نہ ہی اس کے ترجمہ و تفسیر میں جائیں بلکہ حاضر امام (ہز رائل ہائینس کریم آغاخان) انہیں جو فرمان جاری کریں، اس کو اللہ کا حکم سمجھ کر ماننا شروع کر دیں۔ ساتھ ہی انہیں یہ تنبیہ بھی کر دی جاتی ہے کہ جو اس سے انکار کرے وہ ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ یہ وہ بنیادی اصول ہیں جو کہ اسماعیلیوں کو ان کو اوائل عمری ہی سے بتائے، رٹائے، سکھلائے اور ان کو گھٹی میں پلائے جاتے ہیں۔ انہیں ذہن نشین کرا دیا جاتا ہے کہ کوئی بھی غیر اسماعیلی صحیح مسلمان نہیں ہے اور یہ کہ جنت میں صرف اسماعیلی ہی جائیں گے۔ لہٰذا اسماعیلیوں کو قرآن کی جگہ گنان شریف بار بار اور ہر موقع پر پڑھنے کی تاکید اور تلقین کی جاتی ہے جو کہ بعینہٖ ہندومت کی مذہبی کتاب رامائن کی طرز پر ترتیب کی گئی ہے بلکہ اس کے بہت سے حصے اس میں شامل ہیں خاص طور پر کوروں پانڈوں کی جنگ کے واقعات کا ذکر۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جب دینِ اسلام ایران آیا تو وہاں کے قدیم زرتشتی نظریات بھی چور دروازے سے اس میں شامل کر دیئے گئے۔ بعد ازاں جب اسماعیلی فرقہ ہندوستان کی سرزمین پر آیا تو ہندو روایات اور قدیم رسم و رواج بھی اس میں شامل کر لیے گئے لیکن دوسرے مذاہب کی صرف وہ رسومات قبول کی گئیں جن سے کہ اسماعیلی فرقہ کے اکابرین کی گرفت اور دھاک بڑھے اور انہیں پُرتعیش زندگی گزارنے کی کھلی چھٹی مل جائے۔ دین و مذہبی پیشوائی کے نام پر وہ جو چاہیں کریں، ان کی کوئی گرفت نہ کر سکے۔ جس کی زندہ مثال یہ ہے کہ بمبئی ہائیکورٹ میں باقاعدہ مقدمہ دائر کر کے یہ فیصلہ کرایا گیا کہ اسماعیلی فرقہ کے افراد وراثت کے بارے میں قرآن پاک کے احکام کو نہیں مانیں گے، بلکہ ہندو مذہب کا جو قانونِ وراثت ہے وہ ان پر لاگو ہوگا۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بمبئی ہائی کورٹ میں مقدمہ اپیل نمبر ۱۸۷۵/۲۲۵ میں شہادتیں پیش کی گئیں کہ اسماعیلی فرقہ ہمیشہ سے اس

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اقامت، رکوع اور سجدے والی نماز غلط ہے۔ اصل نماز صبح شام حاضر امام کی تصویر کے سامنے سجدہ ریز ہو کر دعا مانگنا ہے۔

ہندو قانون وراثت پر عمل کرتا چلا آیا ہے جس کے مطابق اسمٰعیلی دھرم میں وارثوں میں جائیداد کی تقسیم کا رواج نہیں البتہ بڑے بیٹے کو حقدار تسلیم کیا جاتا ہے یا پھر باپ اپنی زندگی میں ہی اولاد میں سے جسے مقرر کر جائے وہی وارث ہوتا ہے جبکہ بیوہ اور بیٹیوں اور ماں باپ کو وراثت میں حصہ دار تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اسماعیلی دھرم میں شوہر کی وفات کے بعد عدت کی کوئی میعاد مقرر نہیں ہے۔ بیوہ اور مطلقہ عورت چاہے تو اگلے روز ہی شادی رچالے۔ اسماعیلی دھرم میں مردوں کو داڑھی رکھنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ہمارے حاضر امام نہ تو داڑھی رکھتے ہیں اور نہ ہی اپنے پیروکاروں کو کبھی داڑھی رکھنے کی تلقین کی ہے۔ اسی طرح خواتین میں پردہ کا اس لیے رواج نہیں ہے کیونکہ نہ تو ہماری ماتا سلامت" (بیگم آغاخان) نے کبھی پردہ کیا ہے اور نہ ہی کبھی عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم ہی دیا گیا ہے ان کے نزدیک پردہ تو آنکھوں اور دل کا ہوتا ہے۔ اسی لیے ہمارے اسماعیلی معاشرے میں یہ رواج عام ہے کہ ہر شام نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بن سنور کر ایک ساتھ سیر و تفریح یعنی گھومنے پھرنے (چکر) کو جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ عبادت بھی جماعت خانوں میں جا کر باجماعت کرتے ہیں۔ شادی بیاہ سے قبل لڑکے اور لڑکی کو آپس میں ایک دوسرے میں زیادہ محبت پیدا کرنے اور مزاج جانچنے کیلئے باہمی ملاپ (پریم) کرنے کی بھی مکمل آزادی ہوتی ہے۔ اسمٰعیلی دھرم میں سودی لین دین پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ گانا بجانا سینما بینی (فلم) وی سی آر، بلیو فلمیں، بینڈ باجا اور آرکسٹرا، شراب نوشی، سٹہ، پانسہ، لاٹری، ریس، جوا، سب کی مکمل آزادی ہے۔ ہندوستان میں آباد اسمٰعیلیوں کے پیدا ہونے والے لڑکوں کا ختنہ کرانا بھی ضروری نہیں ہے۔

اسمٰعیلی فرقہ کے روحانی اور مذہبی پیشوا اپنے پیروکاروں کو ذہنی آسودگی پہنچانے کے لیے خاص خاص موقعوں کے لیے مبارک مجالس منعقد کراتے ہیں جن میں (۱) فدائی جی مجلس (۲) نورانی جی مجلس (۳) تاجہات ممبر جی مجلس (۴) بارہ سالہ جی مجلس (۵) پانچ سال والوں جی مجلس (۶) بڑے کام جی مجلس (۷) روشنی جی مجلس (۸) حیاتی جی مہمانی مجلس (۹) مُردوں جی ثواب جی مجلس (۱۰) خصوصی مہمانی جی مجلس (۱۱) عام مہمانی (۱۲) ستاڈے جی مجلس (۱۳) نوروز جی مجلس (۱۴) تخت نشینی جی مجلس (۱۵) روشنی جی مجلس (۱۶) نویں جی مجلس (۱۷) چاندجی مجلس (۱۸) بارہویں جی مجلس (۱۹) چودھویں جی مجلس (۲۰) معراج جی مجلس (۲۱) نا تدی جی مجلس۔ (۲۲) دیوالی جی مجلس (۲۳) ستی مائی جی مجلس (۲۴) رودٹ جی مجلس (۲۵) ایرپیر جی مجلس (۲۶) بیت الخیال جی مجلس (۲۷) بنت ستارہ جی مجلس (۲۸) میٹرو پول جی سروس (۲۹) دن فور جی مجلس۔

مولا بجا یعنی حاضر امام کی آمد کے موقع پر اسماعیلی برادری کے افراد نئے نئے کپڑے خوشبو سے معطر کر کے پہنتے ہیں اور لذیذ چٹ پٹے کھانے پکاتے ہیں خوب چراغاں کرتے اور بینڈ باجے بجاتے ہیں خاص کر راسڑہ اور ڈانڈیا راس رات بھر تمام مرد، عورتیں اور نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مل جل کر کھیلتے ہیں جس سے حاضر امام بہت ہی مسرور اور شادمان ہوتے ہیں۔ اس خوشی کے موقع پر وہ سب کے لیے رحمتیں و برکتیں عنایت کرتے ہیں اور نجات سے ہمکنار کرتے ہیں۔

اسمٰعیلی فرقہ کے نزدیک حضرت محمد مصطفیٰ کو جہاں تک آخری نبی ماننے کا تعلق ہے اس بارے میں برادری کے ہر فرد کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ حضرت علیؑ کا درجہ تمام انبیاء سے بڑھ کر ہے اور محمد مصطفیٰ کے برابر ہے بلکہ ہونا کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ لیکن بلاشک عام مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں پائے جانے والے اختلافات کو فروعی نوعیت کے اختلاف کہا جا سکتا ہے جو کہ مسلم معاشرہ میں رونما ہوتے رہتے ہیں لیکن اسمٰعیلی برادری کو مذہب اسلام کی غلط تعلیم دے کر انہیں غلام بنانے والوں نے قرآن کے بنیادی عقائد ہی تبدیل اور مسخ کر کے اپنی پوجا کروانا شروع کر دی اسماعیلی فرقہ کی معتبر کتابوں میں اور بہت سے دعظوں میں یہ تک کہا جاتا ہے کہ علی اللہ کے مقرر کردہ ہیں اور انہوں نے محمدؐ کو نبی مقرر کیا ہے۔

آغاخان فاؤنڈیشن کے سربراہ وزیر عاشق علی نے زیر تبصرہ اپنے وضاحتی بیان میں بالکل بجا فرمایا ہے کہ مذہبی اختلاف ہے لہٰذا انہیں فروعی اختلافات قرار دے کر صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

نماز پر یقین کرنے کے بارے میں جناب وزیر عاشق علی نے جو فرمایا ہے کہ وہ اپنے طرز پر نماز کی ادائیگی کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے وضاحت نہیں کی کہ وہ طرز کیا ہے؟ لہٰذا میں وہ طرز بتا دینا چاہتا ہوں کہ! اسماعیلی فرقہ کے اکابرین نے قرآن میں جو لفظ صلوٰۃ آیا ہے اس کا ترجمہ "دعا" بتایا ہے اور اپنے اسماعیلی پیروکاروں کو وہ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اقامت رکوع اور سجدے کے ساتھ ادا کی جانے والی عبادت جو کہ نماز کے نام پر عام مسلمان کرتے ہیں غلط اور قرآن کے خلاف ہے۔

جماعت خانہ میں جہاں ہمارا تخت ہے وہاں جماعت سجدہ کرتی ہے۔ دعا پڑھتی ہے۔ مصافحہ کرتی ہے۔ اور دیگر ثواب کے کام کرتی ہے۔ لوگ لکڑی کے تخت کو یا گدی کو سجدہ نہیں کرتے ہیں۔ مگر یہ سمجھ کر سجدہ کرتے ہیں کہ مرتضیٰ علی کی پیڑھی قائم چلی آ رہی ہے اسی پیڑھی کا جو موجودہ امام ہے اسی کا رنگ سمجھتے ہیں اور اس وقت کے امام حاضر کا نام لے کر سجدہ کرتے ہیں۔

گذشتہ ساری پیڑھیوں کا نور حال کی اڑتالیسویں پیڑھی میں سمایا ہوا ہے ایسے مرتبہ کی جگہ پر "مکھی" اور "کامریا" بیٹھتے ہیں۔

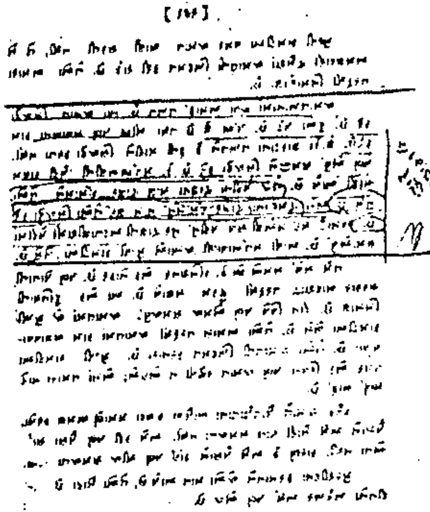
Reference :- FARMAN No. 174

• KALAM E IMAM E MUBIN Part I page 271

An OFFICIAL PUBLICATION of the Ismailia Association for India, Bombay.

Translation of the caption only.

[۲۷۱]



آغاخانیوں کی مستند کتاب کلام امام مبین کے ایک صفحے کا عکس اور اردو ترجمہ

اسماعیلیوں کو قرآن کے بجائے ہندوؤں کی مقدس کتاب رامائن کے بعض حصوں اور دیگر تحریروں پر مشتمل "گنان شریف" پڑھنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

مسلمانوں میں عام طور سے تصاویر آویزاں کرنا اور خاص طور سے نماز پڑھتے وقت اس کی موجودگی کو معیوب، مکروہ تصور کیا جاتا ہے کہ جہاں تصویر ہوگی رحمت کے فرشتے نہیں آئیں گے جبکہ اس کے برعکس اسمٰعیلی برادری کے افراد کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ گھروں، دکانوں، دفاتر اور جماعت خانوں میں خاص طور سے عبادت (دعا) کے وقت حاضر امام کی تصاویر سامنے رکھیں اور سجدہ ریز ہوں تاکہ رحمت اور برکتوں کا نزول ہو۔

وزیر عاشق علی جو کہ پاکستان میں آغا خان فاؤنڈیشن کے چیئرمین ہیں، ان کا یہ کہنا کہ "نماز پڑھنے سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا" بھی کوئی خاص تعجب کی بات نہیں ہے، اس لیے کہ ہمارے حاضر امام خود بھی نماز نہیں پڑھتے اور نہ ہی انہوں نے کبھی اپنے پیروکاروں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، جبکہ رمضان مرچنٹ یہ تو فرماتے ہیں کہ نماز جائز ہے، لیکن اب کسی کو ہاتھ پکڑ پکڑ کر تو نماز پڑھانے کے لیے نہیں لے جایا جائے گا، مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ اگر نماز جائز ہے، تو پھر وہ ہاتھ پکڑ پکڑ کر نمازیوں کو نماز پڑھنے سے کیوں روکتے ہیں اور اپنے جماعت خانوں میں اذان دینے پر کیوں پابندی لگا رکھی ہے؟ اگر کوئی اسمٰعیلی حاضر امام کو سجدہ کرے یا ان کی تصویر کے سامنے کھڑے ہو کر دعا مانگنے کے بجائے مسلمانوں کی طرح قیام، قعود، رکوع اور سجدہ کے ساتھ نماز پڑھنا چاہے، تو اسے کیوں روک دیا جاتا ہے اور جماعت خانوں سے بے عزت کر کے کیوں نکال دیا جاتا ہے، جس کی زندہ اور سرکاری ریکارڈ پر موجود مثال یہ ہے کہ جناب وزیر عاشق علی نے اسمٰعیلی برادری کے ممتاز اور سرکردہ رکن اکبر علی اور چند دوسرے اسمٰعیلیوں کو سولجر بازار کراچی کے نزدیک واقع خوجہ جماعت خانہ میں نہ صرف یہ کہ نماز پڑھنے سے روکا، بلکہ انہیں زد و کوب کر کے الٹا ان کے خلاف سولجر بازار کراچی کے تھانہ میں فوجداری قانون کی دفعہ ۱۱/۷، ا کے تحت رپورٹ کرائی کہ یہ لوگ جماعت خانہ میں اذان دینا اور نماز پڑھنا چاہتے ہیں، جس سے نقص امن کا اندیشہ لاحق ہو گیا ہے۔ لاچار ہو کر اکبر علی وغیرہ نے سندھ کی عدالت عالیہ میں مقدمہ نمبر ۳۲۱/۸۶ دائر کیا ہے کہ جو اسمٰعیلی جماعت خانوں میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں، انہیں نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے، اور مقدمہ ہائی کورٹ میں زیر سماعت ہے۔ درحقیقت

جماعت خانے میں نماز پڑھنے کی کوشش کرنے والوں پر فوجداری مقدمہ دائر کر دیا گیا۔

آغا خانی اصطلاح میں نماز سے مراد تین وقت ایک صبح اور دو شام دعا کا مانگنا ہے، جو کہ ہر اسمٰعیلی پر فرض ہے، جو کہ جماعت خانوں پر مانگی جائے یا گھروں میں، لیکن دعا کے وقت حاضر امام (نامدار ہز رائل ہائینس پرنس کریم آغا خان) کی تصویر سامنے رکھنا اور اس کے آگے سجدہ ریز ہونا ضروری ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کہ ہندو رام، سیتا اور بھگوان کی مورتیوں کو سامنے رکھ کر پوجا پاٹ اور سجدہ کرتے ہیں۔ اپنے وضاحتی بیان میں، جناب رمضان مرچنٹ نے یہ بھی کہا ہے کہ "اس کے علاوہ جو چیز ہمارے لیٹر پیڈ کے حوالے سے شائع ہوئی ہے، وہ قطعی ہمارا لیٹر پیڈ نہیں ہے۔" صاحب موصوف کی اس وضاحت کو درست مان بھی لیا جائے کہ لیٹر پیڈ ان کا نہیں ہے، لیکن اسمٰعیلی فرقہ کے عقائد جو اس لیٹر پیڈ پر درج ہیں، کیا وہ ان سے انکار اور تردید کرنے کی جرأت فرما سکتے ہیں؟ اس لیے کہ وجہ نزاع لیٹر پیڈ نہیں، البتہ وہ عقائد ہیں، جو کہ متعدد بار اخبارات، رسائل اور پمفلٹ کی شکل میں منظر عام پر آ چکے ہیں اور اسمٰعیلی برادری سے وابستہ کوئی فرد بھی ان کی تردید کرنے کی آج تک جرأت نہیں کر سکا۔

اسی طرح اسلام کے دوسرے اور اہم بنیادی رکن روزہ کے بارے میں رمضان مرچنٹ کا یہ کہنا بھی غلط اور فراڈ ہے کہ اسمٰعیلی روزہ رکھتے ہیں، اس لیے کہ ہمارے حاضر امام بھی نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے ہمیں روزہ رکھنے کا کبھی حکم دیا ہے۔ اسمٰعیلی فرقہ کے افراد کو بچپن ہی سے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ قرآن میں روزہ کے بارے میں، جو احکامات دیے گئے ہیں، انہیں اب حاضر امام نے منسوخ کر دیا ہے، لہٰذا اب کسی اسمٰعیلی کو روزہ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی اگر کوئی اسمٰعیلی اپنی مرضی اور شوق سے روزہ رکھنا چاہے، تو رات کا کھانا کھا کر سو جائے اور سوا پہر کے بعد یعنی صبح دس بجے روزہ افطار کر لے۔ قرآن پاک میں حج کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس کے بارے میں اسمٰعیلی برادری کے پیروکاروں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ حج کے لیے مکہ معظمہ جا کر اپنا پیسہ اور وقت ضائع کر کے ایک پرانی عمارت (خانہ کعبہ) کے گرد چکر لگانا کوئی کار ثواب نہیں ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ خود بھی حاضر امام کی شکل میں موجود ہے، لہٰذا اس کا دیدار کر لینا ہی حج ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے حاضر امام نے خود بھی آج تک کبھی حج نہیں کیا اور نہ ہی ہمیں کبھی حج کرنے کا حکم ہی دیا ہے۔ قرآن پاک میں،

ہندو قانون وراثت پر اصرار ـــ چند حوالے

حق وراثت کے سلسلہ میں آغا خانی شیعہ اسماعیلی فرقہ کے سرکردہ افراد کی جانب سے خود کو ہندو روایات اور رسم و رواج کا پابند ہونے کی شہادتیں پیش کر کے بمبئی ہائی کورٹ سے اسلامی قانون وراثت کے بجائے ہندو لا کے تحت حق وراثت طلب کیے جانے کے بارے میں چند حوالہ جات پیش خدمت ہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حاضر امام جو کہ اپنے تئیں اللہ کا مظہر کہتے ہیں ان کے ہاں ہندو قوانین کی پیروی کر کے اسلام کا کس طرح مذاق اڑایا جاتا رہا ہے۔

۱۔ بمبئی ہائی کورٹ اپیل نمبر ۲۲۵ میں متوفی رحیم بھائی الو بھائی کے وارثان کی جانب سے جج سر چارلس سرجنٹ کی عدالت میں پیش کردہ مقدمہ جس کا فیصلہ ۲ جولائی ۱۸۷۵ء میں ہوا دیکھئے صفحہ نمبر ۲۹۵ بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ۔

۲۔ مسماۃ مولی بائی کا کیس صفحہ نمبر ۲۶ بمبئی ہائی کورٹ رپورٹ جج سر رچرڈ کاؤچ کی عدالت۔

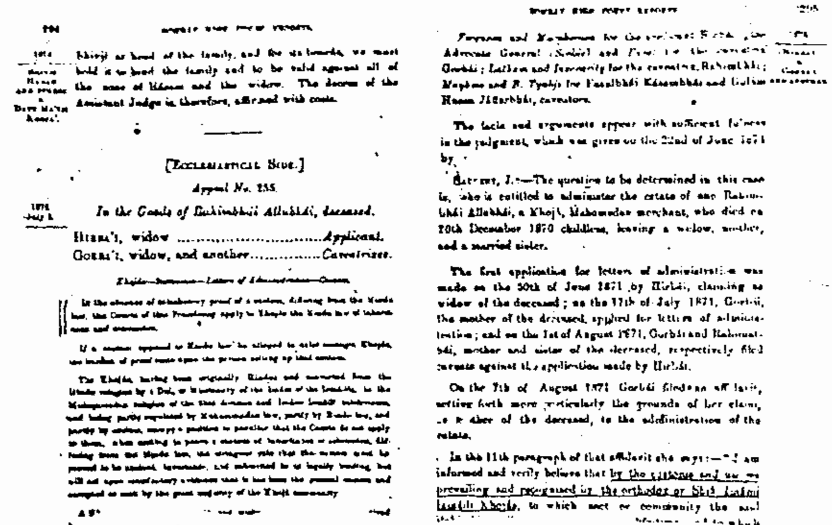
۳۔ پیر بھائی مانجی کے مقدمہ مورخہ ۱۸۵۵-۱۱-۲۶ کو بمبئی ہائی کورٹ کے جج یارڈلی سی جی کا فیصلہ۔

۴۔ مورخہ ۱۸۵۶-۲-۱۱ کو بمبئی ہائی کورٹ کے جج یارڈلی سی جے کا دلو مرسانی کے مقدمہ کا فیصلہ۔

۵۔ مورخہ ۱۸۶۶-۱۱-۱۲ کو جج آرنولڈ کی عدالت میں آغا خان کا مقدمہ میں فیصلہ۔

جو زکوٰۃ کا حکم ہے، آغاخانی مذہبی پیشواؤں اور ان کی تعلیمات میں اسمٰعیلی برادری کے افراد کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسے دیگر مسلمانوں نے غلط سمجھا ہے۔ یہ ۲½ فی صد سالانہ نہیں ہے، بلکہ ان کی روز کی آمدنی کا ساڑھے بارہ فی صد ہے، جو کہ صرف حاضر امام کا حق ہے۔ اسے آغاخانی اصطلاح میں "دسوند" کہا جاتا ہے۔ جو شخص یہ رقم حاضر امام کو دینے کے بجائے کسی اور غریب، یتیم، بیوہ، بیکس اور نادار کو دے یا کسی اور طریقہ پر خرچ کرے گا، اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ کسی زکوٰۃ (دسوند) دینے والے کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ حاضر امام سے یہ محاسبہ کرنے کی جرأت اور گستاخی کر سکے کہ یہ رقم کہاں اور کس مد میں خرچ کی گئی۔ یہ رقم جو کہ کروڑوں کی تعداد میں وصول ہوتی ہے، ... پورا حق ہے کہ اسے اپنی ذات پر خرچ کرے، کسی سیاسی مقصد کے لیے استعمال کرے، جسے اور جس قدر چاہے دے اور اگر چاہے تو سود کمانے کے لیے قرض میں دے۔ اسمٰعیلی فرقہ میں اس کے مذہبی پیشواؤں نے جہاد کو بھی ساقط کر دیا ہے، حالانکہ اس تنظیم میں رضاکاروں کی بڑی تعداد کو فنِ حرب اور اسکاؤٹنگ کی تربیت دی جاتی ہے اور اسلحہ اور وسائل کی بھی بھرمار ہے۔ ان کی بلڈنگ اور طاقت صرف اور صرف حاضر امام کی دھاک بٹھانے پر صرف ہوتی ہے۔ اور جماعت خانوں اور مجالس کے انعقاد کے موقع پر بھی اس نیم عسکری تنظیم کو حرکت میں لایا جاتا ہے تاکہ ان کی غیر اسلامی حرکات پر کوئی زبان نہ کھول سکے۔ جیساکہ یہ بات اس سے قبل بھی منظرِ عام پر آچکی ہے اسمٰعیلی فرقہ کے مذہبی پیشواؤں کا یہ کہنا ہے کہ حاضر امام اللہ کا نور ہے اور اسے اللہ کے بندوں پر وہی اختیارات حاصل ہیں جو کہ اللہ کو ہیں۔ حاضر امام اور اس کے مکھی مقررہ معاوضہ ملنے پر گناہوں کو بخش دیتے ہیں۔ بندگی (عبادت) کی معافی دے سکتے ہیں جنت کی گارنٹی دے سکتے ہیں۔ اسماعیلی مذہب میں جیساکہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ہندو عقائد بڑی کثرت سے شامل کیے گئے ہیں۔ لکشمی کی خوشنودی کے لیے دیوالی اور ستی مائی کے لیے جماعت خانوں میں اس کی مجلس ہوتی ہے مذکورہ مجالس کا انعقاد جو کہ بڑی دھوم دھام سے ہوتا ہے اس کی ادائیگی انتہائی راز داری سے کی جاتی ہے اور کسی غیر اسماعیلی کو وہاں کی سن گن لینے کے لئے داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی۔

ہفت روزہ تکبیر میں شمالی علاقہ کے مسلمانوں کی جانب سے آغاخان فاؤنڈیشن کی پراسرار سرگرمیوں اور وہاں آغاخانی اسٹیٹ بنانے کے منصوبے کے بارے میں جو تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اسے خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا۔



194 BOMBAY HIGH COURT REPORTS.

Khoja as head of the family, and ... we must hold it ... head the family and to be valid against all of the sons of Hasan and the widow. The decree of the Assistant Judge is therefore, affirmed with costs.

[ECCLESIASTICAL SIDE.]

Appeal No. 255.

In the Goods of Rahimbhai Allubhai, deceased.

Hirbai, widow .... Applicant.
Gorbai, widow, and another .... Caveatrixes.

... In the 11th paragraph of that affidavit she says:— "I am informed and verily believe that by the customs and usages prevailing and recognised by the orthodox or Shia Imami Ismaili Khojas, to which sect or community the said ...

BOMBAY HIGH COURT REPORTS 195

The facts and arguments appear with sufficient fulness in the judgment, which was given on the 22nd of June 1871 by,

... J.—The question to be determined in this case is, who is entitled to administer the estate of one Rahimbhai Allubhai, a Khoja, Mahomedan merchant, who died on 20th December 1870 childless, leaving a widow, mother, and a married sister.

The first application for letters of administration was made on the 30th of June 1871 by Hirbai, claiming as widow of the deceased; on the 17th of July 1871, Gorbai, the mother of the deceased, applied for letters of administration; and on the 1st of August 1871, Gorbai and Rahimatbai, mother and sister of the deceased, respectively filed caveats against the application made by Hirbai.

On the 7th of August 1871 Gorbai filed an affidavit, setting forth more particularly the grounds of her claim, as mother of the deceased, to the administration of the estate.

بمبئی ہائیکورٹ میں آغاخانیوں کے مقدمے کے طویل فیصلے کے پہلے دو صفحات کا عکس۔



میں جدی پشتی اپنی گزشتہ انچاس نسلوں سے اسمٰعیلی برادری کا رکن ہونے کے باوجود ان تمام غیر اسلامی عقائد، کفریہ مشرکانہ اور ملحدانہ رسومات اور غیر ملکی سازشوں میں اسمٰعیلی اکابرین کی شرکت کی پرزور الفاظ میں مذمت کرتا ہوں اور پاکستان کے مسلمانوں، علماء کرام اور حکام اور برسرِ اقتدار مسلم لیگ سے خدا اور رسول کا واسطہ دے کر فریاد کرتا ہوں کہ مذکورہ سازش کے مرتکبین اور غیر اسلامی حرکات کے خاتمہ کے لیے فوری اور سخت اقدامات کئے جائیں۔ میں حکومت پاکستان سے یہ بھی فریاد کرتا ہوں کہ وہ ان معروضات کے پائیدار اور مستقل حل کے لیے کم از کم ان مسائل کی تحقیقات کے لیے جو کہ اسلام کے بنیادی نظریات سے متصادم ہیں عدالتی تحقیقات کر کے سخت اقدامات کرے۔

جو باتیں میں نے بیان کی ہیں میرا یہ دعویٰ ہے کہ اسمٰعیلی برادری کا کوئی فرد بھی ان کی صحت سے انکار نہیں کر سکتا۔ جس کی تصدیق کے لیے کسی بھی اسمٰعیلی سے نامدار آغاخان حاضر امام کی فوٹو پر ہاتھ رکھوا کر قسم لی جا سکتی ہے۔

میں پاکستان کے علماء کرام سے یہ فریاد کرتا ہوں کہ کیا ان کے نزدیک حاضر امام آغاخان کی تصویر کے سامنے گریہ و زاری کرنا اور یہ کہنا کہ اے حاضر امام سب اسماعیلیوں کو روزی دے، تندرستی دے، ہمارا دشمن جو پیدا ہوا اس کو دفع کر، سب مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی توفیق دے، یا حاضر امام ہماری مجلس کرانا اور دسوند سکریت قبول فرما اور سب اسمٰعیلیوں کو جماعت خانہ آنے کی توفیق دے اور ہماری جو روحانی زندگی تیرے حضور آئی ہے اس کو اصل میں واصل کر، کیا یہ عقائد مشرکانہ اور الحاد پر مبنی نہیں ہیں! افسوس کا مقام ہے کہ اسمٰعیلیوں کے گھروں میں گنان شریف تو ملے گی لیکن شاذ و نادر ہی کسی کے گھر میں قرآن شریف ملے گا۔

اسمٰعیلیوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کے لیے گزشتہ دنوں حسبِ روایت ۲ مارچ کو پاکستان میں آغاخان کی آمد کے مجوزہ پروگرام میں "مادھا کا چھنٹا" کے نام پر فی کس مبلغ پچاس روپیہ وصول کئے گئے جو کہ پروگرام منسوخ ہو جانے کے باوجود اب تک واپس نہیں کئے گئے اور کہا گیا کہ رقم اگلے پروگرام کے لیے جمع رہے گی۔

علماء کرام سے میں یہ بھی پوچھتا ہوں کہ جماعت خانے میں مردوں اور عورتوں کا بے پاکی سے آنا اور مخلوط اجتماع، فرش پر سامنے رکھ کر دعا کرانا۔ مکھی صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑنا، گناہ معاف کرانا اور دعا پڑھوانا۔ نانڈی (جو کھانے گھروں سے جماعت خانے میں آتے ہیں) ان کا نیلامی میں خریدنا اور اس کا پیسہ ادا کرنا، جماعت خانوں میں نیاز چڑھانا۔ چھینٹا ڈلوانا۔ دسوند دینا۔ دشمن دفع کرانا۔ مرے ہوؤں کی روحوں کو ثواب پہنچانا۔ باپ دادا کی مجلس کرنا وغیرہ جس شکل میں اسمٰعیلیوں کے جماعت خانوں میں رائج ہیں کیا وہ اسلام کے مطابق ہیں؟

اس مضمون کی تصحیح صفحہ نمبر ۶۲ پر

ہفت روزہ تکبیر کراچی
INTERNATIONAL URDU WEEKLY
TAKBEER
KARACHI-PAKISTAN

اشاعت : ۱۵ تا ۲۱ اپریل ۱۹۸۸ء
جلد نمبر (۱۰) شمارہ (۱۶)

آغا خانی مذہب میں مالی عبادات کا نظام

مختلف ناموں سے وصول کیے جانے والے درجنوں مذہبی ٹیکس حاضر امام کی دولت میں ہر روز کروڑوں کا اضافہ کرتے ہیں۔

اس اسلامی جمہوریہ میں رفاہی قطعاتِ اراضی (AMEN-ITY PLOTS) پر آغا خانی حضرات کی نظر رہتی ہے، اور کراچی میں تو جا بجا انہوں نے ایسے پلاٹ اپنی جماعت کے نام الاٹ کروا لیے ہیں۔ کیونکہ KDA میں ایک آغا خانی اگزیکٹو انجینئر مسٹر عبدالحسین میرا والا اس خدمتِ خاص کے لیے موجود ہیں اور بعض مواقع پر ترقیاتی اداروں کے ترقی پسند افسران کی خدمت میں بھاری رقوم کے نذرانے بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ مثال ... آئی بی کالونی سے متصل نفیس آباد میں ہزاروں مسلمان ۱۹۵۲ء سے آباد ہیں۔ لیکن آغا خانیوں نے ۱۹۶۰ء میں اس پلاٹ کو رفاہی پلاٹ کے طور پر حاصل کر لیا اور کسی طرح ۱۹۶۲ء میں اپنے نام لیز بھی کروا لیا۔ اور اس پر پاپا جماعت خانہ بھی بنوا لیا۔ اب بعض بڑوں کے تعاون سے غیر مسلم جماعت خانے کی بقا کی خاطر نفیس آباد کے مسلمانوں کو بے دخل کرنے اور ان کی مساجد کو ڈھا دینے کی مہم چل رہی ہے۔ یہ سب کچھ آغا خانی حضرات اپنے عظیم مقصد اور افضل العبادات "تعمیرِ جماعت خانہ" کے لیے کر رہے ہیں کیونکہ اس کام کے لیے سر آغا خان سوئم نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں۔ مثلاً "کلام امامِ مبین" (آغا خان سوئم کے فرامین کا مجموعہ) کے صفحہ ۱۲۳ پر درج ہے۔

"آپ لوگوں نے جماعت خانہ بنوایا۔ اس سے ہم بہت خوش ہوتے ہیں۔ آپ نے جماعت خانہ بنوایا۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ آپ نے زمین پر ہمارا گھر بنوایا ہے۔ تو ہم نے بہشت میں آپ کا گھر بنایا ہے اس بات کی آپ کو مبارک باد ہو۔"

جنابِ عالی۔ مالی عبادات پر گفتگو کرنے کے لیے میں نے تعمیرِ جماعت خانہ سے کیوں ابتدا کی۔ اس کی حقیقت اب کھولنے جا رہا ہوں۔ یہ جماعت خانے دراصل سونے کی کانیں ہیں ٹکسالیں ہیں۔ بنک ہیں۔ ... اس کام میں ان کی چابکدستی لازمی ہے۔ آج کراچی میں جگہ جگہ ان کے جماعت خانے ہیں یہ سب کوڑیوں کے مول خریدے ہوئے پلاٹ پر تعمیر ہیں۔ اور بیسیوں پلاٹ پر مسلمانوں سے ان کا تنازع ہے۔ ان مندرجات میں جو غیر شرعی عبادات ہوتی ہیں۔ ان میں سے چند ایک (بدنی عبادات) کا ذکر تو میں اپنی پچھلی تحریر میں کر چکا ہوں۔ آج ان کی چند اور مذہبی رسوم کے بارے میں لاعلم حضرات کو باخبر کرنا چاہتا ہوں اس جماعت پر آغا خان کی طرف سے بہت سے ٹیکس لگائے گئے ہیں۔ جنہیں "مالِ واجبات" کہتے ہیں۔ کلام امام مبین صفحہ ۶۳۲ فرمان ۲۱۔ مقام منجو رپٹی تاریخ ۲-۱-۱۸۹۴ء "جس نے مالِ واجبات ادا نہیں کیا لیکن بعد توبہ کر کے مالِ واجبات ادا کر دیا تو اسے بھی چھٹکارا (نجات) مل جائے گا۔"

مالِ واجبات میں زکوٰۃ، عشر، خمس، دشوند اور بے شمار قسم کے ٹیکس شامل ہیں۔ آغا خان سوئم ۱۸ اگست ۱۸۸۵ء کو

تحریر: عبدالکریم رنگون والا

مسندِ امامت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس کے دو ہفتہ بعد جو فرمان جاری کیا وہ حسبِ ذیل ہے۔

فرمان نمبر ۱ بمبئی ۱ ستمبر ۱۸۸۵ء بروز جمعہ۔

آپ اپنی خوشی سے جو دیں گے وہ ہم لے لیں گے لیکن آپ کو ناراض کر کے لینے والے ہم نہیں۔ آپ اپنی لیاقت سے جو کچھ ہمیں راضی خوشی سے دیں گے وہ ہمیں میٹھا لگتا ہے اگر آپ سچائی اور یقین سے ہمیں دیں گے تو آخرت میں ایک کے سوا لاکھ ملیں گے، اور دنیا میں بھی اس کا فائدہ ہوگا۔ سچے ایماندار مومن کا پیسہ بیت المال میں داخل ہوتا ہے۔ اس میں سے غریبوں کے لیے علم کی سرپرستی، ہمارے باورچی خانے کا خرچہ اور اپنے لباس ہم بنتے ہیں۔ ایسے ایمانداروں کا پیسہ اچھے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے، اور اس سے بہت باطنی فوائد حاصل ہوتے ہیں، جس کے بارے میں ہم ابھی کچھ کہنا نہیں چاہتے، لیکن آپ ایسا نہ سمجھیں کہ دیئے بغیر چھٹکارا ہوگا۔ دنیا کے ہر مذہب میں دینا ہے، لیکن اسلام میں تین طرح سے دینا ہے۔

۱۔ عشر اللہ: جو قرآن میں ہے وہ دسوند (دشوند) کے لیے فرمایا گیا ہے۔ اور عربستان میں تمام حاکم ہر ایک سے لیتے ہیں۔

۲۔ خمس: پانچواں حصہ جو امام کا ہے۔ ۳۔ زکوٰۃ: جو کافروں اور مسکینوں کے لیے ہے۔ اوپر بیان کیے گئے تمام حقوق ہمارے ہیں۔ اے اہلِ جماعت! دیکھو یہ باتیں نظائر دلائل اور کتاب اور قرآن سے ہمارا حق تم پر ثابت ہے۔ اگر ہمارا حق دو گے تو ٹھیک، ورنہ قیامت کے دن تمہیں دینا پڑے گا۔ سو اس بات کا خوب دھیان رکھو اور ہمارا حق دو ورنہ بہت پچھتاؤ گے۔"

ماشاء اللہ اس آٹھ سالہ بچے کی کیا خوب تربیت کی گئی ہوگی، اور انہوں نے آئندہ امام کی بھی کیسی عمدہ تربیت کی ہوگی۔

مالِ واجبات ادا کرنے والوں کو مژدہ ہو۔ کلام امام مبین صفحہ ۲۸۵ فرمان ۱۲۵ ملاحظہ فرمائیں۔

"آپ کی دشوند ہم قبول فرمائیں گے اور آپ سے سرزد ہونے والے گناہوں کو ہم معاف کر دیں گے۔"

ظاہر ہے کہ جن کے نزدیک بہشت میں گھر، مغفرت، نجات سب کچھ آغا خان کے ہاتھ میں ہے اور یہ ٹیکس ادا کرنے سے حاصل ہو سکتا ہے تو وہ اس معاملے میں تغافل کیسے برت سکتے ہیں۔ ان تمام ٹیکسوں کی ادائیگی جماعت خانوں میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ روحانیت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے کے لیے مختلف قسم کی مجالس باقاعدگی سے منعقد ہوتی ہیں جس کی ممبر شپ ہوتی ہے۔

نا ندی:-

تمام آغا خانی روزانہ بہترین کھانوں کا طشت جماعت خانے لے جاتے ہیں جہاں اس کی نیلامی ہوتی ہے۔ اور رقم آغا خان کی تجوری میں جمع کر دی جاتی ہے۔ اسے عام مہمانی بھی کہتے ہیں

خاص مہمانی:-

آغاخان کی تشریف آوری کے موقع پر ہر گھر سے کم ازکم ایک مہمانی وصول کی جاتی ہے جس کی کم ازکم فیس ۱۵ر روپے ہے اور زیادہ کی کوئی انتہا نہیں۔ سوالاکھ روپے اس مد میں دینے والے اس شہر میں کئی ہیں۔ اور خواص مثلاً چینوز سیٹھ نے ۲۵ لاکھ اور شعبان جی کے سیٹھ نے ۵۰ لاکھ روپے اس سلسلے میں دیئے۔

آغاخان کی بار بار تاکید کے سبب لوگ اس بارے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ کتاب کلامِ امام مبین۔ فرمان نمبر ۲ بمبئی ۸ر ستمبر ۱۸۸۵ء بروز بدھ۔

"جن کو باطنی حج کرنا ہو تو ان پہ لازم ہے کہ دھرم پر قائم رہیں۔ امام زمان کا دامن مضبوط پکڑیں، اپنی برادری کے بھائیوں سے محبت کریں ان کے ساتھ مٹھاس سے برتاؤ کریں۔ دسوند، مالِ واجبات ادا کریں"۔

اسی طرح اسی کتاب کے فرمان نمبر ۷۲ بمقام راجکوٹ بتاریخ ۲۴ر اکتوبر ۱۹۰۳ء دیکھیں "جو ہماری خدمت کرتے ہیں ان سب مردوں، عورتوں کے ایمان، مال اور اولاد میں ہم برکت دیں گے"۔ یا مثلاً فرمان ۳۷ بمقام منوڑی بتاریخ ۵ر نومبر ۱۹۰۳ء کو حکم ہوا۔ "جماعت اور سرکار (اپنے آپ کو سرکار دوجہاں کہتے تھے) کی خدمت کرو"۔ اور اس خدمت کے کیا کیا طریقے رائج کئے۔ جیسے حیاتی کی مجلس (یا جیوتا جگتیو) مرید اپنے مرنے سے پہلے ہی اپنی روح کے ایصالِ ثواب کے لئے مجلس منعقد کرکے جماعت خانے میں بڑی رقم اور قیمتی سامان اور کھانے اور پھل پیش کر دے تو اسے مغفرت کی بشارت مل جاتی ہے۔ ان اشیاء کے نیلام کی جملہ رقم آغاخان کے خزانے میں جمع ہو جاتی ہے۔ جمع شدہ رقم پر خصوصی نظر رکھی جاتی ہے۔

آئیے اسی کتاب کا فرمان ۸۷ بمقام کچھ ناگپور بتاریخ ۲۹ر نومبر ۱۹۰۳ سماعت کریں۔ "کارسازی (جماعتی فنڈ) کو جان کی طرح سنبھالنا بلکہ جان سے بھی زیادہ سنبھالنا۔ ہمارا پیسہ آتش کی طرح ہے"۔

فرمان نمبر ۱۰۱ بمقام جنگبار۔ بتاریخ ۲۵ر اگست ۱۹۰۵ء فرمایا "تم مجلس شب بیداری میں جاؤ تو تھال، سفرہ مہمانی وغیرہ رسومات کے ختم ہونے سے پہلے نہ اٹھ جانا۔ اس طرح کرو گے تو تھال سفرہ وغیرہ کی آمدنی کم ہو گی جس کا گناہ تمہارے سر ہوگا"۔ کس میں تاب ہے جو یہ گناہ اپنے سر لے۔ بندہ تو مغفرت کا طلب گار ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا۔ فرمان نمبر ۱۲۵ نیروبی۔ ۶ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو "تمہاری دسوند ہم قبول کریں گے اور تم سے سرزد ہونے والے گناہوں کو ہم معاف کریں گے"۔ اس دسوند سے تو کسی معمولی کسان کو بھی چھوٹ نہیں۔ فرمان نمبر ۸۵ بمقام کچھ ناگپور بتاریخ ۲۷ر نومبر ۱۹۰۳ء "دسوند آٹھواں حصہ برابر دیتے رہنا۔ تمہارے کھیت میں جو اُگے اس میں سے راجہ اپنا حصہ لے جائے اس کے بعد جو باقی رہے اس میں سے آٹھواں حصہ دینا"۔

اب آیئے اگلی مجالس کی طرف۔

روشنی کی مجلس :

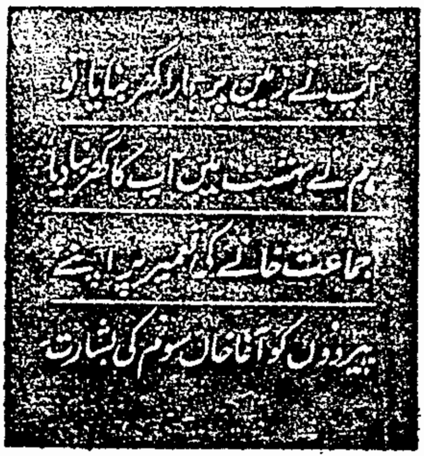
اس کی فیس ادا کرکے ممبر شپ حاصل کرنے والوں کو مجلس میں خصوصی فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں۔

بیت الخیال یا بڑے کام کی مجلس :

اس کی فیس ۷۵ر روپے فی کس ہے۔ اس کے عوض ایک اسم اعظم عطا ہوتا ہے۔ جو جماعت خانے میں آدھی رات کو مرد، عورت اندھیرے میں آغاخان کا تصور کرکے ورد کرتے ہیں۔

پانچ سال کی مجلس :

اس کی فیس پانچ سو روپے ہے اس کے ممبر کے ۵ سال



کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بارہ سال کی مجلس :

اس کی فیس بارہ سو روپے ہے اس کے ممبر کے بارہ سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

لائف کی مجلس :

اس کی فیس پانچ ہزار روپے ہے اس کے ممبر کے زندگی بھر کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

نورانی کی مجلس :

اس کی ممبر شپ فیس ہے سات ہزار پانچ سو روپے یہ ذریعہ حصولِ نورِ امامت ہے۔

فدائی کی مجلس :

روحانیت کا انتہائی اعلیٰ مرتبہ "اصل میں واصل" ہو جاتا ہے۔ یعنی آخرت میں آغاخان کے نور میں مل جاتا۔ اس فنائی کیفیت کے حصول کے لئے فدائی کی مجلس کا ممبر ہونا ضروری ہے اور اس کی فیس پچیس ہزار روپے ہے۔

میٹروپول کی مجلس :

انڈیا میں آغاخان سوئم کا بنگلہ والکیشور میں تھا اور اس نسبت سے ایک مجلس والکیشور کی مجلس ہندوستان میں اب بھی منعقد ہوتی ہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان کے آغاخانیوں کو اس سے مستفیذ کرنے کے لئے اس کا نعم البدل تلاش کیا گیا۔ ان دنوں کراچی میں کوئی فائیو اسٹار ہوٹل نہیں تھا لہٰذا آغاخان ہوٹل میٹروپول میں ٹھہرا کرتے تھے۔ چونکہ ان کے بابرکت قیام سے ہوٹل کے در و دیوار منور ہو جاتے تھے (ان کے اپنے تئیں) لہٰذا ان انوار کے انجذاب کی غرض سے ایک مقررہ فیس کے عوض اس کی بھی ممبر شپ عطا کی جاتی تھی۔ آج کل یہ منسوخ ہو گئی ہے اور اس کی جگہ ایگل مونٹ (فرانس میں آغاخان کا محل) اور سارڈینیا (آغاخان کا ذاتی جزیرہ۔ اپنی جنت) کی مجالس کے اجراء پر غور ہو رہا ہے۔

مجلس نوروز :

اس کی داخلہ فیس کچھ نہیں۔ ۲۱ر مارچ کو مسنہ اندھیرے انڈوں پر زرتشتیوں کی طرح رنگ کرکے جماعت خانے لے جاتے ہیں۔ ہر نفس کی طرف سے کم از کم ایک انڈا۔ یہ گویا فطرہ کا نعم البدل ہے اور یہی عید سب سے بڑی عید ہے۔ ان انڈوں کا نیلام ہوتا ہے۔ آغاخان کی طرف سے ہر ذی روح کو "روزی" یعنی رزق دیا جاتا ہے۔ جو ایک پیکیٹ میں کچھ گندم اور کچھ شکر کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک تھال میں کچھ روزی کے پیکٹ کچھ پھل اور دودھ کا جگ رکھ کر اس کا نیلام ہوتا ہے اور اس پہلے نیلام کو اوّل سُفرہ کہتے ہیں فارسی میں سُفرہ دسترخوان کو کہتے ہیں اور اس دسترخوان اوّل کو حاصل کرنا بڑی سعادت کی بات ہے۔ عام طور پر بڑے جماعت خانوں میں پچاس ہزار روپے تک اس کی بولی جاتی ہے یہ رقم بھی آغاخان کی تجوری میں منتقل ہو جاتی ہے۔

سالگرہ کی مجلس :

ہر سال ۱۳ر دسمبر کو آغاخان چہارم کی سالگرہ کی خوشی میں یہ مجلس منعقد ہوتی ہے اور حسبِ توفیق لوگ اس میں مالی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

مجلسِ تخت نشینی :

یومِ امامت ہر سال ۱۱ر جولائی کو منایا جاتا ہے۔ اس روز آغاخان چہارم امامت کی مسند پر جلوہ فگن ہوئے تھے چونکہ یہ ایمان و میثاق کو تازہ کرنے کا دن ہے لہٰذا اس

جو کھاتے پیتے ہو اس میں سے امام کا حق دھیان سے دو صاحب سرکار کا جو قرض تم پر ہے ذرا ذرا سا بھی یاد کرکے حاضر امام کی خدمت میں پہنچا دو ـــــ آغا خان کی مرتب کردہ "نماز" سے ایک اقتباس

مجلس میں لوگ بہت رقم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔

جاندرات کی مجلس :

بکری کیلنڈر کے حساب سے نوچندی شب کو یہ مجلس ہوتی ہے اور اس میں معروف سے معروف شخص بھی فرور شریک ہوتا ہے اور مہینے بھر کے گناہ حسبِ توفیق رقم ادا کرکے معاف کروا لیتا ہے۔

پنجے بھائی کی مجلس :

جماعت کے عہدیداران مکھی صاحب وغیرہ کو چونکہ آغا خان سے شرفِ دست بوسی حاصل ہوتا ہے اور ہر عامی شخص اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہتا ہے لہٰذا اس مجلس میں لوگ مکھی صاحب سے ہاتھ ملاتے ہیں اور آپس میں ہاتھ (پنجہ) ملاتے ہیں اس طرح آغا خان کا نور پوری جماعت میں گردش کر لیتا ہے۔ ہر شخص اس مجلس کا تو صرف ممبر بنتا ہے اور اس کی فیس بھی کم ہوتی ہے۔

بخشامنی کی مجلس :

یعنی یومِ آخرت کی معافی۔ اس کے بارے میں تو میں اپنی پچھلی تحریر میں بتا چکا ہوں۔ نئے قارئین کے لیے اتنا عرض ہے کہ یہ وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہے۔ آخری مجلس امریکہ میں ۱۹۸۶ء میں ہوئی جس میں ایک بھاری رقم کے عوض آغا خان نے بہ نفسِ نفیس اپنے بندوں کی مغفرت فرمائی۔

ستاڑے کی مجلس :

یہ مجلس اس وقت منعقد کی جاتی ہے جب کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو یا ناگہانی مصیبت آجائے۔ مثلاً اس سال آغا خان کے قطعی اور طے شدہ پروگرام کے باوجود تشریف آوری منسوخ کر دی گئی (حالانکہ "مسلمانوں" نے ان کے شایانِ شان استقبال کا معقول انتظام بھی کیا تھا) ایسے شدید حالات میں منعقد ہوتی ہے اور مسلسل سات روز تک جاری رہتی ہے۔ چھوٹے شہروں میں آخری عبادت (سو دعا) کے بعد رات کو ہوتی ہے اور بڑے شہروں میں جہاں ان کے حفاظتی وسائل زیادہ ہوتے ہیں رات کے آخری پہر میں ہوتی ہے۔ مرد عورتیں سبھی شریک ہوتے ہیں اور "مولا مشکل کشا کی تسبیح۔ یا علی" پڑھتے ہیں۔ پھر اُبلے ہوئے گندم یا چنے تقسیم ہوتے ہیں اور کچھ پرشاد مٹھائی کی صورت میں بھی ملتا ہے۔ اس کے داعی کو بھی رقم ادا کرنی پڑتی ہے اور بھی کئی مجالس ہیں جن کی تفصیل بغرضِ اختصار یہاں نقل نہیں کر رہا مثلاً نوری کی مجلس، میراجی کی مجلس، امیر پیر کی مجلس (صرف سندھ میں) ستی ماں کی مجلس، ترمٹ کی مجلس اور تھالی کی مجلس (مؤخر الذکر آخری دو مجالس صرف خواتین کے لیے ہیں) صاف صفائی کی مجلس، دیوالی کی مجلس۔ بعض مصلحتوں کے سبب اب پاکستان میں ستی ماں کی مجلس اور دیوالی کی مجلس منعقد نہیں ہوتیں۔

گٹ پاٹ :

یعنی آبِ شفا۔ جس پانی میں آغا خان نے اُنگلیاں ڈبوئی ہوں وہ آبِ شفا بن جاتا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی بیماریوں سے شفا کی غرض سے تمام جماعت اسے جمعہ اور چاند رات کو جماعت خانے میں پیتے ہیں۔ اس کے لیے کچھ رقم اپنی مرضی سے (من مراد) جماعت خانے میں ڈالنی ہے۔ اس موقع پر "حوضِ حق سے پیو" والا گنان مرد اور عورتیں کورس میں گاتے ہیں۔ جو یہ پی لے اسے حوضِ کوثر پر آغا خان پانی پلائیں گے۔

چھینٹا :

عیسائیوں کی مذہبی رسم بپتسمہ کی طرح ہر آغا خانی بچہ کو آغا خان کی طرف سے مکھی صاحب آبِ شفا کے چھینٹے مار کر آغا خانی بناتے ہیں۔ اسے "کانگا" کہتے ہیں اور زرتشتیوں کی

شادی کے موقع پر جہیز کی کُل مالیت کا ساڑھے بارہ فی صد دولہا کو جماعت خانے میں جمع کرانا پڑتا ہے۔

طرح ایک جنوئی زنہار گٹ پاٹ والے پانی سے آلودہ کرکے پہناتے ہیں اس طرح وہ اس بندھن میں بندھ جاتا ہے۔ اس موقع پر زچہ جو بہرصورت میں فراغِ نفاس سے قبل جماعت خانے میں مکھیانی کے سامنے پیش ہو جاتی ہے وہ بھی چھینٹا ڈلواتی ہے اور اس طرح وہ پھر سے طاہرہ ہو جاتی ہے۔ اس خوشی کے موقع پر بھی رقم کی ادائیگی ہوتی ہے۔ ہر چاندرات کو بھی سب چھینٹا ڈلوا کر مہینے بھر کے گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں اور اس کا بھی معاوضہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ نو بیاہتا جوڑے کو بھی چھینٹا ڈلوانا پڑتا ہے اور اس میں بھی قاضی الحاجات کا دخل ہے ـــــ قریب المرگ شخص کے پاس مکھی مکھیانی آکر مغفرت کا چھینٹا ڈالتے ہیں موت کے بعد بھی میت پر چھینٹا ڈالا جاتا ہے۔ اور جس پر یہ چھینٹا پڑ جائے اسے دوزخ کی آگ نہیں چھوتی۔ اور یہ چھینٹے "عرقِ انفعال" کے نہیں ہوتے لہٰذا اس کا بھی معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے۔

جہیز ٹیکس :

شادی کے موقع پر جہیز کی کل مالیت کا ۱۲½ فی صد دولہا جماعت خانے میں ٹیکس ادا کرتا ہے۔ اس سے بچنے کے لیے بعض اوقات دولہا کے خرچ دلہن والوں سے UNDER INVOICING کی فرمائش بھی کرتے ہیں، لیکن مکھی کو ٹال دینا بہت مشکل ہے مکھی دلہن والوں سے کہتا ہے کہ جہیز کی فہرست ریکارڈ میں محفوظ رہے گی تاکہ اگر بعد میں کبھی طلاق کی نوبت آجائے تو لڑکے والوں سے تمام سامان یا اس کی رقم وصول کی جا سکے، حالانکہ وصول کرکے دے نہیں پاتے۔ الغرض روپیہ بٹورنے کے سو طریقے ہیں آغا خان سوئم کی مرتب کردہ "نماز" کے پندرھویں باب (پاٹ ۱۵) میں یوں عبادت کی جاتی تھی۔

"ڈبو کھٹے پیٹے سار سنبھار او چھیٹوں اور پا چھیٹوں دھراے یا امام سارے سرکار میں پہنچا"

یعنی۔ آمدنی میں سے اور اخراجات میں جو کھاتے پیتے ہو اس میں سے امام کا حق دھیان سے دو صاحب سرکار (امام) کا قرض تم پر ہے اور ذرا ذرا سا بھی یاد کرکے حاضر امام کی خدمت میں پہنچا دو۔

زیارت کی مجلس :

جب کوئی آغا خانی مرجاتا ہے تو اس کی بیوہ اسی رات جماعت خانے میں جا کر کچھ رقم دے آتی ہے۔ عدت کا تو کوئی تصور ہے ہی نہیں۔ تیسرے روز جماعت خانے میں زیارت کی مجلس ہوتی ہے۔ میت کے تمام رشتے دار پھل اور مٹھائیاں نیلام کے لیے لاتے ہیں۔ اور ہر شخص چھینٹا ڈلوا کر اس کا معاوضہ ادا کرتا ہے۔ دسواں، بیسواں، چالیسواں، سہ ماہی، چہار ماہی، ششماہی، برسی الغرض اس کے

اسمٰعیلی جماعت خانے آغاخان اور اُن کے خاندان کے لیے سونے کی کانیں ہیں۔

ایصالِ ثواب کے لیے جماعت خانے میں مجالس ہوتی رہتی ہیں اور اُن کی فیس ادا ہوتی رہتی ہے۔

ان میں سب سے اہم جانزلاکپڑا کی مجلس یعنی کھانے کپڑے کی نیلامی۔ یہ عام طور پر انتقال سے دس روز کے اندر ہوتی ہے اور ایک طرح کا جمعہ بازار ہوتی ہے۔ میت کے ورثاء میت کے استعمال میں آنے والی ہر چیز اور سینکڑوں نئی چیزیں مثلاً راڈو، رولیکس گھڑیاں، کراس پین، چشمے، ریڈیو، وی سی آر، پلنگ بستر، سونے اور ہیرے کے زیورات، سوٹ، ساڑھیاں، برتن، کروبیش سب کچھ اس امید پر جماعت خانے میں نیلامی کے لیے دیتے ہیں کہ یہ کچھ اُسے جنت میں مل جائے اور کسی قسم کا پرابلم نہ ہو۔ چند سال پہلے گارڈن جماعت خانے میں ایک متمول شخص کے انتقال کی اس مجلس میں اس کے صاحبزادے نے دیگر بہترین اشیاء کے علاوہ برانڈ نئی مرسیڈیز بینز کار بھی نیلامی کے لیے دی کسی نے ازراہِ تفریح یہ کہہ دیا کہ بڑے میاں تو ڈرائیونگ نہیں جانتے تھے اب جنت میں ان کی کار چلانے کے لیے کسی ڈرائیور کو بھی مار کر بھیجو۔ اس پر وہ بہت جز بز ہوئے اور جھینپ مٹانے کے لیے کہنے لگے۔ "مولا اس کام کے لیے کسی فرشتے کو مقرر کر دیں گے"۔

ایسی بابرکت مجلس کی منظر کشی کے لیے ایک نظم پیشِ خدمت ہے۔

کل جو صاحب چل بسے "مولا" اُسے جنت ملے
آج اس کے مال کی اللہ کرے قیمت ملے
سوٹ بے چارے نے سلوایا مگر پہنا نہیں
بولی اس کی آٹھ سو ہے اس سے کم کہنا نہیں
اور دیکھیں کس قدر یہ خوب صورت شال ہے
میک ہے کشمیر کا بے شک یہ مہنگا مال ہے
ہائے اللہ کس قدر پیارا ہے سونی (SONY) ریڈیو
مرد تو کنجوس ہیں بولی بڑھاؤ لیڈیو!
اور اسمگلنگ کا ٹیلی ویژن ہے لاجواب
جس قدر مہنگا خرید لو اس قدر زیادہ ثواب
اتنی سستی سیل تو ہوتی نہیں ہے بار بار
روز تو مرتا نہیں ہے کوئی اتنا مالدار
واہ وا۔ مرحوم کے بچوں نے کچھ چھوڑا نہیں
سب ہی کچھ تو دے دیا "مولا" کا دل توڑا نہیں

اس کے علاوہ ہزاروں افراد اس پر قائم ہیں یعنی اپنی کل کمائی کا ۵۰ فیصد جماعت خانے میں دینا اور اس میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ مثلاً وہ کسی کے یہاں گئے اور سیون اپ کی بوتل پی۔ تو واپس آکر اس بوتل کی قیمت کا ۵۰ فیصد فوراً جماعت خانے میں ڈال دیں گے۔

آغاخانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ دنیا بھر میں ۲ کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ اگر چترال جیسے پسماندہ علاقے اور کراچی جیسے متمول علاقے اور پاکستانی روپے اور امریکی ڈالر کا اوسط مقرر کیا جائے اور فی کس ایک روپیہ روزانہ معمول کی عبادت اور مجلس کا مدِنظر رکھا جائے تو آغاخان کی روزانہ آمدنی کم از کم ۲ کروڑ ہوئی۔ اور دیگر بیسیوں قسم کی مجالس کا اوسط بھی روزانہ ۱۰ کروڑ روپے سے کم نہیں ہو سکتا۔ یہ تمام انکم ٹیکس اور پراپرٹی ٹیکس سے مستثنیٰ ہے۔

ہونا تو یہ چاہیے کہ وزارتِ خزانہ اور سی بی آر۔ تمام جماعت خانوں کی ایک سیلنگ مقرر کر دے۔ مثلاً گارڈن جماعت خانہ کراچی سے روزانہ صرف ۱۰ ہزار روپے ٹیکس وصول کرے اور اسی طرح دیگر جماعت خانوں سے۔ تاکہ پاکستان کی دولت کا کم سے کم حصہ پاکستان اور اسلام کے خلاف استعمال ہو اور بعض بڑی مساجد اور مزارات کی طرح یہ جماعت خانے وزارتِ مذہبی امور اور اوقاف کے تحت آڈٹ اور سپروائز ہوں۔ پاکستان سے اربوں روپیہ حوالے کی ہنڈی کے ذریعے باہر چلا جاتا ہے۔ آغاخان کے دورۂ پاکستان کے موقع پر آتے جاتے ان کی اُن کے پورے دستے کی کوئی کسٹم چیکنگ نہیں ہوتی اور یوں بھی ہماری دولت اسمگل ہو جاتی ہے۔ نہ یہ کسی ملک کے سربراہ ہیں نہ کہیں کے سفیر پھر یہ پروٹوکول کیوں؟؟؟ زنجبار کے ایک کسٹم آفیسر نے آغاخان کے سامان کی جانچ پڑتال کی کوشش کی تو آغاخان تیار نہیں ہوئے۔ انہوں نے وہیں سے دہلی میں ایرانی سفیر کو صورتِ حال سے باخبر کیا۔ ایرانی سفیر نے یہ کہہ کر مداخلت کی کہ آغاخان کو ایران سے "آغاخان" کا ٹائیٹل ملا ہے لہٰذا انہیں شاہی خاندان کا فرد تصور کیا جائے اور جانچ پڑتال نہ کی جائے۔ اس طرح ان کی گلوخلاصی ہوئی۔ اب تو ایران میں بھی کوئی شہنشاہیت باقی نہیں۔ اب یہ رعایات کیا معنی رکھتی ہیں؟؟؟

اے کریم زنگون والا
صدیقی مسجد، کبھٹکل ہوٹل۔ بمبئی بازار۔ اولڈ ٹاؤن کراچی

آغاخان کے بیش قیمت جواہرات کا نیلام

کراچی (تکبیر رپورٹ) لندن سے آمدہ ایک خبر کے مطابق کرسٹی نامی ایک مقامی ادارہ موجودہ آغاخان کے دادا آغاخان سوم کے جواہرات کی نیلامی کا اہتمام کر رہا ہے۔ مورخہ ۱۲ مئی کو جنیوا میں فروخت کیے جانے والے جواہرات کے اس ذخیرے کی خاص اشیاء میں آغاخان کی ناشپاتی کی ساخت کا ایک ہیرا ہے جس کی مالیت ۵۰ ہزار پونڈ اسٹرلنگ ہے۔ ہیروں، موتیوں اور زمرد سے مرصع کلاہ، جو پہلے سرنخاس بیگم کے پاس تھا اور پھر بیگم آغاخان کے پاس پہنچا، اس کی قیمت اندازاً ۲ لاکھ پونڈ ہے۔ ایک عدد یاقوت، زمرد اور سنگِ سلیمانی کا کنگن اور ۲۴ قیراط سے زائد زمرد کا بروچ بھی شامل ہیں۔ یہ دونوں اشیاء منقش اور ۷۵ ہزار پونڈ مالیت کی ہیں۔ بیگم آغاخان مرحوم کی ہیرے کی چوڑیوں سے ۲۲ ہزار پونڈ اسٹرلنگ ملنے کی توقع ہے۔ لندن کے متمول کے مطابق آغاخان کی یہ بے بہا دولت حیرت انگیز طور پر افسانوی نوعیت کی لگتی ہے۔ آغاخان سوم کا عرصۂ حیات ۱۸۷۷ء تا ۱۹۵۷ء تھا۔ انہوں نے ایٹن اور کیمبرج میں تعلیم پائی اور اسمٰعیلی قوم کے روحانی رہنما کے طور پر معروف ہوئے۔ وہ ریس کے بادشاہ تھے اور پانچ مرتبہ ڈربی جیتے تھے۔ ان کی سالگرہ کے متعدد جشن قدیم ہندوستانی رسم و رواج کے مطابق ان کی قوم کی جانب سے سونے اور ہیروں میں تول کر منائے گئے۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۴ء میں جب ان کا وزن ۲۵۰ پونڈ تھا، انہیں کراچی میں پلاٹینم میں تولا گیا تھا۔

کرسٹی والوں نے اس سوال کا جواب دینے سے انکار کیا کہ ۵۷ء میں آغاخان کے انتقال کے بعد سے اب تک یہ تمام جواہرات کہاں رکھے گئے تھے البتہ انہوں نے بتایا کہ ان کی نیلامی سے حاصل ہونے والی تمام بھاری رقم بیلرائیو فاؤنڈیشن کے پاس جائے گی جو دس سال قبل ترقی پذیر ممالک میں ماحولیاتی تحفظ کی ترقی کے لئے بنائی گئی تھی۔ اس تمام پس منظر میں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کی کئی ریاستوں سے زیادہ دولت مندی کے حامل ہونے کے باوجود آغاخان اور پاکستان میں مقرر کردہ ان کی آغاخان فاؤنڈیشن برطانیہ، امریکہ، کینیڈا اور ہالینڈ جیسے ممالک سے امداد کے نام پر کروڑوں ڈالر کی بھاری رقمیں ہر سال کیوں وصول کر رہی ہے؟ آخر وہ خود کو اس امداد کا مستحق کیوں بنائے ہوئے ہے؟

تکبیر (۶۶) ۳۱ مارچ ۱۹۸۸ء

"جو علی کو خدا نہ مانے وہ کافر ہے" آغا خان

اسماعیلی بنیادی پر تکبیر میں شائع ہونے والے مواد کے بارے میں ایک پُرجوش اسماعیلی سے مدیر تکبیر کا مکالمہ

تکبیر میں کچھ عرصہ سے اسمٰعیلی حضرات کے بنیادی عقائد اور ملک کے شمالی علاقوں میں ان کے سیاسی عزائم سے متعلق کچھ مضامین کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس کا آغاز ہائیکورٹ میں زیر سماعت اس مقدمہ کی روداد سے ہوا تھا جس میں بعض آغا خانی مسلمانوں نے جماعت خانوں میں ادائیگی نماز کی اجازت کے لیے درخواست دی تھی اور آغا خان فاؤنڈیشن نے فریق مخالف کی حیثیت سے اس کی مخالفت کی تھی۔ یہ مقدمہ ہنوز زیر سماعت ہے اور عنقریب اس کا فیصلہ ہونے والا ہے۔ اس کی سماعت کے دوران اس فرقے کی درسی کتب اور آغا خان کے فرامین و خطبات کے حوالے اساسی عقائد بھی تفصیل سے سامنے آئے اور پہلی بار منظر عام پر آ سکے، ہمیں یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ یہ عقائد صریح کفر اور کھلے شرک پر مبنی ہیں۔

ہم بالعموم اقلیتوں مثلاً ہندوؤں اور عیسائیوں وغیرہ کے عقائد کو کبھی زیر بحث نہیں لاتے، یہ بحث زیادہ تر علمائے کرام اور ان کے زیر ادارت شائع ہونے والے دینی پرچوں تک محدود رہتی ہے۔ لیکن جب ایک فرقہ خود کو مسلمان کہتا ہو تو قرآن و سنت کی روشنی میں اس کے عقائد کا جائزہ ضروری ہو جاتا ہے اور جب وہ سیاسی عزائم بھی رکھتا ہو تو اس سے صرف نظر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آخر قادیانیوں سے ہمارا جھگڑا کیا تھا؟ اسلام کے دعوے کے ساتھ ختم نبوت سے انکار، مگر یہاں تو معاملہ اس سے آگے بڑھ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر اور خدا کے وجود سے، جیسا کہ وہ ہے، انکار کی حد تک جا پہنچا ہے آغا خانیوں کے مسلمہ عقائد کی رو سے نعوذ باللہ حضرت علیؓ خدا ہیں، حاضر امام خدا کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے خود خدا ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ کے مقرر کردہ پہلے پیر ہیں اور علیؓ ان کے خدا ہیں جن کی اطاعت ان پر واجب ہے، معراج میں بھی ان کی ملاقات جس خدا سے ہوئی تھی وہ حضرت علیؓ تھے۔ اب ہمیں کوئی بتائے کہ یہ عقائد کھلے کفر اور شرک کے سوا اور کیا ہیں؟ اس فرقہ کا دعویٰ اگر مسلمان ہونے کا نہ ہو تو ہم اسے نظر انداز کر سکتے ہیں لیکن اسلام کے دعوے کے ساتھ ان عقائد کا کھلا اظہار ایک مسلم معاشرے میں زیر بحث آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

عام لوگوں میں اور صوبائی حکومت سے لے کر مرکز کی اعلیٰ سطح تک، ہم سے پوچھا جا رہا ہے کہ آخر تکبیر میں اس سلسلہ کی اشاعت کیوں جاری ہے اور کب تک جاری رہے گی؟ یہی سوال لے کر گزشتہ ماہ ایک اسمٰعیلی بھائی شوکت علی میرے دفتر تشریف لائے اور خاصی دیر ان سے گفتگو ہوتی رہی، ان سے جو مکالمہ ہوا اسے قارئین تکبیر کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ بھی ہماری نیت اور اصل محرکات سے باخبر ہو جائیں۔

"آپ ہمارے عقائد کیوں شائع کر رہے ہیں؟"

آپ کو شکایت کرنے کی بجائے ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم آپ سے کچھ لئے بغیر مفت میں آپ کے عقائد کی تشہیر کر رہے ہیں، ہر فرقہ اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے کہ اس کے عقائد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچیں اور ان کی تبلیغ ہو۔ کوئی بات غلط چھپی ہو تو آپ اس کی نشاندہی کر دیں کیونکہ ہم تو آپ کی درسی کتب ہی سے سب کچھ شائع کر رہے ہیں۔"

"ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے، آپ کچھ شائع نہ کریں آخر آپ اس کی اشاعت کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟"

"اس کی ضرورت اس لئے ہے کہ ایک طرف آپ کے ملک کے عام مسلمان، جن کے درمیان آپ زندگی بسر کرتے ہیں، آپ کے عقائد سے واقف ہو جائیں اور دوسری طرف ان ہزاروں اسمٰعیلی بھائیوں کی طرح، جو کافرانہ اور مشرکانہ عقائد ترک کر کے اب قرآن و سنت کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں، آپ کے فرقے میں مزید کچھ لوگوں کو اصلاح کی توفیق میسر آ جائے، ہم آپ کے خیر خواہ ہیں آپ کو گمراہی سے نکال کر حقیقی اسلام کی روشنی میں لانا چاہتے ہیں تاکہ آپ آخرت میں خدا کے غضب سے محفوظ ہو جائیں اور دنیا میں انسان کے آگے سجدہ کرنے کی ذلت سے بچ جائیں۔"

"آپ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں، ہم اسلام کو آپ لوگوں سے بہتر جانتے ہیں۔"

(Cont'd/....2)

Such people quote numerous "firmans" and "hadiths" to back their contentions such as the firman of Imam Agha Ali Shah of 1878:

> "...I must make it clear that Ali is truly God. The doubtfuls are truly Kafirs."

To them, as to those who have ascribed divinity to Issa ibn Mariam (PBUT), our answer is the Sura Al-Kafirun, verses 1-6 (109:1-6):

> 1. Say: "O you who deny the truth!
> 2. I do not worship that which you worship,
> 3. and neither do you worship that which I worship.
> 4. And I will not worship that which you have worshipped,
> 5. and neither will you worship that which I worship
> 6. Unto you, your moral law, and unto me, mine".
>
> [translation as rendered by Muhammad Asad]

In conclusion, I pray to Allah (SWT) that He grant you strength as well as perseverance to spread His Word. I shall be indeed looking forward to hearing from you again.

Jazak allahu khairun.

Nizam Peerwani, M.D.

c.c.: 1. Senior Al-Waiz Abualy A. Aziz
2. Br. Mehboob Kamadia

NP/

اسلام کے دعوے کے ساتھ کفریہ عقائد کا کھلم کھلا اظہار مسلم معاشرے میں زیر بحث آئے بغیر نہیں رہ سکتا

"آپ جب تک اسلام پر اصرار کرتے رہیں گے، ہم آپ کے کافرانہ اور مشرکانہ عقائد کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اگر آپ اسلام کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں تو مجھے اس کلمہ کے معنی سمجھائیے جس میں حضرت علیؓ کا کوئی ذکر نہیں۔"

"کلمہ میں محمد رسول اللہ سے پہلے جس اللہ کا ذکر ہے وہ علیؓ ہی تو ہیں۔"

"تو کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ علیؓ سے کم ہے؟"

"ہاں، ہم یہی عقیدہ رکھتے ہیں، کیا آپ معراج کے واقعہ پر ایمان نہیں رکھتے؟ وہاں رسول اللہؐ کے استقبال کیلئے پردے کے پیچھے سے جو ہاتھ برآمد ہوا تھا وہ کس کا ہاتھ تھا۔ اس کی انگلی میں کس کی انگوٹھی تھی؟ یہ حضرت علیؓ کا ہی تو ہاتھ تھا اور انہی کی انگوٹھی اس کی ایک انگلی میں موجود تھی۔"

"یہ من گھڑت افسانہ نہ قرآن کے بیان کردہ واقعہ معراج میں ہے نہ حضورؐ کی اپنی بیان کردہ روایات میں۔ آپ چونکہ علیؓ کو خدا سمجھتے ہیں، محمدؐ کو ان سے کمتر درجہ دیتے ہیں جبکہ حضرت علیؓ خود کو دوسرے صحابہ کرامؓ کی طرح حضورؐ کی خاک پا کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں یہ اعتراف کرتے ہیں کہ حضورؐ تشریف نہ لاتے تو یہ سب کفر و شرک کی وادیوں میں بھٹکتے رہتے۔ ان سب کا ایمان اور مرتبہ حضورؐ کی نبوت کا صدقہ ہے آپ خدا اور رسولؐ دونوں کی اہانت کر رہے ہیں اس لئے براہ کرم میرے دفتر سے تشریف لیجائیے آپ سے اب کوئی گفتگو نہیں ہو سکتی، آپ مہمان ہیں، میں آپ کو احترام سے رخصت کرنا چاہتا ہوں۔"

"(کچھ مشتعل ہو کر) آپ اپنے پرچہ میں یہ سلسلہ بند کریں اور ہمارے علماء سے آکر مناظرہ کریں۔"

"علماء سے کہئے کہ ہمارے صفحات ان کی دلیلوں کیلئے حاضر ہیں، مناظرہ تکبیر میں کریں تاکہ ہزاروں لاکھوں افراد ان کی اور ہماری دلیلیں دیکھ کر کوئی فیصلہ کر سکیں، آپ کے علماء سے بند کمرے میں جو گفتگو ہوگی، اس سے عام لوگ محروم رہ جائیں گے، اپنے علماء تک میرا پیغام پہنچا دیجئے کہ تکبیر میں بحث و مناظرہ کر کے اپنے کفر و شرک کو "اسلام" ثابت کریں یا ہماری گزارشات پڑھ کر توبہ اور اصلاح کا راستہ اختیار کر کے توحید و سنت کے مطابق حقیقی اسلام قبول کریں اور اپنی دنیا و آخرت سنواریں، ہم آپ کے دشمن نہیں پوری دلسوزی، دردمندی اور خیرخواہی کے ساتھ آپ کی اصلاح چاہتے ہیں۔"

یہ گفتگو میرے دفتر کے متعدد ارکان کی موجودگی میں ہوئی جن میں سے کچھ جناب شوکت علی کا جارحانہ انداز اور حضورؐ کے لیے ان کے گستاخانہ لہجہ دیکھ کر سخت مشتعل بھی ہوئے لیکن میری ہدایت پر کوئی ان سے براہ راست نہیں الجھا اور انہیں عافیت و سلامتی کے ساتھ دفتر سے رخصت کر دیا گیا۔

اس براہ راست مذاکرہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسمٰعیلی حضرات کے عقائد سے متعلق خود ان کی درسی اور مستند کتابوں سے، جو کچھ تکبیر میں شائع کیا گیا ہے وہ کوئی منسوب کردہ یا محض الزامات پر مبنی مواد نہیں ہے بلکہ اصل اور حقیقی صورت حال کا آئینہ دار ہے، اس کی مزید تصدیق و توثیق کے لیے ہم آغا خان، امام آغا علی شاہ کے فرمان مجریہ ۱۸۸۸ء کا عکس شائع کر رہے ہیں جو انہیں اسی فرقہ کے ایک سابق مکھی اور اب اصلاح یافتہ مسلمان جناب اکبر علی مہر علی نے کینیڈا سے ارسال کیا ہے اور ڈاکٹر نظام پیروانی نے جو خود بھی نہ صرف اصلاح یافتہ مسلمان ہیں بلکہ اب دن رات اپنے سابق فرقہ میں اور غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کیلئے سرگرم عمل ہیں، انہیں ٹیکساس سے ارسال کردہ ایک خط میں بطور حوالہ پیش کیا ہے۔ آغا خان کے اس فرمان اور جناب شوکت علی سے براہ راست گفتگو کے بعد اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اسمٰعیلی حضرات حضرت علیؓ کو نعوذ باللہ خدا سمجھتے ہیں جو صریح کفر ہے اور محمدؐ کو وہ علیؓ کا مامور کردہ پیامبر قرار دیتے ہیں اور ان کا تبع سمجھتے ہیں جو نبوت کا انکار ہی نہیں اس کی اہانت بھی ہے۔ موجودہ اور سابقہ آغا خان چونکہ علی کے اور بالفاظ دیگر خدا کے بیٹے ہیں اس لئے وہ نبی سے برتر ہیں قرآن چونکہ علی نے محمدؐ کو دیا تھا اس لئے وہ آغا خان کے گھر کی کتاب ہے وہ چاہیں اسے منسوخ کر دیں، چاہیں معطل یا مختصر کر دیں، وہ اس سے بالاتر ہیں، ان کا فرمان ہی "کلام الٰہی" ہے۔ قرآن ان کا تابع ہے، وہ اس کے تابع نہیں۔

ان عقائد کی روشنی میں دیکھا جائے تو اسمٰعیلی حضرات عیسائیوں سے آگے بڑھ گئے ہیں۔ وہ تو حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں مگر یہ حضرت علیؓ کو براہ راست خدا مانتے ہیں، وہاں بیٹے کا درجہ بہر حال باپ سے کم ہے مگر یہاں ہر حاضر امام یعنی آغا خان اپنے باپ علی کی طرح خود بھی خدا ہے اور معبود و مسجود ہے۔

ہم اپنے آغا خانی بھائیوں کے لیے امن و سلامتی کے خواہاں ہیں، اس لئے ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ حقیقی اسلام کی روشنی میں اپنے عقائد کا جائزہ لیں، اپنی اصلاح کی فکر کریں یا پھر ترک اسلام کا واضح اعلان [redacted] اپنا نام کچھ اور رکھ لیں تاکہ ان کے بنیادی عقائد مسلمانوں میں متنازعہ نہ رہیں۔

گلگت و چترال میں تکبیر کیخلاف انتظامیہ کی مہم

کراچی (اسٹاف رپورٹر) [redacted] چترال میں مملکت پاکستان کی سالمیت کے خلاف آغا خانی لیبر ازم و منصوبوں کے انکشافات کے بعد، جو دو ماہ قبل تکبیر نے اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں شائع کیے تھے۔ ان دو علاقوں کی انتظامیہ نے اسمٰعیلی طبقۂ آبادی کا آلۂ کار بنتے ہوئے وہاں ہفت روزہ تکبیر کی ترسیل اور فروخت جبراً بند کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ اس بارے میں تکبیر کے ایجنٹ نے دفتر تکبیر کو مقامی انتظامیہ کی ان ناپسندیدہ سرگرمیوں سے مطلع کرتے ہوئے بتایا کہ مقامی پولیس اسے تنگ کر رہی ہے اور سرکاری انتظامیہ کے اہلکار تکبیر کی فروخت سے روکنے کے لیے اس پر مسلسل دباؤ ڈال رہے ہیں۔

فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم:
حلال روزی حاصل کرو اور حرام روزی کے قریب نہ جاؤ۔

السلام علیکم کہیئے! دوستی کا راستہ ہموار ہونے پر دلوں کو جیت لیجیے۔

ننھے علی پر مسیحاؤں کی مشقِ ستم

کراچی کے اسپتالوں میں بین الاقوامی شہرت یافتہ معالجوں کے ہاتھوں ذہنی طور پر معذور اور سماعت و بصارت سے محروم ہوجانے والے معصوم بچے کی الم ناک داستان

ننھا علی ابھی ۸ ماہ کا ہوا تھا کہ اسے ایک شدید بیماری نے گھیر لیا۔ وہ راتوں کو مسلسل روتا رہتا، لیکن والدین کی سمجھ میں اس کا مرض نہ آیا۔ ایک دن ماں نے غور کیا، تو پتہ چلا کہ بچہ ایک ہی کروٹ سوتا ہے اور دن بھر روتا رہتا ہے۔ ایک ایلوپیتھ ڈاکٹر کے مشورے پر اسے مڈل ایسٹ (؟) اسپتال میں داخل کردیا گیا۔ بچے کو فیدس کے جھٹکے لگتے تھے۔ دو ہفتوں کے مسلسل علاج کے باوجود مرض میں کوئی افاقہ نہ ہوا۔ ایک دن ڈاکٹروں نے بچے کو خون کی بوتل چڑھانے کا مشورہ دیا۔ بچے کے لواحقین یہ سن کر پریشان ہوگئے اور اسے دوسرے اسپتال لے جانے کے لیے ضد کرنے لگے۔ ڈیوٹی پر موجود ایک خاتون ڈاکٹر نے کہا کہ دوسرے اسپتالوں میں بھی اس کا ایسا ہی علاج ہوگا۔ بعد میں ایک ایمبولینس میں بچے کو آغا خان اسپتال لے گئے۔ جس ایمبولینس میں بچے کو لے جایا گیا، اس میں آکسیجن کی سہولت تھی، نہ لائٹ کا معقول انتظام۔

بچے کے والد محمد اسلم کے مطابق، آغا خان اسپتال میں بچے کا نئے سرے سے معائنہ کیا گیا اور اسے ایمرجنسی وارڈ میں ایک طرف رکھ دیا گیا۔ میں بھی ڈرتے ڈرتے اندر گیا، تو ڈاکٹر نے میری طرف دیکھ کر تسلی دیتے ہوئے کہا: "ابھی آیا۔" جب میرے بچے کی بریف ہسٹری لی گئی، تو اس کے قیمتی ایکسرے، جس میں سی آئی اسکیننگ بھی شامل ہے، لیے گئے۔ اس قسم کے ایک ایکسرے کا ڈھائی ہزار روپے چارج کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بچے کو پھر فیدس کے جھٹکے لگے۔ یہاں تک کہ بچہ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ایک مرحلہ پر تو بچے کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ اس اسپتال کے ایک ڈاکٹر سلیم نے کہا کہ بچہ گردن توڑ بخار کا شکار ہوا ہے اور مغربی ہائی والے بھی یہی علاج کرتے رہے، لیکن یہ بات وثوق سے نہیں کہی جاسکتی کہ اس مرض کا حملہ کیا ہوا، کیونکہ اس مرض کے وائرس بہت تیزی سے دماغ میں سرایت کرتے ہیں۔ سی ٹی اسکیننگ کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ دماغ کی جھلی ... ورم آ ... ہے۔ ڈاکٹر سلیم نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ ہم ... نا ... شہرت یافتہ ڈاکٹر ... کے صاحبزادے، ڈاکٹر رشید جمعہ کو طلب کرلیا ہے۔ ڈاکٹر رشید جمعہ نے خدشہ ظاہر کیا کہ بچہ کی دائیں آنکھ ضائع ہوگئی ہے اور جب تک بخار کم نہیں ہوجاتا، اس وقت تک دماغ کا علاج ممکن نہیں ہے۔ بچہ وہاں پر امریکہ کی سند یافتہ ڈاکٹر شہلا نقوی، ڈاکٹر عارف اور ڈاکٹر ممتاز لاکھانی کے زیرِ علاج بھی رہا۔

ایک دن ڈاکٹر ممتاز لاکھانی نے کہا کہ بچہ دماغی طور پر مفلوج ہوگیا ہے، جبکہ ڈاکٹر جمعہ کے مطابق، اس کی ایک آنکھ ضائع ہوچکی ہے۔ فیدس کے جھٹکوں نے اس بچے کے دماغ پر بہت بڑے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس کو صحیح ہونے میں ایک عرصہ درکار ہوگا۔ ایک رات بچے کو پھر فیدس کے جھٹکے لگے۔ اس وقت اس کی خالہ اس کے

رپورٹ : شاہد حسین

پاس موجود تھی، جسے اندازہ نہ ہوسکا کہ یہ جھٹکے کس قسم کے ہیں۔ ڈیوٹی پر موجود ایک ہاؤس جاب پر مامور ڈاکٹر بھی، ان جھٹکوں کو نہ سمجھ سکا اور نہ ہی اس نے کسی سینیئر ڈاکٹر سے مریض کی اس نازک حالت کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا۔ دوسری صبح جب ڈاکٹر ممتاز لاکھانی سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے بتایا کہ "ہمیں خود بھی تشویش ہے کہ جب بچے کا بخار نارمل ہو گیا تھا، تو دوبارہ اس پر حملہ کیوں ہوا؟" ۲۵ دنوں تک بچہ اس اسپتال میں زیرِ علاج رہا، جس کا بل ۴۰ ہزار روپے ادا کیا گیا، لیکن اس کے باوجود مرض میں کوئی افاقہ نہ ہوا، صرف بخار کنٹرول ہوا۔

بچے کے دماغ پر جو اثرات مرتب ہوئے تھے، اس کے پیشِ نظر میں نے آغا خان اسپتال کے ڈاکٹروں سے کہا کیوں نہ عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر بھٹی سے اس سلسلے میں مشورہ کرلیا جائے، تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر بھٹی ہمارے پینل میں نہیں ہیں، لیکن ہم کاغذات آپ کے حوالے نہیں کرسکتے۔ ان کے اس جواب سے مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ آغا خان اسپتال میں بچے کا ایک بازو ضائع ہوگیا تھا اور مزید یہ کہ فزیو تھراپی کے لیے روزانہ جانا بھی پڑتا تھا۔ ڈاکٹر بھٹی سے رجوع کیا گیا، تو انہوں نے تمام رپورٹیں منگوائیں، جن میں اس اسپتال میں کیے گئے علاج کی تفصیل، سی ٹی اسکیننگ اور ڈسچارج کے وقت کی رپورٹ بھی شامل تھی۔ بھٹی صاحب نے ان رپورٹوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد کہا کہ بچے کے دماغ میں کیویٹی (CAVATY) بڑھ گئی ہے۔ جب آپ نے بچے کو اسپتال میں داخل کیا تھا، اس وقت اتنا گیپ نہیں تھا۔ یہ گیپ اسپتال میں دورانِ علاج بڑھا ہے۔ اسپتال والوں نے سوائے بخار نارمل کرنے کے، دماغی علاج پر کوئی توجہ نہیں دی۔ بھٹی صاحب نے آپریشن کا مشورہ دیا، چنانچہ لیاقت میڈیکل اسپتال میں آپریشن طے پایا۔ انہوں نے آپریشن کی کامیابی کے بارے میں کوئی حتمی بات بتانے سے گریز کیا۔

ڈاکٹر صاحب سے جتنی بات کی جاتی، اتنا ہی جواب ملتا۔ لگتا تھا، ایک ایک لمحہ کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔ جب آپریشن کا دن آیا، تو اسے ملتوی کردیا گیا۔ وجہ یہ بتائی گئی کہ بچے کے دماغ سے معدہ میں ایک ٹیوب اتارنی ہے اور آپریشن اس لیے ملتوی کرنا پڑا کہ دریافت یہ کرنا ہے کہ ٹیوب پاکستانی لگوائی ہے یا جاپانی! انہوں نے جاپانی ٹیوب کا مشورہ دیا، جس کی قیمت تقریباً دس ہزار روپے ہے۔

بہرحال دوسرے دن آپریشن ہوا۔ آپریشن کے بعد ڈاکٹر صاحب نے بچے کا سرسری سا معائنہ کیا اور سسٹر کو جلدی جلدی ہدایت دے کر چلتے بنے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس رویّے

سے ہمیں بڑی مایوسی ہوئی اور ہم بچے کو گھر لے آئے۔ بعد میں آغا خان اسپتال کے ڈاکٹر سلیم کو ان باتوں سے آگاہ کیا تو انہوں نے ساری باتوں کا اعتراف کیا اور کہا کہ دراصل ہم لوگ ڈاکٹر رشید جمعہ کی ہدایات پر عمل کر رہے تھے۔ اس لیے مجبور تھے، تاہم ڈاکٹر بھٹی کو یہ نہیں کرنا چاہیے تھا، کیوں کہ ان کے بگڑے ہوئے کیس بھی ہمارے پاس آتے رہتے ہیں۔ بچے کے مرض کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ نلکی لگانے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، سوائے اس کے کہ دماغ میں پانی کا مزید پریشر نہیں بڑھے گا۔

۲۳ فروری ۱۹۸۸ء کو علی کو دوبارہ لیاقت نیشنل اسپتال میں داخل کیا گیا۔ ۴ دن پہلے ڈاکٹر بھٹی نے اس کے دماغ سے معدے میں جو نلکی اُتاری تھی (جسے طبی اصطلاح میں شنٹ (SHUNT) لگانا کہتے ہیں) اس کی وجہ سے دماغ میں پانی کا دباؤ بڑھ جاتا تھا۔ آپریشن کے بعد اس کی طبیعت اور زیادہ خراب ہوگئی، ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا، نظام ہاضمہ خراب ہوگیا اور جسم اکڑ گیا، جس کی وجہ سے ڈرپ لگاتے ہوئے دشواری پیش آرہی تھی۔ بار بار ڈرپ بند ہوجاتی۔ ڈاکٹر اور نرسیں بچے پر طبع آزمائی کرتے رہے۔ بچے کا جسم بار بار سوئیاں چبھونے سے چھلنی ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر بھٹی کو [illegible] اس سلسلے میں بتایا گیا تو انہوں نے حیرت کا اظہار [illegible] کہ یہ کیسے ہوگیا، میں نے تو نلکی بھی جاپان کی [illegible]۔ ڈاکٹر صاحب نے دوبارہ سی ٹی اسکیننگ [illegible] اس کے بعد اس اسپتال کے رجسٹرار ڈاکٹر احمد اور راجہ اور ڈاکٹر [illegible] نے مجھ سے پوچھا کہ کیا ڈاکٹر بھٹی نے آپریشن کے بعد درمیان میں بچے کا کچھ مواد نکال کر دیکھا تھا۔ میں نے نفی میں جواب دیا، تو انہوں نے کہا کہ مریض کے دماغ سے معدہ میں جو نلکی بذریعہ آپریشن اتاری گئی تھی، [illegible] انفیکشن ہوگیا ہے۔

اگلے دن پھر بچے کا سی ٹی اسکیننگ کیا گیا، جس کی رپورٹ میں ڈاکٹر بھٹی صاحب کے پاس لے گیا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ یہ بچے کی رپورٹ ہے، تو انہوں نے پوچھا کہ کون سا بچہ؟ اور جب یاد آیا، تو کہنے لگے کہ نلکی تو بالکل کام نہیں کررہی، اس کو نکالنا پڑے گا، بلکہ تبدیل کرنا پڑے گا۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہی پروسس ہوگا، تو انہوں نے بتایا کہ نہ صرف وہی، بلکہ اس سے کچھ پیچیدہ۔ یہ سن کر میں اندر ہی اندر جل اٹھا اور دل میں آیا کہ ان سے پوچھیں کہ اگر مرض میں کوئی افاقہ نہیں ہونا تھا، تو پھر آپریشن کا سوانگ کیوں رچایا گیا؟ بچے کو اتنی اذیت کیوں دی گئی اور اسے تختۂ مشق کیوں بنایا گیا؟ یہاں پر یہ بتاتا چلوں کہ بھٹی صاحب نے جو آپریشن کیا۔ اس پر ۱۷ ہزار سے زائد روپے خرچ ہوئے تھے، جبکہ آغا خان اسپتال میں تقریباً ۵ ہزار روپے کے اخراجات اٹھ گئے تھے۔

یکم مارچ ۱۹۸۸ء کو بچے کی والدہ سے اس کی خیریت دریافت کی گئی، تو اس نے مہذب لفظوں میں کہا کہ "ٹھیک ہے۔ لیکن جب سے نلکی نکالی ہے سر سے پانی رس رہا ہے"۔ بچے کا سر پٹیوں میں لپٹا ہوا تھا اور پٹیاں گیلی ہو رہی تھیں۔ بچے کی والدہ نے شاکی انداز میں کہا کہ "آج ڈاکٹر نے دوبارہ پٹی کرنے کے لیے کہا تھا، لیکن شام ہونے کو آئی، کوئی بھی نہیں آیا۔ یہ کام وارڈ بوائے کے بس کا نہیں ہے ورنہ اس سے پٹی کرا لیتی"۔ علی کی والدہ کی یہ گفتگو اس کی لاعلمی کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ انفیکشن ہونے کے بعد سے وہ بچے کو تھیٹر میں لے جاتے اور پٹی کر کے دے جاتے اور مرض کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے تھے۔

علی کے والدین ڈاکٹروں سے اب بھی بہت سی امیدیں وابستہ کیے بیٹھے تھے۔ وہ اس حقیقت سے لاعلم ہیں کہ ان کا معصوم بچہ اب کبھی بھی دماغی طور پر صحت مند نہ ہوسکے گا اور ذہنی و دماغی معذوری کے ساتھ ساتھ وہ قوت سماعت و بصارت بھی کھو چکا ہے۔

صفحہ ۵۶ کا باقی حصہ

حریم حرم

بنات النبیؐ کی مسلمہ تعداد کو متنازعہ بنا کر کوئی فتنہ کھڑا نہ کیا جائے

عثمانؓ کو حضرت رقیہؓ کی تیمارداری کے لیے چھوڑ گئے اور فرمایا کہ تمہیں ہر غازی کے برابر ثواب اور حصہ ملے گا، جو بدر میں شریک ہوگا (بخاری شریف)۔ ۱۷ رمضان المبارک کو غزوۂ بدر ہوا اور جس روز حضرت زیدؓ بن حارث فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ منورہ پہنچے، اسی روز حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا۔

حضرت ام کلثومؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کی ولادت ۶ سال قبل بعثت میں ہوئی۔ حضرت فاطمہؓ سے بڑی اور حضرت رقیہؓ سے چھوٹی تھیں۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا پہلا نکاح ابولہب اور ام جمیل کے بیٹے عتیبہ سے ہوا تھا، لیکن رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۂ "لہب" کے نازل ہونے پر ابولہب کے کہنے پر عتیبہ نے آپ کو طلاق دے دی۔ آپؓ نے حضرت سودہؓ اور حضرت فاطمہؓ کے ساتھ مکے سے مدینہ ہجرت کی۔ اپنی بڑی ہمشیرہ حضرت رقیہؓ کے انتقال کے بعد ۳ھ میں آپ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ اسی لیے آپ ذوالنورین کہلاتے ہیں۔ نکاح کے وقت آپ کی عمر انیس سال تھی۔ شادی کے ساڑھے چھ سال بعد وفات پائی۔ آنحضورؐ کو آپ کی وفات پر بے حد صدمہ ہوا۔ نماز جنازہ حضورؐ ہی نے پڑھائی۔ آپ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔

حضرت فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرتؐ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔ آپؐ کو ان سے بے حد محبت تھی۔ ان کی پیدائش بقول ابن جوزی نبوت سے پانچ برس پہلے ہوئی اور نکاح پندرہ برس پانچ مہینے کی عمر میں حضرت علیؓ سے غزوۂ احد کے بعد ہوا۔ فاطمہؓ انہیں اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو اور ان کی اولاد کو آتش دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔ مدارج النبوۃ میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ کا دستور تھا کہ جب فاطمہؓ تشریف لاتیں، تو آپ کھڑے ہو جاتے اور ہاتھ پکڑ کر آپؓ کی جبیں کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ کے پاس آنحضرتؐ تشریف لے جاتے، تو وہ تعظیم کے لیے کھڑی ہو جاتیں اور استقبال کر کے آنحضرتؐ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ زاکیہ، راضیہ اور بتول حضرت سیدہؓ کے القاب ہیں۔ آپؓ اپنی بہجت اور نورانیت دینیہ کی وجہ سے زہراؓ کہلاتی تھیں۔ آپؓ کو بتول اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ آپؓ دنیا سے کلیتاً منقطع تھیں۔ نکاح کے لیے جب حضرت علیؓ نے درخواست کی تو آپ نے خوش آمدید کہا اور حضرت فاطمہؓ سے ذکر کیا تو آپ خاموش رہیں۔ پھر آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا گھوڑا جہاد کے لیے ضروری ہے، زرہ کو بیچ ڈالو۔ انہوں نے ۴۸۰ درہم کے عوض زرہ فروخت کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے خرید کر زرہ پھر حضرت علیؓ کو واپس کر دی۔ آنحضرتؐ نے درہم اپنے پاس رکھے اور کچھ درہم حضرت بلالؓ کو دیکر کہا اس کی خوشبو خرید لاؤ اور اہل بیت سے ارشاد فرمایا فاطمہؓ کا سامان تیار کرو۔ چنانچہ ایک چارپائی بنائی گئی [illegible]

باقی صفحہ نمبر ۴۴ پر

حضورؐ کی صاحبزادیاں ایک یا چار

قرآن میں بنات کا لفظ اسی سوال کا محکم جواب ہے

محمد نعیم عارفی

روزنامہ جنگ میں یومِ شہادت سیدنا علی کرم اللہ وجہٗ ۸ مئی ۱۹۸۸ء کو پروفیسر علی رضا شاہ نقوی کا ایک مضمون "عدلِ مرتضوی کی مثال تاریخِ عالم میں ملنا مشکل ہے" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں موصوف نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "اکلوتی" صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کو بتایا ہے۔ پروفیسر مذکور کی اسلامی تاریخ اور کتبِ سیرت سے اس قدر لاعلمی کی کیفیت پر شدید حیرت ہوئی۔ چند ہی روز بعد ۱۲ مئی ۱۹۸۸ء کے جمعہ ایڈیشن میں جناب مفتی محمد حسام اللہ شریفی، مشیر وفاقی شریعت عدالت حکومتِ پاکستان کا ایک مختصر وضاحتی مراسلہ "ایک بیٹی یا چار بیٹیاں" نظر سے گزرا۔ ہم اس انتظار میں تھے کہ علمائے کرام میں سے اصحابِ توفیق اس انتہائی اہم مسئلے پر اظہارِ خیال کر کے خاندانِ رسالتؐ کے بارے میں پھیلائی جانے والی اس بے بنیاد غلط فہمی کی تصحیح فرمائیں گے تاکہ عامۃ المسلمین کا ذہن اولادِ رسولِ اکرمؐ کے سلسلے میں صاف رہے۔ چند ہی دن بعد ۱۷ مئی ۸۸ء کے روزنامہ جنگ میں علامہ رضی مجتہد کا ایک اور مراسلہ نظر سے گزرا جس میں موصوف نے پروفیسر علی رضا شاہ نقوی کی تائید فرماتے ہوئے یہ بات کو سیرت نگاروں کا اختلافی مسئلہ باور کراتے ہوئے فرمایا کہ حضورؐ کی ایک ہی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ تھیں اور دوسری صاحبزادیوں کی آپ نے تربیت فرمائی تھی اور وہ حضرت خدیجہؓ کی بہن یا خاندان کے کسی اور فرد کی اولاد تھیں لیکن حضورؐ ان کو اپنی بیٹیوں کی طرح ہی سمجھتے تھے۔ مزید چند نام لے کر فرمایا کہ چونکہ ان سے سیرت نگار حضرات میں اختلاف تھا، اس لئے اس مسئلے پر بحث کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہ دیگر صاحبزادیاں بھی تمام مسلمانوں کے لئے انتہائی محترم ہیں۔ پروفیسر علی رضا نقوی کی تحریر کو تو ہم عدم واقفیت کے کھاتے میں ڈال کر صبر بھی کر لیتے مگر علامہ رضی مجتہد صاحب جو ہمارے نزدیک ایک نہایت متوازن ذہن کے مالک اور اسلامی تاریخ و ادب کے مسلّم استاد سمجھے جاتے ہیں، ان کی اس بے تکی اور لایعنی وضاحت پر سخت تعجب ہوا اور دل کو شدید تکلیف پہنچی۔ کیا علامہ رضی نے سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ کا مطالعہ نہیں کیا۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے یا ایھا النبی قل لازواجک و بنتک — "اے نبی اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے کہو" کیا یہ الفاظ صاف ظاہر نہیں کر رہے کہ حضورؐ کی ایک نہیں کئی بیٹیاں تھیں۔ یہ وضاحت تاریخ و سیرت کی تقریباً تمام کتب میں بڑی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے علاوہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی سے بھی آپؐ کی کوئی صلبی اولاد نہ تھی۔ ظاہر ہے یہ بیٹیاں جن کی شہادت خود قرآن دے رہا ہے، حضرت خدیجہؓ کے علاوہ اور کسی کے بطن سے نہیں ہو سکتیں۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ لوگ رسولِ اکرمؐ کے نسب تک سے انکار کر دیتے ہیں

تمام مستند سیرت نگار اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضورؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ حضورؐ کے قدیم ترین سیرت نگار محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ "ابراہیم کے سوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے تھی اور ناموں کی ترتیب انہوں نے یہ گنوائی ہے۔ ۱۔ قاسمؓ ۲۔ طاہر و طیب (ابن القیم نے زاد المعاد میں، سہیلی نے روض الانف میں اور ابن قتیبہ نے المعارف میں لکھا ہے کہ طاہر و طیب دو الگ بچے نہ تھے، بلکہ یہ حضرت عبداللہ بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب تھے ماخوذ از سیرت سرورِ عالم صـ۱۱۵) ۳۔ زینبؓ ۴۔ رقیہؓ ۵۔ ام کلثومؓ ۶۔ فاطمہؓ (سیرت ابنِ ہشام، جلد اول صـ۲۰۲)

مشہور ماہر علم الانساب ہشام بن محمد بن السائب کلبی نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مکہ میں قبل از نبوت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سب سے پہلے "قاسمؓ پیدا ہوئے، پھر زینبؓ، پھر رقیہؓ، پھر فاطمہؓ، پھر ام کلثومؓ اور نبوت کے بعد عبداللہؓ پیدا ہوئے۔ ان ہی کو طیب اور طاہر بھی کہا گیا۔ ان سب کی والدہ حضرت خدیجہؓ تھیں (طبقات ابن سعد جلد اول صـ۱۳۳) ابنِ حزم نے جوامع السیرۃ میں لکھا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے حضورؐ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ سب سے بڑی حضرت زینبؓ ان سے چھوٹی رقیہؓ، ان سے چھوٹی فاطمہؓ اور ان سے چھوٹی ام کلثومؓ (صـ۳۸ تا صـ۳۹) طبری، ابنِ سعد، ابو جعفر محمد بن حبیب اور ابن عبدالبر وغیرہ اور ان کے علاوہ متعدد مولفین کتب السیرت و تاریخ نے مستند حوالوں سے رسولِ اکرمؐ کی صاحبزادیوں کی تعداد چار لکھی ہے۔ بعض کتب میں ناموں کی تقدیم و تاخیر ہے جو کوئی قابلِ ذکر نہیں مگر حضورؐ کی صاحبزادیاں چار تھیں۔ پھر سنی حضرات کے علاوہ اہلِ تشیع بھی حضورؐ کی چار ہی صاحبزادیاں مانتے ہیں۔

اہلِ تشیع کی حدیث اور تاریخی کتب کے چند مستند امہات الکتب کے حوالے بھی ہم دے رہے ہیں جن سے حضورؐ کی چار صاحبزادیاں ثابت ہیں، جو یہ ہیں ۱۔ کافی ۲۔ تہذیب الاحکام ۳۔ من لا یحضرہ الفقیہ ۴۔ استبصار ۵۔ فروعِ کافی جلد اول صـ۴۴۱ مطبوعہ ایران ۶۔ حیات القلوب جلد ۲ باب ۵ صـ۸۲ اور ۵۵۹ ۔ ۷۔ منتہی الآمال از شیخ عباس قمی شیعہ مجتہد طبع جدید مطبع تبریز جلد اول صفحات ۱۰۸، ۱۰۹ ۸۔ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ لاہور جلد دوم ترجمہ مفتی جعفر حسین صـ۱۰ ۹۔ رجال کشی مطبوعہ مصطفوی بمبئی مصنف ملا کشی صـ۲۴۱ ۱۰۔ تفسیر خلاصۃ المنہج فارسی

مطبوعہ تہران' ملا فتح اللہ کاشانی ص۵۳۲ در تفسیر سورۂ احزاب
۱۱۔ مراۃ العقول' شرح الاصول و الفروع جلد اوّل ص۳۵۲
۱۲۔ جلاء العیون' ملا باقر مجلسی ص۳۵۳، ۱۱۲ ۱۳۔ منتخب التواریخ مصنفہ حاجی محمد ہاشم بن محمد علی خراسانی مطبوعہ تہران ص۲۳۔
۱۴۔ مجالس المومنین مطبوعہ تہران از قاضی نور اللہ شوستری

ہم نے اہلِ سنت کے حوالوں کے ساتھ ہی مقابلے میں اہلِ تشیع کی کتب کے حوالے وضاحت کے ساتھ اس لئے دئے ہیں کہ سید نفیس علی رضا شاہ نقوی اور علامہ رضی مجتہد اگر اہلِ سنت کی کتب سے صرفِ نظر کریں اور حجت نہ بھی مانیں تو بہر حال اکابر اہلِ تشیع کی کتب ہی ان کی تشفی کے لئے کافی ہو سکتی ہیں۔ اب ہم مختصراً بناتِ رسولؐ کے کوائف بھی درج کئے دیتے ہیں جو تاریخ و سیرت کی مستند کتب سے ماخوذ ہیں۔

نے کہا' تم اعلانیہ رسول اللہؐ کی بیٹی کو ہمارے قبضے سے نکال کر نہیں لے جا سکتے۔ جب شور و ہنگامہ کم ہوگا تو خاموشی سے لے جانا۔ کنانہ حضرت زینبؓ کو لے کر واپس مکہ لوٹ آتے۔ پھر کچھ دن کے بعد رات کے وقت لے کر روانہ ہوتے۔ آنحضرتؐ نے زیدؓ بن حارثہ کو پہلے ہی بھیج دیا تھا۔ کنانہ نے زینبؓ کو ان کے حوالے کیا اور وہ زینبؓ کو مدینہ لے گئے۔ (از زرقانی) ۶ھ میں ابوالعاص سریۂ عیص میں دوسری بار گرفتار ہوتے۔ حضرت زینبؓ کی سفارش پر پھر رہائی ہوئی۔ ابوالعاص ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔ ابوالعاص کا شمار بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ شام سے سامانِ تجارت لے کر واپس آ رہے تھے کہ مسلمان دستوں نے ان کو مع مال و اسباب گرفتار کر لیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہوگیا۔ یہ چھپ کر حضرت زینبؓ

ہوئیں۔ رسالت کے پہلے دن ہی مسلمان ہوگئیں۔ آنحضرتؐ کے چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے نکاح ہوا جس کی ماں ام جمیل' ابوسفیان کی بہن تھی۔ اسلام سے بغض رکھنے میں ابولہب اور ام جمیل پیش پیش تھے۔ ابولہب حضورؐ کا بے حد قریبی پڑوسی بھی تھا۔ بعثت کے تین سال بعد جب اعلانِ دعوت کا حکم آیا تو آپؐ نے قریش کو جمع کر کے کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر تبلیغ فرمائی۔ ابولہب نے سخت مخالفت کی۔ اسی پر سورۂ "تبت" نازل ہوئی۔ اس سورت کے نزول پر ابولہب اور حمالۃ الحطب (ام جمیل) نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا تم محمدؐ کی بیٹی کو چھوڑ دو۔ آنحضرتؐ کی دوسری صاحبزادی ام کلثومؓ عتیبہ ابن ابی لہب کی منکوحہ تھیں دونوں بہنوں کو طلاق دے

اہلِ تشیع کی دینی کتب سے بھی حضورؐ کی چار صاحبزادیاں ثابت ہیں

حضرت زینبؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

یہ حضورؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ بعثتِ نبوی سے دس سال قبل دنیا میں تشریف لائیں۔ شادی ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی تھی جو حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔ رسول اللہؐ کی مدینے ہجرت کے وقت ان کے شوہر مسلمان نہیں تھے اور وہ طائف میں مقیم تھیں۔ ابوالعاص نے کفارِ قریش کی طرف سے غزوۂ بدر میں شرکت کی اور گرفتار ہوئے۔ اسیرانِ جنگ کے لئے فدیہ کی رقم چار چار ہزار درہم فی کس مقرر کی گئی تھی۔ ابوالعاص کے پاس اس وقت دینے کو کچھ نہ تھا چنانچہ دخترِ رسولؐ سے (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں مقیم تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں تو آزاد کر دئے جائیں گے۔ جب حضرت زینبؓ کا نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں انہیں اپنا ایک بہت قیمتی ہار دیا تھا۔ حضرت زینبؓ نے زرِ فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ہار دیکھا تو پچیس برس پہلے کے محبت انگیز واقعات یاد آگئے' حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور ان کی رفاقت یاد آئی بے اختیار رو پڑے' آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں' رقت انگیز آواز میں صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔ لوگ آبدیدہ ہوگئے' گردنیں جھک گئیں اور وہ ہار بصد احترام و حفاظت واپس مکہ بھیج دیا گیا۔ (تاریخ طبری صفحہ ۱۳۴۸)

ابوالعاص جب رہا ہو کر مکہ واپس آئے تو حضرت زینبؓ کو اپنے چھوٹے بھائی کنانہ کے ہمراہ مدینہ روانہ کر دیا۔ ذی طویٰ کے مقام پر پہنچے تو قریش نے تعاقب کیا اور حضرت زینبؓ کو نیزے سے زمین پر گرا دیا۔ ان کا حمل ساقط ہوگیا۔ ابوسفیان

کے پاس پہنچا انہوں نے پناہ دی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا "اگر مناسب سمجھو تو ابوالعاص کا سامان واپس کر دو" پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگہ لا کر واپس کر دیا (سیرۃ النبیؐ جلد اوّل ص۲۴۷) یہ وار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا ابوالعاص مکہ واپس آئے اور اپنے تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولتِ ایمانی سے مشرف ہوئے اور فرمایا کہ میں اس لئے یہاں آیا اور حساب سمجھا کر جا رہا ہوں تاکہ اہلِ مکہ یہ نہ کہیں کہ ابوالعاص ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا پھر مدینہ واپس آئے تو حضرت زینبؓ سے ان کی دوبارہ شادی ہوئی۔ حضرت زینبؓ کا انتقال ۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوا حضرت ام ایمنؓ، حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام عطیہؓ نے غسل دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی ان کے دو بچے تھے علی اور امامہ۔ علی کمسنی میں فوت ہوگئے تھے۔ امامہ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد حضرت علیؓ کے نکاح میں آئیں۔ (بحوالہ اسلامی انسائیکلو پیڈیا)

حضرت رقیہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرتؐ کی دوسری صاحبزادی اور تیسری اولاد تھیں۔ ہجرتِ مدینہ سے ۱۹ سال پہلے مکہ مکرمہ میں اپنی عظیم والدہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے مکان میں پیدا

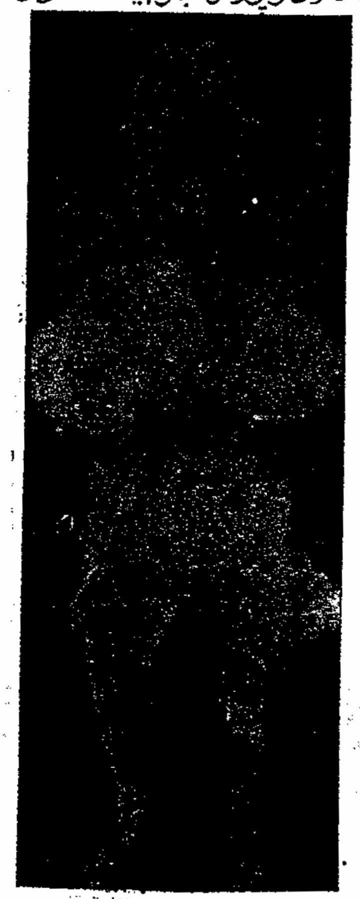
دی گئی۔ ابنِ ہشام اور استیعاب دونوں نے لکھا ہے کہ طلاق اس وقت ہوئی جب چچا اور بھتیجے (آنحضرتؐ) کے درمیان کشیدگی بے حد بڑھ گئی تھی۔ ابنِ کثیر نے لکھا ہے کہ صاحبزادیاں ازدواجی تعلقات سے پیشتر ہی علیحدہ ہوگئی تھیں۔ حضرت رقیہؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے سن ۳ بعثت میں ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ کم سنی ہی میں، ہجرتِ حبشہ کا واقعہ پیش آیا۔ ۱۰ بعثت میں جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا، تو حضرت رقیہؓ حبشہ ہی میں تھیں۔ ۱۱ بعثت میں ان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام آنحضرتؐ نے عبداللہ رکھا۔ انہی کے نام پر حضرت عثمانؓ کی کنیت ابو عبداللہ ہے ۱۳ بعثت میں حضرت رقیہؓ حبشہ سے مکہ واپس آئیں۔ حضرت عثمانؓ تنہا ہجرتِ نبوی سے مدینہ منورہ آگئے تھے۔ حضرت رقیہؓ آنحضرتؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ پہنچیں۔ (ابنِ سعد) آنحضرتؐ کی اولاد میں صرف حضرت رقیہؓ کو دو ہجرتوں کا شرف حاصل ہوا تھا۔ مالدار ہونے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بہترین زندگی گزارتے تھے۔ گیارہ سالہ رفاقت میں ایک مرتبہ بھی میاں بیوی میں کوئی ناگواری کی بات نہیں ہوئی، چنانچہ ایک مقولہ رائج ہو گیا تھا کہ (ترجمہ) میاں بیوی کے جوڑوں میں سب سے بہتر جوڑا جو کسی انسانی آنکھ نے دیکھا، وہ حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ کا جوڑا ہے۔ رمضان المبارک ۲ ہجری میں حضرت رقیہؓ کو خسرہ کے دانے نکل آئے ۱۲ رمضان المبارک کو آنحضرتؐ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ آپؐ حضرت

باقی صفحہ نمبر ۵۴ پر



آغا خان : دولت کاروبار اور مشاغل

امریکی جریدے وینٹی کی خاتون رپورٹر جارجینا ہاول کے انکشافات



انہیں مخاطب کرنا بھی کوئی آسان بات نہیں۔ سوچنا پڑتا ہے کہ انہیں کیا کہہ کر پکارا جائے۔ وہ ہز ہائی نس ہیں، یہ خطاب ملکۂ برطانیہ نے انہیں ۱۹۵۷ء میں دیا تھا، پیرس کے نواح میں اُن کی عظیم الشان رہائش گاہ کے ڈیڑھ سو سے بھی زیادہ خادم انہیں "دی باس" کہہ کر پکارتے ہیں، ان کی سات رکنی کابینہ کے افراد انہیں ایچ ایچ، دی باس یا چیران کی موجودگی میں انہیں نورانی شکل کہتے ہیں۔ وہ امام وقت ہیں۔ انہیں عالیجاہ، حضور والا اور صرف

تلخیص و ترجمہ : نعیم عارفی

"سر" بھی کہا جاتا ہے مگر ان کے خاندان کے پرانے دوست اور ملنے والے انہیں صرف "K" کہہ کر پکارتے ہیں۔

انہیں کچھ بھی کہا جائے وہ اپنے وقت کی ایک عظیم ناقابل فہم شخصیت ہیں ان کا پورا نام پرنس کریم الحسینی ہے۔ وہ عظیم مذہبی شخصیت شیعہ اسماعیلی مسلمانوں کے انچاسویں امام اور چوتھے آغا خان ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ حضرت محمدؐ کی اولاد میں سے ہیں اور ان کا شجرۂ نسب مصر کے فاطمی خلفاء سے ملتا ہے۔ اس سلسلے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا بہرحال ان کی دولت طاقت، حشمت اور ظاہری رکھ رکھاؤ بے حد مرعوب کن ہے۔ وہ اسکائنگ کے مشتاق کھلاڑی ہیں اور اولمپک گیمز میں ایرانی جھنڈے

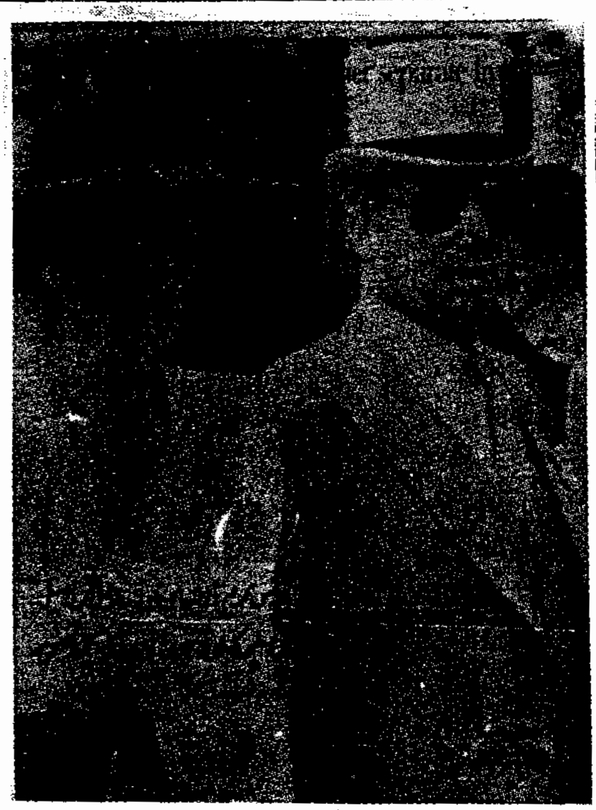
کے ساتھ چیمپئن رہ چکے ہیں۔ اکیاون سالہ آغا خان کی شخصیت بیحد من موہنی ہے۔ ان کی دولت اور حشمت آج کے بہت سے شاہی خاندانوں سے کہیں زیادہ ہے مگر انہوں نے جان بوجھ کر اپنی شخصیت کو ایک آڑ میں رکھا ہے غیر ضروری تشہیر اور شہرت انہیں پسند نہیں۔

ان کی سرمایہ کاری اور جائیداد کی مالیت کھربوں ڈالر سے متجاوز ہے

وہ عموماً مرسڈیز کاروں کے ایک بڑے فلیٹ کے درمیان سفر کرتے ہیں یا پھر اپنے گلف اسٹریم ۳ طیارے میں جاتے ہیں مگر بالعموم لوگوں کو اُن کے بارے میں اطلاعات نہیں ہوتیں۔

تقریباً انیس سال پہلے انہوں نے ایک انگریز خاتون سے شادی کی تھی جس سے ان کے تین بچے ہیں۔ ۱۷ سالہ پرنس رحیم ۱۴ سالہ پرنس حسین جو دونوں امریکہ کے ایک ابتدائی مدرسے میں زیر تعلیم ہیں اور ۱۸ سالہ پرنسس زہرہ جو عموماً اپنی والدہ کے ساتھ رہتی ہیں۔ شہزادہ کریم آغا خان انگریزی، فرانسیسی

پیرس کے ایگل مانٹ میں بیٹھی ہوئی ان کی کیبنٹ ہنزہ اور چترال میں ہونے والے واقعات اور افغان سرحدوں کی صورت حال پر گہری نظر رکھتی ہے۔



آغا خان اول نے سندھ پر برطانوی تسلط کے لیے ۱۸۴۳ء میں سر چارلس نیپئر کی بھرپور امداد کی تھی۔

دو مشہور کمپنیاں DANIELI اور RITTI بھی شامل ہیں اس کے علاوہ ہیں FIMPAR کمپنی جو ایک سو پینتالیس ملین ڈالر سے قائم کی گئی ہے، اس کے ستر فیصد کا حصص کے مالک بھی کریم آغا خان ہیں اس کے علاوہ ایک خصوصی پرائیویٹ PORTFOLIO ادارہ ہے جس کے اثاثوں کا تخمینہ مزید ایک بلین ڈالر لگایا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ آغا خان فاؤنڈیشن ہے جو امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، پرتگال، بعض افریقی ممالک اور ہندوستان و پاکستان تک پھیلی ہوئی ہے جو صحت، تعلیم اور معاشرتی بہبود و ترقی پر ہر سال لاکھوں ڈالر خرچ کرتی ہے مثلاً اس سال بھی وہ افریقہ میں کئی ملین ڈالر خرچ کر رہی ہے۔ ایک آغا خان ایوارڈ فاؤنڈیشن ہے جو آرٹس اور سائنس کے شعبوں میں اسلامی دنیا سے تعلق رکھنے والے ماہرین کو پانچ ملین ڈالرز کے انعامات سالانہ دیتا ہے۔ ایشیا اور افریقہ میں بہت سے کمیونٹی ادارے ہیں جن میں پانچسو مدارس آغا خان یونیورسٹی اور یونیورسٹی ہسپتال کراچی، ہاؤسنگ کالونیز اور اسپورٹس کے میدان اور اسٹیڈیم وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب کے علاوہ بھی آغا خان کے کئی جوئے ... تیل صاف کرنے کے کارخانے۔ ان کی حقیقی وسیع و عریض جائیدادیں، ماربل فیکٹری، الیشین بینک اور نہ جانے کیا کیا ہے۔

اس کے علاوہ گھڑ دوڑ کے ادارے ہیں۔ دنیا کے منظم ترین خون جمع کرنے اور تربیت کے ادارے ہیں۔ ان کے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی تعداد چھ سو سے متجاوز ہے جو آئرلینڈ اور نارمنڈی کے اعلیٰ اصطبلوں میں خصوصی نگہداشت کے تحت رکھے جاتے ہیں۔ ۱۹۸۱ء تک وہ انگلینڈ، آئرلینڈ اور فرانس کے گھوڑوں اور اصطبلوں کے مالکان میں سرفہرست ہو چکے تھے۔ ان کے گھوڑے عموماً دوڑیں جیتتے ہی رہتے ہیں۔ ان رینگ گھوڑوں کی قیمتوں کا اندازہ اسطرح لگایا جاسکتا ہے کہ ایک پچھلی ریس میں ان کے اول آنے والے گھوڑے کی قیمت انیس ملین ڈالر تھی۔ اب تک آغا خان ایسی ریسوں میں سے چودہ میں جیت کر سرفہرست رہے ہیں۔

آغا خان دوسرے کروڑ پتی حضرات سے اپنی اسماعیلی برادری کی سربراہی کی وجہ سے بالکل منفرد اور مختلف نظر آتے ہیں۔ ان کی کمیونٹی کے تقریباً پندرہ ملین افراد اُن کے لیے جس محبت خلوص اور تندہی سے عطیات جمع کرتے ہیں اس کی اور کہیں مثال نہیں مل سکتی ان کا ایقان اور ایمان یہ ہے کہ آغا خان رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں اور حقیقی آلِ رسول ہیں اس طرح ان کی محبت میں تقدس اور معبودیت کا ایک خاص رنگ شامل ہو جاتا ہے وہ اپنی آمدنی میں سے مختلف ٹیکسوں اور اخراجات کے بعد دس فیصد آمدنی بخوشی آغا خان کی نذر کر دیتے ہیں۔ یہ رقم اسماعیلی معابد میں جنہیں جماعت خانے کہا جاتا ہے جمع کی جاتی ہے۔ اور مقامی کونسلوں کے ذریعے ملک کی مرکزی کونسل کے صدر کو پیش کر دی جاتی ہے مثلاً فقط پاکستان کے اسماعیلی جماعت خانوں کو ایک اندازے کے مطابق بیس کروڑ روپیہ ماہانہ آمدنی ہوتی ہے۔ یہ ساری رقوم آغا خان کے حضور پیش کر دی جاتی ہیں اور پھر اس رقم کو کس مصرف میں لایا جاتا ہے، اسے کیا کیا جاتا ہے یہ صرف اور صرف آغا خان کی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔

موجودہ آغا خان کی تیس سالہ قیادت اور عمدہ تنظیم کی بدولت آج آغا خانی پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر حالت میں ہیں، اگرچہ آغا خان کسی بھی مواخذہ اور احتساب سے بالاتر ہیں مگر بھی ایگل مانٹ میں بیٹھی ہوئی ان کی کیبنٹ اس بات پر گہری نظر رکھتی ہے کہ ہنزہ اور چترال میں کیا ہو رہا ہے، افغان سرحد پر دیہی ترقی اور سڑکیں بنانے کا کام کس رفتار سے جاری ہے۔ افریقہ میں ٹرکوں کے ذریعے کس طرح مال کی سپلائی جاری ہے وغیرہ۔

اس تمام عظیم دولت اور طاقت کے باوجود ان سے قریبی تعلق رکھنے والوں کا خیال ہے کہ وہ دنیا کے تنہا ترین آدمی ہیں۔ جو لوگ ان سے ملتے ہیں انہیں بہت پسند کرتے ہیں مگر ان کے دوستوں کی تعداد غیر معمولی طور پر بہت کم ہے۔ ایک مرتبہ ان کے ریسنگ کے ایک دوست نے جو ان کا مہمان تھا بتایا کہ اُس دن ان کے گھوڑے نے فرانسیسی ڈربی جیتی تھی، جو ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ میں سمجھتا تھا ان کا ایگل مانٹ کا محل روشنیوں سے جگمگا رہا ہوگا، بہت سے دوست مدعو ہوں گے مگر میرے سوا کوئی دوسرا مہمان تھا نہ روشنیاں نہ کسی اور طرح کی غیر معمولی خوشی کا اظہار۔

صرف چار ہی نسلوں میں ان عظیم آغا خانوں کی تاریخ متعدد مرتبہ لکھی جا چکی ہے آج اگر وہ آغا خان اوّل موجود ہوتے جو ۱۸۴۱ء میں بلوچستان کے پہاڑوں سے آکر سندھ میں وارد ہوئے تھے۔ جہاں انہوں نے سندھ کی مہم میں (جنوری ۱۸۴۳ء

دُنیا بھر میں پھیلے ہوئے ۱۵ ملین اسمٰعیلی اپنی آمدنی کا دس فی صد آغا خان کی نذر کرنے کے پابند ہیں۔



اور اطالوی روانی سے بولتے ہیں جبکہ اردو اور عربی ایک حد تک بول سکتے ہیں۔ ان کے ماننے والے دنیا کے پچیس ممالک میں موجود ہیں بالخصوص ایشیا، افریقہ اور مشرق الاوسط میں پاسپورٹ ان کا برطانوی ہے۔ یہ سب کچھ اور اس کے علاوہ وہ باتیں اور معلومات جو اسماعیلیہ فرقے کی مذہبی کتب اور بلیٹن وغیرہ چھاپتے ہیں عام طور پر لوگوں کو معلوم ہیں۔ دراصل ان کی شادی کے ایک سال بعد یعنی ۱۹۷۰ء میں ایک صحافی ولی فری شا نز نے آغا خان کے بارے میں ایک دلچسپ معلوماتی کتاب لکھی تھی جو گو کہ جارحانہ بھی نہیں تھی پھر بھی آغا خان بےحد محتاط ہو گئے اور انہوں نے پبلک لائف سے اپنا ناطہ تقریباً توڑ لیا۔

اگرچہ پرنس کریم نے اپنی ذاتی اور شخصی تشہیر پر پابندی عاید کر دی ہے اور ان کی شاہانہ زندگی کے تمام گوشے عام لوگوں کے لیے بند کر دیے گئے ہیں۔ پھر بھی ان کے خاندان کے یا پھر ان کے ماننے والوں کے کوائف اخبارات میں چھپتے ہی رہے ہیں مثلاً ۱۲ر مئی کو ان کے چچا پرنس صدرالدین، ان کے والد علی خان کے سوتیلے بھائی نے بیلرِوی فاؤنڈیشن کو دینے کے لیے

"آغا خانیت" ایک فرد واحد کی مملکت ہے، جس کی طاقت ناقابلِ یقین، جس کی دولت ناقابلِ تصور اور جس کے سیاسی و تجارتی اثرات کی لپیٹ میں آج ساری دُنیا ہے۔

اپنی والدہ کے جواہرات نیلام کے ذریعہ فروخت کیے، تو دنیا بھر کے جواہرات کے شائقین انہیں خریدنے کے لیے بےچین ہو گئے۔ نیلام کے لیے نیویارک کے مشہور نیلامی ادارے "کرسٹی" کو چنا گیا تھا جس نے نمائش اور فروخت کے لیے جنیوا کے شہرہ آفاق ہوٹل رچمنڈ کو چنا تھا۔ دنیا بھر سے مشہور اور دولت مند شخصیات پرنس علی خاں کی والدہ اور آغا خان سوم کی تیسری بیگم شہزادی اینڈری کی اس بیش بہا دولت کو دیکھنے اور حسب استطاعت خریدنے کے لیے جمع ہوئی تھیں۔ اس واقعے کے صرف چار روز بعد ۱۶ر مئی کو والڈارف نیویارک میں الزی میر ALZHEIMER کی بیماری کے مریضوں کے لیے سالانہ چیریٹی شو ہوا جس کی صدارت پرنس علی خان اور مشہور زمانہ ایکٹریس ریٹا ہیورتھ کی صاحبزادی، شہزادی یاسمین خان نے کی جو پرنس کریم آغا خان کی سوتیلی بہن ہیں۔ اس طرح ان کی تشہیر کے بالواسطہ اسباب بہرحال پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

آغا خان کی دولت اور ان کی آمدنی کا صرف اندازہ اور تخمینہ ہی لگایا جا سکتا ہے، صحیح حقائق کسی کو معلوم نہیں۔ ان کے قریب تر لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی ذاتی جائیداد اور آمدنی اسماعیلی فرقے سے حاصل شدہ آمدنی سے بالکل علیحدہ ہے، قدرِ مشترک یہ ہے کہ دونوں پر آغا خان کا کنٹرول بلا شرکتِ غیرے اور مکمل و بھرپور ہے جس میں کسی کو دخل اندازی کا یارا نہیں۔ لندن کے جریدے اکانومسٹ کے محتاط تخمینے کے مطابق بینکوں، چھوٹی تجارتوں اور اسماعیلی فرقے کے سرمائے سے قائم کردہ ہوٹلوں سے ان کی سالانہ آمدنی کم از کم دو سو پچاس ملین ڈالر ہے۔ اس کے علاوہ اسماعیلی فرقے کی صحت، تعلیم اور دیہی ترقی کے لیے فراہم کردہ رقم اکیس تیس ملین ڈالر اس کے علاوہ ہے۔

نجی انویسٹمنٹ اور انشورنس میں لگائے ہوئے سرمائے کی آمدنی کا اندازہ ایک بلین ڈالر امریکی ہے، اس کے علاوہ وہ سنڈیکیٹ جس میں ٹورازم کی ترویج و ترقی برائے سارڈینا اور علی سار دا ائرلائن کے اثاثے شامل ہیں، اس کا تخمینہ ایک اعشاریہ تین بلین ڈالر ہے۔ اطالوی پُرتعیش ہوٹلوں کا مشہور عالم سلسلہ جو CIGA گروپ کہلاتا ہے۔ جس میں دنیس کے

بقیہ صفحہ نمبر ۳۵ اور ۳۶ پر

کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا !

دو اسمٰعیلی خواتین کے قبولِ اسلام کی رُوح پرور روداد

یہ آج سے دس سال پہلے ۱۹۷۸ء کے اواخر کا ذکر ہے۔ ان دنوں میں فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں فائنل ایئر کی طالبہ اور اسلامی جمعیت طالبات کی رکن تھی۔ مجھے اپنی بیماری کے سلسلے میں کراچی جانا پڑا جہاں میں دو ماہ رہی۔ کراچی میں میرے اس قیام کی یادیں آج بھی دل میں روزِ اوّل کی طرح تازہ ہیں۔ ماہنامہ تکبیر میں آغاخان فرقے کے بارے میں معلومات نے مجھے میرے ان سوالوں کا جواب دے دیا جو دس سال پہلے میرے ذہن میں اٹھے تھے اس کے ساتھ ہی میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان واقعات کو تکبیر کے قارئین تک بھی پہنچا دوں جو میرے لئے حیران کن تھے۔

ان دنوں میری تحریکی بہنیں مجھے ایک خاتون کے ہاں لے گئیں جن کا تعلق آغاخانی گروہ سے تھا۔ وہاں ایک صاحب نے پس پردہ درسِ قرآن دیا اور پھر مولانا مودودیؒ کے ساتھ اپنی نشستوں کے احوال بتاتے ہوئے بتایا کہ میں کس طرح مسلمان ہوا۔ اس سلسلے میں انہوں نے "خطبات" اور "دینیات" کا حوالہ دیا اور کہنے لگے کہ چونکہ "دینیات" نے مجھے آغاخانی جہالت کی تاریکیوں سے نکالا ہے لہٰذا میں اس کتاب کو اس کی ظاہری حیثیت تبدیل کرکے اور ہزاروں کی تعداد میں شائع کروا کے مفت تقسیم کرتا ہوں تاکہ اس گروہ کے دوسرے افراد بھی اس طلسم سے آزاد ہو جائیں۔ جس خاتون کے ہاں یہ محفل تھی وہ ہمیں بے حد محبت سے ملیں اور دوبارہ آنے کو کہا۔ دوسری مرتبہ افطار پارٹی میں ہم ان کے گھر گئے۔ انہوں نے کھانے میں اتنا اہتمام کیا اور اتنے اصرار سے ہمیں کھلایا کہ ہم مزید دو دن تک کچھ اور کھانے کی گنجائش ختم کرکے ان کے ہاں سے نکلے۔ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ بہت دلچسپ انداز میں بتایا ان کا وہ والہانہ انداز اور اسلام سے محبت مجھے اب تک متاثر کئے ہوئے ہے۔ کہنے لگیں کہ میرے شوہر مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان کی شدید خواہش کے باوجود میں اپنا دین چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئی۔ شوہر بہت کوشش کرتے لیکن میں سنی اَن سنی کر دیتی۔ انہوں نے مجھے غالباً خطبات پڑھنے کو دی تو میں نے بھی انہیں اپنی کوئی کتاب دیدی۔ انہوں نے تو ساری پڑھ ڈالی اور میں نے نہیں پڑھی۔ میرے شوہر نے اس پر بھی نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "کوئی بات نہیں اگر تم نے یہ کتاب نہیں پڑھی ہم دونوں مل کر اس کو پڑھیں گے۔ اس کے بعد انہوں نے مجھے وہ کتاب پڑھانی شروع کی اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن اور دل کی دنیا بدلتی چلی گئی حتیٰ کہ

تحریر: اُمِ حارث

میں دل اور جان کی ساری گہرائیوں سے اسلام کی صداقتوں پر ایمان لے آئی۔ لیکن میں نے اپنے شوہر کو نہیں بتایا اب میرا دل چاہتا ہے کہ میں خدا کے آگے سجدہ ریز ہو جاؤں اور نماز پڑھوں تو میں شوہر کے دفتر جانے کا انتظار کرتی جیسے ہی وہ روانہ ہوتے میں اللہ جی کے حضور گریہ وزاری کرتی رہتی۔ ایک دن میں اسی انہماک سے نماز پڑھ رہی تھی دیر تک دعا مانگنے کے بعد میں نے جانماز تہ کی اور جو مڑ کے دیکھا تو شرم کے مارے میں وہیں بیٹھی رہ گئی میرے شوہر نہ جانے کب سے کھڑے مجھے دیکھ رہے تھے وہ دفتر سے کسی کام کے سلسلے میں آئے اور یہ منظر دیکھ کر اس قدر

> میرے شوہر نے جو مسلمان ہو گئے تھے
> مجھے خطبات نامی کتاب پڑھ کر سنائی
> شروع کی اور اس کی تلاوت کے ساتھ
> ساتھ میرے دل کی دنیا بدلتی چلی گئی۔

خوش ہوئے کہ بے اختیار رونے لگے اور گویا ہوئے کہ خدایا تیرا شکر ہے میں تو سمجھتا تھا کہ میرے گھر میں ہنوز جہالت کے اندھیرے ہیں میں نے جواب دیا "جبکہ یہ اندھیرے کئی ماہ پہلے ہمارے گھر کی دہلیز پار کر چکے ہیں اور اب یہاں پر توحید کا اجالا ہے"۔

وہیں ایک نوجوان لڑکی سے بھی ملاقات ہوئی جس نے ہمیں اپنے گھر کا ایڈریس دیا اور باصرار آنے کو کہا۔ کچھ دنوں کے بعد میں اور میری ایک تحریکی ساتھی اس کے گھر کی راہ پر چل پڑے۔ میرے لئے تو کراچی کے سب ہی راستے اجنبی تھے لیکن جب بس سے اترے تو مجھے یوں لگا میں کسی اجنبی دنیا میں چلی آئی ہوں۔ ایک طرف ایک بڑی سی عمارت (جماعت خانہ) تھی اور دوسری طرف منزل در منزل فلیٹس کا سلسلہ اور بیرونی گیٹ پر پہرے۔ گیٹ پر کھڑے لوگوں نے ہمیں گھورنا شروع کر دیا لیکن جب ہم نے اس لڑکی کے گھر کا ایڈریس بتایا اور نام وغیرہ لیا تو ہمیں جانے دیا گیا۔

شاہ بانو کا گھر دوسری منزل پر تھا۔ ہم پوچھتے پوچھتے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ وہ بہت خوش ہوئی گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ایک تصویر پر ہماری نظر پڑی۔ ہم نے پوچھا کہ تمہارے ذہنی انقلاب کے بعد یہ تصویر کیوں یہاں لٹک رہی ہے؟ کہنے لگی، اگر یہ تصویر ہم یہاں سے ہٹا دیں تو ہمیں اس کمیونٹی سے نکلنا ہوگا۔ اس کے علاوہ ایک ہماری مشکل یہ بھی ہے کہ اگر ہم پردہ کریں تو جب بھی ہمارا جینا دوبھر کر دیا جائے گا۔ ہمارے گھروں میں باقاعدہ چیکنگ ہوتی ہے اور اگر آغاخان کی یہ تصویر گھر میں نمایاں جگہ پہ نہ ہو تو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہم ذہن میں ان گنت سوالات لئے وہاں بیٹھے اس کی باتیں سنتے رہے اور تھوڑی سی دیر بعد ہم وہاں سے اداس اداس واپس آگئے۔ شاہ بانو نے مجھے کہا کہ "آپ سب مجھے بہت یاد آئیں گی اور آپ نے جو درسِ قرآن دیا ہے وہ میں نے ٹیپ کر لیا ہے اور یہ کیسٹ ہم یہاں سے بہت دور ہنزہ بھجوائیں گے جہاں ہمارے رشتہ دار رہتے ہیں۔" شاہ بانو

باقی صفحہ نمبر ۶۷ پر

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

ایک اسماعیلی کے سفرِ آخرت کی رُوداد

عبدالسلام

تکبیر میں کچھ عرصہ سے آغاخانیت پر نہایت معلوماتی مضامین شائع ہو رہے ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک، جنہیں پڑھ کر اہلِ وطن اور مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں کہ کتنے بڑے فتنے کو ہم نے سر آنکھوں پر بٹھا رکھا ہے۔ یہ سب مضامین نہایت معیاری، محققانہ، مدلل اور حوالہ جات سے لیس ہیں۔ میں تو کوئی مذہبی اسکالر نہیں ہوں، لیکن میرا اُٹھنا بیٹھنا اس قوم کے لوگوں کے ساتھ کافی رہا ہے۔ اس نسبت سے چند باتیں قارئین تک پہنچانا مقصود ہیں۔

کچھ عرصہ قبل ہمارے دفتر کے ایک اسمٰعیلی ساتھی کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ہم لوگ تعزیت اور جنازے میں شرکت کے لیے اس کے گھر واقع پلاٹینم سوسائٹی گارڈن گئے۔ میں نے اور میرے ایک ساتھی نے میت کو غسل دینے کی پیش کش کی، لیکن بتایا گیا کہ ان کی جماعت کی میت کمیٹی کے علاوہ کوئی دوسرا غسل نہیں دے سکتا۔ خیر، ہم باہر دری پر بیٹھ گئے اور کچھ انتظار کے بعد ہم نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا کہ سیپارے کہاں ہیں؟ تو وہ کچھ سمجھے نہیں۔ ہم نے وضاحتاً کہا کہ قرآن مجید کے سیپارے، تو وہ آئیں بائیں کر کے نہ جانے کہاں چلے گئے۔ اتنی دیر میں متوفی کا بڑا بیٹا باہر آیا۔ ہم نے اس سے کہا کہ سیپارے لاؤ اور سب بیٹھ کر پڑھیں، تو وہ بھی پریشان ہو گیا، کہنے لگا کسی کو مسجد بھیج کر منگوا لیتے ہیں۔ بہت دیر اسی میں ہو گئی۔ اس دوران حاضرین مرحوم سے متعلق باتیں کرنے لگے کہ پچھلے مہینے ہی اسے پرائز بانڈ لگا تھا۔ پھر گفتگو پرائز بونڈ پر چل پڑی۔ آج کل بڑے بونڈ کے پرائز پر اتنا "آن" (لائنڈ) ملتا ہے وغیرہ۔ پھر کرکٹ، سیاست، امیتابھ بچن وغیرہ پر سیرحاصل تبصرے ہوتے رہے۔ ہر ایک نے بقدرِ لیاقت اس میں حصہ لیا۔ ہم نے تنگ آ کر مرحوم کے بڑے بیٹے کو یاد دلایا کہ ابھی سیپارے نہیں آئے، تو وہ کہنے لگے کہ سبھی مسجد والوں سے کوئی واقفیت ہے نہیں اور اگر کچھ گارنٹی دے کر لے بھی آئیں تو یہاں لوگ پڑھنا نہیں جانتے۔ ہم نے کہا، اچھا گھر میں قرآن مجید کے جتنے نسخے ہوں وہی لے آئیں۔ کہا کلام مجید۔ گھر پر تو ہے نہیں۔

ہمارے ایک ساتھی جو ہم سے زیادہ سیانے تھے، ہمیں اشارے سے دوسری طرف لے گئے اور کہنے لگے بھلے مانس یہ لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے تو مسجد کیسے جائیں اور کیسے اہلِ نماز سے ان کی واقفیت ہو۔ ہم نے کہا، جمعہ تو پڑھتے ہوں گے۔ فرمایا نہیں، یہ لوگ صرف عیدین پڑھتے ہیں۔ وہ بھی اپنے جماعت خانے کے پاس ان کے اپنے امام کے پیچھے۔

خیر ہم دوبارہ دری پر آ گئے اور کلمہ اور درود شریف وغیرہ پڑھ کر مرحوم کے لیے ایصالِ ثواب کیا۔ تھوڑی دیر میں اطلاع آئی کہ غسلِ میت دیا جا چکا ہے، جو آخری دیدار کرنا چاہے آ جائے۔ یہ اعلان گجراتی میں تھا۔ سب لوگ اُٹھ کر اندر جانے لگے۔ ہم بھی پہنچ گئے۔ دیکھا تو مرحوم کے پاس ایک صاحب بیٹھ کر پانی کے چھینٹے اُن کے منہ پر مار رہے ہیں، جیسے کسی سوتے کو جگا رہے ہوں اور بہت سی عورتیں سفید ساڑھی پہنے کچھ گا رہی تھیں۔ یہ سب کچھ ہماری سمجھ میں نہیں آیا، لیکن اتنا سمجھ گئے کہ افریقہ کے زولو اور بربر قبائل کی رسموں کی طرح سے کچھ ہے۔ ہم نے ٹی وی پر بہت عرصہ پہلے ایسی ایک دستاویزی فلم دیکھی تھی، جس میں قبیلے کا "وِچ ڈاکٹر" پانی کے چھینٹے میت کے منہ پر ڈالتا ہے اور سب لوگ موت کا گیت گاتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس خاندان کی روحیں اس موقع پر آئیں اور اسے لے جائیں اور کسی اچھے جانور یا درخت میں اُسے حلول کرما دیں۔

تھوڑی دیر میں جنازہ روانہ ہوا اور کسی مسجد کے بجائے سیدھا قبرستان لے گئے، جس کی دیوار پر بورڈ لگا تھا "صرف شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کے لیے"۔ ایک اٹھارہ بیس سال کے جنٹلمین نے وہیں دیوار کے ساتھ اخراج کیا اور رومال سر پر باندھتے ہوئے عین جنازے کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ صفیں بننے لگیں اور اللہ اکبر۔ ہم حیرت کے عالم میں شریکِ نماز بھی نہ ہو سکے کہ الٰہی اس گبرو نے تو وضو بھی نہیں کیا، داڑھی بھی ندارد ہے اور امامت بھی کر لی۔

دفن کے بعد اسی امام نے غلط مخارج اور مجہول قرأت کے ساتھ ایک مختصر فاتحہ پڑھا اور پھر آغا خان سے مغفرت کی دُعا کی۔ بار بار یہ الفاظ آتے تھے "یا نورِ مولانا شاہ کریم حاضر امام مغفرت فرمائے"۔

بس میں بیٹھ کر واپس کالونی آئے۔ دیکھا تو گیٹ کے پاس نوٹس بورڈ پر مرحوم کی فوتگی کا اطلاع نامہ چسپاں تھا اور لکھا تھا کہ موصوف اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے ہیں، جنازے کا فلاں وقت ہے۔ یہ اطلاع انگریزی اور گجراتی میں تھی۔ ہمیں یہ نظام بہت پسند آیا اور اس چیز کو اپنے علاقے میں بھی رائج کرنے کو دل چاہا۔ اندر چوکیدار کے کیبن کے پاس بھی ایک نوٹس بورڈ لگا ہوا تھا۔ اس کا جائزہ لیا تو اس پر بھی وہی اطلاع تھی۔ ہمارے میمن ساتھی نے گجراتی کی عبارت پڑھ کر بتایا کہ اس پر لکھا ہے "موصوف حاضر امام کی رحمت میں پہنچ گئے ہیں"۔ اتنی دیر میں متوفی کے بیٹے نے آ کر کہا کہ "بھاتی" کھا کر جائیے گا۔ ہم نے معذرت کر لی کہ پتہ نہیں کیا کھلا دیں۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ اب کیا رسم وغیرہ کرنی ہے تاکہ اگر ہماری ضرورت نہ ہو تو ہمیں اجازت دی جائے۔ کہنے لگے بس اب ہم والدہ کو جماعت خانے لے جائیں گے۔ وہاں تو آپ کو اندر جانے کی اجازت نہیں۔ پھر برخاست۔ یوں ہم ان سے علیحدہ ہوئے۔ مغرب کی اذان ہونے والی تھی ہم سیدھے مسجد پہنچے۔ بعد نماز ہم نے امام مسجد سے سلام دعا کی اور آج کے مشاہدات انہیں بتلائے۔ امام صاحب بہت مشہور عالم اور صاحبِ تصنیف بزرگ ہیں۔ انہوں نے آغا خانیت کے بارے میں حیرت انگیز باتیں بتائیں۔ اور کہا کہ یہ لوگ تو سخت کافر اور ملحد ہیں۔ آپ کو ان کے جنازے میں بھی شریک نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کافروں کے لیے کرنا قرآن کی رو سے سخت منع ہے! اور وضو وغیرہ آغا خانیوں کے نزدیک فعلِ عبث ہے۔ عدت کے بھی قائل نہیں۔ ہم نے پوچھا کہ اللہ کے سوا بھی کوئی مغفرت کر سکتا ہے تو ناراض ہو کر کہنے لگے کہ جب آپ پیدائشی مسلمانوں کو بھی نہیں معلوم تو ان آغا خانیوں کو کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مغفرت نہیں کر سکتا۔ انہیں تو ان کے مشنری جو کچھ بتا دیتے ہیں یا آغا خان جو کچھ کہہ دیتا ہے اسی کو مان لیتے ہیں۔ مولانا صاحب نے ہمیں مشورہ دیا کہ آپ اس بارے میں ایک کتاب پڑھیں جس کا نام ہے۔ "آغا خانیت علمائے اُمت کی نظر میں"۔ ہم نے اگلے ہی روز سے اس کتاب کی تلاش میں بندر روڈ، اُردو بازار ہر جگہ چکر لگایا۔ لیکن ابھی تک کتاب ہاتھ نہیں آئی۔ اگر کسی قاری کو کچھ علم ہو کہ یہ کہاں سے مل سکتی ہے تو براہِ کرم اسی رسالے میں ناشر، دکان اور قیمت کے بارے میں اطلاع دیں۔ اگرچہ تکبیر کے اس سلسلے سے خاصی واقفیت اس باطل مذہب سے ہو چکی ہے۔ تاہم اہلِ فتویٰ کی حتمی رائے سے واقف ہونا ضروری ہے۔

دوسرا ایک واقعہ جو اس قدر حیرت انگیز تو نہیں لیکن

باقی صفحہ نمبر ۶۲ پر

سیٹ کے چکر میں لوگوں نے مذہب تبدیل کر لیے۔

رپورٹ:- ناصر محمود

○ سندھ ہائی کورٹ کے جناب جسٹس سعید الزماں صدیقی نے حلقہ ۱۹۱ سے محمد اسلم ناتھا، شیراز ناتھا اور غلام علی الانہ کے کاغذات نامزدگی منظور کیے جانے کے خلاف دائر قاری محمد سبحان کی تین اپیلیں مسترد کر دیں۔ اپیل میں کہا گیا تھا کہ تینوں امیدوار اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جو غیر مسلموں کے زمرے میں آتا ہے لہٰذا ان کے کاغذاتِ نامزدگی مسترد کر دیئے جائیں۔ گزشتہ ہفتہ کے روز فاضل عدالت میں تینوں نے کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، آنحضورؐ کو نبی آخر الزماں، قرآن اور ارکانِ اسلام پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں مسلم رائے دہندگان کی فہرست میں ان کے ناموں کا اندراج موجود ہے جس پر فاضل عدالت نے قاری سبحان کی تینوں اپیلیں مسترد کر دیں۔ باخبر ذرائع نے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا چونکہ اسماعیلی مذہب کے بارے میں حکومتِ پاکستان کا کوئی قانون موجود نہیں ہے لہٰذا فاضل عدالت نے یہ فیصلہ دیا ہے۔

تکبیر (۲۰) ۲ نومبر ۱۹۸۸ء

(اس روداد کی مزید تفصیل صفحہ نمبر ۱۳۵ پر ملاحظہ ہو)

صفحہ نمبر ۶۳ کا باقی

بقیہ: درجوابِ آں غزل

(۱۱) ہماری برادری کے لوگ سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ، اور سندھی ادب سنگت وغیرہ میں نہایت اہم اور کلیدی نشستوں پر فائز ہیں۔ جی الانہ جیسے مفکر اور شاعر، جی الانہ آف ٹیکسٹ بک بورڈ جیسے ماہر تعلیم، پیار علی الانہ جیسے ممتاز سیاستداں روز روز پیدا نہیں ہوتے اور یہ حضرات سندھ سے وابستہ ہیں اور انہیں مہاجر تحریک سے وابستہ کر کے ان کی ساکھ کو نقصان نہ پہنچائیں۔

(۱۲) ہماری برادری نے ماضی میں فیڈرل بی ایریا، حیدری، گارڈن، ملیر اور کھارادر میں پیپلز پارٹی کی حمایت کی ہے اور امید ہے کہ آئندہ الیکشن میں بھی ایسا ہو گا۔ اگرچہ اس بارے میں ہمیں مرکز سے کوئی ہدایت نہیں ملی۔ لیکن اپنی ذاتی سمجھ بوجھ کی بنا پر اس بار بھی ہم کھارادر سے پیپلز پارٹی ہی کی حمایت کریں گے اور اگر مزید یمین صاحب اس علاقے سے الیکشن لڑیں گے تو ہمارا تعاون انہیں حاصل ہو گا۔

(۱۳) لہٰذا آپ سے اپیل ہے کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ اپنے سیاسی مفادات کی خاطر ہمیں موضوع نہ بنائیں۔

پورا ملک جانتا ہے کہ شہر کراچی میں ہر جگہ کرفیو اور ہنگامے ہو سکتے ہیں لیکن پُرامن کھارادر میں زندگی معمول کے مطابق رہتی ہے۔ یہاں کبھی وحشیانہ سیاست کو فروغ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ یہاں اسماعیلی برادری آباد ہے۔

(۱۴) جس طرح ایم کیو ایم اور جیے سندھ کے سلجھے کی ہنڈیا چوراہے کے بیچ پھوٹی ہے اسی طرح ہمارا آپ کا اتحاد غیر فطری اور ناممکن ہے۔

(۱۵) ہم سے ہماری شناخت نہ چھینیں۔ ہماری وضع نہ بدلیں۔ ہمارے ننھے ننھے بال و پر سیاست کی گرم آندھی میں جھلس کر رہ جائیں گے۔

(۱۶) یہی مضمون آپ کے رسالے جمہور کو بہت عرصہ ہوا روانہ کیا تھا لیکن مایوس ہو کر اب تکبیر سے رجوع کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہاں بھی چھپ جانا معجزے سے کم نہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ صورتِ حال کا تجزیہ کرنے میں اگر کوئی بے ادبی، گستاخی سرزد ہو گئی ہو تو معاف فرمائیں۔ ایسا قصداً نہیں کیا گیا۔ ہمیں مہاجروں سے ہمدردی ہے۔ آپ کی عزت کرتے ہیں۔ آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

والسلام

امیر علی اور صدر الدین کھارادر

تکبیر (۲۳) ۱۸ اگست ۱۹۸۸ء

صفحہ نمبر ۶۱ کا باقی

بقیہ: حریفانِ حرم

عام بھی نہیں، وہ ہمارے ایک واقف کار یعقوب علی خان صاحب نے ہمیں سنایا تھا۔ وہ لینا ٹیڈ بنک میں کام کرتے تھے۔ ایک بار ان کے آغا خانی ملبہر نے کچھ سامان ان کے حوالے کیا کہ یہ میرے گھر دیتے ہوئے چلے جائیے گا۔ یہ عصر کی نماز پڑھ کر چلے اور عین مغرب کے وقت صاحب کے گھر پر پہنچے، جو کچھ امانت تھی گھر والوں کے حوالے کی اور صاحب کے بھائی جن کی عمر کوئی بیس سال کی تھی ان سے پوچھا کہ یہاں نزدیک میں مسجد کہاں ہے۔ انہوں نے کہا کہ معلوم نہیں۔ کہا اچھا جلدی سے مصلیٰ لے آیئے۔ میزبان کی آنکھوں میں حیرت کا تاثر دیکھ کر انہوں نے وضاحت کی کہ نماز پڑھنے کے لیے کوئی چادر دے دو۔ وہ لے آیا پوچھا قبلہ کس رُخ ہے؟ جواب ملا معلوم نہیں۔ کہا گھر میں جا کر کسی سے پوچھو۔ جواب آیا کسی کو معلوم نہیں۔ بہرحال انہوں نے تحری کر کے نماز ادا کی۔

یہ واقعہ بتاتے ہوئے یہ حضرت حیرت اور صدمے کی کیفیت میں ڈوبے رہے اور بار بار کہتے جا رہے تھے کیا یہ ممکن ہے؟ کیا ایسا بھی کوئی فرقہ اسلام کا دعوے دار ہو سکتا ہے۔ پتہ نہیں ہماری حکومت کیا کر رہی ہے؟

تکبیر (۲۵) ۱۸ اگست ۱۹۸۸ء

اللہ تعالیٰ مشکل کشا یا مخلوق؟

اللہ خالق باقی سب مخلوق

اللہ رازق باقی سب مرزوق

اللہ حاکم باقی سب محکوم

اللہ زندہ وجاوید باقی سب

انتقال کرنے والے۔

عقل رکھنے والو!

سوچ لو سب کا مشکل کشا صرف اللہ ہے

اسماعیلی ہندومت کو ڈھال کے طور پر استعمال نہ کریں

اسماعیلی برادری سے متعلق تکبیر میں جو مواد شائع ہوا ہے اس میں یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ ہندو دھرم کے پیروکار ہیں جبکہ ہم انہیں ہندومت کا پیروکار نہیں سمجھتے کیونکہ وہ خود کو شیعہ امامی کہتے ہیں۔ ہم کسی کو یہ اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ہندو دھرم کو ڈھال کے طور پر استعمال کرے۔ اگر اسماعیلی خالص ہندو دھرم اپناتے ہیں اور آئندہ زندگی اسی مذہب کے مطابق گزاریں گے تو پھر ہم ان کو مکمل مذہبی تحفظ فراہم کریں گے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارا نقطۂ نظر اپنے پرچے میں شائع کر کے اس غلط فہمی کو دور کر دیں گے۔

(مہاراج دھن داس، مارواڑی ہندو پنچایت ٹرسٹ۔ کراچی)

تکبیر (۲۴) ۳ نومبر ۱۹۸۸ء

جنابِ الطاف حسین!

ہمیں اپنی "اصطلاحات" سے مشرف نہ فرمائیے

قابلِ احترام قائدِ مہاجر جناب الطاف حسین صاحب آپ نے لکھارا ورکارز میٹنگ میں ہمارے رُوحانی پیشوا سر آغاخان سوئم کو جو خراجِ عقیدت پیش کیا اس کے لیے ہم آپکے مشکور ہیں۔ البتہ چند باتیں نہایت ادب سے آپکی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) ہم اسمٰعیلی پاکستان کے ہر صوبے میں آباد ہیں اور وہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ شیر و شکر ہو کر رہتے ہیں۔

(۲) صوبہ سرحد میں گلگت ہنزہ اور چترال میں ہماری برادری سینکڑوں سال سے آباد ہے اور ان کی اپنی زبان، تہذیب اور ثقافت ہے اور ان پر لفظ مہاجر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان علاقوں کے والیٔ ریاست اور میر اسمٰعیلی ہوتے ہیں۔

(۳) صوبہ پنجاب میں بھی ہماری برادری سلطان فتح حمید قرامطہ کے دور میں حاکم رہی ہے اور سینکڑوں سال سے آباد ہے۔ ان کی زبان اور کلچر پنجابی ہے اور یہ بھی کسی طرح مہاجر نہیں ہیں۔

(۴) صوبہ بلوچستان میں مکران گوادر لسبیلہ اُرمارا میں ہماری برادری آباد ہے۔ یہ لوگ سینکڑوں سال پہلے سندھ سے ہجرت کر کے یہاں بس گئے ہیں اور یہاں کی مقامی زبان اور رہن سہن کو پوری طرح اپنائے ہوئے ہیں اور انہیں بھی "مہاجر" کہنا درست نہیں۔

(۵) صوبہ سندھ میں دو قسم کے اسماعیلی آباد ہیں۔ ایک وہ جو یہاں کے مقامی ہیں۔ خود سُومرا خاندان کے حکمران ہماری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ ٹنڈو غلام علی، سلطان آباد نمبر ۱، ۲، ۳ اور بہت سے دیہاتوں اور حیدرآباد اور کراچی میں ان کی بڑی تعداد آباد ہے یہ لوگ صدیوں سے یہیں آباد ہیں۔ لہٰذا یہ مہاجر نہیں ہیں۔

(۶) صوبہ سندھ میں دوسری قسم کے اسماعیلی وہ ہیں جو کاٹھیاواڑ اور گجرات سے تقسیم کے بعد ہجرت کر کے کراچی، حیدرآباد، سکھر اور ٹنڈو محمد خان میں آباد ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ ہجرت کر کے آئے ہیں لیکن آج کی ٹکسالی اصطلاح "مہاجر" کا اطلاق اُن پر موزوں نہیں۔ کیوں کہ تقریب چھ سو سال پہلے یہ لوگ سندھ سے تجارتی مقاصد کی خاطر کاٹھیاواڑ اور گجرات میں آباد ہو گئے تھے۔ اور ان کے خاندانی نام، لباس، تہذیب اور زبان آج تک ۸۰ فیصد سندھی ہی ہیں۔

(۷) جس طرح آپ کی تحریک کی لُغت میں مشرقی پنجاب سے آنے والے پنجابی بھائیوں کو مہاجر تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یا افغان مہاجروں کو آپ کے یہاں مہاجر کی رعایات حاصل نہیں۔ بالکل اسی طرح ہم کاٹھیاواڑ اور گجرات سے آنے والے اسمٰعیلی بھی اپنے آپ



سندھی اخبارات میں شائع ہونے والی دو خبروں کے تراشے جن میں الطاف حسین کو مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ بیان بازی سے قبل تاریخ کا مطالعہ کریں

کو لفظ مہاجر سے مشرف نہیں کرنا چاہتے۔ کیونکہ ہمارا اپنا ایک تہذیبی ورثہ ہے زبان ہے۔

(۸) درحقیقت ہماری برادری ایک مرکز اور محور سے وابستہ ہے اور اسی سے ہم رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور انہیں ہدایات کی روشنی میں ہم چترال، گلگت، ہنزہ، پنجاب، بلوچستان، اندرونِ سندھ اور کراچی کے اسمٰعیلی متحد ہیں اور ہمارے درمیان زبان اور کلچر کا فرق کبھی وجہ نزاع نہیں بن سکتا۔ ہم اپنے پنجابی اسمٰعیلیوں یا صوبہ سرحد کے اسمٰعیلی بھائیوں کو غیر مہاجر کہہ کر لسانی تنظیموں کا تختۂ مشق نہیں بنا سکتے۔ اور اسی طرح پورے ملک کے دیگر فرقوں کے مسلمان بھائیوں کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے۔ تفرقہ، نفرت، لسانی اور صوبائی نعرے لگانا یا ایسے نعرے لگانے والوں سے تعاون کرنا ہم مذہباً گناہ سمجھتے ہیں۔ اس سے جہاں اُمتِ مسلمہ اور پاکستان کی سلامتی کو نقصان پہنچے گا خود ہماری برادری میں بھی پھوٹ پڑ جائے گی۔

(۹) شاید آپ کو آپ کے کارکنوں نے اس حقیقت سے بے خبر رکھا ہو کہ پچھلے بلدیاتی انتخابات کی مہم کے دوران فیڈرل بی ایریا میں واقع ہماری بستیوں سلیمہ آباد اور رحیم آباد کے باشندوں اور ہمارے انتخابی امیدوار کے ساتھ آپ کے کارندوں نے کیا سلوک کیا تھا۔ لاکھانی صاحب کو کلاشنکوف دکھا کر خوف زدہ کرنا اور ان کے بیٹے کو اغوا کرنا اور ہمارے نمائندے کو امیدواری سے دستبردار ہونے پر مجبور کرنا اور ہماری بہو بیٹیوں کو اغوا کرنے کی دھمکی دینا ایسے زخم ہیں جو بہت دیر میں مندمل ہوں گے۔

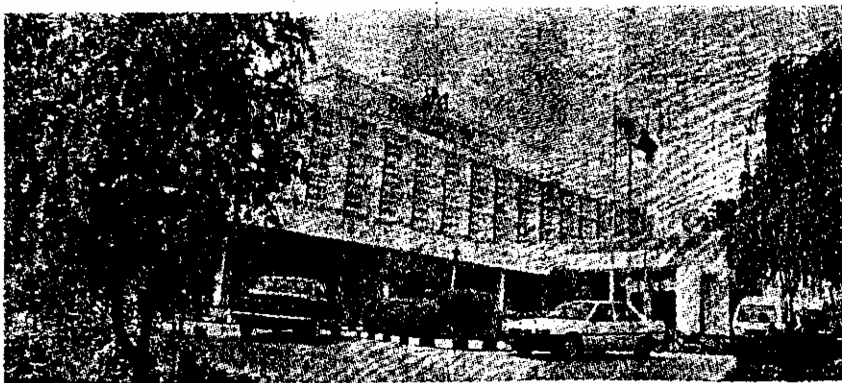
اس علاقے میں ہمارے اتنے ووٹرز ہیں کہ کوئی ایک کروڑ روپیہ بھی خرچ کرے تو انتخابات میں ہمیں شکست نہیں ہو سکتی، لیکن چونکہ ہم دہشت گردی کی سیاست کے قائل نہیں اس لیے وہاں سے ہمارے بجائے آپ کا نمائندہ ایوانِ بلدیہ میں زینت افروز ہے۔

(۱۰) ان زیادتیوں کا مداوا آپ نے اس طرح کیا کہ ہماری ایک خاتون کو خواتین کی مخصوص نشست پر کونسلر کی حیثیت سے بٹھا دیا۔

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

آپ کی اس نوازش سے ہماری برادری انتشار، خوف، بدنامی اور نت نئے مسائل سے دوچار ہو گئی ہے۔ جس کا یہاں بیان کرنا، نہ تو مفید ہے اور نہ مصلحت اس کی اجازت دیتی ہے۔

باقی صفحہ ۶۲ پر



انٹر کانٹی نینٹل پرل کانٹی نینٹل کیسے بنے؟

اربوں روپے کے چار ہوٹل ساڑھے تیرہ کروڑ روپے میں ایک اسماعیلی کے ہاتھ فروخت کر دیے گئے۔

انٹر کانٹی نینٹل ہوٹلوں کو کون سے پر لگے کہ وہ "پرل کانٹی نینٹل" ہو گئے اور بظاہر کچھ نہ بدلا لیکن درحقیقت سب کچھ بدل گیا۔ جب حقیقتوں سے پردہ اٹھتا ہے تو "بڑے" لوگوں کے ان ہوٹلوں کی داستان میں بڑے بڑے لوگ بالکل اسی طرح عریاں نظر آتے ہیں جس طرح ان ہوٹلوں کے سوئمنگ پولوں، لاؤنجوں اور ریستورانوں میں گوری اور کالی چمڑی والے اور والیاں عریاں و نیم عریاں لباسوں میں اٹھکیلیاں کرتے پھرتے ہیں۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پشاور کے چار انٹر کانٹی نینٹل ہوٹلز پاکستان سروسز لمیٹڈ (پی ایس ایل) کی زیر نگرانی تھے یا یوں کہیے کہ ان ہوٹلوں کے کنٹرولنگ شیئر حکومت کے تھے اور حکومت کی طرف سے ان کنٹرولنگ شیئرز کی مختار کمپنی پی ایس ایل تھی۔ جس زمانے میں پی آئی اے کے چیئرمین ایم ایم سلیم تھے تو پی ایس ایل کی ذمہ داری بھی انہیں سونپ دی گئی۔ ایم ایم سلیم کے ساتھ پی ایس ایل کے دوسرے کرتا دھرتا اعجاز احمد تھے۔ دونوں حضرات نے "نامعلوم وجوہ" کی بنا پر اس کے باوجود کہ چاروں ہوٹل منافع بخش تھے اور ان کی بیلنس شیٹ ہر سال منافع ظاہر کرتی تھی۔ حکومت کو انہیں فروخت کرنے کا مشورہ دیا۔ معاشیات کی دنیا میں کبھی شاید ہی کوئی منافع بخش ادارہ "ڈس انویسٹ" کیا گیا ہوگا۔

پاکستان بینکنگ کونسل نے ایم ایم سلیم اور اعجاز احمد کی کوششوں کے نتیجے میں ایک کمیٹی تشکیل دی اور پھر اس کمیٹی نے حکومت کے کنٹرولنگ شیئرز فروخت کرنے کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ بینکنگ کونسل کے چیئرمین اس وقت ایم آر خان تھے۔ بینکنگ کونسل کی کمیٹی نے یہ شرط لگائی کہ شیئرز صرف اس پارٹی کو فروخت ہوں جو پہلے سے ہوٹل بزنس اور مینجمنٹ کا تجربہ رکھتی ہو۔ یہ شرط بظاہر بہت معصومانہ تھی، لیکن اس کا مقصد کیا تھا یہ آگے چل کر واضح ہو گیا۔ اس شرط کے باوجود یہ احتیاط کی گئی کہ نہ اخبارات میں اس فیصلے کی خبر آنے دی گئی، نہ ٹینڈر دیے گئے۔ پھر ایک دن خبر ملی کہ ساڑھے تیرہ کروڑ روپے میں ممتاز اسماعیلی خواجہ صدرالدین ہاشوانی کو چاروں ہوٹلوں کے کنٹرولنگ شیئرز فروخت کر دیے گئے ہیں، حالانکہ بولی دینے کے لئے سرحد

ظہیر احمد

کے میر افضل خان اور "ڈان" کے خواجہ رحمان بھی آئے تھے۔

جس کسی نے یہ سنا کہ چاروں ہوٹل ½۱۳ کروڑ روپے میں فروخت ہو گئے ہیں تو اس نے دانتوں میں انگلی دبا لی۔ کیونکہ جس زمانے میں یہ سودا ہوا اسی زمانے میں انٹر کانٹی نینٹل کے سامنے شیریٹن ہوٹل کی عمارت تیار ہوئی تھی اور اس پر ایک سو کروڑ یعنی ایک ارب روپے کی لاگت آئی تھی۔ اگر شیشہ باٹلی اور ردی کے بھاؤ کے حساب یا پرانی کتابوں کی خرید و فروخت کے معیار کو سامنے رکھ کر بھی انٹر کانٹی نینٹل کی ایک عمارت نصف قیمت یعنی پچاس کروڑ میں لگائی جائے تو چاروں ہوٹل دو ارب روپے کے تھے، یہ تو عمارتوں کی انتہائی کم سے کم قیمت کا تخمینہ ہوا مگر ان زمینوں کی قیمت کا تخمینہ کون لگائے گا جو لاہور، پنڈی اور پشاور کے ہوٹلوں کے ساتھ ابھی خالی پڑی ہے۔ لاہور کا انٹر کانٹی نینٹل شاہراہ قائداعظمؒ پر واقع ہے اور اس ہوٹل کی عمارت کے ساتھ خالی زمین تین گنا ہے۔ شاہراہ قائد اعظم جہاں پر زمین کا ایک ایک انچ قیمتی ہے کروڑوں روپے کی بات ہے۔ یہ سودا ہونے کے بعد ہر خریدنے والے کو "پر" لگ سکتے ہیں اور صدرالدین ہاشوانی کو جو ہالی ڈے اِن کراچی اور ہالی ڈے اِن اسلام آباد کے مالک بھی ہیں پہلے ہی سے "پر" لگے ہوئے تھے، چنانچہ انہوں نے انٹر کانٹی نینٹل کے بجائے نام "پرل کانٹی نینٹل" رکھا اور اس تعلق سے بھی کئی فوائد سے مستفیض ہوئے۔ وہ لیول بھی آغا خان کونسل کے اہم ترین فرد ہیں اور اس طبقے کی انٹرنیشنل CHAIN میں شامل ہیں۔ مگر "ڈان" کے خواجہ رحمان نے سودے پر خاموشی اختیار نہ کی۔ انہوں نے اے کے بروہی مرحوم کے ذریعہ پاکستان بینکنگ کونسل کو نوٹس دیا کہ یہ سودا قانونی تقاضے پورے کئے بغیر ہوا ہے۔ انہوں نے اپنا نوٹس روزنامہ "ڈان" کے صفحہ اوّل پر بھی شائع کرایا۔ مگر اس ریکٹ میں چونکہ بہت بڑے لوگ ملوث تھے لہٰذا خواجہ رحمان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا گیا۔ پس پردہ اُن کی خاموشی کا راز کیا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا۔

ملک کے تین دوسرے شہروں میں بھی انٹر کانٹی نینٹل کی عمارات انتہائی عمدہ اور قیمتی جگہوں پر تعمیر ہوئی تھیں، جبکہ انٹر کانٹی نینٹل کراچی کی جگہ کی قیمت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ یہ جن اہم شاہراہوں کے سنگم پر واقع ہے وہاں زمین کی قیمت روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ بڑھتی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق جس وقت ہاشوانی گروپ نے سودا کیا اس وقت صرف انٹر کانٹی نینٹل کراچی کی زمین ۲۵ کروڑ روپے مالیت کی تھی جبکہ اس زمین

کو تین سو کمروں پر مشتمل ہوٹل کی تعمیر شدہ شاندار عمارت کے ساتھ فروخت کیا گیا تھا۔ اس حساب سے لاہور، پنڈی اور پشاور کے ہوٹلوں کی عمارات کی مالیت اور ان کے ساتھ ملحقہ خالی قطعات کی مالیت کا اندازہ لگا کر سوچیئے کہ گھپلا کروڑوں کا نہیں اربوں کا ہے۔

ہاشوانی گروپ نے کنٹرولنگ شیئر خریدنے کے بعد تمام ہوٹلوں کا "رینو ویشن پلان" بنایا۔ اس منصوبے کے تحت نہ صرف نام تبدیل کیا گیا بلکہ اس بہانے انٹرنیشنل مینجمنٹ کنٹریکٹ ختم کر دیا گیا اور تمام اہم عہدوں سے اچھے لوگوں کو ہٹا کر اپنے لوگ جن میں زیادہ تر آغا خانی ہیں بھرتی کئے گئے۔ لوکل مینجمنٹ سسٹم سے مالکان بہت سی پابندیوں سے مبّرا ہو گئے۔ ہاشوانی گروپ نے دوسرا معرکہ سر کیا کہ این ڈی ایف سی کے چیئرمین ظفر اقبال کی مہربانی سے جو صدرالدین ہاشوانی کے دوست تھے۔ "رینوویشن پلان" کے لئے بڑا بھاری قرضہ حاصل کیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ قرضہ لگ بھگ اتنی ہی رقم کا ہے جتنے میں چاروں ہوٹلوں کا سودا کیا گیا۔ گویا جوتا بھی حکومت کا اور سر بھی حکومت کا۔ ہلدی لگی اور نہ پھٹکری، مگر رنگ دیکھئے کیسا چوکھا آیا ہے۔

ہاشوانی گروپ کو قرضہ کیوں نہ ملتا۔ آخر ان کے اعلیٰ حکومتی سرکل میں وہ تعلقات کب کام آتے جو انہوں نے ہالی ڈے ان کے "سویٹ نمبر ۹۰۰" کی دعوتوں کے ذریعہ اور اپنی محل نما رہائش گاہ پر ہونے والی "ڈیکلی پارٹیز" کے ذریعہ بنائے ہیں۔ ہر ہفتے ان کے گھر پر باتھ آئی لینڈ میں جو دعوت و شبینہ ہوتی ہے وہاں اعلیٰ اور چیدہ سرکاری حکام کے لئے گانے بجانے، کھانے پینے کا شاندار اہتمام ہوتا ہے۔ موسیقی کی دھنوں پر پسندیدہ مشروبات کے ساتھ اعلیٰ حکام اور ان کی بیگمات جب داد دیتے ہیں تو صدرالدین ہاشوانی کی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔ نمونے کے لئے اعلیٰ سرکاری حکام میں سے اسٹیل ملز کے سابق چیئرمین اور موجودہ سیکرٹری مواصلات ایچ این اختر کا نام کافی ہے جو پیش پیش ہوتے ہیں، دیگر نہ نام اور بہت سے اور جو نکا دینے والے ہیں۔

سرکاری خزانے میں اربوں روپے کے ہونے والے نقصان کے علاوہ جو انٹرکانٹی نینٹل ہوٹلوں کی فروخت سے ہوا، تشویش کی بات یہ ہے کہ ملک کے بڑے بڑے ہوٹلوں پر ہاشوانی گروپ کا تسلّط ہو چکا ہے اور یہ گروپ



حکومت نے بڑے ہوٹل ایک اسماعیلی کے ہاتھ فروخت کر کے خود کو

تمام سفارتی اور سیاسی ریشہ دوانیوں سے دانستہ بے خبر کر لیا ہے۔

ان ہوٹلوں میں ہونے والی سفارتی، سیاسی اور سرکاری حرکات و سکنات کی جو تصویر چاہے حکومت کو دکھائے اور جو چاہے نہ دکھائے۔ ساری دنیا میں سفارتی اور سیاسی سازشیں عموماً بڑے ہوٹلوں میں جنم لیتی ہیں اور پروان چڑھتی ہیں مگر حکومت نے ملک کے چار بڑے ہوٹلوں سے اپنا عمل دخل ختم کر کے ان ہوٹلوں میں ہونے والی سرگرمیوں سے خود کو دانستہ بے خبر کر لیا ہے۔

ہاشوانی گروپ پر پیپلز پارٹی کو فنانس کرنے کے علاوہ اسی نوعیت کے کچھ دوسرے الزامات بھی تھے لہٰذا محمد خاں جونیجو نے صدرالدین ہاشوانی کے خلاف، آتے ہی تحقیقات کرائی اور پھر ۱۹۸۶ء میں انہیں ٹیکس چوری کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ بوگس چالان بکس اور جعلی اندراجات کا ریکارڈ قبضے میں کر کے ایف آئی آر نے انہیں دو دن تک زیر حراست رکھا۔ یہ مقدمہ ابھی تک چل رہا ہے۔

سابقہ اسمبلی میں متعدد بار اسمبلی ممبران نے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹلوں کی فروخت پر سوالات اٹھائے مگر اسمبلی ممبران سے معروف راستوں کے ذریعہ اپروچ کر کے ان کو خاموش کرا دیا گیا۔

محمد خاں جونیجو کی حکومت ختم ہونے سے پہلے ہی ہاشوانی نے صدر ضیاء الحق تک رسائی حاصل کر لی تھی، جس کا ثبوت یہ ہے کہ مری کے نزدیک یہی گروپ بھوربن میں "پرل کانٹی نینٹل ریسورٹ ہوٹل" تعمیر کر رہا ہے جس کا سنگ بنیاد صدر مملکت رکھنے والے ہیں۔



صدرالدین ہاشوانی

پارلیمنٹ میں ہاشوانی گروپ کے

متعلق متعدد بار سوالات اُٹھائے گئے

مگر ارکانِ پارلیمنٹ کو خاموش کرا دیا گیا۔

تصویر صفحہ نمبر ۲۳ پر

66

ملائیشیا میں
جماعت خانوں
پر پابندی

مسلم ممالک نے آغاخانیوں
کو غیر مسلم قرار دے دیا

ملائیشیا میں اسماعیلی جماعت خانے بند

سعودی عرب، کویت، بحرین اور امارات میں غیر مسلم قرار دے دیا گیا

تاریخِ اسلام کے مطالعے سے یہ افسوس ناک اور تکلیف دہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اسلام کو جن فتنوں سے سب سے زیادہ نقصان پہنچا ہے وہ خارجی نہیں داخلی تھے ان داخلی فتنوں میں تحریف و تاویل، بدعتیں، شعوبیت و عجمیت اور منافقانہ تحریکیں سرِ فہرست رہی ہیں جنھوں نے اسلام کے سدا بہار شجر کو گھن لگا کر کھوکھلا کیا ہے۔ ان تحریکوں میں اسماعیلیت سرِ فہرست ہے جس نے سیدھے سادے اسلام کے بالمقابل اور متوازی ایک مستقل دین و مذہب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جو کتاب و سنت پر مبنی اسلام پر بھرپور حملہ ہے۔ اسماعیلی آغاخانی حضرات جو حاضر امام کے معتقد ہیں، شریعت کے تمام احکامات کو معطل سمجھتے ہیں، اسی لئے ان کے ہاں کوئی مسجد نہیں ہوتی۔ اپنی تقریبات کے لئے جماعت خانوں میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسماعیلی حضرات بالعموم مالدار ہیں چنانچہ ان کی دولت کے زیرِ اثر کئی بڑے رفاہی ادارے قائم ہیں جن میں آغاخان ہاسپٹل، فاطمید اور مدارس، کالجز وغیرہ شامل ہیں ملک کے اکثر کثیرالاشاعت روزنامے اسماعیلی حضرات اور پرنس آغاخان کے رفاہی و فلاحی کارناموں کو بڑی آب و تاب سے شائع کرتے ہیں۔

اسماعیلیت پر معلومات اور کتب کی ہمیشہ کمی رہی ہے اسماعیلی حضرات خود بھی یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے عقائد کی باقاعدہ نشر و اشاعت ہو۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسماعیلی دعوت میں جو باتیں بنیادی اصول کے طور پر پیش کی جاتی ہیں وہ ایک عام مسلمان کے لئے اتنی متوحش ہیں کہ ایک مسلمان انہیں ہضم کر ہی نہیں سکتا مثال کے طور پر یہ باطنی اصول کہ اللہ تعالیٰ کا نور علیؓ میں حلول کر گیا ہے اس لیے حضرت علیؓ خود اللہ ہیں اور پھر یہی منصبِ الوہیت دیگر بعد میں آنے والے ائمہ میں منتقل ہوتا رہا ہے۔ یہ اور دیگر اسی قسم کے عقائد مثلاً نماز کے بجائے داعی کی دعوت میں داخل ہونا کیونکہ صلوٰۃ اور محمدؐ میں چار چار حروف ہیں۔

بجائے قبلے کی طرف متوجہ ہونے کے امام کی طرف متوجہ ہونا ظہر کی نماز کے بجائے رسولِ خدا صلعم کی دعوت میں داخل ہونا کیونکہ آپ کے نام محمدؐ میں چار حرف ہیں اور ظہر کی چار رکعتیں ہیں۔ عصر کی نماز کے بجائے حضرت علیؓ یا صاحب القیامہ کی دعوت میں داخل ہونا۔ مغرب کی نماز کے بجائے آدمؑ کی دعوت میں داخل ہونا کیونکہ لفظ آدم میں تین حرف ہیں اور مغرب کی بھی تین رکعتیں ہیں، عشاء کی نماز کے بجائے چار نقیبوں کی دعوت میں داخل ہونا جو بارہ نقیبوں میں بڑی فضیلت والے ہیں۔ فجر کی نماز کے بجائے مہدیؑ اور ان کی حجت میں داخل ہونا رکوع و سجود ضروری نہیں اس کے بجائے حجت اور امام کی معرفت اور اطاعت کافی ہیں۔

ہر حاضر امام کے بارے میں اسماعیلی حضرات کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اسے شریعت میں ترمیم و تنسیخ کا پورا پورا

محمد نعیم عارفی

اختیار ہے، باری تعالیٰ کی جو صفات قرآن حکیم میں بیان ہوئی ہیں ان سے امام بھی متصف ہوتا ہے، امام کی معرفت کے بغیر نجات پانا ناممکن ہے، ہر مومن پر امام کی معرفت اور بھرپور اطاعت واجب ہے، امام معصوم ہوتا ہے اس سے خطا ہو ہی نہیں سکتی، امام ہی کو دنیا پر حکومت کا حق حاصل ہے، ہر زمانے میں ایک امام کا وجود ضروری ہے، اس میں اور دوسرے بندگانِ خدا میں وہی فرق ہے جو حیوانِ ناطق اور غیر حیوانِ ناطق میں ہے اس کے نفس پر افلاک کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ اس کا تعلق اس عالم سے ہے جو خارج از افلاک ہے۔ اس کا جوہر سماوی اور اس کا علم علوی ہوتا ہے۔ امام علمِ خدا کا خازن اور علمِ نبوت کا وارث ہے اسماعیلی عقائد کی تعداد سو بتائی جاتی ہے جن میں سے بہت سی باتوں کا علم خصوصی مطالعے اور داعیانہ تعلیم و تدریس کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

اسماعیلی حضرات جماعت خانوں میں جمع ہو کر اپنے آئین مذہب کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور تمام معاشرتی اور مذہبی تقریبات مناتے ہیں۔ چاند رات کے دن ایک خاص محفل منعقد کی جاتی ہے جس میں آغاخان کے دستِ مبارک سے مس شدہ پانی عامتہ الناس پر چھڑک کر ان کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک تقریب میں ۱۹۸۶ء میں جدے میں سعودی حکومت نے ایک جماعت خانے میں لوگوں کو گناہ معاف کراتے ہوئے پکڑا جماعت خانہ سیل کر دیا گیا۔ لوگوں کو پکڑ کر جیل پہنچا دیا گیا مگر بعد میں صدرِ پاکستان جنرل ضیاء الحق کی مداخلت پر چھوڑ دیا گیا مگر سعودی حکومت نے اسماعیلی حضرات کو اسلام سے خارج قرار دیدیا ہے انھیں حج یا عمرے کا ویزا دینا منع ہے۔ ساتھ ہی کویت اور بحرین سمیت خلیج کی تمام ریاستوں میں جماعت خانوں کا قیام قانوناً جرم قرار دیدیا گیا ہے۔ اب اطلاع آئی ہے کہ ملائشیا میں بھی حکومت نے جماعت خانوں کے قیام پر قانوناً پابندی لگا دی ہے۔ اس سلسلے میں تکبیر کو سیلانگر ملائیشیا سے جناب حامد خان صاحب نے ایک خط تحریر کیا ہے۔ جسے عامتہ الناس کی معلومات کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔

محترمی۔ پچھلے چند ماہ سے ملائشیا میں تمام جماعت خانوں کو حکماً بند کر دیا گیا ہے کیونکہ یہاں جماعت خانوں کو رجسٹرار آف سوسائٹیز کے دفتر میں رجسٹر نہیں کرایا گیا تھا اور ایسا اس لئے نہیں ہو سکا کہ جماعت خانوں میں جانے والے حضرات اور اس کے اراکین کے عقائد اسلام کے بنیادی عقائد سے بالکل مختلف اور متضاد ہیں۔ ملائشیا میں کسی سوسائٹی یا انجمن کا اپنے آپ کو رجسٹر کرائے بغیر کسی بھی قسم کے اجتماع کرنا ممنوع ہے۔ اس قانون کی وجہ سے جماعت خانوں میں اسماعیلیوں کی نماز اور دیگر تمام رسومات مطلقاً بند ہیں۔ یہاں کے عام اسماعیلی حضرات میں جماعت خانوں کی بندش کی وجہ سے بڑی بے چینی پھیل گئی ہے اور وہ بنیادی

باقی صفحہ نمبر ۶۷ پر

آوازِ خلق

جماعت خانے سے مسجد تک

ناچیز کا آبائی مذہب آغاخانی (اسماعیلی) ہے۔ اللہ پاک کا خصوصی کرم تھا کہ آج سے ۲۴ سال پیشتر ایک اللہ والے کی توجہ سے میری زندگی کے دن بدل گئے اور آغا خان کی پرستش کی جگہ خالقِ حقیقی کی محبت کا آغاز ہوا۔ اس پر اپنے قیام سعودی عرب کے دوران میں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے، جس کا عنوان ہے "جماعت خانے سے مسجد تک"۔ کتاب کا ایک نسخہ ارسال کر رہا ہوں۔

حمید علی، مکان نمبر ۱۹، بلاک نمبر ۳۱، سرگودھا۔

ضروری وضاحت

بعض حضرات یا اداروں نے تکبیر میں شائع شدہ آغاخانی شیعہ امامی اسماعیلیہ حضرات کے مذہبی عقائد و نظریات پر مبنی بعض رپورٹوں اور مضامین کو یکجا کر کے، تکبیر ہی کی طرح لگا کر شائع کر دیا ہے اور اپنی طرف سے بھی بعض مضامین کا اضافہ کر دیا ہے۔ اس طباعت کے سلسلے میں نہ تکبیر سے اجازت طلب کی گئی ہے، نہ ہمارے علم میں پہلے سے یہ بات لائی گئی ہے۔ تکبیر کا اس شائع شدہ مواد سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ عنقریب ادارۂ تکبیر خود ان مضامین کو کتابی صورت میں شائع کر رہا ہے۔ (ادارہ)

تکبیر (۲۸) ۲۹ ستمبر ۱۹۸۸ء

بقیہ، ملائشیا صفحہ نمبر ۲۶ کا باقی

اسباب جاننا چاہتے ہیں۔ سنا ہے کراچی کا اسٹیٹ آفس بھی اس سلسلے میں تشویش میں مبتلا ہے کیونکہ اس طرح دنیا کے دوسرے حصوں میں رہنے والے اسماعیلی حضرات بھی شک و شبہ اور تشویش میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے آپ سے درخواست ہے کہ اپنے جریدے میں یہ خبر شائع فرمائیں تاکہ عام اسمٰعیلی بھائی حقیقتِ حال کو سمجھ سکیں اور جان لیں کہ اسماعیلی بنیادی عقائد اسلام کے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی تعلیمات کے بالکل خلاف ہیں اس طرح انشاء اللہ وہ حضرات حقیقت کو پا جائیں گے اور اپنے عقائد و اعمال کو حقیقی اسلام کے مطابق بنا سکیں گے۔ حقیقتاً اسماعیلی حضرات کھلے شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں جو اسلام میں ناقابلِ معافی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ آلِ عمران میں فرمایا ہے،

ترجمہ: "عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرینِ حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری ہے وہ قیام گاہ جو ان ظالموں کو نصیب ہو گی"۔ حامد خان، رسیل نگر۔ ملائشیا۔

تکبیر (۲۸) ۲۹ ستمبر ۱۹۸۸ء

امامت، بقیہ صفحہ نمبر ۷ کا حصہ

بقیہ:

سے ہیں جن کا سلسلہ نازلی آئمہ سے ملتا ہے۔"(۱)

ابن خلکان (۱۲۸۲ء - ۱۲۱۱ء) نے "وفیات الاعیان" (جلد دوم، صفحہ نمبر ۴۵۰) میں بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ نزار ہی شخص تھا جس کی نسل سے الموت میں اسمٰعیلی آئمہ گزرے ہیں۔

خواجہ نصیر الدین طوسی (۱۲۷۴ - ۱۲۰۱) جو الموت کے حاکم امام علاؤالدین محمدؒ کے زمانے میں وزیر تھے انہوں نے اپنی کتاب "تصورات" میں امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کے مذکورہ تاریخی خطبہ کو نقل کیا ہے جس میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں:

"یہ جان لو کہ یہ امامت حقیقی ہے اور یہ نہ کبھی گمراہ ہو گی اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی تبدیلی ہو گی اور نہ ہی ردّ و بدل ہو گا۔ یہ ہمیشہ مولانا علی کی نسل میں محفوظ رہی اور کبھی بھی ان سے ظاہراً یا قصداً یا حقیقتاً جدا نہ رہے گی۔"

(تصورات۔ ترجمہ ڈبلو آدینو، الینڈ (۱۹۵۰ء) صفحہ نمبر ۱۳۰)

خواجہ نصیر الدین طوسی (۱۲۷۴-۱۲۰۱) جو علاء الملک جوینی (۱۲۸۳ - ۱۲۲۶) سے عمر کے لحاظ سے ۲۵ سال چھوٹے تھے، اپنی مذکورہ کتاب "تصورات" (صفحہ نمبر ۱۳۱) پر مزید تحریر فرماتے ہیں کہ:

"اہلِ ظاہر کے لئے ایک ظاہر امام ضروری ہے جسے امام کا فرزند ہونا چاہیئے ورنہ اگر وہ امام کا فرزند ظاہری و جسمانی طور پر نہ ہو گا تو یہ دنیا اپنے ظاہری وجود کی شکل سے محروم ہو جائے گی لہٰذا یہ ضروری ہے کہ بقائے وجود باطن اور عالمِ روحانی کے لئے امام کو امام ہی کا فرزند ہونا چاہیئے۔"

(۱) "دعوت النزاریہ اجداد آغا خان"، قاہرہ (۱۹۵۰ء)، صفحہ نمبر ۲۲۲۔

تکبیر (۲۹) ۲۰ راکتوبر ۱۹۸۸ء

بقیہ:- آغاخانی

صفحہ نمبر ۲۹ کا باقی حصہ

تھی۔ حسن بن صباح کی وفات ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء میں ہوئی تھی۔ مصر کے ہمعصر تاریخ نویس ابی میّسر (۱۲۷۸ - ۱۲۳۱) اپنی کتاب "اخبار المصر" (جسے ہنری میسی نے قاہرہ سے ۱۹۱۹ء میں شائع کرایا تھا) کے صفحہ نمبر ۶۸ میں لکھتا ہے کہ حسن بن صباح نے اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے اپنے جانشینوں کو ایک امام کا تعارف کروایا تھا۔ MARSHALL HODGSON کے مطابق ابو محمد العراق الموت کے خاتمہ (۱۲۵۶ء) کے بعد تحریر کرتا ہے کہ حسن بن صباح کے زمانے میں الموت میں ایک امام موجود تھا۔ مزید ذکریا قزوینی نے "آثار البلاد" (جلد دوم صفحہ نمبر ۲۰۱) نے امام ہادی کی الموت میں موجودگی کا بھی اقرار کیا ہے۔ (جاری)

تکبیر (۳۸) ۱۳ راکتوبر ۱۹۸۸ء

جب اسلام ہو گا تو امن ہو گا
جب امن ہو گا تو خوشحالی ہو گی
جب خوشحالی ہو گی تو حقوق ملیں گے

آدھی دنیا

صفحہ نمبر ۶۰ کا باقی حصہ

کے ساتھ جتنا وقت گزرا یہ عجیب بات نوٹس میں آتی رہی کہ وہ جب بھی ہنستی یا مسکراتی تو یوں جیسے زبردستی ایسا کر رہی ہو اور اس کی آنکھوں میں نہ معلوم اداسیوں نے جیسے ڈیرے جما رکھے تھے۔

اتفاق کی بات ہے کہ پچھلے سال میں اپنے شوہر کے ہمراہ سیر کے لئے ہنزہ گئی۔ وہاں مجھے شاہ بانو بہت یاد آئی اور وہاں میں نے اسی نوعیت کی عمارات بہت تعداد میں دیکھیں اور ہنزہ سے خنجراب ٹاپ تک ہر ۵ - ۶ میل کے بعد "آغاخان رورل ڈیویلپمنٹ پراجیکٹ" کے نام سے کہیں تو تعمیر شدہ اور کہیں زیرِ تعمیر کوئی منصوبہ بلند بالا پہاڑوں میں عجیب شان پیدا کرتا نظر آیا۔ ہنزہ میں علی آباد سے ۶ میل دور اور کافی بلندی پر ایک خوبصورت ترین مقام "کریم آباد" (پرنس کریم کے نام سے) سیر و تفریح کے دلدادہ لوگوں کو دعوتِ نظارہ دیتا ہے جہاں ایک رات رہے اور ہوٹل کے آغاخانی منیجر نے بتایا کہ یہاں کی ۹۵ فیصد آبادی آغاخانی ہے اور صرف ۵ فیصد مسلمان۔ اس کی باتیں سن کر یہ فکر میرے ذہن کے ساتھ چپک کر رہ گئی کہ ۹۵ فیصد آبادی جو کہ ہزاروں پر مشتمل ہے اس کے لئے دس سال پہلے کیا ہوا اور اب قرآن کا ایک کیمپ کیا کرے گا؟!

تکبیر (۲۶) ۲۱ راپریل ۱۹۸۸ء

آغا خان آلِ رسولؐ ہیں

اسمٰعیلی جماعت اپنا موقف پیش کرتی ہے

تحریر:۔ ممتاز علی، تاج الدین صادق علی

"تکبیر" میں ۱۸ اور ۲۵ مئی ۱۹۸۸ء کے دو شماروں میں جناب صادقون خاں کا ایک مضمون شائع کیا گیا تھا جس کا عنوان تھا "کیا آغا خان آلِ رسولؐ ہیں" اس کے جواب میں اسمٰعیلی فرقے کے ایک ترجمان جناب ممتاز علی تاج الدین صادق علی نے ہمیں ایک مضمون چند ماہ قبل ارسال کیا اور "تکبیر" کی اس دعوت کا حوالہ دیتے ہوئے کہ وہ دوسرا نقطۂ نظر بھی شائع کرنے کے لیے تیار رہے، اس کی اشاعت پر اصرار کیا لیکن ملک کے حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی کہ یہ مضمون تازہ ترین واقعات اور فوری نوعیت کے موضوعات کی ترجیحی فہرست میں جگہ نہ پاسکا۔ صورتحال اگرچہ اب بھی یہی ہے اور تازہ موضوعات کا دباؤ اس کی اشاعت میں مانع ہے تاہم تکمیل وعدہ کی خاطر ہم اسے قسط وار شائع کر رہے ہیں، امید ہے یہ دو یا زیادہ سے زیادہ تین قسطوں میں مکمل ہو جائے گا۔ اسے بلا تبصرہ شائع کیا جا رہا ہے، جناب صادقون خاں یا کسی اور نے اس پر کوئی تبصرہ کرنا چاہا تو انہیں بھی اس کا موقع دیا جائے گا۔

ہمارے نزدیک یہ پوری بحث کہ آغا خان آلِ رسولؐ ہیں یا نہیں، سرے سے بے معنی ہے اور قرآن و سنت کی رو سے اس کی کوئی اہمیت نہیں، نسلی امامت کا پورا تصور شاہ پرست معاشروں سے ابھرا ہے اور اس نے مختلف فرقوں میں اپنے اپنے بت تراش کر ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی ہے۔ کسی نبی سے نسلی نسبت اسلام میں کسی خاص شرف و فضیلت کی حامل نہیں ہے اس کی اولاد کا مقام بھی اس کے اپنے اعمال کی بنیاد پر ہے۔ یہاں سارا زور اعمال پر ہے اور ہمیشہ کے لیے طے کر دیا گیا ہے کہ "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" (تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو زیادہ پرہیزگار ہیں۔) خلافت کا اصول یہ طے کر دیا گیا کہ "خیر امت" تلاش کرو۔ اسی اصول کے تحت حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر ابو حذیفہؓ کے غلام سالمؓ زندہ ہوتے تو میں انہیں خلافت کے لیے نامزد کر دیتا۔ اگر پروردگار مجھ سے سوال کرتا میں کہہ دیتا کہ میں نے آپ کے رسولؐ سے سنا تھا کہ سالمؓ اللہ سے بہت ڈرنے والے اور اس سے بہت زیادہ محبت رکھنے والے ہیں۔"

قرآن حکیم میں بیان کردہ مختلف انبیاء کے حالات سے واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کی اولاد کو اس کے امتیوں میں کوئی خصوصی مقام یا استحقاق حاصل نہیں ہے ——— جب ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے خوشخبری سنائی کہ "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔ تو ابراہیمؑ نے عرض کیا "اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے" تو اللہ نے جواب دیا "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے"۔ (البقرہ: ۱۲۴)

گویا نبی کی اولاد میں ظالم بھی ہو سکتے ہیں جن کے لیے پیشوائی کا کوئی وعدہ نہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کے ظلم کا سورۂ یوسف میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو اس کی بداعمالیوں کے باعث کشتی میں بٹھانے سے انکار کر دیتے ہیں اور وہ ان کی نگاہوں کے سامنے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے، جہاں تک اہلبیت کا تعلق ہے ان میں بیویوں کی باری سب سے پہلے آتی ہے لیکن ان کا مرتبہ بھی یکساں نہیں۔ اس کا تعلق ان کے اعمال پر ہے۔ فرعون کی بیوی خدا کی نگاہ میں مومنہ قرار پائی اور بلند مقام پر فائز ہوئی ہے کیونکہ اس نے ایک نبی حضرت موسیٰؑ کی پرورش کی اور ان پر ایمان لائیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی نافرمان بیوی عذاب کا شکار ہوئی اور نبی کی بیوی ہونا ان کے کسی کام نہ آیا۔

"آل" کی اصطلاح قرآن حکیم میں قوم اور امت کے معنی میں استعمال ہوئی ہے، فرعون کو ماننے والوں کو قرآن نے آلِ فرعون قرار دیا اور حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والے آلِ موسیٰؑ کہلائے۔ اب اگر کسی زورِ تحقیق سے آغا خان حضرت حسینؓ کی اولاد ثابت بھی کر دیئے جائیں تو زیادہ سے زیادہ اولادِ علیؓ میں شامل ہوں گے، اولادِ نبی قرار نہیں پائیں گے اور ان کا مقام ان کے اعمال سے متعین ہوگا۔ محض نسب اور نسل سے نہیں، یہ بنیادی نکتہ ذہن میں رکھتے ہوئے صادق علی صاحب کی تحقیق ملاحظہ فرمایئے، یہ محض تاریخی مسئلہ ہے، دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں (مدیر)



ہفت روزہ تکبیر ۱۸ مئی ۱۹۸۸ء اور ۲۵ مئی ۱۹۸۸ء کے شماروں میں جناب صادقون خاں کے مضمون "کیا آغا خان آلِ رسولؐ ہیں" شائع کیا گیا۔ انہوں نے ۴ سے ۶ کتابوں کی مدد سے تاریخی حقائق کو جھٹلانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس پورے مضمون میں انہوں نے عطاء الملک جوینی کے مواد کو بڑی اہمیت دی ہے لیکن درحقیقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جوینی کی فارسی کتاب "تاریخِ جہاں گُشا" کا مطالعہ نہیں کیا۔ وہ ہمارے موجودہ ۴۹ ویں حاضر امام "پرنس کریم آغا خان" کے شجرۂ مبارک کو حسن بن محمد بن کیا بزرگ امید سے ملانے کی ناکام کوشش اس طرح سے کرتے ہیں جس طرح سر ولیم میور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ مبارک کو حضرت ابراہیمؑ سے ملانے کی بجائے دوسرے کے ساتھ ملانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اس مضمون کے سلسلے میں اپنی وضاحتوں کو پیش کرنے سے پیشتر ہم جناب صادقون صاحب سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے تاریخ کے اصل اور مستند مواد کی چھان بین کریں۔ ہمارے

درجوابِ آں غزل

صدرِ مملکت جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے اپنی تقریر میں تمام عالم اسلام کی برادری کو یہ پیغام دیا تھا کہ :

"دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے مسلک کو چھوڑو مت اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو مت۔"

جناب صادقون اسمٰعیلیوں کی تاریخی کتاب "نور المبین" کو ایک دستاویز اور ایک مستند کتاب قرار دیتے ہیں حالانکہ ہماری قوم نے آج تک کسی بھی کتاب کو ایسا درجہ نہیں دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۳۶ء تک ہندوستان میں ہمارے آئمہ کی تاریخ کو بیان کرنے والی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ چنانچہ اس کے مصنف نے ۱۹۲۸ء سے "نور المبین" لکھنا شروع کی اور ۱۹۳۶ء میں اس کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا اور اس کے بعد اس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہوا اور ۱۹۴۹ء میں اسمٰعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا کو نور المبین کے مزید ایڈیشن شائع کرنے کے حقوق مل گئے اور اس طرح اس کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا گیا اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۱ء میں اور چوتھا ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔

یہ ۱۹۳۶ء کا دور تھا۔ ہندوستان میں اس وقت ایک ایسی تاریخی کتاب کی سخت ضرورت تھی جو تاریخ آئمہ اسمٰعیلیہ سے متعلق ہو۔ اس وجہ سے یہ کتاب (نور المبین) اسمٰعیلیوں میں بیحد مقبول ہوئی اور ہمارے ۴۸ ویں امام نے بھی اس کے مطالعہ کی ہدایت فرمائی۔ جناب صادقون کا یہ دعویٰ کہ ہمارے امام نے یہ فرمان فرمایا تھا کہ "ہر اسمٰعیلی کے پاس اس کا ہونا باعث خیر و برکت ہے" بالکل غلط ہے۔ اس قسم کا کوئی فرمان ہمیں نظر نہیں آتا۔ صادقون صاحب کی بڑی نوازش ہوگی اگر وہ اس فرمان کی نقل ہمیں مہیا کریں۔ فی الوقت جناب صادقون کی معلومات میں مزید اضافہ کے لیے ہم آغاخان صاحب کے دو فرامین تحریر کر رہے ہیں جو کہ انہوں نے نور المبین کے متعلق فرمائے ہیں :

(۱) "نور المبین، ہفت باب، پیر شہاب الدین کی کتاب اور فاطمی خلافت کی تصانیف بھی پڑھنی چاہیئے"

(بمبئی ۱۹۵۰-۱۲-۳۱)

(۲) نصاب میں نور المبین، مولانا رومی کی کتاب پڑھو، اماموں کی تواریخ جانو اور اس کا مطالعہ کرو۔"

(ناگپور ۱۹۵۱-۱-۱۷)

جوں جوں وقت گزرتا گیا، عربی اور فارسی کی کتابیں منظرِ عام پر آتی گئیں اور اسمٰعیلی قوم میں نئے نئے اسکالروں کا اضافہ ہوتا گیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہمارے اسکالروں کو یہ معلوم ہوا کہ نور المبین میں کئی باتیں تاریخی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نور المبین کا پانچواں ایڈیشن آج تک شائع نہیں کیا گیا۔ یہ بالکل درست ہے کہ یہ ایک منفرد کتاب ہے لیکن یہ کوئی تاریخی دستاویز نہیں۔ کئی جگہوں پر آئمہ اور پیروں کی تاریخوں میں فرق نظر آتا ہے۔ خود نور المبین کے مصنف علی محمد جان محمد چنارا (۱۹۶۶ - ۱۸۸۰) اپنی مذکورہ کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :

"ہماری یہ پہلی تاریخی تصنیف ہے۔ یہ آخری ہے ایسا نہ سمجھیں۔ ابھی اس میں بہت سی ترمیم اور اضافہ کرنے کی گنجائش ہے اور جس قدر زیادہ مواد ملتا جائے گا، زیادہ تحقیق ہوتی جائے گی۔"

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ اصل بحث امام حسن علیٰ ذکرہ علیہ السلام اور امام نزار علیہ السلام کے درمیان جو تین اسمٰعیلی آئمہ گزرے ہیں، اس کی وضاحت کرنا ہے۔ اسمٰعیلی روایات کے مطابق امام حسن علیٰ ذکرہ علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے "حسن بن قاہر بن مہتدی بن ہادی بن نزار"

سب سے پہلے ہم ان آئمہ کا تاریخی شہادتوں کی روشنی میں جائزہ لیں گے۔ فاطمی امام مستنصر باللہ علیہ السلام کی وفات کے بعد اسمٰعیلی دو گروہ میں بٹ گئے جنہوں نے امام مستنصر باللہ کے بڑے فرزند 'نزار' کو بحیثیت امام تسلیم کیا، وہ نزاری اسمٰعیلی کہلائے اور ان کی ریاست ایران کے علاقے قزوین میں قلعہ الموت میں قائم ہوئی اور وہیں سے اسمٰعیلی آئمہ کا سلسلہ جاری رہا۔ امام نزارؑ کی شہادت مصر میں اپنے بھائی مستعلی کے ہاتھوں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے ایک فرزند "علی" لقب "ہادی" الموت تشریف لے آئے۔ حمید اللہ مستوفی قزوینی اپنی کتاب "تاریخ گزیدہ" جو ۱۳۲۹ء میں لکھی گئی تھی، کے صفحہ ۵۱۸ پر رقمطراز ہے :

"نزار بن مستنصر باللہ نے اپنے فرزندوں میں سے ایک فرزند کو حسن بن صباح کے حوالے کر دیا۔ حسن بن صباح نے اس لڑکے کو ایران میں لاکر اس کی پرورش کی۔"

محمد بن تقی بن علی رضا (متوفی ۱۹۰۰ء) اپنی کتاب "آثارِ محمدی" جو ۱۸۹۳ء میں لکھی گئی تھی، کے صفحہ نمبر ۴۰ پر اسمٰعیلی روایت کی روشنی میں لکھتا ہے :

"سیدنا حسن بن صباح کے زمانے میں ابوالحسن سیدی نے جو نزاریوں کے اہل علم اور صاحب اقتدار لوگوں میں سے تھا، نزار کے فرزند ہادی کو مصر سے الموت لے آیا۔ سیدنا حسن بن صباح نے ہادی کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا اور ان کو الموت کے قریب ایک قصبے میں ٹھہرایا اور ان کی تعلیم و تربیت اور کفالت 'کیا بزرگ امید' کے سپرد کی۔"

عطا الملک جوینی نے بھی "تاریخ جہاں گشا" صفحہ نمبر ۶۹۲-۶۹۱ میں اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا ہے :

"یہ سب سے زیادہ مقبول اور بالعموم اسماعیلیوں میں زیادہ صحیح اور مستند، زیادہ قبول کی ہوئی روایت ہے۔"

حسن بن صباح الموت کو ۴۸۳ھ میں اپنے قبضہ میں لے کر خود اس کے پہلے حاکم بنے۔ اس وقت الموت پر چاروں طرف سے دشمنوں کے حملے ہو رہے تھے کیونکہ دشمن یہ نہیں چاہتے تھے کہ ایران میں کوئی بھی اسمٰعیلی ریاست قائم ہو جائے چنانچہ امام ہادی اس صورت حال کے پیش نظر سلطنت کے امور سے کنارہ کش ہو گئے اور انہوں نے الموت کے قریب ایک گاؤں میں رہائش اختیار کر لی جس کی خبر صرف چند مقرب لوگوں کو

باقی صفحہ نمبر ۷۶ پر



آغاخان کی ہمشیرہ کی دوسری شادی آئندہ فروری میں ہوگی

لندن (تکبیر رپورٹ) اسماعیلی قوم کے روحانی پیشوا پرنس کریم آغاخان کی بہن اور پرنس علی خان کی ۲۸ سالہ بیٹی شہزادی یاسمین علی خان اپنی دوسری شادی آئندہ سال فروری میں نیویارک کے ایک غیر مسلم شخص کرسٹوفر جیفریز سے کریں گی جو جائیداد کے لین دین کا کام کرتا ہے۔ اس سے قبل شہزادی یاسمین نے یونان کے ایک اور غیر مسلم، شپنگ تاجر باسل ایمبریکوس سے مختصر شادی کے بعد طلاق لے لی تھی۔ اس سے یاسمین کا ایک بچہ بھی ہے۔ شہزادی یاسمین کی ماں ریٹا ہیورتھ کا گزشتہ سال انتقال ہو گیا تھا۔ یاد رہے کہ ریٹا ہیورتھ ہالی ووڈ کی ایک مشہور اداکارہ تھیں۔

(مزید صفحہ نمبر ۷۵ پر بھی)

امامت ہمیشہ مولانا علی کی نسل میں محفوظ رہی

اسماعیلی جماعت کا موقف ۲

تحریر:۔ ممتاز علی، تاج الدین صادق علی



امام ہادیؑ شروع میں الموت کے ایک قریبی گاؤں میں رہائش پذیر تھے اور وہ بعد میں لمسر کے قلعہ میں منتقل ہو گئے۔ امام ہادیؑ کی شادی ایک سید خاتون کے ساتھ ہوئی جن کے بطن سے ایک "محمدؑ" نامی فرزند پیدا ہوئے جن کا لقب "مہتدی" تھا۔ امام ہادی کی وفات ۵۳۰ھ/۱۱۳۶ء میں لمسر کے قلعے میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند "مہتدی" جانشین مقرر ہوئے۔ حسن بن صباح کی وفات ۵۱۸ھ/۱۱۲۴ء میں ہو چکی تھی اور ان کے بعد "کیا بزرگ امید" الموت کے دوسرے حاکم مقرر ہو چکے تھے جو چودہ سال بعد ۵۳۲ھ/۱۱۳۸ء میں وفات پا گئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند "محمد بن کیا بزرگ امید" الموت کے بحیثیت تیسرے حاکم مقرر ہوئے۔ امام مہتدیؑ کی وفات ۵۵۲ھ/۱۱۵۷ء میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے فرزند "قاہرؑ" جانشین ہوئے جن کا لقب "القاہر بقوۃ اللہ بن مہتدی" تھا۔ انہوں نے کچھ عرصہ کے بعد اسمٰعیلی ریاست کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور عوام الناس میں ایک اعلانیہ جاری کرا دیا کہ اب محمد بن کیا بزرگ امید کی بجائے ہم الموت کے حاکم ہیں اور وہ (محمد بن کیا بزرگ امید) ہمارے وزیر ہیں۔ الموت میں حسن بن صباح، کیا بزرگ امید اور ان کے فرزند محمد بن کیا بزرگ امید تینوں الموت کے حاکموں کی حیثیت سے بالترتیب پہلے، دوسرے اور تیسرے سلطنت کا امور انجام دیتے رہے، لیکن ان کے بعد امام قاہرؑ بذاتِ خود الموت کے چوتھے حاکم اور اسمٰعیلیوں کے ۲۲ ویں امام کی حیثیت سے عوام کے سامنے نمودار ہوئے۔ امام قاہرؑ نے اپنے نئے وزیر کے ساتھ الموت کے آس پاس کے علاقوں کا دورہ بھی کیا اور لوگوں سے بیعت لی۔ اسمٰعیلیوں کی یہ ایک قابلِ اعتماد روایت ہے جو "آثارِ محمدی" میں بھی درج ہے کہ امام قاہرؑ نے اپنی امامت کے آخری لمحات میں ریاست کی لگام الموت کے تیسرے حاکم محمد بن کیا بزرگ سے لے لی اور ان کی وفات کے بعد الموت کی لگام ان کے حقیقی فرزند اور جانشین امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کے ہاتھ میں آئی، لیکن جوینی نے اس تاریخی حقیقت کو پس پردہ رکھتے ہوئے امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کو محمد بن کیا بزرگ کا بیٹا بنا کر انہیں الموت کے چوتھے حاکم کی حیثیت سے لکھا ہے جو بالکل من گھڑت بات ہے اور اسمٰعیلیوں کے خلاف لکھی جانے والی جعلی داستانوں کی یہ ابتدائی کڑی ہے۔

محمد بن کیا بزرگ امید کی وفات ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں ہوئی اور ان کے چند ہی مہینوں کے بعد اسی سال یعنی ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں امام قاہرؑ بھی وفات پا گئے۔ یہاں اس بات کا خلاصہ کرنا نہایت ہی ضروری ہے کہ اسمٰعیلی تاریخ میں امام اسمٰعیلؑ سے لے کر امام مہدیؑ تک یعنی ۱۴۸ھ سے ۲۹۶ھ تقریباً ۱۴۸ برسوں تک کے زمانے کو "دورِ ستر" کہا جاتا ہے۔ ان برسوں میں پانچ آئمہؑ کو زمانے کی مجبوری نے ستر پوشی کرنے پر مجبور کیا تھا۔ ۲۹۶ھ میں دورِ ستر اختتام کو پہنچا اور فاطمی امام مہدی علیہ السلام سے "دورِ ظہور" کا آغاز ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ دورِ ستر کے مستور آئمہؑ کی تاریخ ہمیں تفصیل سے نہیں ملتی۔ جس نے مخالفین کو یہ نادر موقع فراہم کیا ہے کہ وہ آئمہؑ کے نسب نامے کے متعلق من گھڑت پروپیگنڈہ کریں۔ اس نسب نامہ کو مستند تاریخی کتابوں کے ذریعے بے بنیاد ثابت کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد تقریباً ۲۰۰ سالوں کے بعد ایک دوسرا "دورِ ستر" الموت میں شروع ہوا جو ۴۹۰ھ سے ۵۵۹ھ تک تقریباً ۷۰ سال تک جاری رہا جس میں تین مستور آئمہ یعنی امام ہادیؑ، امام مہتدیؑ اور امام قاہرؑ ہوئے۔ یہاں وہی بات تاریخ میں ایک مرتبہ پھر دہرائی گئی اور دورِ ظہور یا دورِ کشف میں امام حسن علیٰ ذکرہ علیہ السلام کے مبارک نسب نامہ کے متعلق من گھڑت پروپیگنڈہ کیا گیا جسے اس مضمون میں تاریخی ثبوت کے ساتھ بے بنیاد ثابت کیا جا رہا ہے۔

الموت کے ارد گرد کے علاقے جن میں قزوین، رود بار، کائن، برجند وغیرہ شامل تھے، اسمٰعیلی آباد تھے جو دور دراز کے گاؤں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کے اور کئی اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط تاثر پیدا ہو گیا تھا کہ چونکہ کیا بزرگ امید کے بعد ان کے بیٹے محمد بن کیا بزرگ امید حاکم ہوئے تھے تو محمد بن کیا بزرگ امید کے بعد یقیناً ان کا بیٹا حسن حاکم ہوگا۔ چنانچہ جب امام قاہرؑ کے فرزند "امام حسن یا ابو الحسن" لقب "علیٰ ذکرہ السلام" امام ہو گئے تو دور دراز کے علاقوں کے لوگ ان کو وہی حسن سمجھنے لگے جو داعی محمد بن کیا بزرگ امید کا بیٹا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لوگ امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کو "حسن بن قاہر" کی بجائے "حسن بن محمد" سمجھنے لگے اور دونوں حسن کے مابین فرق کو سمجھنے سے بھی قاصر رہے اور یہی فرق ایک روایت کی شکل اختیار کر گیا اور اسمٰعیلیوں کے دیرینہ دشمن عطاء الملک جوینی نے اس روایت کو ایک دستاویزی شکل دے کر اپنی "تاریخ جہاں گشا" میں ایک مستند مواد کی حیثیت سے تحریر کیا اور اسی نکتہ کو کئی اور لوگوں نے بھی طول دیا لیکن جن لوگوں نے غیر جانبداری سے تاریخ نویسی کی، انہوں نے اسمٰعیلی روایات کو تسلیم کرتے ہوئے دونوں حسن کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا۔ عطاء الملک جوینی کے مواد میں اگرچہ دونوں حسن کو ایک حسن بنایا گیا ہے، لیکن پھر بھی اس مواد میں ان دونوں شخصیتوں کی اصلیت جداگانہ نظر آتی ہے بشرطیکہ اس کا تحقیقاتی نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے۔ امام حسن علیٰ ذکرہ السلام نے اپنے دورِ امامت میں ۵۵۹ھ/۱۱۶۴ء میں لوگوں کو تاریخی خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ان کی نسل نزار بن مستنصر باللہ سے ہے۔ مصر کے شہرۂ آفاق تاریخ نویس طٰہٰ احمد شریف رقمطراز ہیں:

"حسن علیٰ ذکرہ السلام نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ امام نزار کی نسل سے ایک مستور امام ہیں اور انہوں نے اپنے پیروکاروں کو اپنا صحیح شجرۂ نسب بیان کیا جسے میں نے اپنی کتاب "آئمۃ النزاریہ اجدادِ آغا خان" میں درج کیا ہے۔ تمام نزاری اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ امام حسن علیٰ ذکرہ السلام امام نزار کی اولاد میں

باقی صفحہ نمبر ۶۷ پر

آغاخان آلِ رسولؐ ہیں (آخری قسط)

جوینی کا مقصد اسماعیلیوں کو بدنام کرنا تھا

تحریر:- استاذ علی تاج الدین صادق علی

جو لوگ غلطی سے اس زمانے میں امام حسن علیٰ ذکرہ السلام کو محمد بن کیا بزرگ امید کا فرزند سمجھتے تھے ان کے لئے مذکورہ خطبہ ہی کافی تھا جس میں اس بات کی صاف طور سے وضاحت موجود تھی کہ امام' امام ہی کی نسل سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ امام ہادیؑ سے فاطمی آئمہ سے ہوتا ہوا سیدھا راہِ راست حضرت مولانا علیؑ تک جا پہنچتا ہے لیکن جوینی اور دیگر مصنفین نے' جن کا اصل مقصد اسمٰعیلیوں کو بدنام کرنا تھا' دونوں حسن کو ملانے کی کوشش میں زمین و آسمان ایک کر دیا۔ امام حسن علیٰ ذکرہ السلام نے ۵۵۸ھ/۱۱۶۳ء میں شام کے اسمٰعیلیوں کو ایک خط تحریر فرمایا تھا جس میں دو حسن کی روایت کے بارے میں مزید تصدیق ہوتی ہے۔ اس خط کا متن اس طرح سے ہے:

"حسن بن محمد بن کیا بزرگ اُمید ہمارا داعی اور حجت ہے۔ ہمارے تمام مُریدوں کو چاہیئے کہ مذہبی اور دنیوی معاملات میں اس کی پیروی کریں اور اس کا حکم مانیں اور اس کی تقاریر کو ہماری تقاریر سمجھیں اور اس کے احکامات کی اس طرح تعمیل کریں کہ گویا وہ ہمارے احکامات ہیں" (۲)

اس خط کے متن سے نہ صرف دو حسن کی وضاحت ہوتی ہے بلکہ داعی حسن بن محمد بن کیا بزرگ امید کے مرتبے کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ اس مرتبے نے دور دراز کے علاقوں کے چند لوگوں کو ایک امام اور ایک داعی کے مابین جو حقیقی اور تاریخی فرق تھا، سمجھنے میں غلط فہمی پیدا کر دی ہو، جوینی نے اس کا غلط فائدہ اٹھا کر جعلی پروپیگنڈہ کیا۔ جس کی وضاحت میں پروفیسر آدینو لکھتے ہیں: "جوینی صاف طور سے اسمٰعیلیوں کی مانی ہوئی حیثیتوں کا فرق جو سیدنا حسن بن صباح وان کے دو جانشین اور آئمہ کے مابین تھا، کو ارادۃً نظر انداز کرتا ہے۔" (۳)

مزید یورپ کا مشہور تاریخ دان مارکولیتھ لکھتا ہے،

"امام حسن علیٰ ذکرہِ السلام جنہیں الموت کے حاکم (حاکم سوم



محمد بن کیا بزرگ امید کے فرزند سے منسوب کیا جاتا ہے درحقیقت وہ نزار بن مستنصر باللہ کے وارث ہیں (سوم)

اب ہم حسن علیٰ ذکرہ السلام کے شجرۂ مبارکہ یعنی حسن بن قاہر بن مھتدی بن ہادی بن نزار کو تاریخی دستاویزات کی مدد سے صحیح ثابت کرتے ہیں۔

(۱) جوینی (صفحہ نمبر ۶۹۵ - ۶۹۴) کا بیان ہے کہ امام حسن اور امام نزار کے درمیان آئمہ کی تعداد کے بارے میں اسمٰعیلیوں میں دو قسم کی روایات پائی جاتی تھی۔ ایک گروہ کا کہنا تھا کہ حسن علیٰ ذکرہ السلام القاہر بقوۃ اللہ کے فرزند تھے جو امام المھتدیؑ کے فرزند اور امام المھتدیؑ امام ہادیؑ بن نزارؑ کے فرزند تھے جبکہ دوسرے گروہ میں یہ روایت پائی جاتی تھی کہ امام حسنؑ اور امام نزارؑ کے درمیان دو نسل گزری ہیں اور اس گروہ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ القاہر بقوۃ اللہ امام حسن علیٰ ذکرہِ السلام کا لقب تھا۔ بہرحال ہم اس کی وضاحت میں کہیں گے کہ اسمٰعیلیو

سے علاوہ بہت سے لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ امام حسنؑ اور امام نزارؑ کے درمیان تین آئمہ گزرے ہیں۔ جوینی پہلا تاریخ نویس ہے جس نے امام حسن علیٰ ذکرہِ السلام کے مندرجہ بالا دو شجرے دیئے ہیں جو تاریخ کی پہلی دستاویز شمار کی جاتی ہے۔ ان دو مذکورہ روایات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ امام حسنؑ اور امام نزارؑ کے درمیان دو یا تین آئمہ گزرے ہیں۔ اب یہ دو یا تین آئمہ ہوئے یہ تو ایک الگ ہی بحث ہے لیکن آخرکار جوینی کو بھی اس روایت کو لکھنا پڑا کہ امام حسنؑ امام نزارؑ کی اولاد سے ہیں نہ کہ داعی محمد بن کیا بزرگ امید کی اولاد سے۔

پروفیسر ڈبلیو آدینو نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ امام القاہر بقوۃ اللہ اسمٰعیلیوں کے ۲۲ ویں امام کا اسم گرامی ہے۔ (۵)

۲- خندہ میر اپنی کتاب "حبیب السیار" جو ۱۵۲۸ء میں لکھی گئی تھی، کی تیسری جلد کے صفحہ نمبر ۸۱ میں تحریر کرتا ہے کہ امام نزارؑ اور امام حسنؑ کے درمیان تین یہ آئمہ گزرے ہیں: ہادی، مھتدی اور قاہر۔ ارشادات الطالبین جو ۱۵۲۳ء میں محب علی کندوزی نے تحریر کیا تھا، اس میں بھی اس نے امام علیٰ ذکرہ السلام کا شجرہ اسی طرح بیان کیا ہے۔

۳- اگر ہم الموت کے خاتمہ (۱۲۵۶ء) کے بعد اسمٰعیلیوں کی تاریخی دستاویزات کا جائزہ لیں، تو ہمیں سب سے پہلے سید محمد شاہ (۱۵۲۶ - ۱۴۷۰) کی "ست وینی کی ویل میں" آئمہ کی تعداد کے بارے میں ذکر ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "ایران میں آل بُرج کی بلندی پر الموت کے قلعہ میں امام ہادیؑ تشریف لائے تھے، وہ قلعہ اس قدر بلند تھا جیسے آسمان تک پھیلا ہوا ہو۔ حسن بن صباح نے، جو کہ ایک پکا ایمانی مرید تھا، امام ہادیؑ کی شناخت کی" (بند نمبر ۶۴ - مصرعہ نمبر ۱۲ - ۷) "امام ہادیؑ کی وفات ۱۱۳۶ء میں ہوئی" (بند نمبر ۷۰ - مصرعہ نمبر ۱) "امام ہادی کے ایک فرزند تھے، جن کا نام محمد تھا جو بعد میں امام ہوئے اور

مہتدی کا لقب اختیار کیا۔" (بند نمبر ۷، مصرعہ نمبر ۸-۵) "امام مہتدی کی وفات ۱۱۵۷ء میں ہوئی" (بند نمبر ۷، مصرعہ نمبر ۱۹) "ان کے بعد شاہ قاہر امام ہوئے، جو پانچ سال امامت کرنے کے بعد ۱۱۶۲ء میں وفات پاگئے۔" (بند نمبر ۱، مصرعہ نمبر ۳-۱) "ان کے بعد حسن علی ذکرہ السلام امام ہوئے، جو چار سال بعد ۱۱۶۶ء میں وفات پاگئے۔" (بند نمبر ۱، مصرعہ نمبر ۹-۲) (۶)

۴۔ "کلام پیر" (صفحہ نمبر ۴۴) نامی کتاب جو ۱۵۹۲ء میں لکھی گئی تھی، جسے پروفیسر آئیونو نے ۱۹۳۳ء میں انگریزی میں ترجمے کے ساتھ شائع کروائی تھی اور دوسری کتاب "ہفت باب" جو ابو اسحاق کوہستانی نے تحریر کی اور یہ ۱۶ویں صدی کے آغاز میں لکھی گئی، جسے بھی پروفیسر آئیونو نے ۱۹۵۹ء میں انگریزی ترجمے میں بھی شائع کروائی تھی۔ یہ دونوں کتابیں بالکل واضح الفاظ میں امام حسن علی ذکرہ السلام کے شجرہ مبارک کو یوں درج کرتی ہیں، مولانا حسن علی ذکرہ السلام بن مولانا قاہر بن مولانا مہتدی بن مولانا ہادی بن مولانا نزار بن مولانا مستنصر باللہ۔

۵۔ "دبستان المذاہب" کے مصنف شیخ محمد محسن فانی کشمیری (۱۶۷۰-۱۶۱۵) نے اس فارسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۳۷ پر امام حسن علی ذکرہ السلام کا شجرہ مبارک اس طرح سے قلمبند کیا ہے: حسن بن القاہر بقوۃ اللہ بن المہتدی بن الہادی بن نزار بن مستنصر باللہ۔

۶۔ شاہ خاکی خراسانی کے فرزند علی قلی، جس کا دور آئمیلیوں کے امام سید علی (۱۶۶۱-۱۶۲۹) کے زمانے سے شروع ہوتا ہے، اپنے والد کی طرح ایران کا مشہور شاعر تھا۔ اس کا تخلص "رقمی" تھا۔ اس نے ایک قصیدہ لکھا تھا جو "قصیدۂ ذریہ" کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصیدہ کا اصل مسودہ روسی ترکستان کے شہر تاشقند کے پروفیسر الکساندر سیمیونوف نے ۱۹۲۶ء میں دریافت کیا تھا۔ اس قصیدہ کو جناب خاکی شاہ نے ۱۹۲۹ء میں لینن گراڈ سے رشین اورینٹل سوسائٹی کے مشہور رسالہ "ایران" (جلد ۲، صفحہ نمبر ۱۲-۸) میں شائع کروایا تھا۔ اس قصیدہ کے مطابق امام حسن علی ذکرہ السلام کا شجرۂ مبارکہ اس طرح سے ہے: "مولانا حسن علی ذکرہ السلام بن مولانا قاہر بن مولانا مہتدی بن مولانا مستنصر باللہ۔"

اسمٰعیلیوں کے پاس تاریخ کے مزید اصل مواد نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ۱۲۵۶ء میں جب ہلاکو خان نے الموت پر حملہ کرکے اس پر قبضہ کیا، تو اس نے اس وقت موجود اسمٰعیلیوں کا ایک بہت بڑا بیش بہا کتب خانہ نذرِ آتش کر دیا، جس میں ایک اندازے کے مطابق چار لاکھ کتابیں موجود تھیں۔ خود عطاء الملک جوینی نے، جو ہلاکو خان کا سیکرٹری تھا اور ہلاکو خان کا بھتیجا بھی تھا، ذاتی طور پر اس بیش بے بہا کتب خانہ کا معائنہ کیا تھا۔ اس کتب خانہ کی آتش زدگی اور اسمٰعیلیوں کی تاریخی دستاویزات کی عدم موجودگی نے جوینی کے لیے ایک نادر موقع فراہم کیا کہ وہ جو کچھ چاہے، جس طرح چاہے اسمٰعیلیوں کے خلاف من گھڑت داستانیں گھڑ ڈالے، چنانچہ اس نے امام ہادی علی سے کر امام رکن الدین خیر شاہ تک، جو آٹھ آئمہ گزرے ہیں، ان کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی، جس کی نفی کے لیے رفتہ رفتہ دوسرے تاریخی مواد نمودار ہونا شروع ہوئے۔

اب ہم جناب صادقون صاحب کے ایک اہم سوال کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام حسن علی ذکرہ السلام کی ولادت نورالمبین کے مطابق ۵۰۶ھ میں ہوئی جبکہ دوسری اسمٰعیلی کتابوں میں یہ تاریخ ۵۲۰ھ دی گئی ہے ہم اس کی وضاحت حسبِ ذیل کرتے ہیں۔

(۱) نورالمبین میں جو تاریخ ۵۰۶ھ امام حسن علی

> **صادقون خان نے غلط حوالے دے کر مفروضے قائم کئے ہیں جو ہمارے نقطۂ نظر سے غلط ہیں**

ذکرہ السلام کی ولادت کی تاریخ لکھی گئی ہے وہ جوینی کی "تاریخ جہاں گشا" کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔ جب ہم نے جوینی کی کتاب کے انگریزی ترجمے کو جسے ۱۹۵۸ء میں جون اینڈ رچرڈ بوئل نے لندن سے شائع کرایا تھا۔ (صفحہ نمبر ۶۸۶) کی چھان بین کی تو ہم پر یہ انکشاف ہوا کہ وہاں ۵۰۶ھ کی بجائے ۵۲۰ھ درج ہے۔ جب ہم نے مزید تصدیق کی غرض سے جوینی کی اصل فارسی کتاب جو لندن سے ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھی، کا معائنہ کیا تو ہمیں تاریخ کے متعلق یہ عبارت درج کی ہوئی ملی: "عشرین و خمسمائۃ" جس کا ترجمہ "پانچ سو بیس" ہے۔ (جلد سوم صفحہ نمبر ۲۲۲) گویا اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ "نورالمبین میں غلطی پائی جاتی ہے۔

(۲) رشید الدین فضل اللہ طبیب ہمدانی (۱۲۴۷ء-۱۳۱۸) نے بھی اپنی کتاب "جامع التواریخ" (صفحہ نمبر ۸۹-۸۸) میں ۵۲۰ھ امام حسن علی ذکرہ السلام کی ولادت کی تاریخ لکھی ہے جو جوینی کی کتاب کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ اگر ہم جوینی کی کتاب کا بغور جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جوینی نے جو تاریخ یعنی ۵۲۰ھ لکھی ہے وہ دراصل حسن بن محمد بن کیا بزرگ امید کے لئے ہے جسے جوینی امام ٹھہرانے کی کوشش کرتا ہے، جبکہ یہ تاریخ امام حسن علی ذکرہ السلام کے لئے قطعی نہیں۔ اگر جوینی ان دو حسن کے مابین واضح فرق کو صحیح بیان کرتا تو یہ بات بالکل واضح ہو جاتی کہ ۵۲۰ھ امام حسن علی ذکرہ السلام کی ولادت کی تاریخ نہیں ہے۔ جوینی نے یہ ناکام کوشش تو کی کہ ان دونوں حسن کو ایک کرکے ان کے نسب نامے میں ردّوبدل کر دے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان تو دیکھئے کہ جوینی اپنی کتاب کی تیسری جلد کے صفحہ نمبر ۲۳۲ میں ایک روایت کا اقتباس میں یہ الفاظ خود لکھتا ہے جس کی فارسی عبارت یہ ہے: "حسن خود امام بود و پسر امام" یعنی "حسن خود امام تھے اور امام کے بیٹے تھے"۔ اب ذرا آپ غور کیجئے کہ امام حسن علی ذکرہ السلام کس کے فرزند تھے؟ اور داعی حسن بن محمد کس کے بیٹے تھے؟

جناب صادقون صاحب نے اپنے مضمون میں جن جن کتابوں کے حوالوں کو درج کیا ہے ان میں سے کئی حوالہ جات ہمارے نقطۂ نظر سے نہ صرف غلط ہیں بلکہ ان میں کافی حد تک غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ اس غلط بیانی کی چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

(i) ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ الموت کی لائبریری سے حاصل شدہ ایک کتاب "تاریخ جہاں گشا" ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔ اس نام کی کوئی بھی کتاب الموت کی لائبریری میں نہ تھی بلکہ محترم یہ تو عطاء الملک جوینی کی خود تصنیف کردہ ہے۔

(ii) جناب صادقون صاحب کا کہنا ہے کہ نورالمبین، ٹونک اتہاس، الموت اینڈ لمسر اور حشام کے اسمٰعیلی، یہ چار کتابیں اسمٰعیلیوں کی مستند اور دستاویزات ہیں۔ ان میں کوئی بھی کتاب اسمٰعیلیوں کے لئے ایسا درجہ نہیں رکھتی۔

(iii) جناب صادقون نورالمبین کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام مہتدی اپنا وصی ظاہر کرنے کے بعد روپوش ہو گئے، یہ بالکل غلط ہے اور صادقون صاحب لکھتے ہیں کہ نورالمبین میں اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی ہے کہ امام مہتدی کی بیوی گھر پر وضع حمل کرنے سے کیوں قاصر تھیں۔

درجوابِ آں غزل

اگر نور المبین کے صفحہ نمبر ۴۸۹ کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں درج ہے کہ "امام مہتدی اپنے دین کو ظاہر کرنے کے بعد درویشی حالت میں اپنی زندگی کے ایام کو بسر کرنے اور حق کے راستے کو طے کرنے کے لئے ہمیشہ مشغول عبادت رہتے تھے۔" اس کے علاوہ نور المبین میں صفحہ نمبر ۲۵۲ میں "آثار مہدی" کے حوالے سے یہ بات بھی درج ہے کہ ایک دن امام مہتدی سخت بیمار ہوگئے تب انہوں نے محمد بن کیا بزرگ کو بلا کر فرمایا کہ ہماری بیوی امید سے ہے اسے تم اپنے گھر لے جاؤ۔ اس سے اصل وجہ ظاہر ہوتی ہے کہ امام مہتدی کی زوجہ گھر پر وضع حمل سے کیوں قاصر تھیں۔

(۱۷) ایک اور جگہ جناب صادقون لکھتے ہیں کہ جب محمد بن کیا بزرگ امید نے امام قاہر کو الموت میں اسمٰعیلیوں کے سامنے تعارف کروایا تو بقول جناب صادقون کے نور المبین میں لکھا ہوا کہ حاضرین میں بہت سے حضرات نے شدید اعتراض بھی کیا تھا۔

نور المبین کے صفحہ نمبر ۳۹۱ میں صحیح عبارت اس طرح سے درج ہے: "محمد بن کیا بزرگ کی اس تقریر کے بعد مجلس کی رنگت کچھ بدلی ہوئی دکھائی دی۔" کیوں صادقون صاحب اس کا مطلب کیا "شدید اعتراض" ہوتا ہے؟ یاد رکھیئے کسی کو گمراہ کرنا اتنا آسان کام نہیں۔

(۷) اس کے بعد صادقون صاحب نور المبین کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ اس مخالفت اور سرکشی کو جو اس موقع پر پیدا ہوئی تھی، داعی محمد بن کیا بزرگ کو رفع کرنے میں پانچ سال لگے ۔۔ تو ایسی کوئی بات ہمیں نور المبین میں کہیں نظر نہیں آتی۔

آخر میں یہ گزارش ہے کہ اگر جناب صادقون کے

درجواب آں غزل

بقیہ بہ آغاخان — آلِ رسولؐ ہیں؟

ذہن میں ہمارے حاضر امام پرنس شاہ کریم الحسینی آغاخان صاحب کے شجرۂ مبارکہ کے متعلق کوئی شک وشبہ باقی رہ گیا ہے تو وہ "تکبیر" کے ان صفحات پر ہمیں چیلنج کریں۔ مضمون کو ختم کرنے سے پہلے جناب صادقون خان صاحب ہماری جانب سے ایک اختتامی تحفہ قبول فرمائیے اور وہ ہے ڈاکٹر سید مجتبیٰ علی کی تحقیقی عبارت:

"انڈیا اور زنجبار میں رہنے والے خوجہ حضرات، ایران اور شگنن میں رہنے والے اسمٰعیلیوں کے امام حاضر، ... آغاخان کا شجرۂ نسب مولا علیؑ سے ساتویں امام اسماعیل، فاطمی خلفاء سے امام نزار اور امام حسن علیٰ ذکرہ السلام تک براہِ راست جا ملتا ہے۔" (۷)

(۲) THE ISMAILIS OF SYRIA بیروت (۱۹۴۰ء) صفحہ نمبر ۴۲-۴۳۔

(۳) INTRODUCTION OF "TASSUWWURAT" از ڈبلیو آئیونو، ہالینڈ (۱۹۵۰ء)

(۴) "ENCYCLOPAEDIA OF RELIGIONS AND ETHICS" ایڈنبرگ (۱۹۷۵ء) جلد دوم صفحہ نمبر ۱۳۱۔

(۵) "BRIEF SURVEY OF THE EVOLUTION OF THE ISMAILISM" ہالینڈ (۱۹۵۰ء) صفحہ نمبر ۸۸۔

(۶) "ست دینی کی ڈیل" بمبئی سے ۱۹۰۶ء سے شائع ہوئی۔

(۷) "THE ORIGIN OF THE KHOJAS" از قلم ڈاکٹر سید مجتبیٰ علی، لیون (۱۹۳۶ء) صفحہ نمبر ۲۴۔

جائزہ، صفحہ نمبر ۵۷ کا باقی

ہے جو ان دعوائے نہج البلاغہ کی تعلیمات پر سر جھکا دینا چاہیے۔

اب نہج البلاغہ سے حضرت علیؑ کا ایک اور قول ملاحظہ فرمائیے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی حکمرانی تو درکنار، کاروبارِ مملکت میں ان کو مشیر بنانا بھی حضرت علیؑ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔

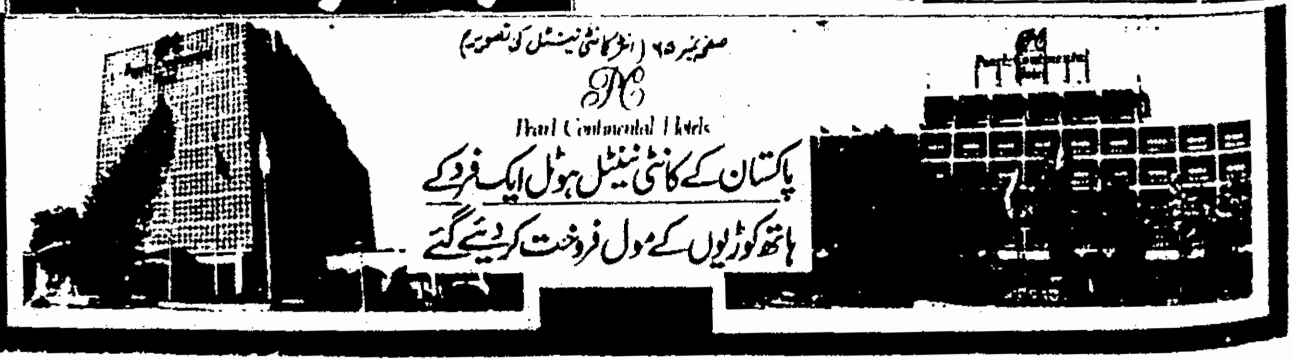
"لوگوں پر ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا، جس میں وہی بارگاہوں میں مقرب ہوگا جو لوگوں کے عیوب بیان کرنے والا ہو اور وہی خوش مذاق سمجھا جائے گا جو فاسق و فاجر ہو۔ انصاف پسند کو کمزور و ناتواں سمجھا جائے گا۔ صدقہ کو لوگ خسارہ اور صلہ رحمی کو احسان سمجھیں گے اور عبادت لوگوں پر تفوق جتلانے کے لئے ہوگی۔ اس زمانے میں حکومت کا دارومدار عورتوں کے مشورے، نوخیز لڑکوں کی کار فرمائی اور خواجہ سراؤں کی تدبیر و رائے پر ہوگا"۔ (خطبہ ۱۰۲، صفحہ ۱۸۷)

اس موضوع پر نہج البلاغہ سے حضرت علیؑ کے اور بھی کئی اقوال پیش کئے جا سکتے ہیں لیکن ہمارے خیال میں عورتوں کی سربراہی کے حضرت علیؑ کے نزدیک ناجائز ہونے کے معاملے میں یہ دو اقوال ہی بالکل واضح اور کافی ہیں۔

اہلِ تشیع علماء اور عوام سب سے گزارش ہے کہ انہیں پڑھنے کے بعد ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ عورت کی سربراہی کی حالت میں ان کی ملت کا اجتماعی موقف کیا حضرت علیؑ کی تعلیمات کے مطابق ہے؟ اپنے امامِ معصوم کی رائے کو انہیں محض اس بنا پر نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ پاکستان کی موجودہ حکمراں جماعت کی سربراہ اور وزیر اعظم دونوں ان کی ہم مذہب ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سب تیرا کرم ہے اے اللہ کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے





اسرائیل کے قیام میں آغا خان کا کردار

میں شروع ہی سے صیہونیت کے لیے ہمدردانہ رویہ رکھتا ہوں

آغا خان کا اعتراف

پچھلے دنوں تکبیر میں شائع شدہ ایک انٹرویو میں مشہور عالم دین، موتمر عالم اسلامی کے ڈائریکٹر اور رابطہ عالم اسلامی کے تاسیسی رکن مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی صاحب نے انکشاف کیا تھا کہ آغا خان سوم نے برطانوی ایجنٹ کی حیثیت سے ایک بہت بڑا کردار ادا کیا تھا۔ اگرچہ تاج برطانیہ سے اظہار وفاداری میں یوں تو ان کے بہت سے کارنامے ہیں جن میں سے معروف ترین یہ ہیں (الف) یہودیوں کے رہنما روتھ شیلڈ سے مل کر آغا خان سوم نے اسرائیلی مملکت کی منصوبہ بندی کی اور اس سلسلے میں خلیفہ سلطان عبدالحمید خاں کو تین بار یادداشتیں پیش کیں مگر وہ ان کی سازش کا شکار نہیں ہو سکے۔ (ب) آغا خان سوم نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ خلیفہ کو درپیش مسائل کا حل یہ ہے کہ وہ ریاستہائے بلقان سے از خود دست بردار ہو جائیں (ج) برصغیر کے مسلمانوں کی تحریک خلافت میں آغا خان نے پوری طرح مسلمانوں کے خلاف اپنے برطانوی آقاؤں کا ساتھ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود آغا خان اور ان کے مریدوں کو دونوں عالمی جنگوں میں اور پورے دور برطانیہ میں خالص وفاداری کے صلے میں انہیں اور اُن کے صاحب زادے علی خان کو بہت سے اعزازات اور خطابات سے نوازا گیا۔

اس انٹرویو اور خاص طور پر اس کے مندرجہ بالا حصے پر ہمارے بعض آغا خانی حضرات نے زبردست احتجاج کرتے ہوئے اسرائیل اور معاملات اسرائیل سے آغا خان سوم کو بری الذمہ قرار دیا مگر ہمارے ایک کرمفرما نے ہمیں انگلستان کی کیسل اینڈ کمپنی لمیٹڈ لندن کی (مطبوعہ ۱۹۵۴ء) خود آغا خان کی تحریر کردہ کتاب "آغا خان کی یادداشتیں (THE MEMOIRS OF AGHA KHAN)" بھجوا دی ہے جس کے صفحات ۱۵۰ تا ۱۵۲ ہم نذر قارئین کر رہے ہیں۔

جنگ کی گرماگرمی میں بہت سے کیے گئے وعدے پس پشت ڈال دیے گئے، بالخصوص یورپ کے مرد بیمار ترکی کے سلسلے میں کچھ وعدے ۱۹۱۹ء کی ابتداء میں کیے گئے تھے مگر بعد میں طاقتور حریفوں نے ان کا ایفاء قطعی غیر مناسب خیال کیا۔ میکموہن کے وہ خطوط جو ۱۹۱۵ء میں مصر کے ایکٹنگ ہائی کمشنر کو تحریر کیے گئے تھے اور جو شریف حسین مکہ کے سلسلے میں تھے ان میں کیے گئے وعدے بھی بالفور ڈیکلریشن ۱۹۱۷ء سے عدم مطابقت کی بنا پر غیر مناسب سمجھے گئے۔ برطانیہ اور فرانس دونوں نے یورپ کے مرد بیمار ترکی کے بڑے بڑے علاقوں کو اپنے اپنے اثرات کے مطابق اپنی اپنی تولیتوں اور حلقہ اثر میں لے لیا سب سے زیادہ شرارت آمیز اور بے ایمانی پر مبنی روس کا (اس وقت زار روس کی حکومت تھی جو یونانی و رومی شہر بازنطین کا دعویدار تھا) یہ دعویٰ تھا کہ قسطنطنیہ اُسے دیدیا جائے۔

محمد نعیم عارفی

اس دور کے تمام برطانوی سیاسی لیڈر جو مذاکرات امن میں اپنے کچھ نہ کچھ اثرات رکھتے تھے سب ترکوں کے خلاف تھے۔ لائیڈ جارج جو برطانوی وزیر اعظم تھا یونانی لیڈر وینی زی لس کا دوست تھا اُسے یونان اور ویلز میں بہت سی تاریخی مماثلتیں نظر آتی تھیں۔ چنانچہ وہ جذباتی طور پر یونانی مطالبات کا موید تھا اور اگرچہ بظاہر ترکی کا مخالف نہ تھا مگر یونانی مطالبات کا حامی تھا۔ آرتھر بالفور جس نے لارڈ روتھ شیلڈ کو خط لکھا تھا کہ حکومت برطانیہ کا ارادہ ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کے لیے ایک "نیشنل ہوم" قائم کر دیا جائے۔ ظاہری طور پر بڑی سرگرمی کے ساتھ یہود نواز تھا، ساتھ ہی وہ نسلی اور تاریخی دونوں طرح ترکوں کے شدید خلاف تھا۔

اب آیئے صیہونیت کی طرف، میں صیہونیت کے لیے شروع سے ہمدردانہ رویہ رکھتا ہوں، بمبئی میں میرے ابتدائی ایام میں جو جذبات اور سرگرمی سے بھرپور تھے میرے ایک بڑے عزیز دوست پروفیسر ہاف کائن (HAFFKINE) صیہونی تھے۔ یہ بھی ان ذہین فاضل روسی یہودیوں میں سے تھے، جو زار روس کی طرف سے ظلم و جبر اور سخت گیری کے نتیجے میں مغربی یورپ کی طرف بھاگ آئے تھے۔ پروفیسر ہاف کائن بھی دیگر بہت سے صیہونی احباب کی طرح پُرامید تھے کہ سلطان ترکی سے پُرامن مذاکرات کے نتیجے میں ارض مقدس فلسطین کا کوئی مناسب حل نکل آئیگا۔ یہ حل یورپ کے گنجان علاقوں کے یہودیوں کے لیے اُن یہودیوں سے بھی زیادہ فائدہ مند ہوگا جو زار روس کی حکومت میں اقامت گزیں تھے جہاں آبادی نسبتاً اتنی زیادہ نہیں تھی۔ سلطان ترکی سے تصفیہ ہو جانے کی صورت میں ارض مقدس میں بڑی تعداد میں زراعتی زمین خریدی جاتی تھی جس کے لیے یورپ میں رہنے والے سرمایہ دار یہودی رقوم فراہم کرنے پر تیار تھے۔ یہ زرعی اراضی سب ان لوگوں سے خریدی جانی تھی جو اس وقت سلطان ترکی کی رعایا تھے۔ جیسا کہ پروفیسر ہاف کائن کی تجویز تھی میں بھی اس انداز کی صیہونیت کو عملی اور مفید خیال کرتا تھا اور اس کا حامی تھا۔ اس وقت تک اس تجویز میں یہودیوں کی کسی بڑی یہودی قومی حکومت کے قیام کا اشارہ نہیں تھا، چنانچہ میرے خیال میں اس تجویز کو مناسب انداز سے ترک ارباب حل و عقد کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے تھا۔ اس سلسلے میں تبادلۂ آبادی کا مسئلہ بھی درپیش تھا بالخصوص سرکاشین مسلمانوں کا جو عقیدے کے اعتبار سے مسلمان تھے مگر خالص یورپین تھے یہ حضرات ان علاقوں میں آباد تھے جو آجکل مملکت اردن میں شامل ہیں۔ یہ بہترین موقع تھا جس سے فائدہ اٹھا کر سلطان عبدالحمید خاں ساری دنیا کے یہودیوں سے اتحاد اور دوستی کے مضبوط رشتے قائم کر سکتا تھا۔ اور زیادہ وسیع تر بنیادوں پر دیکھا جائے تو یہودیوں اور عربوں دونوں کے لیے فطری مواقع موجود تھے جو (SEMITIC PEOPLE) ہونے کے ناطے بہت سی باتوں میں مشترک ہیں ان دونوں کو قریبی دوست بن جانا چاہیے تھا۔ افسوس ایسا نہ ہو سکا اور اب تقریباً گزشتہ تیس سال سے دونوں قومیں ایک دوسرے کی کٹر دشمن ہیں۔ مزید صیہونیت سے قربت کے سلسلے میں ایک بات یہ ہوئی کہ جب میں پہلی مرتبہ ۱۸۹۸ء

حاصل مطالعہ

میں پیرس گیا تو پروفیسر ہاٹ کاٹن نے مجھے کچھ تعارفی خطوط دیے جو اس نے اپنے صہیونی دوستوں کو لکھے تھے میں جن لوگوں سے ملا ان میں "ج سادتت" اور ربی صارک کاہن خاص تھے۔ مسٹر کاہن کے ذریعہ میری ملاقات مشہور شخصیت بارن ایڈمنڈ روتشیلڈ سے ہوئی بارن روتشیلڈ صہیونیت کے لیے کام کرتے تھے۔ ابتدائی طور پر فلسطین میں آباد ہونے والے لوگوں کو سرمایہ انہوں نے ہی فراہم کیا تھا۔ بیشتر یہودیوں کی فلسطین میں خوشحالی اور آبادکاری انہیں کی مرہون منت ہے جب میں ان سے ملا تو انہوں نے اپنے دو بیٹوں سے بھی مجھے ملوایا۔ بڑے جیمز روتشیلڈ جو اس وقت کیمبرج یونیورسٹی میں انڈر گریجویٹ تھے اور دوسرے موالیس روتشیلڈ جو نیول کیڈٹ کی وردی میں ایک کم عمر طالب علم تھے۔ بارن روتشیلڈ تاحیات میرے دوست رہے۔ یہ دوستی تقریباً پچاس سال قائم رہی اور اب ان کی وفات کے بعد ان کے دونوں صاحبزادے میرے بہترین اور قریبی دوست ہیں۔

ربی کاہن نے فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری پر ایک مفصل اور مدلل بیان مرتب کیا جو ان کے دوستوں اور خود ان کی طرف سے تھا۔ اس کی رو سے جہاں یہودیوں کو وطن فراہم ہو جاتا وہیں حکومت ترکی کو استحکام اور استقرار بھی ملتا۔ اس بیان کا ایک اہم نکتہ یہ تھا کہ حکومت ترکی کوئی ایک قومی حکومت نہیں ہے یہ مختلف اقوام اور مختلف نسلوں پر مشتمل ایک بڑی حکومت ہے۔ اپنے دوست ربی کاہن کی تجویز کے مطابق میں نے سلطان عبدالحمید خاں سے اپنے دوستوں پیرس میں ترکی کے سفیر منیر پاشا اور سلطان کے ذاتی سیکرٹری عزت بے کے ذریعے سلسلہ جنبانی کی۔ یہ تجویز بہرحال جیسی بھی تھی اچھی یا بری سلطان عبدالحمید خاں کی طرف سے مسترد کردی گئی اور پھر میں نے اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا مجھے کہنے دیجئے کہ اس تجویز کا رد کردینا میرے نزدیک سلطان عبدالحمید خاں کی فاش غلطیوں میں سے ایک تھی۔

چند ہی سال بعد ۱۸-۱۹۱۷ء میں شکست خوردہ ترکی بالکل تبدیل ہو چکا تھا۔ ترکوں سے اپنا مفاد حاصل کرنیوالے گروپوں میں سے صہیونی بھی ایک ذہین گروپ تھا جو نیشنلزم کے حامی بھی کافی طاقتور تھے علاوہ برطانوی حکومت میں عرب قومیت کے مداح اور ہمت افزائی کرنے والے لوگ موجود تھے مثلاً سر گلبرٹ کلیٹن، ٹی۔ ای لارنس اور ان جیسے بہت سے "نام نہاد" پولیٹکل افسران تھے جو مشرق وسطی میں خدمات انجام دے چکے تھے، مجھے کہنے دیجئے ان حضرات نے موقع بے موقع عرب قومیت کے فتنے کو اعلانیہ اور باطنی طور پر ہر طرح ابھارنے کی کوشش کی۔ حکومت برطانیہ نے فلسطین میں اپنا عسکری نظام قائم کر لیا تھا۔ فرانسیسیوں نے یہ دعویٰ کردیا کہ یروشلم کے مقدس مقامات کی حفاظت اور دیکھ بھال ان کا حق ہے۔ یونانی جنہیں بعض انگریز موقع پرستوں نے چڑھا دیا تھا یونان کی توسیع مملکت کے لیے کوشاں تھے جو بیحد خطرناک تھی۔ کلامنسو جس کے پاس امن کانفرنس میں حقیقی طاقت تھی عربوں سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتا تھا۔ امریکہ نے ان ہی دنوں مجھ سے ایک انٹرویو میں بڑی صفائی سے یہ اعتراف کیا کہ فلسطینی مسئلہ کے بارے میں وہ بہت ہی کم واقفیت رکھتے ہیں۔

••

افغانستان: صفحہ نمبر ۸ کا باقی حصہ

افغانستان میں آزاد اسماعیلی ریاست کے قیام کے لیے روسی اسماعیلی گٹھ جوڑ

روسیوں نے اسماعیلی ڈیفنس فورس کے کمانڈر سید جعفر کو صوبہ بغلان کا گورنر مقرر کردیا

منصور اس پر تیار ہیں۔ وہ انہیں رہا کروا کے آپ کے حوالے کردیں گے۔

روسی افسر۔ اگر سید منصور اس معاملہ میں دلچسپی لیں تو ہمیں امید ہے کہ اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے سید منصور نے حال ہی میں آپ کو بغلان کا گورنر مقرر کرنے کے بارے میں ہم سے مذاکرات کیے تھے۔ کیا آپ ہماری واپسی کے دوران کسی بھی مسئلہ کو دبانے اور صوبہ کا دفاع کرنے کی خاطر خواہ قوت رکھتے ہیں؟

سید جعفر۔ جب آپ پائپ لائن (تیل و گیس) اور پل عمری کی حفاظت کے لیے قائم قلعہ گنی گریزن سے رخصت ہوں گے، تو گریزن کی سالانگ بانی دے کی اور علاقہ کی تمام پوسٹوں کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر ہوگی۔ اور میں اپنی قوت کے زور پر یہاں قبضہ برقرار رکھوں گا۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ ہم اس علاقہ کی حفاظتی چوکیوں کو ۱۰۰ فیصد اطمینان کے ساتھ قائم اور محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ آپ یہ بھی اطمینان رکھیں کہ آپ کے گرفتار شدہ سپاہی ۲۰۰ جو ڈاکٹر اسماعیل کے پاس ہیں لوٹا دیئے جائیں گے۔

یوں طرفین کی جانب سے مسکراہٹوں کے تبادلے اور ہاتھ ملانے کے بعد گفتگو کا اختتام ہوا۔ سید جعفر نے روسی زبان میں ان افسروں کا شکریہ ادا کیا۔

اس ملاقات کے بعد سید جعفر نے اعلان کیا کہ قلعہ گنی کی ساری پوسٹیں ۲۰۰ جو روسیوں کی تھیں اب ہمارے اختیار میں ہیں ان میں سب کچھ یہاں تک کہ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں بھی موجود ہیں اب یہ سب ہمارے ہیں ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ روسیوں نے ہمیں آرٹلری کے بھاری ہتھیار بھی دئیے ہیں کیونکہ ہم ان کی بہتر دیکھ بھال کر سکتے ہیں۔ اس جنگ سے پہلے ہم خود کو غیر محفوظ سمجھتے تھے، لیکن یہ جنگ ہمارے لیے ۱۰۰ فیصد مفید ثابت ہوئی ہے ہم اپنا مستقبل محفوظ رکھنے کے لیے بہت بڑی تعداد میں ہتھیار حاصل کر چکے ہیں۔ آئندہ افغانستان میں کوئی بھی حکومت آئے قطع نظر اس کے کہ وہ کس کی ہوگی اسے اسماعیلیوں کی آزاد قوت سے بات کرنی پڑے گی۔

••

---

۲۷ جولائی ۱۹۸۹ء

جائزہ: صفحہ نمبر ۳۸ کا باقی حصہ

ملاحظہ فرمائیے۔

"اے لوگو، عورتیں ایمان میں ناقص، حصوں میں ناقص اور عقل میں ناقص ہوتی ہیں۔ نقص ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ ایام کے دوران نماز اور روزہ انہیں چھوڑنا پڑتا ہے اور ناقص العقل ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے۔ اور حصہ اور نصیب میں کمی یوں ہے کہ میراث میں ان کا حصہ مردوں سے آدھا ہوتا ہے۔ بری عورتوں سے ڈرو اور اچھی عورتوں سے بھی چوکنا رہا کرو، تم ان کی اچھی باتیں بھی نہ مانو تاکہ آگے بڑھ کر وہ بری باتوں کے منوانے پر نہ اتر آئیں۔ (نہج البلاغہ اردو ترجمہ، مفتی جعفر حسین صاحب۔ خطبہ ۷۸، صفحات ۲۷-۲۸۔ شائع کردہ امامیہ کتب خانہ مغل حویلی، اندرون موچی گیٹ لاہور)

نہج البلاغہ میں حضرت علیؓ سے منسوب یہ ہدایت کہ عورتوں کی اچھی باتیں بھی نہ مانو تاکہ وہ بری باتیں منوانے پر نہ اتر آئیں خشت دانہ نظر آتی ہے۔ اہل سنت تو بآسانی اس کی توجیہہ یہ کر سکتے ہیں کہ نہج البلاغہ تحریف سے پاک نہیں ہے اور قرآن کے سوا کسی بھی کتاب کے بارے میں کامل صحت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اہل تشیع چونکہ نہج البلاغہ کو قطعی غیر محرف قرار دیتے ہیں، اور اس میں درج حضرت علیؓ سے منسوب تمام اقوال، ان کے نزدیک تو بہر صورت واجب التسلیم و اطاعت ہیں کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق یہ امام معصوم یعنی ایسی ہستی کے اقوال ہیں جس سے نہ زمانے کی غلطی صادر ہو سکتی ہے نہ عمل کی لہٰذا نہیں تو

باقی صفحہ نمبر ۳۷ پر

واخان

ایک نئے اسرائیل کے قیام کی تیاریاں



نشان زدہ علاقہ واخان کا ہے ۔ نقشہ سے ظاہر ہے کہ یہ علاقہ چار ممالک کا نقطۂ اتصال ہے

افغانستان سے پسپا ہوتا ہوا روس، خطہ میں اپنا کردار قائم رکھنے کے لیے آخری جتن کر رہا ہے۔ اس نے پاکستان، چین اور بھارت پر نظر رکھنے کے لیے پہلے واخان کا علاقہ ببرک کارمل کی کٹھ پتلی افغان انتظامیہ سے پٹے پر حاصل کیا (یکم فروری ۸۹ء کے نوائے وقت کی اطلاع کے مطابق) اب اس علاقہ کو ایک مشکوک اقلیت کے حوالہ کر دیا گیا ہے۔

واخان کے کیا کوائف ہیں ؟ روس، چین، پاکستان اور بھارت کو ملانے والی اس پٹی میں سو فیصد آبادی اسماعیلی کمیونٹی کی ہے۔ اس علاقہ میں وافر جنگلات پائے جاتے ہیں۔ جنگلات کی اہمیت اپنی جگہ، اس کی اصل اہمیت دنیا کے چار انتہائی اہم ممالک کا نقطۂ اتصال ہونا ہے۔ جہاں بڑی تیزی سے تبدیلیاں واقع ہو رہی ہیں، ان تبدیلیوں کے اثرات نہ صرف خود یہ ممالک، بلکہ پوری دنیا محسوس کر رہی ہے۔

واخان افغانستان کا وہ واحد علاقہ ہے جس کے باشندے دس سال تک جاری رہنے والے جہادِ آزادی سے لاتعلق رہے ہیں۔ نہ صرف لاتعلق رہے ہیں بلکہ روس کے حامی و مددگار بھی رہے ہیں۔ حامی و مددگار ان معنوں میں کہ روسیوں نے کٹھ پتلی افغان انتظامیہ سے یہ علاقہ پٹے پر حاصل کرنے کے بعد یہاں فضائی اڈے قائم کیے جہاں سے نہ صرف افغانستان میں مجاہدین کی سرگرمیوں کو سبوتاژ کیا گیا بلکہ پاکستان کے علاقہ پر بھی حملے کیے گئے۔ روسیوں کی ان کارروائیوں کو مقامی آبادی کا مکمل تعاون حاصل رہا ورنہ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ کسی آبادی کی رضامندی کے بغیر وہاں پر اڈے قائم کر کے کھلم کھلا جنگی اور تخریبی کارروائیاں کی جا سکیں۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب اس علاقے کے سلسلہ میں حالیہ انتظامی تبدیلی پر غور کیجئے۔ اطلاعات کے مطابق واخان کے پورے علاقہ کو اسماعیلی برادری کی تحویل میں دیدیا گیا ہے اور یہاں پر اس کمیونٹی کے علاوہ کسی اور کو مداخلت کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ اس علاقے کو روسیوں کے سپرد کرنے کی پہلی کارروائی اس وقت ہوئی تھی جب روسی اس علاقے میں قدم جما رہے تھے اور اب اس علاقہ کو آغاخانیوں کے سپرد اس وقت کیا گیا ہے جب روسی یہاں سے جا رہے ہیں انہیں اس علاقہ پر اس قسم کے حقوق دیئے جا رہے ہیں جو ایک مملکت کے اقتدارِ اعلیٰ سے کم نہیں۔ یہ کارروائی

فاروق عادل

کس سلسلے کی کڑی ہے ؟

یہ جاننے کے لئے ہمیں ایک سال ماضی میں لوٹنا پڑے گا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۸ء کو بعض قومی اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پاکستان نے اقوام متحدہ کے بعض سفارتکاروں کو ناپسندیدہ قرار دیکر، ملک چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ یہ خبر ہمارے ۲۲ دسمبر ۱۹۸۸ء کے شمارہ میں شائع ہوئی۔ اس کے مندرجات پر ایک نظر ڈالئے۔

"حکومت کو بعض غیر ملکی سفارت کاروں کے ایک گروہ کے بارے میں معلوم ہوا ہے جو پاکستان اور چین کے درمیان ایک آزاد ریاست کے قیام کے لیے سرگرم عمل ہیں، جن کے قیام سے پاکستان اور چین کے زمینی روابط منقطع ہو سکتے ہیں"

اس سازش میں ملوث سفارت کار پاکستان میں اقوام متحدہ کے مختلف اداروں میں متعین تھے جن میں سے چار سفارت کار یہودی اور چار ہندو تھے جنہیں سفارتی ضابطوں سے انحراف کرتے ہوئے پاکستان میں متعین کیا گیا تھا، حکومت پاکستان کو معلوم ہوا تھا کہ سفارت کاروں کے روپ میں جاسوسوں کے اس گروہ نے پاکستان کے شمالی علاقہ جات اور ایٹمی تنصیبات کے بارے میں بھی بھارت کو اطلاعات فراہم کی تھیں۔ اس کے علاوہ شمالی علاقہ جات میں آغاخانیوں اور سنی مسلمانوں کے درمیان فسادات بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی تھے۔ چین اور پاکستان کے درمیان زمینی روابط کو منقطع کرنے کیلئے ایک نئی ریاست کے قیام کے لیے سرگرم عمل ان نام نہاد سفارت کاروں کی سرگرمیوں کو پاکستان میں دہلی اور ہانگ کانگ کے سفارتی مشنوں کی مکمل اعانت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ

آغاخانی ریاست قائم ہورہی ہے۔ پیپلز پارٹی کے اخبار کی گواہی

پاکستان پیپلز پارٹی کے پرجوش ترجمان لاہور کے روزنامہ "شہاب"، کی ۱۶ فروری کی اشاعت میں یہ خبر شائع ہوئی ہے:۔ کوئٹہ (شہاب نیوز) افغانستان سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق افغان حکومت نے پاکستان اور چین کی سرحد کے قریب روسی علاقے سے ملحقہ افغان علاقہ واخان کو اسماعیلی فرقے کے حوالے کر دیا ہے کابل حکومت نے اس سلسلے میں ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جس کے مطابق واخان کے علاقہ میں کسی قبیلے کو آباد ہونے کی اجازت نہیں ہوگی اس کے علاوہ اس علاقہ میں جنگلات کاٹنے کی بھی ممانعت ہوگی۔ افغانستان نے واخان کا علاقہ اس سے قبل روسی فوجوں کے حوالے کر دیا تھا اور اس طرح یہ علاقہ براہ راست روسیوں کی عملداری میں تھا لیکن اب روسیوں کی واپسی کے بعد اس علاقے کو اسماعیلی فرقے کے حوالے کر دیا گیا ہے یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ واخان سے ملحقہ پاکستانی علاقے گلگت ہنزہ اور چترال کے علاقے میں بھی بڑی تعداد میں اسماعیلی فرقے کے لوگ آباد ہیں اور اس امر کو رد نہیں کیا جا سکتا کہ اسماعیلی فرقہ یہاں اپنی خود مختار ریاست قائم کرے گا۔ واضح رہے کہ پاکستان میں شاہراہ ریشم اور اس کے اردگرد تمام علاقوں پر پہلے ہی اسماعیلی فرقے کی اجارہ داری ہے۔ حکومت پاکستان ان علاقوں میں قائم سرکاری ہوٹل پہلے ہی اسماعیلی فرقے کے ہاتھوں فروخت کر چکی ہے۔



کی سازش پروان چڑھتی ہے تو اسماعیلی آبادی رکھنے کے باوصف پاکستان سب سے پہلے اس سے متاثر ہوگا۔ (بلکہ فرقہ وارانہ فسادات کے باعث ہو بھی چکا ہے) اس سلسلہ میں ہمارے عوامی نمائندوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس مسئلہ کو فوری طور پر نہ صرف پارلیمنٹ میں اٹھائیں بلکہ اسے بین الاقوامی پلیٹ فارموں پر بھی پیش کرنا ضروری ہے اس لیے کہ اس صورت حال سے پاکستان کی سالمیت خاص طور پر متاثر ہو رہی ہے۔ واضح رہے کہ چترال سے پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بیگم نصرت بھٹو قومی اسمبلی کی رکن ہیں جنہوں نے تا حال اس مسئلہ کا نوٹس نہیں لیا۔ امید کی جانی چاہیے کہ حکومت اس مسئلہ پر فوری توجہ دے گی۔

پیپلز پارٹی کی حکومت کا اس جانب متوجہ ہونا اس لیے اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ خود لاہور سے شائع ہونے والا پیپلز پارٹی کا ایک حامی اخبار "شہاب"، بھی اسی طرح کی خبر شائع کر چکا ہے کہ روس واخان میں اسماعیلی ریاست کی تیاریاں مکمل کر چکا ہے۔ کیا یہ ایک نئے اسرائیل کی طرف پیش رفت ہے؟

اس سارے قضیہ میں افغان مہاجرین کی بحالی اور دوبارہ آباد کاری کے سلسلہ میں اقوام متحدہ کے کمیشن کے سربراہ پرنس صدر الدین آغاخان کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیئے، جو خود اسماعیلی فرقے کے انتہائی اہم فرد ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا جو کردار ہو سکتا ہے "ظاہر ہے"

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ کیا یہ نئی مملکت قائم رہ سکے گی۔ اس کے لیے افغانستان میں روس کے حشر کا نظارہ کر لینا کافی ہے۔ جب مجاہدین نے افغانستان میں روس جیسی سپر طاقت کو قیام نہیں کرنے دیا تو اس نوع کی کسی نام نہاد ریاست کے قائم رہنے کی کیا ضمانت ہے؟

بعض دیگر سفارت خانے بھی ان سے تعاون کر رہے تھے۔

اس پس منظر میں واخان کا "اقتدار اعلیٰ"، آغا خانیوں کے سپرد کر دیے کی وجہ سمجھ میں آتی ہے اس علاقے کو گزشتہ دس سال تک روس افغانستان میں مجاہدین کے خلاف جہاد کا زور توڑنے کے لیے اور پاکستان میں تخریبی عمل جاری رکھنے کے لیے استعمال کرتا رہا ہے اور اب اس علاقہ کو رفتہ رفتہ آزاد مملکت کی حیثیت دیکر خطہ میں ایک ایسا خنجر بھونکنے کی تیاری کی جا رہی ہے جو اس علاقہ کے ممالک خاص طور پر چین اور پاکستان کے لیے درد سر بنا رہے۔

واخان کی سرحدیں کشمیر اور شمالی علاقہ جات، دونوں سے ملتی ہیں شمالی علاقوں میں اسماعیلی برادری پہلے سے ہی آباد ہے اور ان کے ذریعے پاکستان میں خونریز فسادات بھی کرائے جا چکے ہیں اس "ریاست"، کے قیام سے شمالی علاقوں کو پاکستان سے کاٹنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کے علاوہ روس اس ذریعے سے کشمیر میں بھی پاکستان کی سرگرمیوں پر نظر رکھ سکتا ہے۔ یہی معاملہ چین کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

چین کے ساتھ جو معاملہ ہوگا وہ چین کا دردسر ہے پاکستان کے لیے یہ معاملہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ واخان سے ملحقہ پاکستانی علاقہ چترال ہے جہاں پر بھی اسماعیلی بڑی تعداد میں آباد ہیں اگر ایک اسماعیلی ریاست قائم کر لی

جوابِ گنان

یا اللہ بس تُو ہی تُوں

رَب تُوں ______ رحمٰن تُوں
حق تُوں ______ پاک تُوں

سب کا پالنہار تُوں اللہ

عادل تُوں ______ حاکم تُوں
اوّل تُوں ______ آخر تُوں

سجدے کے لائق تُوں اللہ

ظاہر تُوں ______ باطن تُوں
حیّ تُوں ______ قیوم تُوں

سب کا مالک تُوں اللہ
تجھ سا نہ تیرے میں سے کوئی
کریم تُوں دیکھو سب عبدالکریم
لافانی تُوں باقی سب فانی ہیں
یا اللہ بس تُو ہی تُوں

کریم اللہ جل شانہ کا صفاتی نام ہے جو صرف اللہ جل شانہ کو زیب دیتا ہے۔ اس لئے آغاخان کو سب کی نام لینا مقصود ہو تو احتیاط برتنی چاہیئے اور بجائے "ہز ہائی نس پرنس عبدالکریم آغاخان" کہا جانے تاکہ اللہ اور بندہ کا فرق نمایاں ہے۔ (قرآن کی روشنی میں "قافلہ" کی وضاحت) علاء شبار احمد [illegible]

پیشکش ایک نو مسلم آغاخانی کراچی

شعبہ امل ملیشیا پاکستان

حیدر بری شیعہ امل ملیشیا، پاکستان

شیعہ امل ملیشیا کی سربراہ اس کے ایک عہدے دار کا نام



جوئے اور سٹے کی دُنیا کا بادشاہ:

اسلم نورالدین ناتھا

ایک پولیس افسر کے قتل کے پسِ پردہ حقائق بے نقاب

رپورٹ: ابنِ عثمان

کراچی پولیس کرائم برانچ نے گزشتہ دنوں کراچی کے بدنام جواری اسلم ناتھا کے جوئے کے ایک اڈے واقع، رلجر بازار پر چھاپہ مارا، اس چھاپے کی اطلاع چونکہ پولیس میں شامل بعض بکے ہوئے افسران نے پہلے ہی اسلم ناتھا کو دیدی تھی، لہذا پولیس پارٹی پر فائرنگ کی گئی، جس سے پولیس کا ایک سب انسپکٹر جاں بحق ہوگیا، پولیس کی جوابی فائرنگ سے دو جواری بھی ہلاک ہوگئے۔ اس مقابلے میں ایک درجن سے زائد افراد زخمی ہوئے اور ۳۰ ر افراد پکڑے گئے، زخمی ہونے والوں میں جواری کم اور پولیس والوں کی تعداد زیادہ بتائی جاتی ہے۔

پولیس نے داؤ پر لگی ہوئی دس ہزار روپے کی رقم اور بھاری تعداد میں خودکار اسلحہ برآمد کرلیا، جب کہ اس اڈے کا مالک اسلم ناتھا جائے واردات سے بھاگ جانے میں کامیاب ہوگیا۔ اس پورے واقعے میں پولیس کے دو سب انسپکٹر احمد علی اور محمد علیم سمیت پانچ سپاہی زخمی ہوئے۔ اس موقع پر گرفتار ہونے والوں میں جوئے کے اڈے کے مالک کا بھائی شہزاد ناتھا بھی شامل ہے۔

اسلم ناتھا کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ پورے کراچی میں مختلف مقامات پر جوئے کے اڈے چلاتا اور چلواتا ہے اور اور اس ضمن میں پولیس کے افسران کو خاصی بڑی رقم بطور بھتہ دیتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اسلم ناتھا کراچی میں چلنے والے ڈیڑھ سو جوئے کے اڈوں میں سے ۷۰ ر کا مالک ہے اور ۱۲ ر اڈوں سے اپنا حصّہ وصول کرتا ہے۔ اُن جوئے کے اڈوں پر روزانہ کروڑوں روپے کا جوا کھیلا جاتا ہے اور بعض اعلیٰ سرکاری افسران بھی جوا کھیلنے ان اڈوں پر آتے ہیں۔

اسلم ناتھا سنگین نوعیت کے متعدد مقدمات میں ملوّث رہا ہے، لیکن دے دلا کر اپنی جان ہر بار چھڑا لیتا ہے۔ پولیس نے کراچی بھر میں اسلم ناتھا کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مارے ہیں، لیکن کامیاب نہیں ہوسکی، بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ وہ کراچی میں ایک انتہائی اہم شخصیت کے بنگلے میں چھپا رہا اور اب اس کے ملک سے فرار ہونے کی افواہیں ہیں۔ اسلم نورالدین ناتھا، نورالدین اسماعیل ناتھا نامی شخص کا بیٹا ہے جو کسی زمانے میں کریم آباد کے علاقے میں ٹوٹی پھوٹی جوڑا کرتا تھا، لیکن بعد میں اُس نے معمولی بنیادوں پر چرس بیچنے کا کام شروع کردیا، نورالدین اسماعیل ناتھا کو کچھ مالی استحکام ہوا تو اس نے کریم آباد کی پرانی مارکیٹ میں ٹھیلے اور چابڑی والوں سے بھتہ لینا شروع کردیا، جو اس وقت چار آنے روز تھا۔ اس بات پر اس علاقے کے بدخشانی نامی ایک شخص سے اسکی تکرار ہوگئی، جو بالآخر تصادم کا روپ اختیار کرگئی،

اس تصادم کے بعد نورالدین اسماعیل ناتھا کریم آباد سے مکان چھوڑ کر لسبیلہ کے علاقے میں رہائش پذیر ہوا اور تمام اہلِ خانہ سمیت برے دھندوں کے ذریعے دولت جمع کی اور اپنے زیرِ زمین کالے دھندے کی حفاظت کے لئے کوچۂ سیاست کا بھی رُخ کیا، لیکن اس میدان میں وہ کامیاب نہ ہوسکا۔ اسلم ناتھا کا تعلق اسماعیلی آغاخانی برادری سے ہے، اس نے دلیپ کمار کی پاکستان آمد کے موقع پر بھی بڑے پیمانے پر اخراجات کئے تھے، ایک محتاط اندازے کے مطابق کراچی میں اسلم ناتھا کی سربراہی میں چلنے والے تقریباً ستّر جوئے کے اڈوں سے سات لاکھ روپے روزانہ کی آمدنی ہوتی ہے وہ مختلف مقدمات میں ملوث مفرور افراد کو پناہ دے کر اپنے پاس چھپائے رکھتا ہے اور پھر بوقت ضرورت انہیں استعمال کرتا ہے۔ اسلم ناتھا کے ملک سے فرار ہونے کی اطلاعات مل رہی ہیں، لیکن بات یہ ہے کہ جوئے اور سٹے کی دنیا کا اس قدر معروف شخص، اتنا بڑا جرم کرنے کے بعد ملک سے نکل کیسے گیا۔۔۔؟ اور اگر وہ ملک سے باہر نہیں گیا ہے تو وہ کراچی میں کہاں ہے؟ اس بات کا فوری سراغ لگایا جانا چاہیئے۔ تاہم اس سلسلے میں ہمیں کچھ نہیں ہوتا نظر آرہا ہے کیونکہ جس علاقے میں جوئے کا اڈہ ہے اُس علاقے کے تھانے کے کم از کم ساٹھ فیصد اخراجات اسلم ناتھا کے جوئے کی کمائی سے دیئے جاتے ہیں۔

اسلم ناتھا نے اپنے والد سمیت بلدیاتی انتخابات میں حصّہ لیا اور روپے پیسے کے بل بوتے پر کامیاب ہوا، پھر ایک پرانی دشمنی کی بدولت پیار علی الانہ کے مقابلے پر الیکشن ۸۸ء میں آزاد امیدوار تھا، جس میں ناکام ہوا۔ اس سلسلے میں معلوم ہوا ہے کہ الیکشن ۸۸ء میں اسلم ناتھا، ایم کیو ایم کے اشارے پر پیار علی الانہ کی طاقت کو کمزور کرنے کے لئے الیکشن میں کھڑا ہوا تھا، اس طرح وہ اپنے آغاخانی بھائی پیار علی الانہ سے انتقام لینا چاہتا تھا۔

بعد کی اطلاعات کے مطابق معروف جواری اسلم ناتھا، اپنے بعض خصوصی کرم فرماؤں کی بدولت فرار ہوکر بنکاک چلا گیا تھا۔ لیکن وہاں اس کی طبیعت گھبرا گئی۔ کچھ دنوں بعد وہ واپس آگیا۔ آجکل وہ اسلام آباد میں ایک بااختیار آفیسر کے گھر مقیم ہے۔ آجکل اس کے کراچی آجانے کی اطلاعات ہیں اور ممکن ہے کہ جس وقت یہ سطور آپ کے زیرِ مطالعہ ہوں، اسلم ناتھا، بعض بااثر افراد سے بالا ہی بالا کچھ "مک مکا" کرواکے خود کو جیش کرچکا ہو۔ ویسے اس کے بقیہ ساتھیوں کی مخاتوں کی بازگشت سنائی دے رہی ہیں۔ ••

زکوٰۃ کونسل میں شیعہ مجتہد؟

حکومت نے زکوٰۃ کونسل کی تشکیل نو کی ہے۔ لیکن اس میں ایک شیعہ مجتہد کا نام دیکھ کر حیرت ہوئی۔ کیونکہ شیعہ حضرات کو اسلام کا نام لینے والی حکومت نے زکوٰۃ سے مستثنےٰ کردیا ہے اور یہ لوگ سنی مسلمانوں کو "مرتد" کہہ کر ان سے زکوٰۃ وصول نہیں کرتے۔ اس طرح شیعہ حضرات زکوٰۃ دیتے ہیں نہ لیتے ہیں۔ تو پھر اس کونسل میں شیعہ مجتہد کس کی نمائندگی کررہے ہیں۔ — ایس۔ پی۔ علی۔ کراچی،

افغانستان آغا خانی سازشوں کی زد میں

افغانستان میں اسماعیلی ریاست کے لیے سازشوں کی چند مزید کڑیاں

رفیق افغان

" ہم اسماعیلی ہیں، جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں " --- اسماعیلیہ ڈیفنس فورس کے کمانڈر سید جعفر کا یہ جملہ روسی فوجی افسروں سے ان مذاکرات کا آغاز تھا، جو افغانستان سے روسی افواج کے انخلا سے چند یوم قبل شاہراہ سالانگ کی حفاظت کی یقین دہانی حاصل کرنے کی غرض سے روسیوں کی دعوت پر صوبہ بغلان کے مرکز تلعہ گئی میں ہونے تھے۔

سید جعفر کون ہیں ؟ ۔ افغانستان کے رہنے والے اسماعیلی افغان مجاہدین کی تاریخ ساز جدوجہد کو روسیوں کی حمایت، حوصلہ افزائی اور امداد سے کسی طرح سبوتاژ کرنے میں مصروف ہیں ؟ روسیوں کے انخلاء کے بعد افغانستان میں وہ کیا کردار ادا کر رہے ہیں اور اس سے قبل روسیوں کے خلاف جہاد کے دس برسوں تک کیا کرتے رہے ؟ ان جیسے سوالات کے جوابات تلاش کئے جائیں، تو عجیب و غریب حقائق سامنے آتے ہیں۔

افغانستان میں طویل جنگ کے دوران پچھلے برسوں میں صوبہ بدخشاں اور لغمان میں آباد اسماعیلی، روسی کابل افواج اور مجاہدین، دونوں سے روابط رکھنے اور اپنے معاملات طے کرنے والے گروپ کی شہرت رکھتے ہیں۔ مجاہدین روس جیسے طاقتور دشمن سے دست و گریبان ہونے کے سبب افغانستان کے عام اقلیتی گروہوں کے تعاون کی ضرورت رکھتے تھے، خواہ یہ تعاون مجاہدین کے شانہ بشانہ جنگ نہ لڑنے والوں کا کھلم کھلا روسی کابل انتظامیہ کی حمایت نہ کرنے کی صورت میں ہوتا تو بھی قابلِ قبول تھا۔

شمال مشرقی افغانستان کے صوبہ لغمان میں ۲۵۰۰ نفوس پر مشتمل "کیان" اسماعیلیوں کے " دار الخلافہ " کی حیثیت رکھتا ہے، جو کابل کو روس سے ملانے والی واحد بڑی شاہراہ سالانگ کے کنارے واقع ہونے کی بدولت خاصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہیں سید منصور نادری اور اس کے بیٹے سید جعفر نادری نے ایک مسلح اسماعیلی فورس قائم کی ہے، جس نے روسیوں کی حفاظت واپسی کی خاطر شاہراہ سالانگ کے ایک حصے اور اس پر قائم چوکیوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے مجاہدین سے براہِ راست محاذ آرائی کا آغاز کر دیا ہے۔

پینتالیس سالہ سید منصور افغانستان میں اسماعیلی اقلیت کے موجودہ سربراہ ہیں، جنہیں ان کے بھائی ملکی سید شاہ ناصر رہنما کے بعد اسماعیلیوں کا پیر مقرر کیا گیا تھا۔ سید منصور سردار داؤد کے دورِ حکومت میں جیل میں ڈال دئیے گئے تھے۔ پھر حفیظ اللہ امین کے دور میں بقول اسماعیلیوں کے انکے تین بھائیوں کو قتل کر دیا گیا۔ آٹھ برس قید میں گزارنے کے بعد روسیوں کی آمد پر سید منصور نادری رہا کر دئیے گئے۔ رہائی کے بعد کیان پہنچ کر ایک جانب انہوں نے روسیوں کے خلاف جاری جہاد میں غیر جانبدار رہنے کا اعلان کیا اور دوسری جانب اسماعیلیوں کی مسلح فورس تشکیل دے کر اسے مضبوط بناتے رہے۔ اس فورس کا کمانڈر انہوں نے اپنے ۲۴ سالہ امریکہ پلٹ بیٹے سید جعفر کو مقرر کیا، جو قبل ازیں اپنے والد کی گرفتاری کے فوراً بعد افغانستان سے فرار ہو کر انگلستان پہنچ گیا تھا۔ اس وقت اس کی عمر دس برس تھی۔ وہاں وہ برمنگھم کے



سعید جعفر



افغانستان میں آغا خانیوں کے سربراہ سید منصور

ایک اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ چودہ برس کی عمر میں وہ برمنگھم سے امریکہ ریاست پنسلوانیہ منتقل ہو گیا۔ اوائلِ شباب کا زمانہ تھا چنانچہ سید جعفر پنسلوانیہ کے آوارہ لڑکوں پر مشتمل موٹر سائیکل گروہ میں شامل ہو گیا۔ خود اس کے بقول اس نے امریکہ میں قیام کے دوران بے شمار " نامعقول " حرکتیں کیں۔ اس کے مشاغل میں اور معاملات کے علاوہ ڈرم بجانا بھی شامل تھا بعد میں اسماعیلیہ فورس کا کمانڈر بننے کے بعد بی بی سی چینل فور (۴) کو "کیان" میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے اس نے کہا کہ " اگر میں یہاں ڈرم بجاؤں تو لوگ سمجھیں گے کہ میں پاگل ہو گیا ہوں، لیکن میں یہاں بھی سفر کے دوران انگریزی موسیقی اور نئے گانوں سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ہوں۔ میں نے پنسلوانیہ میں نہایت عمدہ وقت گزارا جسے میں ہمیشہ یاد کرتا ہوں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کیان میں اپنے بہترین دوست پائیں گے، میں نہیں جانتا کہ اگر اب بھی میں امریکہ میں ہوتا تو کیا کرتا یا تو میں کروڑ پتی ہوتا اور یا پھر جیل میں۔ لیکن افغانستان میں جنگ کے آغاز کے بعد آغا خان، اپنے والد، خاندان اور لوگوں کے مفاد کو یاد رکھنا ضروری تھا، چنانچہ میں یہاں آ گیا۔ افغانستان لوٹتے وقت میں ۱۷ برس کا تھا، (اس موقع پر سید جعفر کے قیام امریکہ کی ایک تصویر دکھائی گئی، جس میں موصوف شراب کی بوتل سامنے رکھے گلاس ہاتھ میں تھامے بیٹھے ہیں) میرے لیے دو مختلف تہذیبوں میں رہنا بڑا مشکل تھا۔ لیکن مجھے رہنا پڑا ہم اسماعیلی آغا خان کو اپنا رہنما مانتے ہیں، جو ہمارے ۴۹ ویں زندہ امام ہیں اور اگر وہ یہ حکم دیں کہ سارے اسماعیلی مر جائیں، تو ہم مر جائیں گے۔ یقین جانئے کہ ہم ایسا ہی کریں گے "۔ سید جعفر کے بقول ان کی سرزمین کیان ستائیس ہزار کلومیٹر رقبہ پر مشتمل اور پورے ملک میں پھیلے ہوئے ۲۰ لاکھ اسماعیلیوں کا طاقتور مرکز ہے۔ سید جعفر کی جانب سے افغانستان میں دو ملین اسماعیلیوں کی موجودگی کا یہ دعویٰ بجائے خود مشکوک ہے۔ یہ دو ملین کل افغان آبادی کا لگ بھگ پندرہ فیصد بنتے ہیں، ان میں اگر تیس فیصد افغان شیعہ آبادی کا ایرانی دعویٰ بھی شامل کر لیا جائے، تو بقیہ آبادی صرف پچپن (۵۵) فیصد رہ جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر یہ دونوں دعوے

درست ہیں، تو سابقہ افغان حکومتوں، اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی اداروں کی جانب سے تیار کردہ افغان آبادی کے وہ مستند اعداد و شمار کہاں گئے.. جو برسہابرس تک سب کے لیے درست اور قابل قبول تھے اور جن کے مطابق افغانستان کی آبادی کا لگ بھگ ۹۰ فیصد سنّی مسلمانوں پر مشتمل ہے؟

سید جعفر کے مطابق کیان اگرچہ افغانستان کا ایک حصہ ہے لیکن کئی معنوں میں یہ ایک الگ ملک ہے۔ یہاں شیعہ اور سنی بھی رہتے ہیں لیکن ہر چیز بشمول بجلی، ٹیکس اور ہتھیار اسماعیلیوں کے کنٹرول میں ہے۔ افغان ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے رہتے ہیں، لیکن اس کے والد سید منصور کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دونوں طرف کے مسائل حل کرے۔ کیان کے عقب میں ہندوکش کا علاقہ بھی اسماعیلیوں کا ہے۔ کوئی بھی انہیں تنگ کرنا چاہے خواہ وہ کوئی بھی ہو، تو وہ اسکے خلاف لڑیں گے اور اسے علاقے سے باہر نکال دیں گے۔ اسماعیلیوں کے مسلح گروپ سالانگ ہائی وے کا کچھ حصہ کنٹرول کرتے ہیں۔ جہاں کابل حکومت کے دستے آزادانہ حرکت کر سکتے ہیں۔ جعفر کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس بارہ ہزار مسلح افراد ہیں اور ہم نے مجاہدین سے صلح کا معاہدہ کیا ہے، لیکن کبھی کبھار ان سے جنگ بھی ہو جاتی ہے، "تالہ برفاق "کیان کی سرحد ہے جس کی دوسری طرف مجاہدین کا علاقہ ہے، یہاں سے کابل اور پاکستان تک راستہ جاتا ہے، اگر ہم اسے کاٹ دیں تو مجاہدین کی سپلائی بند ہو جائے گی۔ یہاں بے شمار قبریں ہمارے ان آدمیوں کی ہیں، جو مجاہدین سے معاہدہ سے قبل ان سے جنگوں میں مارے گئے"۔

روسی انخلاء کے آخری مرحلہ میں سید جعفر کو صوبہ لغمان کا گورنر مقرر کر کے علاقے میں مجاہدین کی کارروائیوں کی روک تھام کی ہدایت کی گئی۔ لغمان کے علاوہ بدخشان کا گورنر بھی ایک اسماعیلی کو بنایا گیا اور اب ان دونوں مقامات پر اسماعیلی مسلح گروپ ملیشیا کی حیثیت سے مجاہدین کیخلاف جھڑپوں میں حصہ لیتے ہیں۔

سید جعفر صوبہ کا گورنر ہونے کے علاوہ اسماعیلی علاقوں میں ٹیکس جمع کرتا ہے، ان کے آپس کے جھگڑے نمٹاتا ہے اور شادیاں کرواتا ہے، اسے ان کاموں پر اس کے والد سید منصور نے مامور کیا ہے۔ سید جعفر کے والد سید منصور ہیں، جو افغانستان کی اسماعیلی برادری کے سربراہ ہیں، بی۔ بی۔ سی۔ چینل فور کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ "حکومت اور اپوزیشن دس برس تک بے فائدہ جنگ لڑتے رہے۔ یہ جنگ ملک کے مفاد میں نہیں تھی، ہم اس جنگ میں کسی کے ساتھ نہیں تھے۔ اس لیے اب ہم دونوں کے ساتھ ہیں۔ میں نے اپنے بیٹے کو کمانڈر اس لیے مقرر کیا ہے کہ وہ میرا ہر کہا ٹھیک ٹھیک مانے گا، وہ سب سے تعلقات رکھتے ہوئے ایک طاقتور اور منظم فورس تشکیل دے رہا ہے"۔ کیان قصبہ اسماعیلی علاقے کا مرکز ہے۔ سید جعفر کے مطابق "ہم یہاں دھاتی کارخانے اور ایسے ماہر کاریگر رکھتے ہیں، جو ہوائی جہاز بھی بنا سکتے ہیں۔ گھوڑوں، کتوں اور پرندوں کو سدھانے اور تربیت دینے کی مخصوص جگہیں، قالین بافی کا کارخانہ، اسلحہ سازی اور مرمت کا کارخانہ جہاں ہر قسم کے ہتھیاروں کی مرمت ہو سکتی ہے اور ایمونیشن سے بھرے ہوئے گوداموں کے کمرے بھی کیان میں موجود ہیں۔ ہم افغانستان کی جنگ میں کسی کی طرف نہیں، صرف اپنی طرف ہیں اور اپنی طرف کا مطلب آغاخان کی طرف ہے" --- کیان میں ایک جیل بھی ہے، جس میں ۴۴ قیدی ہیں، ان میں ایک تعداد حزب اسلامی افغانستان کے ان مجاہدین کی ہے، جنہیں اکا دکا پا کر گرفتار کیا گیا ہے۔ سید جعفر اور دیگر اسماعیلی کمانڈر، حزب اسلامی، افغانستان کے سخت مخالف ہیں۔، دیگر تنظیموں کے فارسی زبان کمانڈروں سے زبان کی یکسانیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حزب دشمنی کی مشترکہ بنیادوں کی تعمیر اور ان پر اچھے تعلقات کی عمارت کی تعمیر سید جعفر کی اوّلین ترجیح ہے۔ جمعیت اسلامی افغانستان کے ایک کمانڈر سے ملاقات کے دوران اسے درغلاتے ہوئے جعفر کا یہ کہنا اسماعیلیوں کے آئندہ عزائم کی بخوبی عکاسی کرتا ہے کہ "میرے بعض ساتھیوں کے خیال میں میں جب بھی کسی بڑی محفل میں ہوتا ہوں تو بلند آواز میں دہراتا ہوں کہ سید منصور اور حزب اسلامی کے درمیان تعلقات بہتر ہو گئے ہیں، حالانکہ ہمارے اور حزب کے درمیان تعلقات کا ویسا ہی پروٹوکول قائم ہے، جیسا بلی اور چوہے کے درمیان ہوتا ہے۔ ہم جمعیت اسلامی افغانستان کے رکن نہ بھی ہوں، لیکن ہمارا امزاج، قومیت اور زبان ایک ہے، ہم کبھی جمعیت کے دشمن نہیں ہوں گے، خواہ استاد ربانی اس کے رہبر ہوں یا کوئی اور۔ اگرچہ آپ ہم سے ماضی میں لڑتے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم آپ کی ہر خواہش کا احترام کریں گے"۔

روسی انخلاء سے قبل سید منصور اور سید جعفر کی سرگرمیاں اچانک تیز ہو گئیں۔ انہوں نے یکے بعد دیگرے روسیوں سے ملاقاتیں کیں اور بالآخر اس شرط پر کہ روسی انخلاء کے دوران شاہراہِ سالانگ اور انخلاء کے بعد بغلان صوبہ کی حفاظت کی ذمہ داری اسماعیلی فورس انجام دے گی، سید جعفر کو بغلان کا گورنر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ بغلان کے شہر قلعہ گنی میں روسی فوجی گریزن میں ہونے والی، اس بات چیت کی مکمل ویڈیو فلم بطور ثبوت ہمارے پاس موجود ہے۔

ذیل میں دی جانے والی گفتگو اس فلم سے لی گئی ہے اس ملاقات میں پانچ روسی افسران مع ترجمان موجود تھے، جب کہ سید جعفر اسماعیلیوں کی جانب سے تنہا نمائندہ تھے۔ یہ گفتگو جو روسی اور فارسی زبانوں میں ہوئی کچھ یوں تھی۔

سید جعفر۔ ہم اسماعیلی ہیں، جو کچھ کہتے ہیں وہ کرتے ہیں۔

روسی افسر۔ (ترجمان کی مدد سے) سید جعفر آپ ہمارے ان سپاہیوں کو رہا کروانے میں کیا مدد دے سکتے ہیں، جو حزبِ اسلامی افغانستان کے پاس قید ہیں؟

(واضح رہے کہ چند ماہ پیشتر چار روسی سپاہی بغلان میں حزبِ اسلامی کے کمانڈر ڈاکٹر اسماعیل کے پاس قید تھے۔ اور جن کی رہائی کے سلسلے میں اسلام آباد میں مجاہدین اور روسیوں کے نمائندوں کے درمیان ہونے والے مذاکرات میں بھی گفتگو ہوئی تھی اور جس کی تفصیل ہم تکبیر کے ایک گزشتہ شمارے میں دے چکے ہیں)

سید جعفر۔ آپ اپنے ملک واپس جا رہے ہیں۔ ہم اپنی طرف سے بہترین کوشش کریں گے کہ آپ کے قیدی ہر قیمت پر رہا ہو جائیں۔ خواہ اس کے لیے ہمیں رقم ہی کیوں نہ خرچ کرنی پڑے۔ ہم آپ کے سپاہی لوٹانے کا وعدہ کرتے ہیں تاکہ آپ مطمئن واپس لوٹیں اور اپنے اعلیٰ افسران کی تادیبی کارروائی کا شکار نہ ہوں، لیکن اس سلسلے میں آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔

روسی افسر۔ لیکن کیا یہ کام مشکل نہیں ہوگا؟ کیونکہ ہمارے آدمی حکمت یار کی تنظیم کے کمانڈر ڈاکٹر اسماعیل کی قید میں ہیں، شاید گلبدین انہیں آزاد کرنے پر تیار نہ ہوں

سید جعفر۔ اگر گلبدین تیار نہیں، تو کیا ہوا سید



سید جعفر اور روسیوں کے درمیان مذاکرات کا ایک منظر

باقی صفحہ نمبر ۵۷ پر

مرحوم بیٹے کے لیئے آغا خان سے جنت کی خریداری

میں آپ کا پرچہ بلا ناغہ دلچسپی سے پڑھتا ہوں - اسمٰعیلی اعتقادات کے سلسلہ میں مجھے ایک واقعہ یاد آگیا جو قارئینِ تکبیر کے لیئے بھی دلچسپی کا باعث ہوگا-

یہ ان دنوں کی بات ہے جب پاکستان نیا نیا بنا تھا اور جناب میاں امین الدین صاحب آئی سی ایس مدراس پورٹ سے تبدیل ہو کر کراچی پورٹ ٹرسٹ کے پہلے مسلمان اور پہلے پاکستانی چیئرمین بن کر آئے تھے - میں ان دنوں پورٹ کے کراچی کے محکمہ میں انچارج اسٹیبلشمنٹ تھا - میرے محکمہ کے ایک معمر آغا خانی بزرگ نے اپنے جواں سال صاحبزادے کی حادثاتی موت پر، جو کے پی ٹی بلڈنگ کے سامنے وقوع پذیر ہوا تھا، پراویڈنٹ فنڈ سے ایک بھاری قرض کی درخواست دی کہ مجھے خفیہ رسم (SECRET CEREMONY) ادا کرنی ہے- درخواست چیئرمین کو بھیجتے وقت میری نظر لفظ خفیہ پر پڑی تو اس کو ٹائپ کی غلطی سمجھتے ہوئے اس کی تصیح کر کے اسے SACRED (متبرک) کر دیا - جناب چیئرمین نے یہ لکھ کر کہ "یہ فضول خرچی ہے" درخواست نامنظور کر کے واپس بھیج دی - دوسرے روز وہ آغا خانی بزرگ معلوم کرنے آئے تو فائل ان کے سامنے رکھ دی - وہ درخواست پر میری تصیح دیکھ کر مجھ پر برس پڑے کہ لفظ کو کیوں بدلا گیا - میں ان سے بحث کرنے لگا کہ خفیہ کیا ہو سکتا ہے، متبرک ہو سکتا ہے، یہ ٹائپ کی غلطی تھی - مگر وہ نہ مانے اور میرے سر ہو گئے - میرے قریب بیٹھے ہوئے ایک ساتھی نے مجھے دبایا اور کہا کہ یہ صحیح کہہ رہے ہیں اور مجھے الگ لے جا کر سمجھایا کہ بھائی یہ اپنے لڑکے کے لیئے آغا خان یا ان کے نائب سے جنت خریدیں گے، آپ کو ان کی یہ رسم معلوم نہیں ہے - میں خاموشی سے اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور ان سے ہمدردی و معذرت کرنے کے بعد مشورہ دیا کہ آپ دوسری درخواست بطور اپیل کے لے آئیں، میں انشاءاللہ تعالیٰ کوشش کر کے آپ کو قرض دلا دوں گا - اس مرتبہ میں نے ان کی [illegible] کو اس سفارش کے ساتھ کہ یہ بزرگ اپنے کمیونٹی میں [illegible] مقام رکھتے ہیں اور یہ رقم ان کے لیئے اشد ضروری ہے - مزید یہ کہ اس دوسری درخواست کو میں نے اس وقت کے لیبر ویلفیئر آفیسر کے ذریعہ بھیجا جو ان رسومات سے واقف ایک پرانے سرد لعزیز سندھی تھے اور ہنوز کراچی میں بقید حیات ہیں، وہ بذاتِ خود اس درخواست کو چیئرمین کے پاس لے گئے اور سفارش کی، چنانچہ میاں امین الدین صاحب نے قرض کی منظوری دے دی اور اس طرح ان آغا خانی بزرگ نے اپنے لڑکے کے لیے جنت خریدی۔ (محمد آلِ حسن، بہار کالونی کراچی)

تکبیر (۵۰) ۱۴ مئی ۱۹۸۸ء

THE UNSOLVED MYSTERY OF THE CENTURY –

The world has been baffled by a mystical secrecy that surrounds the AGA KHANS, the inexplicable fervor of their followers and the mystifying legends associated with their religion – the ISMAILISM.

'UNDERSTANDING ISMAILISM'
(A Unique Tariqah of Islam)

examines from within, the substance and practice of Ismailism. Uncovers the perplexing legends transcending into "historical facts". Probes the mystical teachings of the arrant Assassins and it's aftermath. Plus recounts many many unforgettable anecdotes and incredible hypothesises. This penetrating study (180 pages) also includes a comparative survey and analytical scrutiny of JUDAISM, CHRISTIANITY and ISLAM.

Review --

". . . A lively and readable work of great value to all specialists whatever their own stands may be."

Peter Lamborn Wilson
Author of 'Scandal'

$7.00 plus $2.00 postage

Enquiries from bookstores, distributors and agents invited. Full trade discounts available.

A.M. TRUST, P.O. BOX 82584, BURNABY, B.C., CANADA V5C 5Z1
PHONE (604) 255-0317 or 298-8803

تکبیر (۴۸) ۱۷ نومبر ۱۹۸۸ء

ٹھکے پہ ٹھمکہ !



ملتان میں بیگم نادرہ خاکوانی کی رہائش گاہ پر بے نظیر بھٹو کارکنوں کے بھنگڑے کے جواب میں ٹھمکہ لگا رہی ہیں۔

تکبیر (۹) ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء

شیعہ امل ملیشیا ۔ پاکستان

حرکتہ امل

تنظیم کا منشور

معتمد اعلیٰ
ص - ب - رقم ۳۳۳۴۹
جمہوریتہ العربیتہ السوریہ

شیعہ امل ملیشیا کے منشور کا سرورق دمشق

تکبیر (۸) ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء

کیا عہدِ رسالت و خلافت عورتوں کیلیے دورِ جہالت تھا؟

دُخترِ خمینی کے فرمودات سے اُبھرنے والے چند سنگین سوالات

" محترمہ بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم بننے پر ایران کے عوام بہت خوش ہیں - اگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسوۂ حسنہ میں عورت کی سربراہی کا ثبوت نہیں ملتا، تو اس لیے کہ وہ دور، جہالت کا تھا اور اس وقت تک کوئی عورت اتنی تعلیم یافتہ اور تجربہ کار نہیں تھی کہ سربراہی کے عہدے پر فائز ہو سکتی " - (جنگ راولپنڈی جمعرات ۱۸ جنوری)

یہ ارشادات ایران کے امام خمینی مرحوم کی بیٹی خانم زہرہ مصطفوی کے ہیں، جو حال ہی میں پاکستان کے دورے پر آئیں - ان خیالات کا اظہار انہوں نے لاہور میں جنگ فورم میں خواتین کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کیا -

اگر معاملہ محترمہ بے نظیر بھٹو کے وزیر اعظم بننے پر ایران کے عوام کی مسرت تک محدود ہوتا تو ہمیں اس خبر کا نوٹس لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ ایران کے عوام اور حکمرانوں کو اس واقعے پر خوش ہونے کا حق کئی حوالوں سے حاصل ہے - نہ صرف یہ کہ پاکستان کے موجودہ حکمران خاندان کا نسلی رشتہ ایران سے ہے اور پاکستان کی مادر وزیر اعظم، جو حکمران پارٹی کی سربراہ بھی ہیں، ایرانی النسل ہیں، بلکہ یہ دونوں خواتین اہل ایران کی حکمران اکثریت کی ہم مذہب بھی ہیں - یہی وجہ ہے کہ ایرانی حکمرانوں اور عوام نے دوسرے مسلم ملکوں کے مقابلے میں پاکستان کی موجودہ زنانہ حکومت کا غیر معمولی انداز میں استقبال کیا اور اس حکومت نے بھی عرب دنیا کے مقابلے میں ایران سے اپنے تعلقات بہتر بنانے پر خصوصی توجہ دی - اس لیے اگر خانم زہرہ صاحبہ اپنے اظہار خیال میں یہیں تک محدود رہتیں تو ہمیں قلم اٹھانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن اصل قابلِ توجہ انکشاف انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ " اگر کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اسوۂ حسنہ میں عورت کی سربراہی کا ثبوت نہیں ملتا، تو اس لیے کہ وہ دور، جہالت کا دور تھا اور اس وقت تک کوئی عورت اتنی تعلیم یافتہ اور تجربہ کار نہیں تھی کہ سربراہی کے عہدے پر فائز ہو سکتی " -

دخترِ ایران کے اس انکشاف سے کئی نہایت سنگین اور سنجیدہ سوالات جنم لیتے ہیں، مثلاً یہ کہ کیا عہدِ رسالتؐ صرف مردوں کے لئے علم و آگہی کا دور تھا اور عورتیں نبوت کی روشنی پھیل جانے کے باوجود جہالت کے اندھیروں ہی میں غرق رہیں - کیا اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف مردوں کی تعلیم و تربیت کے لیے آئے تھے؟ - کیا قرآن پاک کی تعلیمات صرف مردوں تک محدود ہیں؟ - کیا جس نبیؐ نے طلبِ علم کو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے فرض قرار دیا، وہ اپنے عہدِ رسالتؐ میں بھی اس پر عمل کرانے میں ناکام رہا یا کیا اللہ کے رسولؐ نے اپنا فرضِ منصبی انجام دینے میں کوتاہی برتی؟ - کیا رسولِ خداؐ سے براہِ راست تعلیم و تربیت حاصل کرنے والی

ثروت جمال اصمعی

خواتین آپ کی ازواجِ مطہراتؓ اور بیٹیاںؓ اور پھر ان خواتین سے استفادہ کرنے والی اوّلین اسلامی معاشرے کی خواتین اور رسولِ خداؐ کی صحابیاتؓ، تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے دورِ جہالت ہی میں رہیں اور آج کی مغرب زدہ عورتیں یا ایران میں امام خمینی کے انقلاب سے فیضیاب ہونے والی خواتین ان کے مقابلے میں بہتر تعلیم و تربیت کی مالک اور زیادہ اہل اور قابل ہیں؟ اور کھل کر بات کی جائے تو خمینی کی بیٹی سے یوں بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ کیا ۱۴ سو برس پہلے عہدِ رسالتؐ کی عائشہؓ اور فاطمہؓ کے مقابلے میں آج کی بے نظیر اور خانم زہرہ نعوذ باللہ زیادہ علم اور اہلیت رکھتی ہیں؟ - کیا عہدِ رسالت اور دورِ خلافتِ راشدہ جس میں حضرت علیؓ کی حکمرانی کے بھی کئی سال شامل ہیں، آج کا دورِ ظلم و ستم کی عورتوں کے حوالے سے زیادہ روشن اور بہتر ہے؟ - پھر یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ انقلابِ ایران جس کے رہنماؤں میں خود دخترِ خمینی بھی شامل رہی ہیں اور جو ان کے نزدیک خالص اسلامی انقلاب ہے کیا اس نے ایران کی سربراہی اور کلیدی مناصب پر عورتوں کے متمکن ہونے کی کوئی گنجائش رکھی ہے؟ - کیا خانم زہرہ مصطفوی ایرانی دستور کی رو سے ایران کی صدر یا وزیر اعظم بن سکتی ہیں؟ -

ہمیں نہیں معلوم کہ دخترِ ایران کے پاس ان سوالوں کا کیا جواب ہے، لیکن ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ دنیا کے ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کے نزدیک پوری انسانی تاریخ میں سب سے زیادہ روشن، سب سے زیادہ تابناک اور علم و عمل کے حوالے سے سب سے زیادہ مثالی دور عہدِ رسالت اور عہدِ خلافتِ راشدہ ہی تھا - اس دور کو کسی بھی لحاظ سے خواتین کے لئے " دورِ جہالت " کہنے کا تصور بھی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا ہے اور جو کوئی مسلمان ہونے کا دعوے کرنے کے باوجود ایسا کہے اسے نرم سے نرم الفاظ میں بھی جاہلِ مطلق ہی کہا جا سکتا ہے - OO



جناب خمینی کی صاحبزادی - خانم زہرہ مصطفوی

مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو اور اندرا گاندھی کی سمادھیوں پر آغا خان کا نذرانۂ عقیدت

ٹائمز آف انڈیا کے مطابق اسمٰعیلی فرقے کے امام آغا خان اپنے دورۂ بھارت کے دوران راج گھاٹ، شانتی وان اور شکتی استھل کے دیدار کے لیے گئے، جہاں انہوں نے مہاتما گاندھی، جواہر لعل نہرو اور اندرا گاندھی کی سمادھیوں پر پھولوں کی چادریں چڑھائیں - وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مرحوم صدر فخر الدین علی احمد کے مزار پر بھی گئے اور پھولوں کا نذرانہ پیش کیا - واضح رہے کہ اسماعیلیوں کے روحانی پیشوا متعدد بار پاکستان کا دورہ کر چکے ہیں، لیکن انہوں نے قائد اعظم کے مزار پر جانے کی زحمت کبھی گوارا نہیں کی -

عورت کی سربراہی اور حضرت علیؓ

اہلِ تشیع علماء اور عوام کے لیے لمحۂ فکریہ

عورت کی حکمرانی اسلام میں جائز ہے یا نہیں، پاکستان میں موجودہ زنانہ حکومت کے آغاز سے اب تک اس موضوع پر بہت گفتگو ہو چکی ہے۔ قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ کے حوالوں سے دونوں طرف کے دلائل بتمام و کمال سامنے آچکے ہیں۔ برائے نام مستثنیات کو چھوڑ کر مسلک اہلِ سنت سے وابستہ دنیا بھر کے معروف علماء اور اسکالرز اور عالمِ اسلام کی دینی درسگاہوں کے دار الافتاء، بالکل دو ٹوک انداز میں عورت کی حکمرانی کو قطعی خلافِ شریعت اور اسے خوشدلی کے ساتھ مان لینے کو اللہ و رسولؐ سے بغاوت قرار دے چکے ہیں۔ تاہم اس عرصہ میں علماء اہلِ تشیع نے عموماً پرزور انداز میں عورت کی حکمرانی کو جائز قرار دیا ہے، ان کے بعض علماء نے اس معاملے میں خاموش رہنے کو ترجیح دی ہے اور علی الاعلان شریعت کی رُو سے عورت کی حکمرانی کو ناجائز ٹھہرانے والوں میں تو شاید کوئی بھی ممتاز شیعہ عالم شامل نہیں ہے۔

اہلِ سنت کے مقابلہ میں اہلِ تشیع کی یہ روش قابلِ غور ہے۔ آخر قرآن و سنت کے جو دلائل اہلِ سنت کے تمام مسالک کے علماء اور عوام کے لئے عورت کی حکمرانی کے ناجائز ہونے کے معاملے میں مکمل طور پر اطمینان بخش ہیں، وہی دلائل اہلِ تشیع کو قائل کرنے کا سبب کیوں نہیں بن سکے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لئے ہمیں قرآن و حدیث کے بارے میں اہلِ تشیع کے اصل عقائد کا جائزہ لینا ہوگا کیونکہ اسی کی روشنی میں یہ طے ہو سکے گا کہ زیرِ بحث معاملے میں قرآن و سنت کے دلائل ان کے لئے اس طرح موثر کیوں نہیں ثابت ہو سکے، جس طرح اہلِ سنت عوام اور علماء کے لئے ثابت ہوئے ہیں۔

اہلِ تشیع اگرچہ بظاہر قرآن کو اسی شکل میں، جس میں وہ آج ہمارے پاس موجود ہے، ماننے کا اقرار کرتے ہیں اور ان کے ایک مجتہد چند برس پہلے ٹی وی پر دکھائی جانے والی شاہِ ایران کی ایک مجلس میں ۳۰ پاروں کے اسی قرآن پر ایمان رکھنے کا واشگاف اعلان کر چکے ہیں، اس کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے مذہب کی اصل اور بنیادی کتاب اصولِ کافی (اور متعدد دوسری کتابوں میں) اس قرآن کو نامکمل اور ناقابلِ تحریف شدہ قرار دیا گیا ہے اور ان کی طرف سے کبھی اس کتاب اور اس میں درج عقائد سے برأت کا اظہار نہیں کیا گیا بلکہ تمام اہلِ تشیع کی طرف سے آج بھی اسی کتاب کو شیعہ مذہب کی بنیادی کتاب تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس صورت میں موجودہ قرآن پر۔۔۔ جو ہمارے نزدیک قطعی یقینی طور پر اصل، کامل اور ایک ایک حرف کی صحت کے ساتھ غیر محرف ہے کیونکہ اس کی صحت کی ذمہ داری خود اللہ تعالیٰ نے لی ہے۔۔۔ ان کے ایمان کے دعوے کو ان کے مذہب کے بنیادی عقائد تقیہ اور کتمان کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان کی رو سے مخالفین کے خوف کی بناء پر اصل عقائد کو چھپانا نہ صرف جائز ہے بلکہ انتہائی مستحسن اور مطلوب بھی ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں تفصیلی حوالوں کی گنجائش نہیں ہے، لہٰذا نہایت اختصار کے ساتھ مذکورہ بالا شیعہ عقائد کے ثبوت کے

ثروت جمال اصمعی

طور پر صرف دو اقتباسات ان کے مذہب کی بنیادی کتاب اصولِ کافی سے پیش کئے جا رہے ہیں۔

قرآن حکیم میں تحریف کے بارے میں اصولِ کافی میں درج ہے۔ "اصل قرآن میں سترہ ہزار آیات ہیں (حدیث ۲۸، صفحہ ۷۳) جبکہ موجودہ قرآن میں کل آیات صرف ۶۶۶۶ ہیں۔ اصل قرآن حضرت علی کے پاس تھا جو کہ بعد دیگرے ائمہؓ کے پاس سے ہوتا ہوا اب بارہویں امام حضرت مہدی کے پاس ہے جو عراق کے ایک غار میں چھپے ہوئے ہیں اور جب وہ قیامت کے قریب کے زمانے میں ظاہر ہوں گے تو اصل قرآن ساتھ لائیں گے"۔ (حدیث ۲۳، صفحہ ۷۳) اصولِ کافی کا اردو ترجمہ الشافی جلد ۲، مطبوعہ شمیم بکڈپو، ناظم آباد، کراچی)

اسی طرح تقیہ کے بارے میں، جس کا مفہوم دل کی بات چھپا کر زبان سے کچھ اور ظاہر کرنا ہے، اصولِ کافی میں حضرت جعفر صادق سے یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ:

"دین کے دس حصوں میں سے نو حصے تقیہ ہیں اور جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے"۔ (اصولِ کافی صفحہ ۴۸۲۔ مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ)

اب رہ گیا احادیثِ نبوی کا معاملہ۔ تو اس میں بھی صورت یہ ہے کہ ان کے راوی دنیا ہی میں رضائے الٰہی کی قرآنی سند پا جانے والے وہ صحابہ کرامؓ ہیں، جن میں سے گنتی کے چند کو چھوڑ کر باقی سب اہلِ تشیع کے نزدیک نعوذ باللہ منافق اور کافر تھے اور جن پر تبرا بھیجنا اور سب و شتم کرنا شیعہ مذہب میں نہ صرف کارِ ثواب ہے بلکہ اس کے بنیادی اصولوں کی رُو سے ان مکروہ اعمال کے بغیر کوئی شخص شیعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ صحابہؓ سے ان کے بغض کا معاملہ اتنا کھلا ہوا ہے کہ اس کے لئے ہم یہاں کسی حوالے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس مذہب کی تمام کتابیں صحابہؓ کے خلاف گالم گلوچ سے بھری ہوئی ہیں اور کوئی بھی بآسانی انہیں دیکھ کر اس بارے میں شیعوں کے طرزِ عمل سے واقفیت حاصل کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں حال ہی میں لمحۂ فکریہ کے عنوان سے شائع ہونے والے محمد اعظم طارق صاحب کے اہلِ تشیع کی کتابوں کے اقتباسات پر مشتمل پمفلٹ کا مطالعہ آنکھیں کھول دینے کے لئے بہت کافی ہے۔ یہ پمفلٹ خطیب جامع مسجد صدیق اکبر ناگن چورنگی ناظم کراچی سے بذریعہ ڈاک بھی منگوایا جا سکتا ہے۔۔

ظاہر ہے راویانِ حدیث سے اس درجہ بغض رکھنے اور انہیں خائن سمجھنے کے بعد پورے ذخیرۂ حدیث کی اہلِ تشیع کے نزدیک سرے سے کوئی قدر و قیمت باقی نہیں رہ سکتی۔ اس لئے یہ بالکل سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ نہ صرف عورت کی سربراہی بلکہ کسی بھی معاملے میں قرآن و سنت کے حوالے، اہلِ تشیع کو قائل کرنے میں موثر ثابت نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا ان سے بات ان ہی حوالوں سے ہونی چاہئے، جنہیں وہ خود بھی معتبر مانتے ہیں۔ ان میں سے اہم ترین چیز حضرت علیؓ کے خطبات و ارشادات کا مجموعہ نہج البلاغہ ہے جو ان کے ہاں قطعی غیر محرف تسلیم کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں نہج البلاغہ کی سند کو، ان کے ہاں اس قرآن کے مقابلے میں جو ان کے خیال میں بدل ڈالا گیا ہے اور ان احادیث کے مقابلے میں جن کے راوی ان کے نزدیک انتہائی غیر معتبر ہیں، برہانِ قاطع کا درجہ حاصل ہونا چاہئے۔

اسی بناء پر ہم پاکستان اور دنیا بھر کی ملتِ جعفریہ کے غور و فکر کے لئے، عورت کی سربراہی کے سلسلے میں قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ کے بجائے نہج البلاغہ سے حضرت علیؓ کے چند ایسے اقوال پیش کر رہے ہیں، جن میں انہوں نے عورت کی خصوصیات اور صلاحیتوں کی بارے میں اپنی رائے پیش کی ہے

باقی صفحہ ۵۷ پر

خانوادہ نبوت: بسلسلہ صفحہ نمبر ۴۷ کا باقی

بجھ لکھتا رہا تھا۔

بحیرا کی روایت میں نے جن کتابوں کے حوالہ سے نقل کی تھی یعنی حافظ ابن کثیر، ابن ہشام، ابن سعد وغیرہ ان میں سے کوئی سبائی (شیعہ) نہیں تھا، میں اس سلسلہ میں اپنے سابقہ مضمون میں لکھ چکا ہوں اس کو پھر پڑھ لیا جائے، یہاں اس بہتان کا میں جواب دینا چاہتا ہوں جو بلیغ الدین صاحب نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (مولانا علی میاں) مدظلہ پر لگایا ہے۔

میرے پاس مولانا موصوف کی کتاب سیرۃ نبویہ کا عربی نسخہ ہے، اس میں انہوں نے بحیرا (بحیرا نہیں) کے موضوع پر مولانا شبلی کی عبارت نقل کر دی ہے، اس کے بعد ایک نئے عنوان کے تحت مستشرقین اور خاص طور پر فرنچ مستشرق "کارا وے دو" کے اس بہتان اور افترا پردازی پر دو صفحات میں تنقید کی ہے کہ حضور کو سارا قرآن بحیرا نے سکھایا تھا۔ اس کے آخر میں مولانا مدظلہ نے وہ الفاظ لکھے ہیں جو بلیغ الدین صاحب نے سیاق مضمون سے کاٹ کر نقل کئے ہیں۔ "یہ بات (یعنی قرآن کریم کی تعلیمات کو بحیرا کی تلقین کرنے کی بات) وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کو تعصب نے اندھا کر دیا ہو یا خیال آرائی اور فرضی اور وہمی باتوں کی اس کو عادت پڑ چکی ہو" سو مولانا موصوف نے اصل روایت کی نہیں دشمنان اسلام کے افترا کی تردید کی ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں آیا ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ (سورہ مائدہ)۔ اب آنحضرت کے ابو طالب کے ساتھ سفر شام اور بحیرا سے ملاقات کے سلسلہ میں مشہور محدث حافظ ابو نعیم (مصنف حلیۃ الاولیاء) متوفی ۴۳۰ھ کی کتاب "دلائل النبوۃ" کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ موصوف نے اپنی اس مستند کتاب کے صفحات ۱۲۳ تا ۱۲۹ میں تفصیل سے اس موضوع کا ذکر کیا ہے اور بحیرا سے ملاقات کو صحیح تسلیم کیا ہے مگر ان کی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ ابو طالب نے حضرت بلال کے ساتھ ان کو مکہ مکرمہ واپس بھیج دیا، بلکہ یہ ہے کہ "ابو طالب حضور اکرم کے ساتھ فوراً ہی واپس ہو گئے اس ڈر سے کہ یہودی کہیں آنحضرت کو قتل نہ کر دیں" (ص ۱۲۹)

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد (ج ۱ ص ۱۷ نیا بیروت ایڈیشن) ترمذی کی اس روایت کی تنقید کرتے ہوئے جس میں آنحضرت کو حضرت بلال کے ساتھ واپس بھیجنے کا ذکر ہے، مسند البزار سے ایک دوسری روایت کا حوالہ دیا ہے، جس میں بلال کا نام نہیں بلکہ "رجلا" (ایک آدمی) لکھا ہے ________ حافظ ابن حجر نے "الاصابۃ" میں ترمذی کی مذکورہ روایت اور اس کے رواۃ کو ثقہ بتایا ہے اس تصریح کے ساتھ کہ اس روایت میں ابوبکر اور بلال سے متعلق ٹکڑا ثابت نہیں اور انہوں نے بزار کی روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۱۷۷) اور وہ بحیرا کے ذکر میں اس سے آنحضرت کی ملاقات کو صحیح مانتے ہیں (ص ۱۷۶)۔

امید ہے کہ اس روایت ترمذی کے سلسلہ میں محمود عباسی اور بلیغ الدین صاحب کے پیدا کردہ شکوک و شبہات قارئین کے ذہن سے نکل گئے ہوں گے۔ اصل میں دونوں صاحبان نے ابو طالب سے بغض و کینہ کے تحت اس روایت پر ناقص بحث کر کے اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ اپنے زعم میں بحیرا کے قصہ کی آڑ لے کر یہ ثابت کر سکیں کہ ابو طالب نے آنحضرت کی کفالت و نصرت نہیں کی۔ (جاری)

قرآن شریف کی آیت: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ ۔۔۔۔ سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ آیت ۵۹

کی حرمت و عظمت سے بے حد متاثر ہو کر یہ طغرہ خالص دینی جذبہ و فکر کے تحت شائع کیا گیا:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰى اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ؕ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

والد ماجد: حضرت عبداللہ

والدہ ماجدہ: حضرت آمنہ

اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ازواج مطہرات

1. سیدہ خدیجہؓ بنت خویلد
2. سیدہ عائشہؓ بنت حضرت ابوبکرؓ
3. سیدہ سودہؓ بنت زمعہ
4. سیدہ حفصہؓ بنت حضرت عمر فاروق اعظمؓ
5. سیدہ زینبؓ بنت خزیمہ
6. سیدہ ام سلمہؓ بنت ابی امیہ سہیل
7. سیدہ زینبؓ بنت جحش
8. سیدہ جویریہؓ بنت حارث
9. سیدہ ام حبیبہؓ بنت حضرت ابوسفیانؓ
10. سیدہ میمونہؓ بنت حارث
11. سیدہ صفیہؓ بنت حیی بن اخطب
12. سیدہ ماریہ قبطیہؓ

اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹے

1. قاسم — بچپن میں وفات پائی
2. عبداللہ — 〃 〃 〃
3. طاہر (طیب) — 〃 〃 〃
4. ابراہیم — 〃 〃 〃

بیٹیاں

1. سیدہ زینبؓ زوجہ حضرت ابوالعاصؓ اموی
2. سیدہ رقیہؓ زوجہ حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ اموی
3. سیدہ فاطمہؓ زوجہ حضرت علی مرتضیٰؓ ہاشمی
4. سیدہ ام کلثومؓ زوجہ حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ اموی

آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نواسے

1. حضرت علیؓ بن حضرت ابوالعاصؓ اموی
2. حضرت عبداللہؓ بن حضرت عثمان غنی ذوالنورین اموی
3. حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ ہاشمی
4. حضرت حسینؓ 〃 〃 〃

نواسیاں

1. سیدہ امامہؓ بنت حضرت ابوالعاصؓ اموی (زوجہ حضرت علیؓ ہاشمی)
2. سیدہ ام کلثومؓ بنت حضرت علیؓ ہاشمی (زوجہ حضرت عمر فاروق اعظمؓ)
3. سیدہ زینبؓ بنت حضرت علیؓ ہاشمی (زوجہ عبداللہ بن جعفر)
4. سیدہ رقیہؓ 〃 〃 〃 (بچپن میں وفات پائی)

سرپرست سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم

1. حضرت عبدالمطلب (آنحضورؐ کے دادا) ۸ سال کی عمر تک پرورش کی۔
2. حضرت زبیر (آنحضورؐ کے سب سے بڑے چچا) ۲۰ سال کی عمر تک پرورش کی (انکی سرپرستی میں جنگ فجار میں اور حلف الفضول میں شرکت کی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا

مسلم

1. اسد اللہ (شیر خدا) سید الشہداء حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہ)
2. حضرت عباس رضی اللہ عنہ

غیر مسلم

- عبد مناف (ابوطالب)
- عبد العزیٰ (ابولہب)

صحابۂ کرام جو خلیفہ بنے

1. حضرت ابوبکر صدیقؓ (مدت خلافت) ۲ سال ۳ ماہ ۱۰ دن
2. حضرت عمر فاروق اعظمؓ 〃 ۱۰ 〃 ۶ 〃 ۱۰ 〃
3. حضرت عثمان غنی ذوالنورینؓ 〃 ۱۱ 〃 ۱۱ 〃 ۱۱ 〃
4. حضرت علی مرتضیٰؓ (مدت خلافت) ۴ سال ۹ ماہ
5. حضرت حسنؓ 〃 〃 ۶ 〃
6. حضرت امیر معاویہؓ 〃 ۱۹ 〃 ۳ 〃

جو صحابہؓ کرام پر تنقید کرے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں سمجھے

جاری کردہ: تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات ولٹریچر ۔ پاکستان

عطیہ اشتہار: ایک نومسلم آغاخانی، کراچی۔

براہ کرم فوٹو اسٹیٹ بنوا کر زیادہ سے زیادہ مسلمانوں میں تقسیم کریں۔ شکریہ!

خانوادۂ نبوت سے متعلق ایک طغرے میں تاریخی اغلاط

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب کا یہ مضمون ہمیں تقریباً ایک ماہ قبل موصول ہوگیا تھا لیکن ہم فوری نوعیت کے مواد کی اشاعت اور صفحات کی محدود گنجائش کے باعث اسے بر وقت شائع نہیں کرسکے۔(ادارہ)

۲۸ ستمبر کے تکبیر کے صفحہ ۴۶ پر ایک طغراء (چارٹ) شائع ہوا ہے جو خانوادۂ نبوت سے متعلق ہے۔ اس کو ایک اشتہار کی حیثیت سے چھاپا گیا ہے اور غالباً اشتہار ایک نومسلم آغا خانی کی طرف سے ہے۔

افسوس کہ اس چارٹ میں تاریخی اغلاط کی بھرمار ہے! اس میں پیش کردہ بعض تفصیلات ان محدثین اور قدیم و جدید سیرت نگاروں کی تحقیقات و بیانات کے بالکل برخلاف ہیں جن پر جمہور مسلمین کا اعتقاد ہے۔ ایک دینی فریضہ سمجھتے ہوئے ان اغلاط کی نشاندہی اور ان کی تصحیح ضروری سمجھی گئی کیونکہ اس چارٹ سے عام مسلمانوں میں تشویش افکار اور بے یقینی کا اندیشہ ہے۔

۱۔ "اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کے عنوان کے تحت صرف ازواج مطہرات کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں سے آپ کی اولاد و اسباط کو نکال دیا گیا' یہ خلاف حقیقت بات ہے۔

صحیح بخاری میں "اہل بیت" میں جن شخصیات کا ذکر ہے ان میں سیدہ فاطمہؓ سرفہرست ہیں۔ اس اشتہار یا چارٹ میں ان کو اس سے خارج کر دیا گیا ہے۔ بخاری کے باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و منقبۃ فاطمۃ علیہا السلام" میں متعدد احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بیت میں سیدہ فاطمہؓ اور ان کی اولاد بھی شامل ہے۔ اس ذیل میں ایک حدیث حضرت ابوبکرؓ سے مروی ہے۔ "ارقبوا محمداً صلی اللہ علیہ وسلم فی اہل بیتہ" (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے اہل بیت سے تعلق میں خیال رکھو) ایک دوسری حدیث خود سیدہ فاطمہؓ سے مروی ہے' جس کا ترجمہ ہے: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بہت آہستہ سے ایک بات کی اور بتایا کہ آپ کے مرض الموت میں آپ کو دنیا سے اٹھا لیا جائے گا۔ اس لئے میں رونے لگی۔ پھر آپؐ نے ایک اور بات انتہائی آہستگی سے میرے کان میں کہی اور بتایا کہ میں ان کے "اہل بیت" (اہل بیتہ) میں پہلی فرد ہوں گی جو آپ کے بعد دنیا سے رخصت ہوں گی' اس لئے میں ہنسی" (ملاحظہ فتح الباری شرح صحیح البخاری' طبع دار الفکر ج ۷ ص ۷۸)

ان دونوں حدیثوں میں سیدہ فاطمہؓ کو آپ کے اہل بیت میں شمار کیا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں یہ آخری حدیث سیدہ عائشہؓ سے کافی تفصیل سے بیان کی گئی ہے (باب فضائل فاطمہ علیہا السلام) اس کے فوراً بعد ایک دوسرا باب "فضائل اہل بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم" ہے' اس میں سیدہ عائشہؓ سے مروی حدیث میں "اہل بیت" کی مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے:

ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمرہ سے باہر تشریف لائے اور آپ اون کی ایک کالی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حسنؓ بن علیؓ آئے۔ آپ نے ان کو اس کے اندر داخل کر لیا۔ پھر حسینؓ آئے اور وہ بھی اس کے اندر داخل ہوگئے۔ پھر فاطمہؓ آئیں' ان کو بھی اس کے اندر داخل کر لیا۔ پھر علیؓ آئے' ان کو بھی اس کے اندر داخل کر لیا۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ آیت پڑھی: انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیراً (بے شک اللہ چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ساری آلائشیں دور کر دے

ڈاکٹر سید رضوان علی

اور تم کو بالکل ہی پاک و صاف و مبرّا کر دے)

اس کو "حدیث الکساء" کہتے ہیں' جس کو مزید تحقیق کی ضرورت نہیں۔ اس کو چاہیئے کہ سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ کے اس آخری ٹکڑے کی تفسیر مشہور مستند و موثوق تفسیر ابن کثیر میں دیکھے (ج ۳ ص ۴۸۳ - ۴۸۶ طبع دار المعرفۃ بیروت) جہاں ان مشہور محدث و مفسر نے کافی احادیث اس آیت کی تفسیر میں جمع کر دی ہیں' یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس آیت کے مفہوم میں جو ازواج مطہرات کے سلسلہ میں اتری تھی' اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب بھی شامل ہیں' آنحضرتؐ نے خود یہ تفسیر فرمائی ہے۔

بلکہ اس معنی کی اس حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے جس کو "حدیث العترۃ" یا حدیث غدیر خم کہتے ہیں اور جو زید بن ارقمؓ سے صحیح مسلم میں اور جابر بن عبداللہ سے ترمذی میں روایت ہے اور جس میں آپ نے فرمایا تھا "وعترتی اہل بیتی" اور سنن نسائی میں ایک سائل کے جواب میں وارد ہے "کہ آل علی' آل عقیل' آل عباس اور آل جعفر ہیں جن پر صدقہ حرام ہے" (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر' صفحات سابقہ)

اس حدیث العترۃ پر دمشق کے مشہور محدث و محقق شیخ محمد ناصر الدین الألبانی نے' جو ۴۰ سال سے حدیث نبوی کی خدمت کر رہے ہیں' اپنی کتاب الاحادیث الصحیحۃ (ج ۴' ص ۳۵۵ - ۳۶۱) میں بحث کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے' مگر ساتھ ہی بڑی معقول اور حقیقت پسندانہ بات لکھی ہے کہ "شیعہ سخت غلطی اور زیادتی کرتے ہیں کہ اہل بیت النبیؐ سے مراد صرف آپ کی اولاد و اہل قرابت لیتے ہیں' اس میں ازواج مطہرات تو بدرجہ اولیٰ شامل ہیں کیونکہ ان کے سلسلہ میں ہی یہ آیت نازل ہوئی تھی) اور یہی میرے خیال میں ہر مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہیئے۔

۲۔ اس اشتہار یا طغراء لکھنے والے صاحب نے سیدہ ماریہؓ کو ازواج مطہرات میں داخل کیا ہے' جو غلط ہے۔ تمام کتب سیرت مثل سیرت ابن ہشام' زاد المعاد فی ہدی خیر العباد وغیرہ میں وہ آپؐ کی سریہ تھیں اور حاکم مصر مقوقس کی طرف سے ہدیہ میں آئی تھیں۔

۳۔ ان صاحب اشتہار نے "اہل بیت النبی" اور "آل النبی" میں فرق کیا ہے اور آل النبی میں آپؐ کے صرف نواسوں اور نواسیوں کو شامل کیا ہے۔

اہل بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرق بڑا عجیب اور قرآن و حدیث کے مفہوم بلکہ عربی زبان کے مدلولات سے بھی دور ہے۔ اگر یہ طغراء تیار کرنے والے صاحب المفردات فی غریب القرآن تالیف راغب الاصفہانی اور ابن منظور کی لسان العرب (طبلا) کو دیکھتے کہ "آل" "اہل" کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور قرآن کریم میں آل کا استعمال کس نسبت اور مفہوم میں ہوا ہے' اس کے لئے آل ابراہیم' آل عمران اور آل فرعون کے معنی کو دیکھنا چاہیئے جہاں یہ امت اور متبعین کے معانی میں استعمال ہوا ہے' تو شاید وہ یہ تفریق کرنے کی غلطی نہیں کرتے۔

ان صاحب نے اس استعمال کو مخصوص کر کے جو نماز کے درود شریف میں "آل محمدؐ" کے لئے استعمال ہوتا ہے

اس کو بہت محدود کر دیا ہے۔ اس سے مراد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ سب افراد ہیں، جو آپ کی شریعت پر قائم ہیں، جیسا کہ جعفر صادق بن محمد الباقرؒ نے اس کی تشریح فرمائی ہیں۔

۴۔ افسوس کہ اس میں ہاشمی اور اموی لکھ کر خاندانی عصبیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔

۵۔ ام المؤمنین سودۃ بنت زمعہؓ کا نام غلط طور پر "سودۃ بنت زمر" لکھا گیا ہے۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں اور نواسیوں کے بارے میں جو معلومات لکھی گئی ہیں، وہ غلط اور ناقص ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی سیدہ رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے جو ایک اولاد ہوئی تھی یعنی عبداللہ وہ جیسا کہ ابن حزم نے جمہرۃ انساب العرب میں لکھا ہے بچپن میں چھ سال کی عمر میں وفات پا گئے تھے۔

۷۔ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پہلے نمبر پہ جن نواسے یعنی حضرت علی بن حضرت ابی العاص (یہی صحیح نام جمہرۃ انساب العرب لابن حزم میں لکھا ہے) بن الربیع بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس کا ذکر کیا گیا ہے جو حضرت زینبؓ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، وہ ابتدائے جوانی (مراہقہ) میں انتقال فرما گئے تھے۔

حضرت ابو العاصؓ بن الربیع اور حضرت زینبؓ کے بطن سے جو صاحبزادی اُمامہ تھیں، ان کی شادی سیدہ فاطمہؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ سے ہوئی، مگر ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی اور حضرت علیؓ انتقال فرما گئے۔ پھر ان کی دوسری شادی حضرت عبدالمطلب کے پر پوتے المغیرہ بن نوفل بن الحارث سے ہوئی۔

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان داماد کو، جو پہلے کافر تھے اور پھر اسلام لے آئے تھے، یہ شجرہ یا طغرہ تیار کرنے والے صاحب نے اموی لکھا ہے، جو سراسر غلط ہے۔ یہ امیہ بن عبد شمس کے بھائی عبدالعزیٰ بن عبد شمس کی اولاد میں سے تھے، جیسا کہ کتب الانساب میں مذکور ہے۔

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں میں، جو حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے بطن سے تھے، تیسرے نواسے محسن کا نام نہیں لکھا ہے، جو بچپن میں وفات پا گئے تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مورخین انساب نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریّت صرف سیدہ فاطمہؓ کے بطن سے پھیلی، دوسری صاحبزادیوں کے بطن سے نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ کتب حدیث صحیح البخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں سیدہ فاطمہؓ کے مناقب میں بہت سی احادیث آئی ہیں، جن میں سے ایک صحیح اور مشہور حدیث "فاطمہ سیدہ النساء اہل الجنۃ" ہے جو ہر جمعہ کو خطبہ میں مسلمان سنتے ہیں۔

۱۰۔ اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں چار صاحبزادگان گنائے گئے ہیں حالانکہ صحیح تعداد صرف تین ہے۔ القاسم جو سیدہ خدیجہؓ کے بطن سے اسلام سے قبل پیدا ہوئے، دوسرے عبداللہؓ جو آپ ہی کے بطن سے بعثتِ نبوی کے بعد پیدا ہوئے۔ ثقہ مورخین جیسے ابن سعد مؤلف الطبقات الکبریٰ، ابن القیم مؤلف زاد المعاد فی ہدی خیر العباد نے ان ہی عبداللہ کے دو لقب، الطاہر، الطیب بتائے ہیں:

تیسرے ابراہیم سیدہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرپرستوں میں اس طغرا کے مصنف حضرت عبدالمطلب اور ان کے صاحبزادہ، زبیر بن عبدالمطلب کا نام لکھا ہے، جو حضرت ابوطالب کے بجائے ہے، یہ سراسر غلط ہے۔ حضرت ابوطالب کی سرپرستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صحیح بخاری اور دوسری کتب احادیث اور تمام کتب سیرت، جیسے سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، سیرت ابن سید الناس، زاد المعاد اور اردو کی سیرت النبی (شبلی نعمانی) اور رحمۃ للعالمین (قاضی سلیمان منصور پوری) وغیرہ میں ہے، جبکہ زبیر بن عبدالمطلب کا کہیں ذکر نہیں۔

پاکستان میں ایک نیا گروہ ایسا پیدا ہوا ہے، جو اہل بیت کے بغض میں سیدنا علیؓ کے بغض میں حضرت ابوطالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کے شرف سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ وہ صحیح البخاری میں باب قصۃ ابی طالب پڑھیں، جس میں حضرت عباس بن عبدالمطلب سے یہ روایت مذکور ہے:

"قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم ما أُغنیت عن عمک فانہ کان یحوطک و یغضب لک، قال ہو فی ضحضاح من نار، ولولا انا لکان فی الدرک الأسفل فی النار"

(حضرت عباس نے فرمایا کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے چچا کے کچھ کام نہ آئے، اگرچہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے دوسروں پر غصہ کرتے تھے، آنحضرتؐ نے فرمایا کہ وہ آگ کے اوپری حصّہ میں ہیں، جو صرف ٹخنوں تک آتی ہے۔ اگر میں نہ ہوتا تو "وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوتے۔")

۱۲۔ اور پھر افسوسناک بات یہ ہے کہ انہوں نے حدیث و سیرت کی موثوق کتابوں کو چھوڑ کر بلاذری کی کتاب انساب الاشراف کا سہارا لیا ہے، بلاذری ایک عام مورخ ہے، جو تیسری صدی ہجری کے نصف ثانی میں عباسی دربار سے منسلک تھا۔ اس کی کتاب کی پہلی جلد سیرت نبوی پر ہے اور اس سے بھی افسوسناک تر بات یہ ہے کہ اس طغرا کے مصنف نے ان کی بات کو بالکل الٹا کر کے پیش کیا ہے اور ان کا حوالہ غلط دیا ہے۔ انہوں نے تو یہ بیان کرنے کے بعد کہ حضورؐ کی کفالت کے لیے قرعہ ڈالا گیا زبیر بن عبدالمطلب و ابوطالب کے درمیان، اور قرعہ ابوطالب کے نام نکلا، جس کے بعد انہوں نے حضورؐ کو لے لیا۔ دو اور روایات بھی نقل کی ہیں۔ ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زبیر پر ترجیح دی۔ دوسرے یہ کہ عبدالمطلب نے وصیت کی کہ ابوطالب ان کی کفالت کریں (یہی روایت اکثر قدیم سیرت نگاروں نے بیان کی ہے) اس کے بعد بلاذری کہتا ہے۔

"وروی بعضہم ان الزبیر کفل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی مات ثم کفلہ ابوطالب وذلک غلط، لأن سید الزبیر حلف الفضول ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیف وعشرون سنۃ، لا اختلاف بین العلماء فی اشخوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الشام مع ابی طالب بعد موت عبدالمطلب تاقل من خمس سنین"

ترجمہ: بعض لوگوں نے یہ روایت کی ہے کہ زبیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا، پھر ابوطالب نے آپ کی کفالت کی، لیکن یہ غلط ہے، اس لیے کہ زبیر نے حلف الفضول میں شرکت کی اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی اور علماء کے مابین اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شام کا سفر، ابوطالب کے ساتھ اس وقت پیش آیا، جبکہ عبدالمطلب کی موت کو پانچ سال سے کم گزرے تھے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اس وقت صرف ۱۲ سال تھی۔

کیسی علمی بددیانتی ہے کہ بلاذری جس بات کو غلط کہہ رہا ہے، وہی اس سے منسوب کر دی جائے۔ (اس موضوع پر تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت و نصرت آپ کے چچا ابوطالب نے کی یا ایک دوسرے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے"، ترجمان القرآن، جون ۱۹۸۹ء)

۱۳۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا" کے عنوان کے تحت آپ کے صرف چار چچا بتائے گئے ہیں، دو مسلم اور دو غیر مسلم۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کے گیارہ چچا تھے کیونکہ آنحضرت کے والد عبداللہ سمیت عبدالمطلب کے بارہ لڑکے تھے، جیسا کہ معتبر کتب طبقات ابن سعد، بلاذری کی انساب الاشراف اور ابن القیم کی زاد المعاد میں بتلائے گئے ہیں، آپ کے سب سے بڑے چچا الحارث تھے، جن کی اولاد و احفاد میں کثرت سے اسلام پھیلا۔ دیگر تمام چچاؤں کے نام مذکورہ میں دیکھے جا سکتے ہیں، طوالت کے خوف

سے یہاں نہیں لکھے جا رہے ہیں۔

یہاں "صحابۂ کرام جو خلفاء بنے" کے عنوان کے تحت چاروں خلفائے راشدین کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا نام بھی دیا گیا اور ان سے قبل سیدنا حسنؓ کا نام ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ "خلفائے راشدین" اور دوسرے خلفاء میں کوئی تمیز نہیں کی گئی ہے اور حضرت معاویہؓ کو، جن کے نام کے ساتھ "امیر" بھی لکھا گیا ہے۔ ان کو خلفائے راشدین کے ساتھ ملا دیا گیا ہے، حالانکہ اُمتِ اسلامیہ میں کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اس موقع پر ایک صحیح حدیث کا ذکر بہت ضروری ہے، جو یہ ہے:

"الخلافۃ ثلاثون سنۃ، ثم تکون بعد ذلک ملکا" (خلافت تیس رہے گی، پھر اس کے بعد ملک ہوگا) یہ حدیث معتبر کتب حدیث جیسے سنن ابو داؤد، سنن ترمذی، مسند الامام احمد بن حنبل وغیرہ میں آئی ہے۔ اس حدیث کو امام ابن تیمیہ نے بھی صحیح کہا ہے اور اس پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ "معاویۃ اول الملوک" (معاویہؓ پہلے بادشاہ) تھے۔ (ملاحظہ ہو الاحادیث الصحیحۃ تالیف الشیخ محمد ناصر الالبانی، ج ۱ ص ۴۴۴، المکتب الاسلامی دمشق) خلفاء راشدین اور خلافت سیدنا حسنؓ کا حساب لگایا جائے، تو پورے تیس سال ہو جاتے ہیں۔

مزید برآں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، جو اہل تشیع کے سب سے بڑے نقاد ہیں، وہ اپنے فتاویٰ (ج ۴) میں بھی یہی تحریر فرماتے ہوئے کہتے ہیں:

"واتفق العلماء علی ان معاویۃ افضل ملوک ہذہ الامۃ، فان الاربعۃ قبلہ کانوا خلفاء نبوۃ، وہو اول الملوک، کان ملکہ ملکا ورحمۃ کما جاء فی الحدیث"

(علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معاویہؓ اس امت کے سب سے بہتر بادشاہ ہیں، کیونکہ ان سے قبل جو چار تھے، وہ خلفاء نبوت تھے اور وہ سب سے پہلے بادشاہ (اسلام میں) ہیں۔ ان کی ملوکیت، ملوکیت اور رحمت تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔) یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ امیر معاویہؓ آنحضرتؐ کی وفات سے صرف دو سال قبل فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور وہ طُلقاء میں سے تھے۔

آخر میں عرض ہے کہ اس طغراء تصنیف کرنے والے کی کم عقلی اور عدم بصیرت کا اندازہ اس تقسیم سے ہوتا ہے جو اس نے "اہل بیت" "الرسول"، "اولاد الرسول" اور "آل الرسول" صلی اللہ علیہ وسلم کے عناوین سے کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نماز میں پانچ وقت متعدد بار جو درود شریف پڑھتے ہیں، اس میں "آل محمدؐ" کے ضمن میں آپ کی اولاد و ازواج شامل نہیں، صرف نواسے اور نواسیاں شامل ہیں۔ اس سے زیادہ حماقت کیا ہو سکتی ہے۔

آخر میں طغراء نویس نے یہ درخواست کی ہے کہ اس کی کاپیاں کرا کر مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ تقسیم کریں۔

لیکن اس طغراء میں جو اغلاط اور اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے خلاف سیرتِ نبویؐ سے متعلق باتیں ہیں، جن کی نشاندہی کر دی گئی ہے، اس کے بعد طغراء کو تقسیم کرنا ایک انتہائی مذموم اور فتنہ انگیزی کی بات ہوگی اور امید ہے کہ مسلمان اس سے اجتناب کریں گے۔

تکبیر ۷۹ ۹ دسمبر ۸۹ء

درجوابِ آں غزل

شہادتِ حسینؓ کے چند اہم پہلو

شہادتِ حسینؓ اور امام حسنؓ

جب حضرت عثمانؓ اور حضرت حسنؓ ادارۂ خلافت کا تحفظ نہ کرنے کا گناہ کر رہے تھے تو صحابۂ کبار نے اُن کی مخالفت کیوں نہ کی؟

شہادتِ حسینؓ کے متعلق مولانا وحید الدین خان کے ایک نہایت معتدل اور متوازن نقطۂ نظر کے خلاف، سیاست میں پُرجوش نقطۂ نظر رکھنے والے ایک محترم کا مضمون تکبیر کے شمارہ نمبر ۳ جلد ۱۱ میں نظر سے گزرا جس میں حضرتِ عثمان غنیؓ اور حضرت حسنؓ کے متعلق وہی اعتراضات دہرائے گئے ہیں جو عموماً شیعہ حضرات کی طرف سے کئے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ حضرتِ حسنؓ کے اس مصالحانہ رویہ سے ناراض ہو کر اثنا عشری شیعوں نے حضرتِ حسنؓ کی اولاد کے لئے خلافت و امامت ناجائز قرار دے دی اور اسماعیلی شیعوں نے خود حضرتِ حسنؓ کا نام ہی اماموں کی فہرست سے خارج کر دیا۔ تفصیلات کے لئے جناب نفیس ذکیہ و جناب جعفر صادق کی چپقلش "شیعہ حضرات کی اصول کافی اور روضۃ الکافی اور اسماعیلی ائمہ کی فہرست ڈاکٹر زاہد علی کی "تاریخ فاطمین مصر" ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

جناب ناقد حضرتِ عثمان غنیؓ اور حضرت حسنؓ کے طرزِ عمل کے متعلق تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت عثمانؓ کا دور بڑا پُرآشوب تھا، فتنوں نے قصرِ خلافت کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ حضرتِ عثمانؓ نے مسلمانوں کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دی۔ حضرتِ عثمانؓ کا یہ کارنامہ بلاشبہ عظیم ہے، لیکن حضرتِ عثمانؓ کی رفعتِ شان کے باوصف تاریخ کا ایک طالب علم پریشان ہو کر یہ سوال دریافت کرتا ہے کہ حضرتِ عثمانؓ کے سامنے اصل مسئلہ تو خلافت علیٰ منہاج نبوت کے دفاع کا تھا۔ اگر ادارۂ خلافت کی حفاظت کی خاطر دو چار یا دس بیس ہزار انسان مارے بھی جاتے اور خلافت کا ادارہ انتشار اور انارکی سے بچ جاتا تو اس میں کوئی حرج کی بات نہ تھی۔ حضرتِ عثمانؓ پر اس ادارہ کے تحفظ کی ذمہ داری بھی تھی، انہیں دفاع کا حق بھی تھا اور وہ دفاع پر قادر بھی تھے۔ اس کے علاوہ حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرتِ حسینؓ اور بنو ہاشم کی ایک بڑی تعداد ان کی معاون و مددگار بھی تھی، پھر آخر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے خود شہید ہونا گوارا کر لیا، مگر خلافت علیٰ منہاج نبوت بچانے کی کوئی مؤثر تدبیر اختیار نہ کر سکے، اپنی ذات کا دفاع اور ادارۂ خلافت کا دفاع دو مختلف امور تھے، حضرتِ عثمانؓ اپنی ذات کے دفاع کے حق سے تو دست بردار ہو گئے تھے، مگر خلافت کے ادارہ کا دفاع نہ کرنا اس کے استحکام، تسلسل اور استقرار کے لئے کوئی اہتمام نہ کرنا حیرت انگیز ہے۔ اس معاملہ میں مورخین کی رائے خواہ کچھ ہو، مگر یہ واقعہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ادارۂ خلافت بے امان ہو گیا۔ انتشار، افراتفری اور انارکی نے اسے ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ حضرتِ علیؓ نے خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کے اس ادارہ کو بچانے کی سرتوڑ کوشش کی۔ اس راہ میں انہوں نے اپنی جان قربان کر دی، مگر منہ زور فتنوں نے انہیں کامیاب نہ ہونے دیا۔"

باقی صفحہ ۱۰۶ پر

خانوادۂ نبوت

حضورؐ کے اہلبیت میں کون شامل ہیں، کون نہیں؟

شاہ بلیغ الدین اور ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کے درمیان ایک اہم موضوع پر عالمانہ بحث

تکبیر ایک نیوز میگزین ہے، جس میں ہر ہفتے تازہ ترین حالات و واقعات اور ان پر اداریے، تجزیے، کالم اور ہمارے ملکی و بیرونی نمائندوں کی ارسال کردہ ڈائریاں شائع ہوتی ہیں۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل اس رسالے میں مجموعی مواد ۶ صفحات کے ایک روزنامہ کے مساوی ہوتا ہے، جس میں اشتہارات، مراسلات اور تبصرۂ کتب وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ قابلِ اشاعت مواد کی کثرت اور جگہ کی قلت ہے، ہم روزانہ اپنی ڈاک، مدیران معاونین کی کاوشیں، اپنے نمائندوں کی ڈائریوں اور مختلف افراد اور تنظیموں کی جانب سے دستی طور پر موصول ہونے والے اعلامیے، بیانات اور مراسلات کی صورت میں جو مواد حاصل کرتے ہیں، اس سے ایک مکمل روزنامہ مرتب کیا جاسکتا ہے، لیکن تکبیر کے صفحات کی محدود گنجائش اور اس کی ہفت روزہ اشاعت اس کی متحمل نہیں ہوسکتی، ہماری اس مجبوری کے باعث اکثر ہماری اپنی تحریریں، نمائندوں کی ڈائریاں، کتابوں پر تبصرے اور قارئین کے مراسلات بھی شاملِ اشاعت نہیں ہو پاتے۔ اس صورت میں یہ کہاں ممکن ہے کہ ہم اپنے موضوعات کا دائرہ مزید وسیع کرسکیں۔

ہمارے قارئین کی کثیر تعداد دیندار اور دینی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب پر مشتمل ہے، وہ حالاتِ حاضرہ کے علاوہ مذہبی میدان کی کاوشوں اور سرگرمیوں سے بھی گہری دلچسپی رکھتی ہے، لیکن ہم تکبیر کو ان بحثوں اور فقہی مناظروں میں الجھانا مناسب نہیں سمجھتے، جو صدیوں سے چلی آرہی ہیں، جن کے لئے مختلف مکتبہ ہائے فکر کے ہزاروں جرائد برصغیر پاک و ہند میں شائع ہورہے ہیں۔ عقائد کے معاملات اگر ہماری سیاسی اور معاشرتی زندگی میں کوئی فوری نوعیت کا خلل پیدا کرتے یا سازشوں کے جال پھیلا کر ہمارے قومی وجود کو متاثر کرنے لگتے ہیں، تو ہم ان کا نوٹس لیتے، انہیں بے نقاب کرنے اور اہلِ وطن کو ان سے باخبر کرتے ہیں۔ اس میدان میں، جو بڑا نازک اور پرخطر ہے، اگر کبھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے اور سہو کا ارتکاب ہوجائے، تو ہماری الجھن شامتِ اعمال کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ ایسا ہی ایک سہو ہم سے تکبیر کی اشاعت میں ایک اشتہار کی اشاعت سے ہوا، جس میں خانوادۂ نبوت کی تفصیل دی گئی تھی۔ اس اشتہار کی متنازعہ عبارت پر ردِ عمل کا سلسلہ شروع ہوا، ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کا ایک ناقدانہ مضمون ہمیں شائع کرنا پڑا جو علمی اعتبار سے بلند سطح کا حامل تھا، ڈاکٹر صاحب ہمارے ملک میں ابھی زیادہ متعارف نہیں ہیں۔

اس لئے ان کا مختصر تعارف ضروری ہے۔ ڈاکٹر صاحب ۱۹۲۸ء میں رامپور میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور گریجویشن کے بعد عربی کی تعلیم حاصل کی۔ پھر دارالعلوم ندوہ سے عالمیہ کی سند لی۔ ۱۹۵۰ء میں بیرونِ ملک گئے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حدیث، تفسیر اور نحو کی تعلیم کے بعد مصر میں ڈیڑھ سال عربی ادب اور اسلامی تحریکوں کا مطالعہ کیا۔ پھر حکومتِ شام کے وظیفے پر چار سال دمشق میں رہ کر ایم اے کے مساوی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۶۴ء تک کیمبرج یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم رہے اور تفسیرِ قرآن کی ایک نادر قلمی کتاب کو عربی میں ایڈٹ کرکے اور مؤلف کی زندگی پر تنقیدی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی۔ اسکے بعد ۱۳ سال جنی، ۱۹۸۰ء تک ریاض، بن غازی (لیبیا) اور مکہ مکرمہ کی یونیورسٹیوں میں اسلامی تاریخ و تمدن کے استاد کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس مدت کے آخری دس برسوں میں فل پروفیسر، ایم فل اور ڈاکٹریٹ کے طلباء کے نگراں اور ممتحن رہے۔ چھ عربی اور ایک ایک اردو اور انگریزی کتاب کے مصنف ہیں۔ عالمِ اسلام کے معروف جرائد میں ان کے متعدد علمی و تحقیقی مقالے بھی شائع ہوچکے ہیں۔

تاریخِ اسلام ان کا اصل موضوع ہے اور فی الواقع اس پر انہیں عربی ماخذوں تک رسائی کے باعث غیر معمولی دسترس حاصل ہے ان کی اسی علمی حیثیت کے پیشِ نظر ان کا مضمون شائع کردیا گیا۔ اب اس پر دوسری جانب سے ردِ عمل ہوا، متعدد مضامین موصول ہوئے۔ ہمارے لئے اس سلسلہ کو دراز کرنا ممکن نہ تھا، لیکن ایک ایسا مضمون سامنے آیا، جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ جناب شاہ بلیغ الدین کی تحریر تھی، وہ پاکستان کے دینی حلقوں کی ایک معروف شخصیت ہیں، کسی تعارف کے محتاج نہیں، متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور بحیثیت مقرر تو انہیں خاص شہرت حاصل ہے۔ دونوں طرف کا دل آزار مواد تھا کہ ہم نے اپنی عافیت کے لئے یہی مناسب سمجھا کہ ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی (ڈاکٹر صاحب خود ندوی کم ہی لکھتے ہیں مگر اس کمی کے باعث انہیں بعض ناواقف لوگ شیعہ سمجھتے ہیں، اس لئے ہم نے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ان کے نام کے ساتھ یہ لاحقہ بھی لگادیا ہے) اور جناب شاہ بلیغ الدین کے مضامین ایک ساتھ شائع کرکے اس سلسلہ کو بند کیا جائے اور تکبیر کو اس بحث کی گرفت سے نکالا جائے۔ ڈاکٹر رضوان علی صاحب کو شاہ بلیغ الدین کا مضمون تبصرہ کے لئے بھیج دیا گیا، انہوں نے تبصرہ کو پورے تحقیقی مقالے کی صورت دے دی اور ہماری جانِ ناتواں پر مزید بوجھ لاد دیا۔ اب شاہ بلیغ الدین صاحب مصر ہیں کہ انہیں اس پر تنقید کا موقع دیا جائے، ڈاکٹر رضوان علی ان کے تنقیدی مضمون کی اشاعت پر اپنے موقف کی وضاحت کا حق کیوں طلب نہیں کریں گے؟ کوئی شک نہیں کہ موضوع بہت اہم ہے اور بحث کی سطح بڑی عالمانہ اور فاضلانہ ہے، لیکن اس سے بلند علمی سطح رکھنے والے محدود حضرات ہی استفادہ کرسکیں گے، تکبیر کے عام قارئین کو اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوگی اور پھر تکبیر اپنے اصل دائرۂ کار سے ہٹ کر اس بحث کے لامتناہی سلسلہ کا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکے گا۔

ہم نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے زیرِ نظر شمارے کے صفحات میں ۱۶ صفحوں کا اضافہ کیا، لیکن قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا، اضافی اخراجات کا بوجھ علم دوستی کی خاطر ہم نے اپنے ہی ذمہ رکھا ہے۔ اس بحث میں ہم کسی تیسرے فرد کو شریک ہونے کی اجازت نہ دے سکیں گے، اور شاہ بلیغ الدین صاحب اور ڈاکٹر رضوان علی صاحب کو ایک موقع اور دیں گے تاکہ وہ نہایت اختصار کے ساتھ اپنا موقف قارئینِ تکبیر کے سامنے پیش کردیں۔ ان کے مضامین موصول ہونے کے بعد انہیں پھر یکجا شائع کردیا جائے گا اور یہ بحث بند کردی جائے گی۔ دونوں صاحبان اگر طنز و استہزاء سے گریز فرماکر [illegible] پر بحث و کلام کی حد تک خود کو محدود رکھ سکیں تو ہم ان کے شکر گزار ہوں گے اور قارئینِ تکبیر ان کی علمی شان و مرتبہ کے معترف۔

(محمد صلاح الدین - مدیر اعلیٰ تکبیر)



شاہ بلیغ الدین کا تنقیدی مضمون

میرے چند احباب نے تکبیر مورخہ ۹ر نومبر ۸۹ء کے ایک مضمون کی طرف میری توجہ مبذول کرائی ہے جس کا عنوان ہے ...... خاندان نبوی سے تعلق ایک طغرے میں تاریخی اغلاط۔

پورا مضمون پڑھ کر مجھے یہ احساس ہوا کہ اس میں تاریخی اغلاط تو کوئی خاص نہیں لیکن نقاط نظر کا زبردست فرق ہے۔ رضوان علی صاحب اپنے مضمون کے آئینے میں ایک خاص مکتب فکر کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس چارٹ اور چارٹ کے بنانے والے کے لئے نامناسب الفاظ استعمال کئے ہیں جو خود ان کے بارے میں استعمال کئے جائیں تو رکیک اور پست الفاظ قرار دیئے جائیں گے۔ ان کی تحریر میں حِدّت اور شدّت بہت ہے وہ اپنے قاری کو دھمکا کر اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔

ریکارڈ درست رکھنے کے لئے بعض باتوں کی وضاحت کر دی جاتی ہے۔ میں نہ مضمون نگار صاحب کو جانتا ہوں نہ چارٹ بنانے والے نومسلم آغاخانی صاحب کو جانتا ہوں۔

۱۔ عنوان میں طغرے کا لفظ غلط استعمال ہوا ہے۔ طغرا خط پیچیدہ میں ہوتا ہے۔ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب نامے کا چارٹ یا شجرہ کا ایک حصّہ ہے جو حضرت عبداللہ سے شروع ہو کر خلفائے راشدین پر ختم ہوتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ چارٹ مرتب کرنے والے کی نظر میں یہ اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں کا تختہ (چارٹ) ہے۔ یہ نستعلیق خط میں لکھا ہوا ہے اس میں طغرے والی کوئی بات نہیں۔ لفظ طغرا...... شجرے یا نسب نامے کے چارٹ کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔

۲۔ رضوان علی صاحب کو سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس چارٹ میں اہل بیت کے دائرے سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور اسباط کو نکال دیا گیا ہے۔ چارٹ ۸ر ستمبر ۸۹ء کے تکبیر میں چھپا ہے۔ درمیان میں چار شمارے نکل چکے ہیں۔ ناظرین کو کیا معلوم کہ چارٹ میں کیا بات تھی کیا نہیں تھی۔ یہ اعتراض غلط اور قطعی غلط ہے۔ چارٹ سامنے رکھئے تو معلوم ہو گا کہ اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عنوان دے کر اسے مختلف ذیلی سرخیوں میں بانٹ دیا گیا ہے جو یہ ہیں ...... ازواجِ مطہرات ' اولاد و اسباط رسول اکرمؐ (دو سرخیوں میں) سرپرستانِ نبی اکرمؐ دو ذیلی سرخیوں میں تقسیم ہے (دادا کا اسم گرامی الگ اور چچا صاحبان کے اسمائے گرامی الگ ہیں) اور آخری ذیلی سرخی ہے صحابہ کرامؓ جو خلیفہ بنے۔ ان سرخیوں کے تحت جتنے نام لکھے گئے ہیں چارٹ کے مرتب انہیں اہل بیت ہی قرار دیتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی کا حوالہ رضوان علی صاحب کے مضمون میں موجود ہے۔ امام صاحب صرف بنی ہاشم ہی کو نہیں صحابہ کرامؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی آپؐ کی نسبت کی وجہ سے ان کے اہلِ بیت میں شامل کرتے ہیں۔

عنوان اور ذیلی سرخیوں کی تقسیم کو سمجھنے میں رضوان علی صاحب سے غلطی ہوئی ہے۔ اس لئے ان کے اعتراضات کی بنیاد ہی باطل ہو جاتی ہے سورۂ ھود اور سورۂ احزاب میں اہل بیت کی اصطلاح نبیؐ کی بیویوں کے لئے ہے۔ سورۂ قصص میں ماں کے لئے 'بیٹیوں کے لئے کہیں نہیں۔

۳۔ ان کے غصّے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہلِ بیت میں سرِفہرست سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی کیوں نہیں؟ ان کی فکر کے مطابق جو اصل میں سبائی فکر ہے یہ اسم گرامی ازواجِ مطہرات کے اسمائے گرامی سے پہلے آنا چاہئے۔ وہ اسے اہلِ سنت کا نقطۂ نظر بتانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے سورۂ احزاب کی آیت نمبر (۵۹) میں اس کا فیصلہ خود فرما دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے کہ یاایہا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونساء المومنین [illegible] (اے نبیؐ اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحب زادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ ......) یہ قطعی حکم کی آیت ہے اور قیامت تک مسلمان عورتوں کی درجہ بندی کو ظاہر کرتی ہے۔

چارٹ پر سب سے پہلے یہ آیت مبارک لکھی ہوئی ہے جو چارٹ بنانے والے کی فکر کو ظاہر کرتی ہے۔ اس نے اسی ترتیب پر عمل کیا ہے۔ حیرت ہے کہ [illegible] سے پہلے رضوان علی صاحب نے چشمِ بصیرت سے اس آیت کو دیکھا کیوں نہیں [illegible] نقطۂ نظر قرآن حکیم کی اسی درجہ بندی پر قائم ہے جس پر تمام صحابہ کرامؓ تابعین کا اجماع ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرِفہرست نام لکھنے کے لئے رضوان علی صاحب کا استدلال یہ ہے کہ صحیح بخاری میں اہلِ بیت کی روایت میں بی زادی محترمہ کا اسم گرامی سرِفہرست ہے اور رضوان علی صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ بخاری کے باب مناقب (رشتہ دارانِ نبی اکرمؐ اور حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایات) میں متعدد احادیث ہیں۔

صحیح بخاری میں رشتہ داروں کے مناقب میں کل تین حدیثیں ہیں۔ ۹۰۸ '۹۰۹ اور حدیث نمبر ۹۱۰ اور فضیلت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کل دو حدیثیں ہیں جن کا نمبر شمار ہے ۹۵۳ ' اور ۹۵۴ یہی "متعدد" حدیثیں ہیں۔ ان میں اہلِ بیت کی کوئی فہرست نہیں ان میں سوائے حضرت فاطمہؓ کے جن کا نام ایک خاص واقعے کی وجہ سے یہاں آیا ہے کہ کسی اور اہلِ بیت کا نام نہیں دیا گیا ہے۔ اس لئے سرِفہرست والی بات غلط ہے۔

حدیث نمبر ۹۰۸ میں حضرت فاطمہ کے ترکہ مانگنے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ مطلب بھی آیا ہے کہ اہل بیت کا پاس رکھنا چاہئے اور صدیق اکبرؓ کا یہ جواب بھی کہ وہ متولی ہیں تقسیم اسی طرح کریں گے کہ جس طرح حضور اکرمؐ کیا کرتے تھے کیونکہ نبی کی وارث امت ہوتی ہے۔ اہلِ سنت اور سبائی نقطۂ نظر میں یہ بنیادی اختلاف ہے اور یہ بات آج کی نہیں۔ احادیث نمبر ۹۰۹ ' ۹۱۰ اور ۹۵۴ حضرت فاطمہؓ کی وفات کی پیش گوئیاں ہیں کہ سب سے پہلے آنحضرتؐ سے وہی ملیں گی۔ ایسی ہی ایک روایت صحیح مسلم کے باب مناقب میں حضرت زینب بنت جحش کے بارے میں بھی ہے۔ ان سب روایتوں میں سرِفہرست والی کوئی بات نہیں اور بیٹیوں میں اس وقت صرف آپ ہی اکیلی زندہ تھیں۔ باقی بیٹیاں پہلے ہی سے جنت میں اپنے والدِ محترم کے استقبال کو موجود تھیں۔ حدیث نمبر ۹۰۲ میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ آپؐ کا ٹکڑا ہیں۔ ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں۔ یہ امام بخاری کے بارے میں صریح غلط بیانی ہے کہ انہوں نے اہلِ بیت کی فہرست مرتب کی اور حضرت فاطمہ کو سرِفہرست رکھا ہے۔ البتہ حضرت عائشہؓ کی فضیلت میں جو احادیث ساتھ ہی مرقوم ہیں ان میں حضرت عائشہؓ کی اہلِ بیت اور تمام عورتوں میں فضیلت کے واضح الفاظ موجود ہیں ارشاد نبویؐ کا مطلب ہے کہ ...... جس طرح کھانوں میں ثرید کو فوقیت حاصل ہے اسی طرح حضرت عائشہؓ کو تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی باب میں تیمم کی فضیلت اور حضرت عائشہؓ کی چادر میں وحی اترنے کی فضیلت کا بیان بھی ہے۔ امام بخاری کے پاس فضیلت کی احادیث ترتیب سے نہیں آئی ہیں' لیکن امام مسلم نے ازواج' بنات اور نساء المومنین کی ترتیب برقرار رکھی ہے۔ [illegible] بخاری تو حضرت عائشہؓ کو اپنی تاریخ صغیر میں ازل سے ابد تک کی تمام عورتوں پر فضیلت دیتے ہیں۔

۴۔ سرِفہرست نام لکھنے کے لئے سبائی نقطۂ نظر کے مطابق رضوان علی صاحب مزید استدلال روایت "کساء" یعنی چادر سے کرتے ہیں لطف یہ کہ خود اس کی مزید تحقیق ضروری سمجھتے ہیں۔ جب یہ معتبر ہی نہیں تو استدلال کیسا؟ چادر اڑھا کر تطہیر کی روایتوں کو اہلِ سنت والجماعت معتبر نہیں سمجھتے۔ ابنِ کثیر کی تفسیر کا جو حوالہ رضوان علی صاحب نے دیا ہے ان میں بھی یہ ٹکڑا ضرور ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ یا حضرت ام سلمہؓ کے حجرے میں جہاں یہ واقعہ ہوا یہ ارشاد فرمایا...... تم خیر پر ہو۔ تم تو ہو ہی اہلِ بیت! حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت واثلہؓ کے بارے میں بھی سوال کرنے اور اہلِ بیت میں شمار کیے جانے کی روایتیں ملتی ہیں۔ ان سب روایتوں میں اولیت ازواجِ مطہرات کی ثابت ہوتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا اجماع اس امر پر ہے کہ آیۂ تطہیر ازواجِ مطہرات ہی کے بارے میں اتری یہ بات معلمِ کتاب و حکمت کے ارشاد کے مطابق ہے اور قرآن حکیم نے خطاب ہی نبیؐ کی بیبیوں سے کیا ہے۔ زید بن ارقم کی روایت ہو یا کوئی اور ان روایات میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ان میں صرف ایک بیٹی اور ایک داماد اور ان کے دو صاحب زادے کیوں شامل ہیں؟ آخر حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب بھی تو شامل تھیں۔ ان کی تطہیر کیوں نہیں کی گئی چادر والی ان روایتوں میں کچھ ایسے نام بھی ہیں جن کی پیدائش کے بارے میں یہ روایتیں ملتی ہیں کہ خیبر کی لڑائی کے بعد ہوئیں ۵ھ ہجری جب یہ واقعہ گزرا وہ پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے ۵ھ میں حضرت زینب اپنے بیٹے علی اور اپنی بیٹی امامہ کے ساتھ والد محترم ہی کے گھر میں رہتی تھیں۔ ام کلثوم زندہ تھیں۔ حضرت عثمان زندہ تھے حضرت رقیہ کی اولاد زندہ تھی۔ کیا یہ بات اللہ کے رسولؐ کے انصاف کے خلاف نہیں معلوم ہوتی؟ اگر یہ روایت سبائیوں کی گھڑی ہوئی نہیں ہے تو اس تمیز کی وجہ کیا ہے؟ اس خصوصیت کی وجہ سے امامت کا ایک زاویہ بھی نکلتا ہے جس کا ذکر اس لئے مناسب نہیں کہ ہم چادر کی روایت کی تمام شخصیتوں کو محبوب رکھتے ہیں اور ان کی عظمت اور جلالت کے قائل ہیں۔ یہاں بات صرف تاریخی حقائق اور موضوعات سے اجتناب کی ہے کیونکہ اللہ کے رسولؐ سے کسی ایسی بات کی نسبت دینا جو آپ نے نہیں فرمائی جہنمی ہونے کی علامت ہے اس تعلق سے رضوان علی صاحب کی تمام بحث سبائی گروہ کے خیالات کی مظہر ہے اور چارٹ سے غیر متعلق ہے۔ موضوع روایات پر علم اسماء الرجال کی روشنی میں مزید گفتگو طوالت کے پیشِ نظر چھوڑ دی جاتی ہے۔

۵۔ حضرت ماریہ قبطیہ کے بارے میں رضوان صاحب جس تفصیل کو ضروری سمجھتے ہیں۔ کسی مضمون کے لئے تو درست ہے چارٹ میں یہ تمیز روا نہیں رکھی جاسکتی۔ اس طرح تو حضرت صفیہ اور حضرت جویریہ پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے۔ وہ بھی جنگ میں اسیر ہوئی تھیں۔ اگر وہ آزاد ہو تیں تو حضرت ماریہ بھی راستے میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھوں پر مسلمان ہو گئی تھیں جس سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔

۶۔ حضرت سودہ بنت زمعہ یا زمعہ کا نام چارٹ میں بھی غلط ہے اور رضوان علی صاحب نے بھی غلط لکھا۔ اعتراض برائے اعتراض تو یہی ہے ورنہ اصل میں کتابت کی غلطی ہے۔ اس سے نفسِ مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ غیر ضروری نکتہ چینی واضح ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ کاتب پھر غلطی کر جائے۔ احتیاطاً میں نے نام کے حروف الگ الگ لکھ دیئے ہیں۔

۷۔ اپنے اعتراض نمبر ۱۰ میں رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ طاہر و طیب عبداللہ کے لقب ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس بارے میں مورخین کے پاس خاصہ اختلاف ہے۔ چونکہ رضوان علی صاحب نے ابن حزم کی جوامع السیرۃ کا بعض جگہ حوالہ دیا ہے اس لئے وہ اسی سے رجوع کریں تو دیکھیں گے کہ طیب و طاہر اس میں تیسرے صاحب زادے کا نام ہے۔

۸۔ نواسوں اور نواسیوں کے بارے میں چارٹ میں جو اسمائے گرامی لکھے ہیں وہ درست ہیں۔ حضرت محسن کا نام بھی ضرور شامل ہونا چاہیے تھا۔ رضوان علی صاحب کے اس اعتراض سے یہ استدلال سامنے آیا کہ اگر چھوٹی سے چھوٹی عمر میں بھی کسی بچے کا انتقال ہو جائے تو بہر حال نسب نامے میں اس کا نام آنا چاہئے۔ اسی بنا پر حضرت رقیہ کے صاحب زادوں کے نام بھی اس چارٹ میں آنے ضروری تھے بلا لحاظ اس امر کے کہ ان کی عمریں کیا تھیں؟ حضرت محسن کے علاوہ حضرت رقیہ کے ایک صاحب زادے عبداللہ الاکبر کا بھی چارٹ میں تذکرہ نہیں ہے چونکہ یہ دونوں زیادہ مشہور نہیں ہیں اس لئے شاید چارٹ کے مرتب سے سہو ہوا۔ اصل مسئلہ اعتراض کا یہ نہیں بلکہ رضوان علی صاحب چارٹ میں حضرت رقیہ کے صاحب زادوں کے نام نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس بارے میں وہ مسعودی کی مروج الذہب دیکھ لیں۔ باب ۴۳ ذکر خلافت حضرت عثمان میں جہاں ان کے نسب کا تذکرہ۔ یہ شروع اس طرح ہے......

عبداللہ الاکبر و عبداللہ الاصغر امہما رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم... وکان عبداللہ الاکبر یلقب بالمطرف بجمالہ وحسنہ وکان کثیر التزوج ....وبلغ عبداللہ الاصغر من السن ستاوسبعین....

عبداللہ اکبر اور عبداللہ اصغر رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادے تھے...... عبداللہ الاکبر کا جن کا لقب المطرف تھا ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انہوں نے بہت شادیاں کیں...... اور عبداللہ اصغر جو ۷۶ برس کی عمر میں وفات پائے۔

منہاج السنہ مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ جلد دوم ص ۱۲۲ پر لکھا ہے کہ عبداللہ بن عثمان حضرت زین العابدین کے استاد تھے۔ امام تیمیہ کی جلالت و تحقیقِ نظر کا اعتراف رضوان علی صاحب نے اسی مضمون میں کیا ہے۔ امام مالک، امام اوزاعی، ابن مبارک، لیث بن سعد، امام شافعیؒ امام محمد شیبانیؒ کے پاس ان کے چھ سال میں وفات پانے کا ذکر ہے نہ وفات کی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ اصغر کی نسل آج بھی حبشہ، آزاد کشمیر، ملتان اور دیگر علاقوں میں موجود ہے۔

۹۔ اموی اور ہاشمی لکھنا اگر عصبیت ہے تو رضوان علی صاحب اپنے نام کے ساتھ ندوی کس طرح لکھتے ہیں۔ چارٹ مرتب کرنے والے کا مقصد تو غالباً یہ ہو گا کہ اموی، ہاشمی، بنو تمیم / تیمی، بنو عدی / عدوی غرض کہ جسے بھی سرکارِ دو عالمؐ سے ایسی نسبت ہو کہ اسے اہلِ بیت میں شامل کیا جاسکے اسے چارٹ میں واضح کرنا چاہیئے۔ یہ تنگ نظری نہیں وسعتِ نظر کی علامت سمجھ میں آتی ہے۔

علی بن حضرت ابو العاص بے شک عبدالعزیٰ کی اولاد میں سے ہیں لیکن اس سے نفسِ مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ وہ اہلِ بیت میں شامل ہیں۔ اور ان کا نام چارٹ میں آنا چاہیے تھا۔ رہ گیا ان کی وفات کا مسئلہ کہ وہ کس عمر میں مرے اس کی تشریح اوپر ہو چکی ہے۔ مزید بر آں یہ روایت موجود ہے کہ وہ جوان اور شادی شدہ تھے اور جنگِ یرموک ۱۳ھ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ حوالے کے لئے دیکھئے (ابنِ عساکر) یہ مشہور روایت ہے۔ اقبالؒ نے بانگِ درا میں جنگِ یرموک کا جو واقعہ لکھا ہے وہ انہی کے بارے میں ہے۔ علامہ کی نظم کے ابتدائی اشعار ہیں۔

صف بستہ تھے عرب کے جوانانِ تیغ بند
تھی منتظر حنا کی عروسِ زمینِ شام
اک نوجوان صورتِ سیماب مضطرب
آ کر ہوا امیرِ عساکر سے ہم کلام
اے بو عبیدہ! رخصتِ پیکار دے مجھے
لبریز ہو گیا مرے صبر و سکون کا جام

یہی علی بن ابو العاص فتح مکہ کے موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف کی حیثیت سے سفر کرتے رہے اور تطہیرِ کعبہ میں اپنے نانا کے کندھوں پر کھڑے رہ کر انہوں نے بت شکنی کی تھی۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ یہی علی بن ابو العاص اور ان کی بہن امامہ حضور اکرمؐ کے کندھوں پر سوار رہتے تھے جب حضور اکرمؐ نماز پڑھتے تھے۔ سنن نسائی اور ابو داؤد میں بھی یہ روایت ..... ہے۔

۱۰۔ یہ بات رضوان علی صاحب نے درست نہیں لکھی کہ حضرت امامہ سے حضرت علی کی اولاد نہیں ہوئی۔ محمد اوسط انہی کے صاحب زادے تھے دیکھئے جلد سوم دائرۃ المعارف طبع اول ۱۹۶۸ء دانش گاہ پنجاب اور خلفائے راشدین مولفہ معین الدین ندوی اعظم گڑھ۔

۱۱۔ حضرت ابو العاص کے بارے میں رضوان علی صاحب قارئین کو متاثر کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ وہ پہلے کافر تھے بعد میں اسلام لے آئے۔ رسولِ اکرمؐ کے بڑے داماد سے عصبیت اسے کہتے ہیں۔ یہ بتایئے کہ حضورِ اکرمؐ کے کون سے داماد پہلے کافر نہیں تھے۔ یہ ابو العاص تو وہ داماد ہیں۔ جن کی فضیلت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجدِ نبوی کے منبر پر بیان کی ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایتوں میں تقابل کے ساتھ ان کی توصیف آئی ہے۔ ان کی شادی حضرت زینب سے بعثت سے پہلے ہوئی۔ طحاوی نے انہی صاحب زادی کے بارے میں "افضل بناتی" کی حدیث دی ہے۔ شعیب بنو ہاشم میں اسیری کے دنوں میں سالی کے بیٹے اور داماد ابو العاص نے جس طرح بنو ہاشم کی بالعموم اور خاندانِ نبویؐ کی بالخصوص اناج، پانی، کپڑے اور استعمال کی بہت سی اشیاء سے مدد کی۔ اس کا تذکرہ مستند مورخین کے پاس ہے۔ رسول اکرمؐ نے شیر کا خطاب دو بزرگ ہستیوں کو دیا ایک اسد اللہ اور اسدِ رسول کا خطاب سیدنا امیر حمزہؓ کو دوسرے شیرِ بطحا کا خطاب اپنے بڑے داماد ابو العاص کو!

۱۲۔ سرپرستوں میں جو نام آئے ہیں ان میں حضرت زبیر کے بارے میں یہ بات رضوان علی صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ حلف الفضول میں زبیر بنی ہاشم کے نمائندے تھے۔ اس وقت وہی بنو ہاشم کے سربراہ تھے۔ حضرت عبدالمطلب کی وفات کے وقت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ سال تھی اور ہجرت کے وقت ۵۳ (ترپن) سال۔ درمیان میں ۴۵ سال کا عرصہ ہے۔ اس عرصے میں تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو ہاشم کے تین سربراہ ہوئے۔ پہلے زبیر بن عبدالمطلب دوسرے ابو طالب اور تیسرے ابو لہب۔

طبقات ابن سعد جلد اول میں اولاد عبدالمطلب کی تفصیل میں واضح طور پر لکھا ہے (حارث اور عبداللہ کے ناموں کے بعد) کہ زبیر جو ایک شریف شاعر تھے انہی کو عبدالمطلب نے وصیت کی تھی یعنی اپنا وصی انہی کو بنایا تھا۔ رضوان علی صاحب کا کمال یہ ہے کہ ان کے اعتراض نمبر ۲ میں بلاذری کو عام مورخ اور اس کی کتاب "انساب الاشراف" کو مستند کتابوں کے مقابلے میں کمتر اور بلاذری کو عباسی حکومت کا دست گرفتہ ٹھہراتے ہیں اور اعتراض نمبر ۱۳ میں اسی مصنف بلاذری اور اسی کتاب انساب الاشراف کو حوالے کی مستند کتاب بتاتے ہیں۔ کیا ابن اسحٰق ابو جعفر منصور عباسی کا دست گرفتہ نہیں تھا؟ واقدی جس کی روایتوں کو رضوان علی صاحب زیادہ اہمیت دیتے ہیں کیا وہ مامون الرشید کا زلہ بردار نہیں تھا؟ کیا امام احمد بن حنبل نے اسے کذاب "امام بخاری نے متروک الحدیث اور امام نسائی نے جھوٹا نہیں کہا؟

شام کے سفر کے بارے میں یہ خیال کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں بمعنی خیز ہے۔ مستشرقین نے بحیرا راہب کے واقعہ سے جو فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے وہی بعض منافقین کا شیوہ بھی رہا ہے۔ امام ترمذی اس روایت کو صحیح نہیں سمجھتے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن غزوان کو منکر احادیث بیان کرنے والا لکھا ہے اور سب سے بڑھ کر منکر اس حدیث کو قرار دیا ہے، جس میں بحیرا راہب کا واقعہ مذکور ہے۔ شام کے اس سفر میں بلال اور سیدنا ابو بکر کو بھی شریک بتایا گیا ہے۔ حضرت بلال کا نام تو ایمان لانے کے بعد سنا گیا۔ علامہ ابن قیم کا خیال ہے کہ وہ اس وقت یا تو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، یا اپنی ماں کی گود میں ہوں گے اور حضرت ابو بکر بمشکل تمام نو دس سال کے ہوں گے۔ یہ روایت بھی ایک مخصوص گروہ کی تخیل آرائی کا نتیجہ ہے۔ اس کے راویوں میں ابو موسیٰ اشعری بھی بتائے جاتے ہیں۔ جبکہ وہ شریکِ سفر نہیں تھے۔ سیرت النبی جلد اول کے ص ۱۶۷ پر علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ......

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابلِ اعتبار ہے۔ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مرسل ہیں۔

حرب فجار کے سلسلے میں یعقوبی نے لکھا ہے کہ...... قریش کی جماعتوں کے جدا جدا سردار تھے۔ بنو ہاشم سرگروہ زبیر بن عبدالمطلب تھے۔ رضوان علی صاحب نے لکھا ہے کہ سیرت النبی (شبلی نعمانی) اور رحمۃ للعالمین (قاضی سلمان منصور پوری) میں زبیر بن عبدالمطلب کا کہیں ذکر نہیں۔ علامہ شبلی نے حرب فجار میں واضح طور پر آل ہاشم کا علمبردار حضرت زبیر کو لکھا ہے۔ رحمۃ للعالمین جلد دوم ص ۸۱ پر "زبیر عم النبی" کے عنوان سے ایک چھوٹا باب ہے اس میں لکھا ہے کہ...... زبیر شاعر فصیح اللسان تھے۔ یہ اپنے والد کے وصی تھے۔ حلف الفضول کے قیام میں ان کے مساعی کا تذکرہ کیا ہے۔ سیرت النبی جلد اول ص ۱۷۰ پر مولانا شبلی نے لکھا ہے کہ...... زبیر بن عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے۔

تمام حقائق کو سامنے رکھیں تو یہی بات سامنے آتی ہے جو میں اوپر لکھ چکا ہوں کہ بنو ہاشم کے سربراہ (حضرت عبدالمطلب کے بعد) تین ہوئے ۱۔ زبیر ۲۔ ابو طالب ۳۔ ابو لہب۔ الاصابہ میں زبیر اور ان کی بیوی کے مشفقانہ سلوک کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔

۱۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں کی پوری تفصیل چارٹ میں نہ ہونے پر بھی رضوان علی صاحب کو اعتراض ہے۔ اس میں پھوپیوں کی تفصیل بھی نہیں۔ معلوم نہیں کیوں ان کا خیال جناب معترض کو نہیں آیا۔ اپنے مضمون میں وہ لکھتے ہیں کہ گیارہ چچا تھے لیکن طوالت کے خوف سے انہوں نے نام نہیں دیئے پھر بھلا ایک صفحہ کے چارٹ میں اس کی کیا گنجائش نکلتی۔ دو مسلمان چچاؤں کے ساتھ دو کافر چچاؤں کے نام صرف اس لئے دیئے گئے ہیں کہ وہ بنو ہاشم کے سرپرست رہے۔

۱۴۔ خلفائے راشدین کے ناموں میں امیر المومنین معاویہ کا نام دے کر چارٹ بنانے والے نے بڑی جرات اور تحقیق کا ثبوت دیا۔ اس میں چراغ پا ہونے کی کیا بات ہے۔ سرخی تو یہ ہے کہ...... صحابہ کرامؓ جو خلیفہ بنے۔ حضرت سفیان ثوری عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز تو تابعی تھے۔ امیر المومنین معاویہ تو صحابی "کاتب وحی"

فاتح قبرص کی حیثیت سے اللہ کے رسولؐ کی پیشین گوئی کو پورا کرنے والے اور ایک طرح حضور اکرم کے وزیر خارجہ تھے، کیونکہ سلاطین عالم کے نام خطوط لکھنے کا شرف انہی کو حاصل ہوا۔ وہ اللہ کے رسولؐ کے برادر نسبتی اور جامع ترمذی کے باب مناقب کے مطابق ہادی اور مہدی تھے۔

صحابہ کرامؓ کو قرآن حکیم "راشدون" کہتا ہے۔ تمام صحابہ جو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے سربراہ منتخب ہوئے سب خلفائے راشدین تھے۔ حضرت معاویہ نے حضرت عمر اور حضرت عثمان کے دور کی فتوحات کے بعد دور حضرت علی میں جتنے ممالک مسلمانوں سے چھین لئے گئے تھے وہ سب دوبارہ فتح کئے اور جہاد کی روایت کو تازہ کیا۔ انہی کے سپہ سالار عقبہ بن نافع نے بقول اقبال۔

دشت تو دشت تھا دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

کا مظاہرہ کیا۔ حضرت معاویہ کو بادشاہ کہنے کی روایت ایک مخصوص گروہ نے شروع کی۔ قرآن حکیم میں داؤد اور سلیمان جیسے جلیل القدر پیغمبروں کے نام آئے ہیں جو بادشاہ تھے۔ معین الدین کاشانی نامی ایک ایرانی شاعر (حضرت خواجہ معین الدین چشتی نہیں) کی ایک رباعی بہت مشہور ہے جس کا ایک مصرعہ ہے۔

شاہ است حسین و بادشاہ است حسین

یہ مصرعہ البتہ کہا جاتا اور بار بار دہرایا جاتا ہے۔ امیر معاویہ کے لئے بادشاہ کا لفظ ان کے مخالفین نے استعمال کیا ہے۔ اگر یہ لفظ ایک جلیل القدر شخصیت کے لئے اچھا ہے تو دوسرے کے لئے کیوں برا ہے؟ امام ابن تیمیہ ان کی حکومت کو رحمت قرار دیتے ہیں۔ رضوان علی صاحب اس کا حوالہ بھی دیتے ہیں اور اس میں ذم کا پہلو نکالنا چاہتے ہیں۔ واہ رے علمی دیانت!

طلقاء والی بات بھی عصبیت اور مخصوص سبائی رجحان کا نتیجہ ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے بڑے عہدے طلقاء ہی کو عنایت فرمائے اور امیر المومنین معاویہؓ کے والد محترم حضرت ابو سفیان کو نجران کا گورنر بنایا۔ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی آزمودہ کار نظریں مہمات سلطنت کے لئے یزید بن ابو سفیان اور امیر معاویہ ہی پر پڑتی تھیں۔ اسلام کے پہلے امیرالبحر سیدنا معاویہ ہی تھے۔ قبرص...... کے حضرت معاویہ جنتی ہونے کی بشارت کے مظہر بنے۔

حضرت سفینہ کے نام سے منسوب روایت میں ہے کہ خلافت تیس سال رہے گی پھر ملوکیت ہوگی۔ ایک جگہ ابو داؤد میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے ارشاد کا مطلب تھا کہ...... آپ کے بعد خلافتِ نبوت تیس سال رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا ملک عطا کرے گا"۔ تیس سال کے بعد "ملوکیت رہے گی" کا ٹکڑا معتبر اور مستند نہیں۔ ورنہ اس میں بھی اسے دہرایا جاتا۔ اب اس تیس سالہ روایت کا جائزہ! حضرت سفینہ کی روایت کو رضوان علی صاحب "صحیح" قرار دیتے ہیں۔ امام ترمذی نے تو اسے "صحیح" نہیں لکھا۔ حسن کہا ہے۔ اور ساتھ میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے اسے صرف ابن جمہان سے سفینہ نام سے جانا۔ یعنی کسی اور صحابی سے یہ روایت ملتی ہی نہیں۔ یہ بات علمی اور تحقیقی مرتبے سے گری ہوئی ہے۔ اسی طرح رضوان علی صاحب کا یہ کہنا کہ امام ابن تیمیہ اسے "صحیح" قرار دیتے ہیں۔ یہ بات قارئین کو مزید دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ جس غیر معروف اور ایک مخصوص گروہ کے نقطۂ نظر کی کتاب سے انہوں نے حوالہ دیا ہے وہ صرف عام قاری کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے ہے۔ وہ کتاب کسی گنتی اور شمار میں نہیں۔ ابن تیمیہ تو سعید بن جمہان کی حیثیت سے خوب واقف ہیں۔ یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں۔ امیر المومنین معاویہ اور ان کے بعد کے خلفاء کو بدنام کرنے کے لئے یہ روایت بعد میں گھڑی گئی اس میں "ابن زرقا" کے الفاظ تحقیر کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ اور دشمنی کی جھلک کو صاف نمایاں کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ نے نہ صرف اسے رد کیا ہے بلکہ ان کا کہنا تو یہ ہے کہ اسلام جیسا عظیم مذہب بس صرف تیس سال میں ختم ہو جائے گا، یہ ناممکن ہے دشمنانِ اسلام نے اس کی تبلیغی حیثیت کو متاثر کرانے کے لئے ایسی باتیں بنائی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ تاریخ کو مسخ کرنے والوں نے ایسی روایتوں کا خوب فائدہ اٹھایا اور مستشرقین کو خوب مواد فراہم کیا۔ اگر تیس سالہ بات پر زور ہی دینا ہے تو پھر شاہ ولی اللہ صاحب کی یہ بات یاد رکھیئے جو انہوں نے ازالۃ الخفا میں فرمائی کہ "خلافتِ نبوت" کا عہد تو حضرت عثمان پر ختم ہو گیا کیونکہ ان کی بیعت پر اجماع صحابہ تھا۔ حضرت علی کے ہاتھ پر تو صحابۂ کرام کی عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی۔ اسی لئے شرپسندوں نے انہیں دارالخلافہ کو منتقل کرنے پر مجبور کیا۔ اس لئے حضرت علی سے خلافت راشدہ کا دور شروع ہوتا ہے یا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔

اور رضوان علی صاحب کی یہ بات تسلیم کر لی جائے کہ تیس سالہ دور سیدنا حسنؓ پر ختم ہو گیا تو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ سیدنا حسن نے اپنی خوشی سے شاہی کو دعوت دی اور حضور کی پیشین گوئی کے خلاف عمل کر کے بیت المال سے تاحیات اپنے اور اپنے بھائی کے لئے وظیفہ لیتے رہے۔ کیسی جلیل القدر شخصیت کو بدنام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کیا اس میں کوئی خیر کا پہلو ہے پھر مطلب یہ کہ ان کے نیابت یعنی خلافت کی زمام سیدنا معاویہ کو ۴۱ھ میں سپرد کرنے کے بعد ۵۰ھ تک جب ان کا انتقال ہوا نو برسوں میں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی اس سے رجوع نہیں کیا۔ اگر لفظ "شاہی" کے غلط استعمال کو روا رکھا جائے اور شاہی کو مذموم قرار دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے برگزیدہ نانا کے حکم کے خلاف عمل کر کے امت پر شاہی کو مسلط کرنے والے سیدنا حسن تھے۔ اب یہاں ایک لمحہ رک کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کیجئے کہ میرا بیٹا (حسن) سردار ہے۔ یہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔ صحابہ کرام نے اسی لئے حضرت حسن کے احترام کو پسند کیا اور امیر المومنین معاویہ کی بیعت کر لی۔ اسے اچھا سمجھا گیا اس پر اجماع ہے۔

قاضی ابوبکر ابنِ العربی العواصم من القواصم میں ایک الگ استدلال دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر حدیث سفینہ صحیح ہوتی تو صحابہ کی عظیم اکثریت جس نے حضرت علی کی بیعت نہیں کی گناہ گار ہو جاتی اور اس پر برابر کوئی نہ کوئی اظہارِ خیال کرتا۔ مسند احمد بن حنبل میں محمد بن سیرین کا اندازہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام تیس ہزار سے کم اور نوے ہزار سے زیادہ نہ تھے۔

جنگ جمل اور جنگ صفین میں کتنے صحابہ کرام نے شرکت کی؟ زیادہ سے زیادہ تیس ۳۰ کی تعداد بتائی جاتی ہے۔ سب سے اہم بات جو یہاں نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ کہ حضرت سفینہ کا سیاست سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا لیکن روایت ان کے نام سے گھڑ دی گئی۔ ان کا نام جمل اور صفین کی لڑائیوں میں شریک ہونے والوں میں نہیں ملتا۔ کہاں تو صحابہ کا یہ عالم کہ قبرص کی فتح کی پیش گوئی ہوئی تو اس موقعے پر بڑھاپے کے باوجود حضرت ام حرام شریک ہوتی ہیں اور مدینہ قیصر پر حملے کے وقت اکیانوے برس کی عمر میں سیدنا ابو ایوب انصاری جہاد پر نکلتے ہیں اور کہاں یہ عالم کہ خود راوی حضرت سفینہ خلافت نبوت کے برقرار رکھنے کے لئے مصاف جنگ میں نہیں آتے ... اس طرح اس میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ بات صحابہ کے مقام ... لانے والی ہے۔

محدثین اور مورخین بالعموم پہلے اس روایت کا ذکر کرتے ہیں جس پر ان کو زیادہ یقین ہوتا ہے چنانچہ امام ترمذی نے "حدیث سفینہ" سے پہلے "بارہ خلفاء" والی روایت دی ہے۔ اللہ کے رسول آخرین کے ارشاد کا مطلب ہے کہ .... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے پھر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ عقیدۂ اہلِ سنت والجماعت کے مطابق انہیں دین کا خدمت گزار اور متقی قرار دیتے ہیں۔ اس حدیث کا مرتبہ حسن صحیح کا ہے۔ امام ترمذی نے خود یہ توثیق کی ہے اس لئے تیس سالہ والی روایت سفینہ کو انہوں نے ترجیح نہیں دی۔ ابو حاتم رازی تو ... اس روایت کو ... کرتے ہیں اور ... ہیں کہ اس کا راوی ... حجت نہیں چہ جائیکہ عقیدے کے مسئلے میں اس کی کسی بات کو درست تسلیم کیا جائے۔ مسند احمد میں جو روایت ہے اسے ابن حجر عسقلانی کمزور قرار دیتے ہیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے خلافت نبوت کے بارے میں سیرۃ النبی کی تیسری جلد میں بحث کی ہے تو پہلے بارہ خلفاء والی روایت کو لیا ہے اور اسے قبول کیا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں اس کی ۹ سندیں ہیں صحیح مسلم کے الفاظ ... کو علامہ سلیمان نے دہرایا ہے کہ اس وقت تک اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ خلفاء حکمراں نہ ہو لیں .... بارہ خلفاء تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا پھر انہوں نے ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے ان بارہ خلفاء کے نام دیئے ہیں حافظ عینی نے بھی یہی بارہ نام دیئے ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے ابو داؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ سے ان بارہ خلفاء کے یہ نام بتائے ہیں ۱۔ حضرت ابو بکر ۲ حضرت عمر ۳ حضرت عثمان ۴ حضرت علی ۵ حضرت معاویہ۔ ان میں حضرت حسن کا نام نہیں دیا گیا ہے یہ ابتدائی پانچ ناموں کے علاوہ چارٹ کے مرتب نے حضرت حسن کا نام بھی خلفاء کی فہرست میں دیا ہے۔ سیرۃ النبی جلد سوم کے صفحہ ۶۳۱ پر باقی نام علامہ سلیمان نے اس طرح لکھے ہیں ۶۔ یزید بن معاویہ۔ ۷ عبدالملک ۸۔ ولید ۹۔ سلیمان ۱۰۔ یزید ثانی اور ۱۱۔ ہشام۔ حافظ عینی نے نام اس طرح دیئے ہیں ۱۔ حضرت ابو بکرؓ ۲۔ حضرت عمرؓ ۳۔ حضرت عثمانؓ ۴۔ حضرت علیؓ ۵ حضرت حسنؓ ۶۔ حضرت معاویہ بن ابو سفیانؓ ۷۔ یزید بن معاویہ ۸۔ عبداللہ بن زبیر ۹۔ عبدالملک بن مروان ۱۰۔ ولید بن الملک ۱۱۔ سلیمان بن عبدالملک اور ۱۲۔ عمر بن عبدالعزیز۔

علامہ سلیمان ندوی نے خلفاء کی بشارت کے عنوان سے سب سے پہلے حضرت ابو ہریرہ کی روایت دی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انبیاء کرتے تھے جب کوئی نبی مرتا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہوں گے یہ بھی صحیح مسلم کی روایت ہے جو کتاب الامارۃ میں ہے۔

اللہ کے رسولؐ کے صحابہ کرام اور اہل بیت کا اپنا اپنا مقام ہے اکثر صورتوں میں ان کی منزلت اللہ اور رسول کی طرف سے متعین ہے۔ کوئی کیوں اپنی عصبیت کے پیمانے پر ان جلیل القدر ہستیوں کو جانچے۔ چارٹ کے بارے میں رضوان علی صاحب کا رویہ گمراہ کن ہے۔ وہ اسے مذموم اور شرانگیز قرار دیتے ہیں۔ یہ بات ان کی عصبیت کی آئینہ دار ہے ان کا مسلک رکھنے والوں نے جو چارٹ چھاپے ہیں ان پر وہ توجہ کریں تو شاید چارٹ مرتب کرنے والوں کا مقصد پورا ہو جن کی تحریک ہے .... انسداد غیر اسلامی مطبوعات ولٹریچر .... وما علینا الا البلاغ المبین۔



ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کا جواب

تکبیر کی اشاعت ۹ نومبر ۱۹۸۹ء میں میرا ایک مضمون بعنوان "خلافا راشدہ سے متعلق ایک طغرے میں تاریخی اغلاط" شائع ہوا تھا۔ اس میں بعض ان اغلاط کی نشان دہی کی گئی تھی جو اس طغرے یا چارٹ میں تھیں اور جو "تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات ولٹریچر' پاکستان' کی طرف سے بطور اشتہار شائع ہوا تھا۔

اس مختصر مضمون کی اشاعت پر محترم شاہ بلیغ الدین صاحب کا ایک کافی طویل مخترمانہ مضمون میرے اس مضمون کے رد میں آیا جو آپ تکبیر کی ۱۹۸۹ء اشاعت میں پڑھیں گے' کچھ اور صاحبان کے انتہائی طویل اور مختصر مضامین بھی آئے ان سب میں تقریباً ایک سے ہی افکار اور ایک ہی نقطہ نظر ہے' بعض میں انداز بیان بھی ایک ہے' جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب مضامین اسی تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات ولٹریچر کے مونس کی طرف سے ہیں جنہوں نے اس چارٹ کو ترتیب دیا' اسی لئے وہ سب کافی ناراض ہیں اور بعض نے کافی تلخ بیانی سے کام لیا

ہے 'اور مجھے انتہائی اذیت رساں الفاظ سے نوازا ہے 'یعنی "سبائی فکر" کا علمبردار قرار دیا ہے۔

سب سے پہلے میں یہ عرض کر دوں کہ دشنام طرازی اور زور خطابت کوئی علمی طریقہ نہیں 'علمی طریقہ دلائل و براہین سے استدلال کرتے ہوئے کسی بات کو ثابت کرنا یا اس کا رد کرنا ہے۔ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں یہی کیا تھا اور بجائے مورخین کے محدثین اور بعض ان فقہاء کے حوالوں سے ضروری نصیحتیں کی تھیں جو اہل سنت کی نظر میں انتہائی موثوق ہیں مگر پھر بھی شاہ بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر سبیت کا الزام لگایا ہے۔

سبائی ایک غالی شیعہ فرقہ ہے جسے اسلامی فرقوں پر لکھنے والے قدیم عرب مصنفین جیسے امام ابو الحسن الاشعری 'عبدالقاہر بغدادی 'امام ابن حزم اور شہرستانی وغیرہ نے اپنی مشہور و متداول کتابوں میں کافر کہا ہے 'اور میں بھی اس قدیم فرقہ کو ایسا ہی سمجھتا ہوں بلکہ اس فرقہ سے براءت کا اظہار بعض اثنا عشری فرقہ کے افراد نے بھی کیا ہے 'یہ فرقہ ایک یمنی یہودی عبداللہ بن سبا کی طرف منسوب ہے 'یہ منافقت کے ساتھ اسلام لایا اور اس نے عربی زبان جاننے کے سبب اپنی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے سیدنا عثمانؓ کے خلاف عراق و مصر میں فتنہ کے بیج بوئے اور اسلام میں رخنہ ڈالنے کیلئے انتہائی ہوشیاری سے پس پردہ ان کے قتل کی راہ ہموار کی 'پھر اسی نے اور اس کے ہمنواؤں نے سیدنا علیؓ کو جب وہ بصرہ میں تھے نعوذ باللہ 'اپنا خدا کہنا شروع کر دیا 'جس پر حضرت علیؓ نے ایسے بہت سے افراد کو گڑھے کھدوا کر آگ میں جلایا 'وہ عبداللہ ابن سبا کی بھی یہی سزا دینا چاہتے تھے۔ لیکن مختلف روایات کے مطابق وہ بھاگ نکلا یا پھر خود حضرت علیؓ نے اپنے رفقاء کے کہنے سے اس کی جلاوطنی پر اکتفا کیا۔ (البغدادی۔ الفرق بین الفرق ص ۲۲۳ الشہرستانی۔ الملل والنحل ج ۲ ص ۱۱)۔

یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کو تمام اہل علم جانتے ہیں لیکن "تکبیر" کے پڑھنے والے سب کے سب علماء اور مورخین نہیں ہیں 'بلکہ عام لوگ بھی ہیں 'اسی لئے اس توضیح کو ضروری سمجھا گیا 'تاکہ ایسے لوگ اس اتہام کی سنگینی کا اندازہ لگا سکیں 'جو جناب شاہ بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہمنوا دوسرے مضمون نگاروں کی طرف سے مجھ پر لگایا گیا ہے 'اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے اور ان کو قرآن کریم کی ہدایت "ولا تنابزوا بالالقاب" پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے 'میں بھی اگر چاہتا تو اس چارٹ کے مصنف کو خارجی اور ناصبی کہہ سکتا تھا 'لیکن قارئین میرے مضمون کو دوبارہ پڑھ لیں اس میں کہیں ایسا اتہام نظر نہیں آئے گا 'نہ میں نے اپنے قارئین سے دھمکی کے ذریعہ کوئی بات منوانے کی کوشش کی ہے اور نہ کوئی نازیبا الفاظ استعمال کیئے ہیں جسکا بے جا الزام شاہ بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر لگایا ہے نہ صرف یہ بلکہ موصوف نے مجھے "قارئین کو دھوکہ دینے" کا ملزم بھی ٹھہرایا ہے 'جبکہ حقیقت یہ ہے کہ میں نے جو بات بھی اس مضمون میں کہی تھی اس کیلئے انتہائی معتبر حوالے دیئے تھے۔ تکبیر ایک اخباری نوعیت کا ہفت روزہ رسالہ ہے وہ کوئی علمی یا دینی ماہنامہ یا سالنامہ نہیں ورنہ میں مزید تفصیل سے لکھتا اور کافی حوالے دیتا 'کیونکہ میری تو زندگی ہی علمی اور تاریخی تحقیق و تنقید اور ایم فل و ڈاکٹریٹ کے علمی مقالوں کی نگرانی اور ان کے امتحانات میں گزری ہے 'مضمون نگاری اور عوامی تقریروں میں نہیں۔

جہاں تک اس چارٹ کی تصنیف کا تعلق ہے تو وہ اس نو مسلم آغاخانی کا کارنامہ نہیں بلکہ یہ "تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات" کے کسی ذمہ دار یا ذمہ داران کا کام ہے 'اس اللہ کے بندہ نے تو صرف اشتہار کے حسب معمول پیسے دیئے تھے 'بہت ممکن ہے کہ اس تحریک کو جناب بلیغ الدین صاحب کی سرپرستی حاصل ہو جب ہی وہ میرے سابقہ تنقیدی مضمون پر اس قدر برہم ہیں اور مجھے سبائی (یعنی غالی شیعہ) قرار دیتے ہیں جس کے لئے انہوں نے کوئی دلیل فراہم نہیں کی ہے۔

جہاں تک جاننے اور نہ جاننے کا سوال ہے وہ یقیناً علمی طور پر مجھے نہیں جانتے ہیں کیونکہ میری زیادہ تر کتابیں عربی زبان میں شائع ہوئی ہیں 'صرف ایک کتاب "تحریک اخوان المسلمین" ۱۹۵۶ء دارالحسنات رامپور سے شائع ہوئی تھی 'میں بھی انہیں علمی طور پر نہیں جانتا ہوں گو صورت شناس ہوں غالباً وہ بھول گئے کہ ۱۹۸٦ء میں قومی اسمبلی اسلام آباد کے کیفیٹیریا میں مولانا وصی مظہر ندوی نے میرا تعارف ان سے کرایا تھا اور پھر ایک بار میں ان کے گھر پر بھی حاضری دے چکا ہوں 'بہرحال پاکستان میں جو لوگ بھی عربی تحریریں پڑھنے کا شوق رکھتے ہیں وہ میرے کام اور عقائد سے واقف ہیں 'جن میں ہندوستان اور پاکستان کے اہل علم بھی ہیں اور انتہائی ممتاز اہل مناصب بھی مگر یہ ایک معمولی بات ہوگی اس لئے میں ان کی نشاندہی سے صرف نظر کرتا ہوں مگر ایک بزرگ اور مشہور زمانہ ہستی کا نام لینا ضروری سمجھتا ہوں جن سے چالیس سال سے میرا تعلق رہا ہے اور اب تک قائم ہے 'وہ ہیں اہل سنت کے ایک انتہائی برگزیدہ عالم 'مصنف و محقق 'مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ 'جن سے بہت پہلے کبھی مجھے شاگردی کا شرف حاصل رہا ہے اور جنہوں نے میری مذکورہ اردو کی پہلی اور صرف ایک کتاب پر جسکا ذکر ابھی میں نے کیا کافی مفصل پیش لفظ لکھا تھا 'میں انہی کے نقش قدم پر ہوں 'مرحوم مفتی محمد شفیع صاحب بھی مجھ سے بخوبی واقف تھے اور شفقت فرماتے تھے۔

مدیر تکبیر برادرم محمد صلاح الدین صاحب سے میرا تعلق کسی قدر نیا ہے اور یہ سب کچھ میں نے اس لئے لکھا ہے کہ جن حضرات کے میں نے نام لئے ہیں وہ اہل سنت کے نمائندہ ہیں اور ان میں سے کوئی بھی سبائی فکر کا حامل نہیں۔

اب میں جناب شاہ بلیغ الدین صاحب کے اعتراضات اور تنقید کے جوابات دینے کی کوشش کروں گا 'اور مجھے امید ہے کہ ان سے بہت سے ایسے امور کی وضاحت ہو جائے گی جن کے بارے میں پاکستان میں کچھ حلقوں کی طرف سے بڑے غلط اور بے بنیاد افکار پھیلائے گئے ہیں 'اور جو اہل سنت والجماعت کے مسلمہ عقائد و افکار سے کافی دور ہیں 'یہ اعتراضات اور سوالات اس قدر طویل اور متنوع ہیں کہ مجھ کو ان پر کافی تفصیل سے لکھنا پڑ رہا ہے یہ مدیر تکبیر کی علم دوستی اور ان کا جذبہ حق پسندی ہے کہ وہ اسکو شائع کرنے کیلئے تیار ہو گئے ہیں 'اب ان اعتراضات اور دعاوی کے جوابات نمبروار حاضر ہیں۔

۱۔ اس چارٹ کیلئے طغراء کا لفظ میں نے اختیار نہیں کیا اسکو اگر وہ دوبارہ دیکھیں گے تو ان کو قرآنی آیت کی بعد "طغرہ" کا لفظ نظر آئے گا 'میں نے اپنے مضمون میں اس کا صرف املاء درست کر دیا تھا 'بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے درست لکھا ہے مگر اس کا مخاطب چارٹ نویس ہونا چاہئے میں نہیں 'البتہ میں یہ اضافہ یا تصحیح ضروری سمجھتا ہوں کہ اس کا املاء "طغراء" ہے طغرا نہیں اسی لئے ایک مشہور فارسی النسل عربی اللسان شاعر کا لقب طغرائی تھا 'جسکا قصیدہ "لامیۃ العجم" بہت مشہور ہے۔

۲۔ خانوادۂ نبوت کے اس چارٹ یا خاکہ کو سمجھنے میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی ہے 'موصوف خود اس کو دوبارہ دیکھیں تو ان کو نظر آئے گا کہ سب سے اوپر جلی حرفوں میں "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہے (یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس کا عنوان اہل بیت رسول اللہؐ ہے) اور اس کے نیچے پانچ سیاہ پٹیوں کے اندر جلی حرفوں میں سرخیاں ہیں 'اور ان سرخیوں کے نیچے پھر ذیلی سرخیاں ہیں۔ سب سے پہلی جلی سرخی "اہل بیت" کی ہے اور اس کے نیچے ذیلی سرخی "ازواج مطہرات" ہے 'پھر دوسری جلی سرخی "اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" ہے 'جس کے نیچے دو ذیلی سرخیاں۔ "بیٹے بیٹیاں" ہیں 'تیسری جلی سرخی "آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم" کی ہے جس کے نیچے پھر دو ذیلی سرخیاں۔ نواسے 'نواسیاں" ہیں۔ پھر وہ دو بڑی سرخیاں ہیں جن کا ذکر ناقد محترم نے کیا ہے۔

اب بتایا جائے کہ جب اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلی سرخی کے تحت اس کو ازواج مطہرات کے عنوان سے محدود کر دیا جائے تو اس سے قاری کیا سمجھے گا یہی کہ اولاد و اسباط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شامل نہیں ہیں 'ایک ناقد نے تو اپنے طویل مضمون میں صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ اہل بیت رسولؐ میں آنحضرت کے اولاد و اسباط ہرگز شامل نہیں ہیں 'اور پھر وہ کون کور چشم ہو گا جو اولاد رسولؐ کی علیحدہ سے دو بڑی سرخیوں یا عنوانات کے بعد ان کو اہل بیت النبی میں سے سمجھے گا جن صاحب نے اہل بیت سے صرف ازواج مطہرات کے معنی لئے ہیں انہوں نے دیدہ دلیری اور علمی بد دیانتی کے ساتھ مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دیا ہے 'حالانکہ مرحوم نے ہرگز ایسا نہیں لکھا بلکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ اور تفصیلی بحث کے بعد اہل بیت الرسولؐ میں ازواج مطہرات اور اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کیا ہے (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد چہارم صفحہ ۹۲) اور یہی سلف صالحین کا مسلک ہے۔

میں نے راغب اصفہانی کو امام کے لقب سے یاد نہیں کیا تھا بلکہ صرف لفظ "آل" ولفظ "اہل" کے معنی میں جو توافق ہے اس کے لئے اس کا حوالہ دیا تھا 'راغب اصفہانی ایک ادیب تھا اور شیعہ مصنف 'اس کی کتاب محاضرات الابرار" مطبوع و مشہور ہے اور الذریعہ الی تصانیف الشیعہ کے شیعی مصنف آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب میں راغب اصفہانی کو بھی شامل کیا ہے بہرحال اس کی کتاب "المفردات فی غریب القرآن" ایک مختصر لغت قرآنی ہے 'میں نے عربی زبان کی سب سے بڑی لغت یعنی ابن منظور کی لسان العرب کا بھی حوالہ دیا تھا۔ جس میں قرآنی الفاظ کے معانی زیادہ مفصل اور معتبر ہیں مگر بلیغ الدین صاحب نے کمال ہوشیاری سے اس کو بھلا دیا اور دوسری باتوں کا ذکر چھیڑ دیا 'علاوہ ازیں مصری اکاڈیمی "مجمع اللغۃ" نے "معجم الفاظ القرآن الکریم" کے نام سے ڈیڑھ ہزار صفحات پر مشتمل دو مبسوط جلدوں میں جو لغت چھاپی ہے وہ المفردات سے کہیں زیادہ جامع ہے۔

شاہ بلیغ الدین صاحب نے "سورۂ ھود" "و سورۂ احزاب" میں واقع اہل بیت کی اصطلاح کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہاں یہ صرف بیویوں کیلئے اور "سورۂ قصص" میں ماں کیلئے استعمال ہوئی ہے بیٹیوں کیلئے کہیں نہیں' یہی وہ بات ہے جو میرے دوسرے ناقد نے جیسا کہ میں نے پہلے کہا اپنے مضمون میں کہی ہے' تو یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے پہلا حق کس کو ہے' آج کے مفسرین و مضمون نگاروں کو یا اس ذات بابرکات کو' جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا' اور جس کو یہ حق خود اللہ نے دیا تھا۔ "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم ()" (اور ہم نے تم پر یہ ذکر (یعنی قرآن) نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو وہ سب کچھ سمجھاؤ جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے) اسی لئے بیشتر قدیم و جدید مفسرین سورۂ احزاب کی آیت تطہیر (۳۳) کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آیت کی تفسیر کی روشنی میں کرتے ہیں' اور ان میں ازواج مطہرات کے ساتھ اولاد رسولؐ کو بھی شامل کرتے ہیں' اسی لئے میں نے تفسیر ابن کثیر کا حوالہ دیا تھا جس کا ترجمہ اردو میں موجود ہے اور جو اہل سنت کے نزدیک ایک انتہائی معتبر تفسیر ہے اور پھر میں نے تفہیم القرآن کا بھی اضافہ کر دیا ہے' ان دونوں تفسیروں میں متعدد صحابہ سے بہت سی احادیث رسول اللہؐ منقول ہیں' جن میں اس آیت کی وہ صحیح تفسیر موجود ہے جو اہل سنت کا مسلک ہے' نعوذ باللہ کیا نبی عربیؐ روحی فداہ کو سورۂ ھود و قصص میں اہل بیت کی اصطلاح کا علم نہیں تھا جو اب شاہ بلیغ الدین صاحب یا اسی مسلک کے دوسرے افراد کو ہوا ہے' یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ حدیث نبوی کے بغیر صرف راغب اصفہانی کی "المفردات" کے سہارے قرآن کریم کی تفسیر نہیں ہو سکتی' اسی کو عربی اصطلاح میں "تفسیر بالنبویؐ" کہا جاتا ہے اور حضورؐ کی تفسیر کے بعد صحابہ کرام سے وہ اقوال ہیں جو قرآن کی تفسیر میں کتب حدیث یا تفاسیر میں منقول ہیں اور ان میں بھی اکثریت صحابہ کا لحاظ کیا جاتا ہے' اور ان کے بعد تابعین اور سلف صالحین کی تفاسیر کا درجہ ہے۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ مشہور مفسر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ سے قبل بعض علماء اہل بیت کے لفظ سے صرف آپ کی اولاد مراد لیتے تھے' اسی لئے زمخشری کو اپنی تفسیر "الکشاف" (ج ۳ ص ۲' طبع دار المعرفہ' بیروت) میں یہ وضاحت کرنا پڑی۔ "وفی ھذا دلیل بین ان نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اھل بیتہ" یعنی اس آیت تطہیر میں اس کی واضح دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں۔

۲۔ بلیغ الدین صاحب میری فکر کو "سبائی" (موصوف نے سبائی لکھا ہے جو درست نہیں کیونکہ جس آدمی کی طرف یہ نسبت ہے اس کا نام "سبا" تھا "سبا" نہیں تھا) فکر کا الزام دیتے ہوئے کہتے ہیں "ان کے غصے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل بیت میں سرفہرست سیدۃ فاطمہؓ کا اسم گرامی کیوں نہیں' ان کی فکر کے مطابق جو اصل میں سبائی فکر ہے یہ اسم گرامی ازواج مطہرات کے اسماء سے پہلے آنا چاہئے۔"

"علیم بذات الصدور" تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نہ معلوم شاہ بلیغ الدین صاحب کو دلوں کا حال اور نیت کا علم کیسے ہو گیا بہر حال یہ صریحی بہتان ہے میں نے ہرگز ایسا نہیں کہا میں تو سیدہ خدیجہؓ کے اسم گرامی کو سرفہرست دیکھنا چاہتا ہوں اور دوسرے ازواج مطہرات کے ناموں کو بھی میں نے صرف یہ لکھا تھا کہ "سورۃ احزاب" کی آیت تطہیر کی' نبوی تفسیر کے مطابق اہل بیت کی اصطلاح میں سیدہ فاطمہؓ' علیؓ' حسن و حسین رضوان اللہ علیہم بھی شامل ہیں' میرے الفاظ تھے۔

"شیعہ حضرات سخت غلطی اور زیادتی کرتے ہیں کہ اہل بیت النبی سے صرف آپؐ کی اولاد و اہل قرابت مراد لیتے ہیں' اس میں ازواج مطہرات تو بدرجہ اولیٰ شامل ہیں کیونکہ انہی کے سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی اور یہی میرے خیال میں ہر مسلمان کا عقیدہ ہونا چاہئے۔"

مجھے سبائی فکر کا طعنہ دینے والے محترم مضمون نگار کو معلوم ہونا چاہئے کہ میرے زیر نگرانی ریاض کی امام محمد بن سعود اسلامک یونیورسٹی کے ایک ریسرچ طالب علم سلیمان العودہ نے عبداللہ ابن سبا پر ایم فل (M-PHIL) کا مبسوط تنقیدی مقالہ ۱۹۸۱ء میں لکھا تھا اور اس میں اس نے بعض ان عراقی شیعہ محققین اور بعض مستشرقین کی دھجیاں اڑائی ہیں جو عبداللہ ابن سبا کے وجود ہی کے قائل نہیں' یہ مقالہ میرے پاس موجود ہے شاہ بلیغ الدین صاحب میرے یہاں تشریف لا کر اس کو دیکھ سکتے ہیں' اور سبائیت کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

میں نے صحیح بخاری سے سیدہ فاطمہؓ کی منقبت میں جو احادیث نقل کی تھیں وہ اس لئے نہیں کہ میں ان کے نام کو اہل بیت میں سرفہرست دیکھنا چاہتا تھا بلکہ صرف اسلئے کہ میں تمام سلف صالحین اور معاصر اہل سنت علماء کی طرح ان کے نام کو اس مذکورہ چارٹ میں "اہل بیت" کی جلی سرخی کے نیچے دیکھنا چاہتا تھا' حقیقت یہ ہے کہ شاہ بلیغ الدین صاحب یہاں تضاد یا تذبذب کا شکار ہیں وہ اوپر کہہ چکے ہیں کہ سورۂ ھود اور سورۃ قصص کے مطابق اہل بیت سے مراد صرف بیوی اور ماں مراد ہے اب وہ سیدہ فاطمہؓ کو اہل بیت میں تو سمجھتے ہیں لیکن ان کو سرفہرست نہیں سمجھتے' میں بھی یہی کہتا ہوں' لیکن حدیث بخاری نقل کرتے ہوئے میں نے ان کو حضورؐ کے اہل قرابت میں سرفہرست بتایا تھا' میں نے امام بخاری کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا کہ انہوں نے اہل بیت کی کوئی فہرست مرتب کی ہے' یہ ایک بہتان ہے' بخاری کی جو حدیثیں میں نے ذکر کی تھیں وہ صرف اس استدلال کیلئے کہ اہل بیت کی اصطلاح میں سیدہ فاطمہؓ اور ان کی اولاد شامل ہیں' ان حدیثوں کی جو توجیہات شاہ بلیغ الدین صاحب نے کی ہیں وہ اصل موضوع سے خارج ہے' حدیث نمبر ۹۵۳ کا جو اہم ٹکڑا ہے اس کو موصوف نے کمال ہوشیاری سے حذف کر دیا ہے اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ "ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں" پوری حدیث یہ ہے۔ "فاطمہ بضعۃ منی فمن اغضبھا اغضبنی" (سیدہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا) اب بتایا جائے کہ کیا اس میں کوئی ترجیح نہیں۔

سلف صالحین کی طرح سیدہ عائشہؓ اور سیدہ فاطمہؓ کے درمیان افضلیت میں میں مقابلہ کا قائل نہیں' مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف احادیث میں متعدد سیدات کی فضیلت کا بیان ہے' اسلئے حافظ ابن حجر نے سیدہ عائشہؓ اور سیدہ فاطمہؓ کی احادیث فضیلت پر فتح الباری کی جلد (۷) صفحات ۱۳۸' ۱۳۹ (طبع دار المعرفہ' بیروت) میں "باب تزویج النبی خدیجہ" کے ذیل میں حدیث "جنت کی سب سے بہتر خواتین مریم اور خدیجہ ہیں" سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ "اس سے مراد اپنے اپنے زمانہ کی دونوں سیدات مریم ہیں' پھر باب "فضائل الانبیاء" میں سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ (زوجہ فرعون) کو کامل ترین خواتین کہا گیا ہے" "کمل من الرجال کثیرون ولم یکمل من النساء الا مریم وآسیۃ" اب اس حدیث کی بنا پر سیدہ خدیجہ کی فضیلت کی جو حدیث ہے اس سے ان کا مطلق افضل ثابت نہیں ہوتا" پھر وہ اس خیال کی تائید میں مسند البزار اور معجم طبرانی سے ایک اور حدیث ذکر کرتے ہیں' جو اس موضوع پر قول فیصل ہے' اس کے بعد وہ نسائی اور حاکم کی ایک صحیح حدیث جو حضرت ابن عباس سے مرفوعاً روایت ہے۔ کہ۔ "افضل نساء اھل الجنۃ خدیجہ وفاطمہ ومریم وآسیۃ" (یعنی جنت میں سب سے زیادہ فضیلت والی خواتین خدیجہؓ' فاطمہؓ' مریم اور آسیہ ہیں) اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ۔ "ھذا نص صریح لا یحتمل التاویل" جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یہ نص صریح ہے اور اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

اس طرح حافظ ابن حجر عسقلانی کی بحث اور اس آخری حدیث سے اس مشہور حدیث کی تائید ہوتی ہے جو اہل سنت والجماعت برصغیر میں اپنے خطبوں میں جمعہ کے روز بیان کرتے ہیں' یعنی "فاطمہ سیدہ نساء اھل الجنۃ" اس سے سیدۃ عائشہؓ کی تنقیص ہرگز مقصود نہیں ان کی فضیلت اپنی جگہ پر ہے' جہاں تک اس "حدیث ثرید" کا مسئلہ ہے جس سے شاہ بلیغ الدین صاحب نے سیدۃ عائشہؓ کی مطلق فضیلت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اس سے بحث کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں کہ۔ "اس قول سے جو افضلیت ثابت ہوتی ہے وہ تمام ازواج مطہرات پر ہے تاکہ اس حدیث کی مطابقت اس دوسری حدیث سے ہو سکے جو حاکم نے المستدرک میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جنت کی سب سے افضل خواتین خدیجہؓ اور فاطمہ ہیں (فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۸ کتاب فضائل صحابہ)

۳۔ ایک بار پھر شاہ بلیغ الدین صاحب اس ناچیز پر سبائیت کا الزام بے جا لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ "سبائی نقطہ نظر کے مطابق رضوان علی صاحب مزید استدلال روایت کساء (صحیح الاسناد روایت ہے) بہ معنی چادر سے کرتے ہیں للتنبیہ ہے کہ خود مزید اس کی تحقیق ضروری سمجھتے ہیں' یہ معتبر نہیں تو استدلال کیسا"؟ معلوم نہیں انہوں نے قصداً یہ مغالطہ پیدا کیا ہے یا وہ میری بات سمجھنے سے قاصر رہے ہیں' میں نے اس حدیث کے بارے میں مزید تحقیق کیلئے ابن کثیر کی تفسیر کے مطالعہ کیلئے نہیں کہا تھا' بلکہ یہ کہا تھا کہ سورۃ احزاب کی آیت تطہیر یعنی آیت نمبر ۳۳ میں سیدہ فاطمہؓ' سیدنا علیؓ اور حضرات حسنین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سلسلہ میں مزید احادیث کیلئے ابن کثیر کی تفسیر سے رجوع کیا جائے' اب میں اس میں مرحوم مولانا مودودی کی تفسیر کا بھی اضافہ کرتا ہوں' مسجد نبوی میں برسوں درس تفسیر دینے والے عالم' مرحوم شیخ امین شنقیطی بھی اپنی تفسیر "اضواء البیان" (۱۰ جلدیں) میں حدیث الکساء کو صحیح مانتے ہیں' موصوف کا یہ کہنا کہ یہ حدیث اہل سنت والجماعت کے نزدیک معتبر نہیں کسی طرح درست نہیں' کیونکہ ابن کثیر' شیخ امین الشنقیطی اور مولانا مودودی اہل سنت میں ہی سے ہیں' وہ سب اس کو معتبر سمجھتے ہیں' پھر یہ حدیث صحیح مسلم میں

ہے' وہ کون ہے جو امام مسلم کو معتبر نہیں سمجھتا؟ مجھ کو تو موصوف نے "سبائی" قرار دے دیا مگر کیا امام مسلم بھی سبائی تھے! ع "دلم بسوخت زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست" اس مضمون کی بکثرت احادیث دوسرے صحابہ سے جن میں سیدہ عائشہؓ اور سیدہ ام سلمہؓ بھی شامل ہیں' ترمذی' مسند امام احمد' سنن بیہقی وغیرہ میں موجود ہیں۔

یہاں بلیغ الدین صاحب نے جو اور اعتراضات اس حدیث پر اٹھائے ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا زمانہ ۵ھ نہیں بلکہ ۹ھ ہے (فتح الباری ج ۸' ص ۵۲۲) اس وقت سیدۃ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ وفات پا چکی تھیں اور اس کے علاوہ وہ اس موقع پر حضرات حسنؓ و حسینؓ کا نام لئے بغیر (نہ معلوم ذکر کس کا ہے؟) یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "اس روایت میں مذکور بعض لوگوں اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے" یہ قطعاً غلط ہے' تمام کتب طبقات و تاریخ میں درج ہے کہ سیدنا حسن ۳ھ اور سیدنا حسین ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ بھی موصوف نے صحیح نہیں کہا کہ "حضرت رقیہؓ کی اولاد زندہ تھی" حقیقت یہ ہے کہ ان کے صاحب زادے حضرت عبداللہ چھ سال کی عمر میں وفات پا چکے تھے' (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۸' جمہرۃ الانساب تالیف ابن حزم' القاہرۃ ص ۸۳' کتاب المحبر تالیف محمد ابن حبیب متوفی ۲۴۵ھ ص ۵۳) موصوف نے اس موقع پر اپنے دعووں کی تائید میں کوئی تاریخ حوالہ پیش نہیں کیا ہے یہ علمی طریقہ نہیں ہے بغیر کسی دلیل اور مستند تاریخی حوالہ کے اپنے دعووں کو تاریخی حقائق کہنا بلیغ الدین صاحب کا طرہ امتیاز ہے وہ میری تمام بحث کو "سبائی گروہ کے خیالات کا مظہر قرار دیتے ہیں" اس دشنام طرازی کی زد ان محدثین کرام اور مفسرین عظام پر بھی پڑتی ہے جن کا حوالہ میں نے دیا ہے۔

۵۔ سیدہ ماریہ قبطیہ کے اسلام کا مسئلہ میں نے نہیں اٹھایا تھا' مسئلہ یہ تھا کہ تمام علمائے امت ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سریہ یا ام الولد کہتے ہیں' ازواج مطہرات میں شامل نہیں کرتے جن سے آپ کا باقاعدہ نکاح ہوا تھا' قدیم کتب سیرت یعنی ابن ہشام طبقات ابن سعد' ابن حزم کی جوامع السیرہ ابن القیم کی زاد المعاد وغیرہ میں یہی درج ہے' یہاں بلیغ الدین صاحب کا سیدہ جویریہ اور سیدہ صفیہ بنت حیی ابن اخطب سے سیدہ ماریہ کا تقابل بے محل ہے کیونکہ ان دونوں کا آنحضرتؐ سے عقد ہوا تھا' پہلی کا مہر "مکاتبت" کی رقم تھی اور دوسری کا "عتق" یعنی آزادی (زاد المعاد تالیف ابن القیم ج ۱ ص ۱۰۹ طبع بیروت ۱۹۸۰ء)

۶۔ حضرت سودۃ بنت زمعہ کے نام کی غلطی پر میری گرفت کا مسئلہ اس سے قبل ۷ر دسمبر کے تکبیر میں آ چکا ہے کہ یہ طباعت کی غلطی تھی مگر موصوف نے "ابن تیمیہ" کے بجائے "تیمیہ" لکھا ہے اور ایک جگہ عبدالمطلب کو صرف "المطلب" لکھا ہے کیا میں اس پر ان کی گرفت کروں! نہیں میں اس کو سہو کتابت سمجھتا ہوں' مگر موصوف نے "سُفینہ" غلط لکھا ہے صحیح نام "سَفینہ" ہے دیکھئے القاموس المحیط تالیف فیروز آبادی' مادۃ (س ف ن) اور اسماء الصحابۃ الرواۃ تالیف ابن حزم ص ۲۸۳۔

۷۔ میں نے ابن حزم کی جوامع السیرۃ کا حوالہ نہیں دیا تھا بلکہ ان کی کتاب جمہرۃ الانساب کا حوالہ دیا تھا' یہ دونوں کتابیں میری ذاتی لائبریری میں موجود ہیں' "جوامع السیرۃ" ایک بہت مختصر کتاب ہے جس میں ابن حزم نے سیرت کا خلاصہ پیش کیا ہے' ان کی اہم کتاب جمہرۃ الانساب ہے' جوامع السیرۃ میں انہوں نے ضرور وہ لکھا ہے جس کا بلیغ الدین صاحب نے ذکر کیا ہے مگر اس باب میں مورخین کی کثرت اسی طرف مائل ہے کہ الطیب اور الطاہر دونوں حضرت عبداللہ ابن رسول اللہؐ کے لقب تھے (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد' سیرۃ ابن ہشام' عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر تالیف ابن سید الناس الاندلسی' کتاب المحبر تالیف محمد ابن الحبیب' انساب الاشراف تالیف البلاذری ج ۱' ص ۴۰۵۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۹۴ زاد المعاد تالیف ابن القیم ج ۱ میں رسول اللہؐ کی اولاد کا ذکر) یہ سب کتابیں تمام لوگوں کے نزدیک مستند و معتبر ہیں' اور پھر حافظ ابن القیم نے تو زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں (جو سیرت نبوی پر کافی مفصل اور انتہائی معتبر کتاب ہے) آنحضرتؐ کے صاحب زادگان پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے اسی قول کو معتبر قرار دیا ہے' کہ یہ دونوں لقب حضرت عبداللہؓ کے تھے اور آپؐ کے صرف تین ہی صاحب زادگان تھے لیکن اگر بلیغ الدین صاحب کو ابن حزم کے قول ہی پر اصرار ہے اور وہ ان ہی کو معتبر سمجھتے ہیں تو وہ ابن حزم کی اسی کتاب میں وارد ان باتوں کو بھی تسلیم کریں کہ۔

۱۔ حضرت رقیہؓ کے صرف ایک صاحب زادہ عبداللہ تھے جو چار سال کی عمر میں وفات پا گئے (ص ۳۹) جبکہ آپ ان کے بارے میں مورخ مسعودی کی غلط روایت کو مانتے ہیں کہ وہ بڑے ہوئے اور انہوں نے بہت سی شادیاں کیں۔

۲۔ اور ابن حزم کی یہ بات بھی تسلیم کریں کہ ابو طالب نے رسول اکرمؐ کی سرپرستی کی' جبکہ آپ زبیر بن عبدالمطلب کو زبردستی میں آنحضرت کا سرپرست مانتے ہیں۔

۳۔ یہ بھی تسلیم کریں کہ علی بن زینب بنت رسول اللہؐ ابتدائے جوانی میں انتقال فرما گئے' جبکہ آپ اس کے منکر ہیں اور ان کو جنگ یرموک کا ایک ہیرو قرار دیتے ہیں۔

۴۔ یہ بھی تسلیم کریں کہ سیدہ امامہؓ بنت زینبؓ کی حضرت علیؓ سے کوئی اولاد نہیں تھی بلکہ ان کے دوسرے شوہر المغیرہ ابن نوفل سے بھی کوئی اولاد نہیں ہوئی (جوامع السیرۃ ص ۳۹ طبع القاہرہ) 'جبکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ محمد الاوسط ان کے صاحب زادہ تھے۔

اپنے اس اعتراض نمبر (۷) میں بلیغ الدین صاحب خانوادہ نبوت کے اس چارٹ میں حضرت محسن ابن سیدہ فاطمہ کے نام کی عدم موجودگی کی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اس میں حضرت عبداللہ الاکبر ابن سیدہ رقیہؓ کا بھی ذکر نہیں" وہ چارٹ کو غور سے پڑھیں تو ان کو آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی سرخی کے نیچے نواسوں کی ذیلی سرخی میں نمبر (۲) پر حضرت عبداللہؓ بن عثمانؓ کا نام نظر آئے گا "تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات" کے ذمہ داروں سے اس بارے میں کوئی سہو نہیں ہوا ہے الا یہ کہ آپ کی مراد یہاں عبداللہ الاکبر کے بجائے عبداللہ الاصغر ہو جو صرف آپ کا دعویٰ ہے۔

اور اس کے بعد کسی دلیل کے بغیر دوسری بار مجھ پر بدنیتی کا الزام لگاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ "رضوان علی صاحب چارٹ میں حضرت رقیہؓ کے صاحب زادوں کے نام دیکھنا نہیں چاہتے ہیں" اور پھر وہ پہلی مرتبہ مسعودی کی مروج الذھب سے ایک جملہ عربی میں نقل کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت رقیہ کے دو صاحب زادے تھے "عبداللہ الاکبر وعبداللہ الاصغر وکان عبداللہ الاکبر یلقب بالمطرف لجمالہ وحسنہ وکان کثیر التزوج۔۔۔ وبلغ عبداللہ الاصغر من السن ستا وسبعین" یہاں بلیغ الدین صاحب نے "کثیر الطلاق" اور کچھ دوسری عبارت کو چھوڑ کر نقطے لگا دیئے ہیں' اس جگہ پر "کثیر الطلاق" کے بعد جو عبارت ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے۔ وہ مجھے مسعودی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

جی ہاں مجھے یہ معلوم ہے' اور تمام عرب مورخین کی طرح مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مسعودی شیعہ تھا جن کو بلیغ الدین صاحب سبائی کہتے ہیں' یہ چوتھی صدی ہجری کا مورخ ہے' (وفات ۳۴۶ھ) کوئی شک نہیں کہ وہ بہت بڑا مورخ تھا مگر اس کی کتاب میں قصص و حکایات کی بھرمار ہے' اور مطبوعہ نسخہ میں کافی اغلاط ہیں' پھر وہ علم الانساب کا بھی ماہر نہیں' اور اس کا وہ مقام نہیں جو طبری' بلاذری' ابن الاثیر' وابن کثیر وغیرہ مورخین کا ہے' اس کی یہ روایت قطعاً غلط ہے جس کو میں ابھی ثابت کروں گا' لیکن اس سے قبل میں شاہ بلیغ الدین صاحب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ "مروج الذھب" کے اس صفحہ پر چند سطروں کے بعد مسعودی کا حضرت عثمانؓ کے دوسرے صاحب زادہ الولید کے بارے میں یہ بیان پسند کرتے ہیں۔ "وکان الولید صاحب شراب وفتوۃ ومجون وقتل ابوہ وھو مخلق الوجہ سکران علیہ مصبغات واسعۃ" (ج ۲ ص ۳۴۱) جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "ولید ابن عثمانؓ شراب' شہسواری' اور عیاشی و بدفعلی کے دلدادہ تھے اور جس وقت ان کے والد کا انتقال ہوا اس وقت وہ اپنے چہرہ پر خوشبو ملے ہوئے شراب کے نشے میں دھت تھے اور ڈھیلے ڈھالے رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے" (عرب اپنی مجالس عیش و طرب میں خاص رنگین کپڑے پہن کر شریک ہوتے تھے) یہ ہے جناب بلیغ الدین صاحب کا مسعودی' بلکہ مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موصوف نے نقطے لگا کر جو خالی جگہ چھوڑی ہے اس میں بہت کچھ چھپانے کی کوشش کی گئی ہے' مسعودی عبداللہ الاکبر کو کثیر التزوج' کثیر الطلاق" (یعنی بہت زیادہ شادیاں کرنے والے اور بہت زیادہ طلاق دینے والے) کہنے کے فوراً بعد حضرت عثمانؓ کے دوسرے صاحب زادہ ابان بن عثمانؓ کے بارے میں' جو سیرت نبوی کے قدیم ترین مصنف اور محدث اور مجاہد رہے ہیں' لکھتا ہے "وکان ابان ابرص احول [قد حمل عنہ اصحاب الحدیث عدۃ من السنن وولی لبنی مروان مکۃ وغیرھا" اور ساتھ ہی ایک دوسرے صاحب زادہ سعید بن عثمان کے بارے میں لکھتا ہے "وکان سعید احول بخیلا وقتل فی زمن معاویۃ (اس کا مطلب ہے 'ابان ابن عثمان برص میں مبتلا اور بھینگے تھے' اہل حدیث نے ان سے کچھ سنن (یعنی احادیث) پڑھیں اور وہ بنی مروان کے عہد میں مکہ وغیرہ کے والی رہے' اور سعید بھی بھینگے تھے اور کنجوس' معاویہؓ کے زمانے میں قتل کیئے گئے) حضرت عثمانؓ کے تین صاحب زادوں کے مسعودی نے یہ اوصاف بیان کیئے ہیں جس میں شیعیت کی جھلک پوری طرح نظر آتی ہے اور بلیغ الدین صاحب اسی سے ایک غلط روایت پر استدلال کرنا چاہتے ہیں' مگر یہی کے علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز نے بجا طور پر فتح الباری فی

شرح البخاری کے ایک حاشیہ میں اسکو "شیعی محترق کذاب" (جل ککڑا اور جھوٹا شیعی) لکھا ہے یعنی جہاں تک ان واقعات کا معاملہ ہے جن کا تعلق خلفاء راشدین اور ان کے خاندان و اہل قرابت سے ہے۔

اب میں مسعودی کے اس بیان کی کہ حضرت رقیہؓ کے دو صاحب زادے تھے عبداللہ الاکبر المطرف اور عبداللہ الاصغر کی طرف آتا ہوں' یہ سب غلط ہے' حضرت عثمانؓ کے سیدہ رقیہؓ کے بطن سے صرف ایک صاحب زادے تھے یعنی عبداللہ جن کا چھ سال کی عمر میں انتقال ہوا' اور آنحضرتؐ نے خود ان کے دفن میں حصہ لیا' ان کی وفات کے تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے کہ ایک مرغ نے ان کی آنکھ کو کچھ اس طرح زخمی کیا کہ وہ اس سے جانبر نہ ہوسکے' یہ ۴ھ کا واقعہ ہے (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۴' محمد ابن حبیب کی کتاب المحبر ص ۵۳' ابن حزم کی جمہرۃ الانساب ص ۸۳' ابن کثیر کی البدایۃ النہایۃ ج ۵ ص۔ ۳۰۸' بلاذری کی انساب الاشراف ۵ ص ۱۰۵ طبع القدس ۱۹۳۶ء) یہ واقعہ اس قدر مشہور تھا کہ مشہور ادیب و مفکر اور عالم جاحظ نے اپنی کتاب "الحیوان" میں مرغ کے جرائم (جنایات الدیک) میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے' یعنی مرغوں کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ ان میں سے ایک نے عبداللہ ابن عثمان کی آنکھ کو زخمی کر کے انہیں شہید کر دیا' (کتاب الحیوان ج ۱ ص ۳۷۵ طبع مصر ۱۹۶۵ء)

اور پھر المطرف ان عبداللہ ابن عثمان کا لقب نہیں تھا بلکہ وہ سیدنا عثمانؓ کے پوتے عبداللہ ابن عمرو بن عثمانؓ کا لقب تھا (ملاحظہ ہو' علم انساب کے قدیم ترین ماہر اور ثقہ مورخ و محدث مصعب الزبیری متوفی ۲۳۶ھ کی کتاب "نسب قریش" طبع مصر ص ۱۱۲' البیان والتبیین ج ۱ ص ۳۵۷' جمہرۃ الانساب تالیف البلاذری ج ۵ ص ۱۰۷' ۱۰۸' الاخبار الموفقیات تالیف زبیر ابن بکار متوفی ۲۵۶ھ الشریف المرتضیٰ کی امالی المرتضیٰ ج ۱ ص ۲۹۷) ان سب کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دوست تھے۔

جہاں تک عبداللہ الاصغر کا تعلق ہے تو ان کی ماں سیدہ رقیہؓ نہیں بلکہ فاختہ بنت غزوان تھیں' (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۵۴' انساب الاشراف تالیف البلاذری ج ۵ ص ۱۵۰) سیدنا عثمانؓ کی اولاد اور ان کے پوتوں کا ذکر بلاذری نے انساب الاشرف کی پانچویں جلد (طبع القدس ۱۹۳۶ء) میں بہت تفصیل سے کیا ہے اور سب کی ماؤں کا نام بھی لکھا ہے' وہ لکھتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے سب سے بڑے بیٹے کا نام عمرو بن عثمانؓ تھا اور ان کے دو بیٹوں کا نام بھی عبداللہ الاکبر اور عبداللہ الاصغر تھا اور ان عبداللہ الاکبر بن عمرو بن عثمان کی ماں حفصہ بنت عبداللہ بن عمر بن خطابؓ تھیں اور انہیں کا لقب المطرف تھا۔ اور یہی عبداللہ المطرف ابن عمرو بن عثمان تھے جو اپنے حسن و جمال کی وجہ سے بہت مشہور و مرغوب تھے' مسعودی نے سیدنا عثمانؓ کو بدنام کرنے کیلئے ان عبداللہ الاکبر کو حضرت عثمان کا بیٹا بنا دیا' اور ان سے وہ باتیں منسوب کر دیں کہ جو کسی اور قدیم عربی تاریخ میں نظر نہیں آتیں اور یہ صرف اس لئے کہ سیدنا حسنؓ کے مقابلہ میں جو بہت زیادہ شادیاں کرنے اور طلاق دینے میں مشہور تھے وہ سیدنا عثمان کے ایک صاحب زادے کو دروغ گوئی کے ساتھ پیش کرے' اور جہاں تک عبداللہ الاصغر اور ان کی طویل عمر کا تعلق ہے تو یہ ثابت کر دیا گیا کہ ان کی ماں رقیہؓ نہیں بلکہ فاختہ بنت غزوان تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود مسعودی نے اپنی دوسری کتاب التنبیہ والاشراف میں (جو مروج الذہب کے بعد لکھی ہے) عبداللہ الاصغر کو حضرت رقیہؓ کی اولاد نہیں کہا ہے (ص ۲۵۵)۔

جہاں تک امام ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ (اس کی طباعت ۱۳۳۳ھ صحیح نہیں بلکہ ۱۳۲۱ھ ہے اور یہ قاہرہ کے مشہور قدیم مطبع بولاق میں چھپی تھی) اس میں ضرور عبداللہ بن عثمان اور ان سے حضرت علی زین العابدین کے روایت سننے کا ذکر ہے' مگر یا تو یہ طباعت کی غلطی ہے یا اس میں امام ابن تیمیہ سے سہو ہوا ہے' جس طرح خود بلیغ الدین صاحب نے ابن تیمیہ کا نام ایک مرتبہ صرف "تیمیہ" اور ایک مرتبہ عبدالمطلب کا نام صرف "المطلب" لکھا ہے' (یہ دونوں شخصیات علیحدہ تھیں) اس طرح کے سہو یا اغلاط طبع کی قدیم و جدید کتب میں کثیر مثالیں نظر آتی ہیں' بہرحال اس کتاب سے استدلال درست نہیں کیونکہ یہ علم الانساب اور تاریخ سے متعلق نہیں بلکہ شیعہ مصنف ابن المطہر کی کتاب کا رد ہے اور عقائد سے متعلق ہے اس کے مقابلہ میں وہ متعدد حوالے زیادہ معتبر ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔

یہاں امام مالک' امام اوزاعی' امام شافعی' وغیرہ چھ قدیم فقہاء کا ذکر یہ کہہ کر کہ "ان کے پاس (عبداللہ ابن رقیہؓ) کے چھ سال میں وفات پانے نہ کا ذکر ہے نہ وفات کی وجہ ہے"۔ قطعاً بے محل و بے فائدہ ہے کیونکہ ان میں سے کسی نے انساب و تاریخ پر کوئی کتاب نہیں لکھی بہتر تھا کہ بلیغ الدین صاحب ان کی کسی ایسی کتاب کا' اگر واقعی انہوں نے لکھی ہے حوالہ دیکر یہ بات لکھتے تو اس کی کوئی قیمت ہوتی' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان ائمہ کے ناموں کا ذکر کر کے اپنے قاری پر رعب ڈالنا چاہتے ہیں۔

اور پھر موصوف نے یہ انتہائی حیرت انگیز انکشاف کیا ہے ان حضرت عبداللہ الاصغر ابن سیدنا عثمانؓ کی نسل آج بھی جھنگ' ملتان' آزاد کشمیر اور دیگر علاقوں میں موجود ہے' مگر اس سلسلے میں کوئی استدلال اور افراد کے نام پیش نہیں کیئے گئے ہیں' یہ تو ایک ایسا انکشاف ہے کہ اس کے بارے میں عرب ممالک کی اکادیموں کو مطلع کرنا چاہئے کیونکہ سیدنا عثمانؓ آخر کار ایک عرب تھے اور حیرت ہے کہ خود عرب پاکستان میں موجود ان کی نسل سے بے خبر ہیں' یہاں تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ ساری عرب دنیا چھوڑ کر آخر ان عجمی ملکوں ہی کیوں آباد ہوئے' اور پھر طویل اموی عہد تو ان کے قریبی اقارب کا تھا کوئی ان کی بیخ کنی نہیں کر رہا تھا' اس کے بعد عباسی عہد میں بھی کافی اموی خاص طور پر شام اور مغرب عربی اور اندلس میں آباد رہے' اندلس میں تو ان کی حکومت تقریباً تین سو سال تک رہی' پھر آخر وہ ان سب علاقوں کو چھوڑ کر ان عجمی ممالک اور خاص طور پر آزاد کشمیر جیسے علاقہ میں کیسے اور کب آباد ہوئے؟ کشمیر کے علاقہ کو تو محمود غزنوی بھی فتح کرنے میں ناکام رہا تھا' عباسیوں نے سیدنا حسنؓ و سیدنا حسینؓ کی اولاد کو تو ان کی متواتر انقلابی تحریکوں کی وجہ سے کچلنے کی کوشش کی مگر تاریخ نے سیدنا عثمانؓ کی اولاد کی کسی بغاوت کا ذکر نہیں کیا۔ اور خود مسعودی نے لکھا ہے کہ عبداللہ الاصغر کی جو حضرت رقیہؓ کے صاحب زادہ تھے' کوئی اولاد نہ ہوئی۔

ایک ایسے انسان کو جس کی تاریخ اسلام پر گہری اور وسیع نظر ہے' بلیغ الدین صاحب کی یہ بات جو بغیر کسی مستند حوالہ کے کہی گئی ہے ایک قصہ گوئی اور افسانہ طرازی معلوم ہوتی ہے۔

اس موقعہ پر مجھے قادیانیوں کی یہ عجیب و غریب "تحقیق" یاد آرہی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کشمیر میں مدفون ہیں' سر ظفر اللہ خان نے ایک بار کیمبرج اور لندن کے مابین ریل کے سفر میں مجھ سے یہ بات کہی' میں عید کی نماز کیلئے ۱۹۶۱ء میں کیمبرج سے لندن جا رہا تھا اور وہ بھی وہیں سے جا رہے تھے' کیونکہ ان کی فلسطینی نئی بیوی وہیں مقیم تھی' اتفاق سے جس ڈبہ میں میں داخل ہوا وہ وہاں موجود تھے' میں اسلامک سینٹر (ریجنٹ پارک) جا رہا تھا اور وہ قادیانیوں کی مسجد واقع (PUTNAY) جا رہے تھے' قریب بیٹھے ہوئے کچھ باتیں چھڑ گئیں اور انہوں نے سب معمول اپنے عقائد کی خاص باتیں کیں جن میں سے یہ بھی ایک بات تھی میں حیران تھا کہ اتنا قابل انسان کس طرح یہ "بے پر" کی بات کر رہا ہے' جس طرح میرے اعلیٰ پڑھے لکھے مصر کے واقف زمانہ قیام مصر (۱۹۵۳۔۱۹۵۴) میں حیران ہو کر مجھ سے کہتے تھے کہ ایک ایسا عالمی شہرت کا آدمی اور تمہارا وزیر خارجہ خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک اور عام انسان کو کس طرح نبی مانتا ہے' میں ان کو قرآن کریم کی۔ آیت یاد دلاتا تھا۔ واضلهم الله على علم۔ (علم کے باوجود وہ لوگ گمراہ رہے)

۹۔ اموی اور ہاشمی نسبتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامادوں کے سلسلے میں بطور خاص نمایاں کرنے کو شاہ صاحب عصبیت نہیں سمجھتے ہیں اور اس کو "ندوی" کی طرح ایک نسبت سمجھتے ہوئے مجھ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ یہ بڑی عجیب بات ہے۔ ندوی تو ایک علمی نسبت ہے جیسے ازہری یا دیوبندی' یا علیگ' جبکہ اموی و ہاشمی قبائلی نسبتیں ہیں۔ موصوف شاید اس حقیقت سے واقف نہیں کہ مستشرقین نے جنگ صفین کو ہاشمی و اموی عصبیت کا رنگ دیا ہے اور پھر اسی عصبیت کو مشرق و مغرب میں بنی امیہ اور بنی عباس کے اختلاف اور جنگوں کا سبب بتایا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اموی حکومت کا خاتمہ ہوا اور بنی عباس یا با الفاظ دیگر بنی ہاشم کی حکومت قائم ہوئی' اور اسی انداز میں بہت سے معاصر عرب مورخ جو عرب قومیت سے متاثر ہیں اس اختلاف کو دیکھتے ہیں' اس کا وسعت نظر سے کیا تعلق' وسعت نظر تو یہ ہے کہ قدیم عربی اسلامی شاعر کی طرح کہا جائے۔

ابی الاسلام لا اب لی سواہ   اذا افتخروا بقیس او تمیم

(اسلام ہی میرا باپ ہے اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں جبکہ لوگ (اپنے باپوں) قیس اور تمیم پر فخر کرتے ہیں)

یہاں مضمون نگار صاحب کی یہ منطق عجیب ہے کہ ایک چارٹ یا بقول ان کے شجرہ جو خانوادہ نبوت کے انساب پر مبنی ہے اس میں حضرت علی ابن ابی العاص بن ربیع کا ناطہ نسب لکھنے سے اور ان کو اموی بتانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اور ان ہی علی بن ابو العاص کے بارے میں جو سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ تھے موصوف کا یہ کہنا کہ۔ "یہ روایت موجود ہے کہ وہ جوان اور شادی شدہ تھے" ایک بلا دلیل و قول ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں' اور موصوف نے اس انتہائی اہم روایت کے لئے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے' جبکہ متعدد ثقہ محدثین و مورخین کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ وہ ابتدائے جوانی میں انتقال فرما گئے (ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۰' جمہرۃ الانساب تالیف

ابن حزم ص ۴۰۰ 'جوامع السیرۃ تالیف ابن حزم ص ۳۹ 'فتح الباری ج ۷ ص ۸۵)

یہی نہیں بلکہ میرے ناقد بلیغ الدین صاحب 'ایک عجیب انکشاف فرماتے ہیں اور وہ بھی بغیر کسی تاریخی حوالہ کے کہ " یہ علی بن ابی العاص جنگ یرموک ۱۳ھ میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے "۔ والے کے لئے انہوں نے صرف اتنا لکھ دیا کہ " دیکھئے ابن عساکر یہ مشہور روایت ہے " سبحان اللہ کیسا عجیب حوالہ ہے اور کیسی مشہور روایت۔ ابن عساکر (علی ابن الحسن بن ھبۃ اللہ بن عساکر) کی تاریخ دمشق اسی (۸۰) جلدوں میں ہے 'جن میں سے صرف دو جلدیں اسی (۸۰) سال قبل چھپی تھیں اور پھر دوبارہ ڈاکٹر صلاح الدین المنجد الدمشقی کی تحقیق سے ۱۹۵۴ء میں چھپی ہیں۔ شیخ عبدالقادر بدران الدمشقی نے اس تاریخ دمشق کا تیرہ جلدوں میں اختصار کیا ہے جس کی اب تک سات جلدیں چھپی ہیں اور باقی مخطوط ہیں 'اب موصوف بتائیں کہ یہ مشہور روایت کس جلد میں ہے 'یا پھر انہوں نے کسی اردو کی کتاب سے ابن عساکر کا نام یونہی ذکر کر دیا ہے 'اگر یہ مشہور روایت ہے تو طبری 'یعقوبی 'مسعودی 'ابن الاثیر 'ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ مشہور مورخین کی تواریخ میں کیوں نہیں 'ان میں سے تو کوئی " سبائی " نہیں تھا۔

جنگ یرموک کا تفصیلی ذکر طبری میں ہے اور اس سے زیادہ مفصل ذکر " فتوح الشام " میں ہے 'جو واقدی کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ (یہ حقیقت میں واقدی کی کتاب نہیں بعد کے کسی مصنف کی ہے) اس میں ان سینکڑوں مشہور صحابہ کے نام مذکور ہیں جنہوں نے اس جنگ میں حصہ لیا 'اس میں اولاد صحابہ میں سے عبدالرحمٰن بن ابی بکر 'عبداللہ بن عمرؓ کا ذکر ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کے صاحب زادہ ابان بن عثمان کا ذکر ہے 'جو سیدنا عثمان کی ایک دوسری بیوی کی اولاد تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت علی بن العاص بن الربیع سے اس کے مصنف کو کیا کد تھی کہ ان کا ذکر اس نے نہیں کیا؟

اس موقعہ پر جناب بلیغ الدین صاحب نے خطابت کے انداز میں علامہ اقبال کے تین شعر بھی بانگ درا سے ذکر کئے ہیں 'اور فرماتے ہیں کہ جنگ یرموک کا جو واقعہ علامہ اقبال نے لکھا ہے وہ انہیں کے بارے میں لکھا ہے 'اس کی بھی تخمین و ظن سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں کیونکہ علامہ اقبال نے کہیں ان کا نام نہیں لکھا ہے 'اگر ان کو اس کا شبہ بھی ہوتا تو وہ ضرور ذکر کرتے 'کیونکہ وہ عربی اچھی خاصی جانتے تھے انہوں نے " فتوح الشام " ضرور پڑھی ہوگی 'اقبال کے جس شعر سے شاہ صاحب نے استدلال کیا ہے ان میں صرف ایک نامعلوم " " نوجوان صورت سیماب مضطرب " کا ذکر ہے۔ اس کا ذکر " فتوح الشام " میں بھی اس مجہول صیغہ سے ہے اور اسی لئے اقبال نے کوئی نام نہیں لیا ہے۔ جنگ یرموک کے سلسلہ میں کتاب " فتوح الشام " میں اس نوجوان کے سلسلہ میں جو کچھ مذکور ہے 'اس کا ترجمہ یہ ہے۔ " اور جس نے سب سے پہلے جنگ یرموک میں معرکہ کا آغاز کیا 'وہ قبیلہ ازد کا ایک ہوشیار اور کم عمر نوجوان تھا 'اس نے حضرت ابو عبیدہ سے کہا کہ اے امیر 'میں چاہتا ہوں کہ میں اپنے دل کو تسکین پہنچاؤں 'اور میں اپنے اور اسلام کے دشمن سے جہاد کروں 'اور اللہ کے راستہ میں اپنی جان پیش کروں 'شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے 'کیا آپ مجھے اس کی اجازت دیتے ہیں 'حضرت ابو عبیدہ نے اجازت دی پھر یہ نوجوان آگے بڑھا اور اس نے چار شہسواروں کو قتل کیا 'اور اس کے بعد خود شہید ہو گیا "

(فتوح الشام طبع 'دارالجیل 'بیروت 'ج ۱ ص ۲۰۵)

فتح مکہ کے موقع پر ان علیؓ بن ابی العاص کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ردیف ہونا اور آپ کے کندھوں پر سوار ہو کر کعبہ کے بت توڑنا کسی بھی مشہور مستند سیرت میں مذکور نہیں ' شاہ بلیغ الدین صاحب نے ایسے اہم موضوع پر ایک بھی حوالہ نہیں دیا ہے۔ جن بعض کتب سیرت میں علیؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں کعبہ کی چھت سے ایک بت گرانے کا ذکر ہے 'وہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے 'اور اس میں سیدنا علی بن ابی طالب کا نام صراحت سے مذکور ہے۔

شاہ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ یہ علیؓ ابن ابی العاص اور ان کی بہن امامہ بنت زینبؓ نماز کے وقت حضور اکرمؐ کے کندھوں پر سوار رہتے تھے 'یہ درست نہیں 'صحیح مسلم میں صرف امامہ بنت زینبؓ کا ذکر ہے کہ وہ اس وقت چھوٹی تھیں 'اس کو پھر پڑھ لوں۔

۱۰۔ سیدۃ امامہؓ بنت ابی العاص کے بطن سے حضرت علیؓ کی کوئی اولاد ہوئی جن کا نام محمد الاوسط تھا اس کے لئے شاہ بلیغ الدین صاحب نے اردو کی دائرۃ المعارف 'یونیورسٹی آف پنجاب کا حوالہ دیا ہے 'پہلی بات تو یہ کہ علمی طریقہ کے مطابق مقالہ نگار کا نام دینا چاہئے تھا 'اور وہ قدیم ماخذ جن پر ان مقالہ نگار صاحب نے اعتماد کیا ہے ' دوسری بات یہ ہے کہ ان کو اس اہم موضوع پر کسی قدیم عرب مورخ کا حوالہ دینا چاہئے تھا۔ شاہ معین الدین ندوی صاحب کی کتاب " خلفائے راشدین " کے متعلق بھی یہی بات کہی جا سکتی ہے 'پھر وہ ایک عام کتاب ہے 'مصعب الزبیری کی " نسب قریش " اور ابن حزم کی " جوامع السیرۃ " ان کے سامنے نہ تھی ورنہ وہ غالباً یہ بات نہ لکھتے۔ علامہ ابن حزم نے جن پر شاہ بلیغ الدین صاحب کو اعتبار ہے " جوامع السیرۃ " (ص ۳۹) میں تصریح کی ہے 'کہ **فتزوجھا علی بن ابی طالب بعد فاطمۃ فلم تلد لہ و مات عنھا فتزوجھا المغیرۃ بن نوفل بن الحارث ..... فماتت عندہ ولم تلد لہ** (یعنی حضرت علیؓ نے ان سے شادی کی 'اور ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی 'اور ان کی وفات ہو گئی 'پھر مغیرہ بن نوفل بن الحارث نے ان سے شادی کی 'اور ان کی زوجیت میں ان کا (امامہؓ) کا انتقال ہو گیا 'اور امامہ سے ان کی کوئی اولاد نہیں ہوئی)

صرف بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۱ ص ۴۰۰) میں ان محمد الاوسط کا ذکر کیا ہے ' مگر بروایت الواقدی جس کو شاہ بلیغ الدین بڑے زور و شور سے کذاب کہتے ہیں 'ابن حزم نے جمہرۃ الانساب میں تفصیل سے سیدنا علیؓ کی اولاد کا ذکر کیا ہے 'اور اس میں کسی محمد الاوسط کا ذکر نہیں 'محمد بن الحنفیہ کے علاوہ ایک محمد الاصغر کا ذکر ہے 'محمد بن حبیب متوفی ۲۴۵ھ کی مشہور اور مستند کتاب " المحبر " میں جو ان خاندانی امور سے بطور خاص متعلق ہے کہیں سیدہ امامہؓ کے ان صاحب زادہ کا ذکر نہیں۔ پھر واقدی ہی اپنی اس روایت میں یہ کہتا ہے کہ علیؓ بن ابی العاص (یعنی حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ) چھوٹی عمر میں انتقال کر گئے جس کو شاہ صاحب تسلیم نہیں کرتے اور آپ کو جنگ میں ایک ہیرو کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں 'نہ معلوم انہوں نے یہ انساب الاشراف پڑھی بھی ہے کہ نہیں 'غالباً اردو میں تو اس کا ترجمہ ہوا نہیں ہے۔

اپنی تازہ کتاب المرتضیٰ (عربی 'اردو) میں علامہ جلیل القدر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ان کا ذکر نہیں کیا ہے 'اگر یہ حقیقت ہوتی تو حضور اکرمؐ کے نواسہ اور حضرت علیؓ کی اولاد کی حیثیت سے وہ ان کا ذکر ضرور کرتے۔

۱۱۔ شاہ بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر رسول اکرمؐ کے بڑے داماد کے خلاف عصبیت کا الزام لگایا ہے 'اور یہ کہ میں نے ان کو قارئین کو متاثر کرنے کے لئے حضرت زینبؓ کی شادی کے وقت کافر لکھا ہے 'یہ ایک بے بنیاد الزام ہے 'میں نے کوئی بات قارئین کو متاثر کرنے کے لئے نہیں لکھی تھی اور نہ کسی عصبیت کے جذبہ سے 'میں عصبیتوں کے پاکستانی ماحول سے پاک تیس سال تک بہت دور ایسے عرب ممالک میں رہا ہوں جہاں اس طرح کی عصبیتیں وجود نہیں رکھتیں۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا تاریخی حقیقت کے طور پر لکھا تھا 'اور جناب معترض آنحضرتؐ کے " بڑے داماد " کا اس طرح ذکر کر کے قارئین کو میرے خلاف بھڑکانا چاہتے ہیں 'مسلمان جانتے ہیں کہ نبی اسلام روحی فداہ کے یہاں بڑے داماد اور چھوٹے داماد یا سالی و سسر بلکہ چچا تک کے رشتوں پر فضیلت درجات کا فیصلہ نہیں ہوتا تھا بلکہ اسلام میں سبقت 'اس کے لئے جان و مال کی قربانی ' حبیب خدا کے لئے جذبہ جان نثاری میزان تھے 'غلامان اسلام 'بلال و صہیب و خباب اسی لئے ان رشتوں سے افضل تھے اور یہی اللہ رب العزت کا فیصلہ ہے **وفضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ** (اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے جہاد سے بیٹھے رہنے والوں پر فضیلت دی ہے اور اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک جانثار ابو دجانہ سے معرکہ احد کے سخت لمحات میں وہ الفاظ محبت و احسان شناسی کہے تھے جو کسی بھی غلام رسول کے لئے معراج فضیلت ہیں۔ ارم فداک ابی و امی (یعنی چلائے جاؤ تیر 'میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں)۔

اور اب موصوف کے اعتراضات کے جواب میں کہ " بتایئے حضور اکرم کے کون سے داماد پہلے کافر نہیں تھے " عرض ہے 'کہ میرا مقصد دامادی کے وقت کفر سے تھا 'جہاں تک کہ اور دامادوں یعنی سیدنا علیؓ و سیدنا عثمانؓ ذی النورینؓ کا تعلق ہے تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضور اکرمؐ کی صاحب زادیوں فاطمہ 'رقیہ 'ام کلثومؓ سے شادی کے وقت یہ دونوں مسلمان تھے 'بلکہ " السابقون الاولون میں سے تھے 'بخلاف ابو العاص بن الربیع کے 'طبقات ابن سعد اور دوسری [illegible] شادی ان سے سیدہ خدیجہؓ کی فرمائش پر کر دی تھی [illegible] اور ان کی اولاد کی طرح تھے 'اور حضور اکرمؐ سیدہ خدیجہؓ کی بات کو رد نہیں فرماتے تھے (سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۱ - ۶۵۲) 'یہاں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ یہ بعثت نبوی سے قبل کی بات ہے 'پھر بعثت کے بعد سیدہ زینبؓ تو اسلام لے آئیں 'مگر ابو العاص اپنے کفر پر قائم رہے اس وقت تک ایسی شادیوں

کی حرمت نہیں اتری تھی' کیونکہ یہ حرمت مدینہ منورہ میں سورہ بقرہ میں نازل ہوئی۔ پھر یہ بھی یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ یہی ابوالعاص بن الربیع جنگ بدر میں کفار قریش کے ساتھ آنحضرتؐ سے لڑنے کے لئے آئے تھے' اور جنگ میں قیدی بنے تھے' سیدہ زینبؓ نے ان کی رہائی کے فدیہ میں اپنا ایک سونے کا ہار بھیجا تھا' صحابہ کرامؓ کی مرضی سے حضور صلعم نے یہ ہار واپس فرما دیا تھا' اور ابوالعاص کو اس وعدہ پر رہا کر دیا تھا کہ وہ اپنی بیوی اور صاحب زادی رسول اکرم سیدہ زینبؓ کو مدینہ منورہ بھیج دیں گے' یہی ان کا فدیہ رہائی تھا۔ انہوں نے وعدہ کیا اور پھر اس وعدہ کی پاسداری کی اور حضرت زینبؓ کو حضور کے نمائندہ زید بن حارثہ کے ساتھ واپس بھیج دیا' جس کی تفصیل ابن ہشام اور دوسری کتب سیرت میں مذکور ہے۔ اس ایفائے عہد کی آنحضرتؐ نے تعریف کرتے ہوئے صرف دو لفظ فرمائے تھے " فحدثنی و صدقنی " (صحیح مسلم باب فضائل فاطمہؓ) بعض دوسری روایات میں " وعدنی فوفی لی " (فتح الباری ج ۷ ص ۸۵) کے الفاظ آتے ہیں' یعنی مجھ سے ابوالعاص نے جو بات کی اس کو پورا کیا' یا جو وعدہ کیا اس کا ایفاء کیا' تفصیل کے لئے (ملاحظہ: سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۲' ۶۵۴' طبع مصر ۱۹۵۵ء) نیز اور یہ اس موقعہ پر جب سیدنا علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی سے شادی کا ارادہ کیا تھا' تو آنحضرتؐ نے اس پر اعتراض فرمایا تھا۔

یہی وہ دو لفظ ہیں جن کو بلیغ الدین صاحب جوش خطابت میں ابوالعاص کی " حضور اکرمؐ کی زبانی برسر منبر فضیلت کا نام دیتے ہیں' اس کا سیاق و سباق اب قارئین کے لئے واضح ہو گیا' اور مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ موصوف نے شعوری یا لاشعوری طور پر یہ غلط لکھا ہے کہ " حضرت فاطمہؓ کی منقبت کی روایتوں (روایتوں صحیح نہیں) میں تقابل کے ساتھ ان (یعنی ابوالعاص) کی توصیف آتی ہے " ہرگز نہیں' یہ بالکل نادرست بات ہے' کہاں یہ ابوالعاص جو صرف ایک سال اسلام کی حالت میں حضور کے داماد رہے اور کہاں سیدہ فاطمہؓ جگر گوشہ رسول جن سے آپ کو بہت محبت تھی سیدہ فاطمہؓ کی منقبت میں تو بخاری' مسلم' ترمذی وغیرہ تمام کتب احادیث میں کتنی ہی صحیح روایات بلکہ ابواب ہیں' اور ابوالعاص بن الربیع کے بارے میں سوائے ان دو لفظوں کے کوئی روایت نہیں۔

۱۱۔ بغیر کسی دلیل و برہان کے صرف دعوے کرنا کوئی علمی طریقہ نہیں محض عوامی خطابت ہے' سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ ان داماد نبیؐ کا کیا تقابل ہو سکتا ہے جو جنگ بدر میں معافی اور رہائی کے بعد بھی چھ سال تک کافر رہے اور اواخر ۶ھ میں جب شام سے تجارتی قافلے میں واپسی کے وقت مدینہ کے قریب دوبارہ اسیر ہوئے تو سیدہ زینبؓ کی پناہ لی (جو مدینہ منورہ میں آچکی تھیں) اور حضور اکرمؐ اور صحابہ نے یہ پناہ قبول فرمائی۔ تو وہ مکہ مکرمہ تجارتی امانتیں واپس کرنے گئے اور واپس آکر اسلام لائے' اور صحیح روایت کے مطابق عقد ثانی کے بعد) ۷ھ کے شروع میں سیدہ زینبؓ ان کی زوجیت میں آئیں۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۲' سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۶۵۷) اور پھر تقریباً ایک سال بعد ہی سیدہ زینبؓ اوائل ۸ھ میں وفات پاگئیں (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۳۰) اس طرح اسلام کے بعد وہ صرف ایک سال رسول اکرمؐ کی دامادی میں رہے' پھر یہ رشتہ سیدنا زینبؓ کی وفات سے ختم ہو گیا اور ان کا اس کے بعد کہیں ذکر نہیں ملتا' صرف یہ کہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں ۱۲ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۵۴) اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ وہ بحالت مجبوری اسلام لائے تھے اور اسلام کی خدمات اور جہاد میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

جہاں تک دوسرے دو دامادوں کا تعلق ہے یعنی سیدنا علیؓ و سیدنا عثمانؓ ان کی شادیاں آنحضرت کی صاحب زادیوں سے بحالت اسلام ہوئیں' ان میں سے کوئی بھی شادی کے وقت حالت کفر میں نہیں تھا۔ سیدہ رقیہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کی نسبت عتبہ ابن ابی لہب سے ہوئی تھی لیکن رخصتی سے قبل " سورۃ تبت یدا ابی لہب " کے اترتے ہی ابولہب اور ام جمیل کے اصرار پر یہ نکاح ٹوٹ گیا (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۳۶)

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ کون سا داماد کب کافر تھا بلکہ یہ ہے کہ دامادی کے وقت صرف ابوالعاص ابن الربیع کافر تھے باقی دونوں داماد اس وقت قدیم مسلمانوں اور " السابقون الاولون " میں سے تھے۔ شادیوں سے قبل اسلام کے لئے ان کی انتہائی زبردست خدمات تھیں' اور وہ خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کے بارے میں ہے۔ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین ۔ الحدیث' یعنی (مسلمانوں) تم پر واجب ہے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ شاہ بلیغ الدین صاحب کو سیدہ فاطمہؓ اور ان کے خاندان سے اس قدر بعد کیوں ہے' وہ ان کے فضائل کے ذکر سے کیوں چڑھتے ہیں' یہ وہ انداز فکر ہے جو میں نے محمود عباسی کی کتاب " خلافت معاویہ و یزید " میں پایا ہے' اور ان خطوط و مضامین بھی جو اس کتاب سے متاثر بعض لوگوں نے میرے سابقہ مضمون کے رد میں لکھے ہیں' اور جو دلائل و براہین سے خالی ہیں' یا خاص تاویلات رکھتے ہیں۔

شیعہ حضرات جن کو بلیغ الدین صاحب سبائی گروہ کا نام دیتے ہیں' اگر ان اہل بیت کی تعظیم و تقدیس میں غلو کرتے اور ان سے وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جو صحیح روایات اور موثق کتب تاریخ میں مذکور نہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے مقابل ابوالعاص بن الربیع کو اونچا کر دیا جائے' جن کے تفصیلی حالات اوپر بیان ہوئے' اور جن کا جہاد اسلام میں کوئی حصہ نہیں' اور جو صرف ایک سال بحیثیت مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی میں رہے' اور سیدہ زینبؓ کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی کر لی تھی۔

علاوہ ازیں بلیغ الدین صاحب تمام کتب حدیث میں مذکور سیدہ فاطمہؓ کی منقبت کی احادیث سے صرف نظر کر کے یہ ناکام کوشش کرتے ہیں کہ کسی دوسری صاحب زادی رسول اکرم کو ان سے افضل ثابت کر دیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے سیدہ زینبؓ کے بارے میں طحاوی کی کتاب سے ایک حدیث " افضل بناتی " (میری سب سے افضل لڑکی) پیش کی ہے' لیکن اول تو امام طحاوی کی کتاب " معانی الآثار " بخاری و مسلم اور دوسری صحاح ستہ وغیرہ کے درجے کی نہیں' دوسرے ان کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ ان کی اس حدیث کے حوالہ سے جس میں سیدنا علیؓ کے لئے " رد الشمس " کی حدیث (یعنی ان کے لئے سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ لوٹا دیا گیا) کا ذکر ہے' کہتے ہیں۔

واھل العلم و المعرفۃ بالحدیث یعلمون ان ھذا الحدیث کذب موضوع ... ولم یکن عندہ نقل جید للاسانید کجھابذۃ حفاظ الحدیث (البدایۃ و النھایۃ ج ۶ ص ۸۷) ' یعنی حدیث کا علم و معرفت رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے..... اور وہ (یعنی طحاوی) حدیث کی اسناد کی نقل میں نقادان حدیث اور حفاظ حدیث کی طرح ماہر نہیں تھے۔

اس ضمن میں وہ اپنے مخصوص انداز فکر کی وجہ سے " شعب ابی طالب " کو شعب بن ہاشم لکھتے ہیں جب کہ تمام قدیم و جدید سیرت نگار جن کا ذکر اس مقالہ میں آیا ہے اس کو شعب ابی طالب ہی لکھتے ہیں' کوئی حرج نہیں' لیکن اس مناسبت سے یہ کہنا کہ " ابوالعاص نے بنی ہاشم کی بالعموم اور خاندان نبوی کی بالخصوص' اناج' پانی' کپڑے اور استعمال کی بہت سی اشیاء سے مدد کی " ' اور پھر رعب ڈالنے کے لئے یہ کہنا کہ " اس کا تذکرہ مستند مورخین کے پاس ہے " قطعاً غلط ہے' جہاں تک میرے علم میں ہے کسی مورخ نے اس کا ذکر نہیں کیا' مستند مورخین نہ سہی کسی ایک مستند مورخ کا ہی حوالہ دیتے' اس بناء پر اس کو ایک بلا دلیل دعویٰ ہی سمجھا جائے گا' یہ طابعلانہ ہے' علمی انداز بیان نہیں' بلکہ حقیقت اس کے برخلاف ہے' تاریخ نے اس' موضوع پر ضرور اور کافی روشنی ڈالی ہے۔

شعب ابی طالب میں محصور بنو ہاشم اور خاندان نبوت کو کھانا وغیرہ پہنچانے کے سلسلے میں تاریخ نے صرف دو ناموں کا ذکر کیا ہے' ایک ہاشم بن عمرو بن الحارث کا اور دوسرے حکیم بن حزام بن خویلد حضرت خدیجہ کے بھتیجے کا' سیرت ابن ہشام (ج ۱ ص ۳۸۳) میں ہے' کہ اس مصیبت اور اس کے دور کرنے میں سب سے اہم کردار اسی ہاشم بن عمرو بن الحارث نے ادا کیا جس کا بنی ہاشم سے ننھیالی رشتہ تھا اور وہ اپنے قبیلہ کا ایک ممتاز فرد تھا' یہ اونٹ پر ایک مرتبہ کھانا لاد کر شعب ابی طالب (گھاٹی) کے قریب لا کر اس اونٹ کی نکیل اتار لیتا تھا اور زور سے اس کے دونوں پہلوؤں پر ہاتھ مار کر اس کو اندر داخل کر دیتا تھا' اور پھر واپس آجاتا تھا' اور اسی طرح اونٹ پر کپڑا لاد کر اس گھاٹی کے اندر پہنچا دیتا تھا' بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۱ ص ۲۳۵) میں بالکل اس طرح کی روایت لکھی ہے' اور کہا ہے کہ یہ کام رات میں ہوتا تھا۔

دوسرے یعنی حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مختلف اوقات میں اونٹ پر آٹا لاد کر اس کو اس گھاٹی کے اندر ہنکا دیتے تھے' طبری نے بھی اپنی تاریخ کتاب الامم والملوک (ج ۲ ص ۳۳۶) میں ایک ایسا ہی واقعہ لکھا ہے' مزید یہ کہ کس طرح ابوجہل نے ایک مرتبہ اس کھانے کو روکنے کی کوشش کی تو ایک غیر مسلم شریف سردار قریش نے اس کو مار کر زخمی کر دیا' یہ کہتے ہوئے کہ " وہ اپنی پھوپی کو آٹا بھیج رہا ہے' تو روکنے والا کون ہے " ' اور اس کے بعد جب کافی عرصہ گزر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف بہت بڑھ گئیں تو ہشام بن عمرو بن الحارث نے مختلف قریشی سرداروں سے مل کر (طبری نے پانچ نام گنائے ہیں اور اس میں ابوالعاص بن الربیع داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں) ان کو اس پر آمادہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کو اس قید اور بائیکاٹ سے رہائی دلائیں اور اس میں وہ کامیاب

ہوئے اس عرصہ میں بائیکاٹ کے عہد نامہ کو بھی جو کعبہ میں لٹکا ہوا تھا' دیمک کھا چکی تھی بالکل اس طرح جیسا کہ حضور اکرمؐ نے خبر دی تھی' طبری میں یہ واقعہ بڑی تفصیل اور دلدوزی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' جس میں کفر کے باوجود بعض سرداران قریش کو شرافت اور شہامت و جوانمردی کی جھلک نظر آتی تھی۔

اس موقع پر مزید لکھتے ہوئے شاہ بلیغ الدین صاحب کہتے ہیں کہ "رسول اکرمؐ نے شیر کا خطاب دو بزرگ ہستیوں کو دیا' ایک خطاب "اسد اللہ و اسد رسول" سیدنا حمزہؓ کو اور دوسرے "شیر بطحاء" کا خطاب اپنے بڑے داماد ابوالعاص کو"۔ ماشاء اللہ کیا انداز تحقیق ہے' کسی کتاب سے حوالہ کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ مشہور تو یہ ہے کہ اسد اللہ کا خطاب حضور اکرمؐ نے معرکہ خیبر میں کامیابی کے بعد سیدنا علیؓ کو دیا' اور اسی لئے علامہ اقبال نے ان کے لئے کہا تھا۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولی

ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

اور دور حاضر میں اسلام کے عظیم ترین ترجمان اور مرد حق مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی نے آپ کو اپنی تازہ کتاب "المرتضیٰ" میں شیر خدا کے لقب سے یاد کیا ہے۔ سیدنا حمزہؓ کو "اسد اللہ و اسد رسول" (اللہ کا شیر اور اللہ کے رسول کا شیر) کے خطاب کی خبر جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی تھی (سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۹۰)۔ کسی کتاب میں ابوالعاص بن الربیع کے لئے "شیر بطحاء" کا خطاب نہیں نظر آیا' معلوم نہیں ان کا کون سا کارنامہ جہاد تھا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو 'بقول بلیغ الدین صاحب' یہ خطاب مرحمت فرمایا' جبکہ ان کی زندگی کی ساری تفاصیل اوپر بیان ہو چکی ہیں' جن میں کوئی ایسی بات نہیں جو ان کو ایسے خطاب کا مستحق بنائے' یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے سیدہ زینبؓ کے انتقال کے بعد ایک دوسری عورت فاختہ بنت کریز سے (جو انہیں کے قبیلہ کی تھی) شادی کر لی تھی' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا رشتہ صرف ایک سال کے بعد ختم ہو گیا تھا۔ (جمہرۃ الانساب تالیف ابن حزم ص ۷۸)۔ لہٰذا ابوالعاص بن الربیع کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "شیر بطحاء" کا خطاب محض ایک افسانہ طرازی ہے۔

۱۲۔ زبیر بن عبدالمطلب کے بارے میں تفصیل سے ضیاء الدین کرمانی صاحب کے خیالات و دعاوی کی تنقید میں ترجمان القرآن' لاہور اشاعت جون ۱۹۸۹ء میں کافی لکھ چکا ہوں) اس کو پڑھ لیا جائے' میرے سامنے وہ عدد نہیں کہ اپنے دلائل کو دوبارہ ذکر کروں' لیکن اتنا یاد ہے کہ میں نے ان کے پیش کردہ بعض اقتباسات کو جو تاریخ یعقوبی و بلاذری سے منقول تھے۔ پوری عبارات دے کر غلط ثابت کر دیا تھا' اور یہ کہ انہوں نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ زبیر عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی ان کتابوں سے جو اقتباسات دیئے تھے وہ توڑ مروڑ کر پیش کئے تھے' اور تکبیر کے سابقہ مضمون میں صحیح بخاری سے ایک حدیث پیش کر کے مزید ثبوت فراہم کر دیا تھا۔

اب صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمام کتب حدیث و سیرت و تاریخ میں یہی مذکور ہے کہ ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی و نصرت کی' انہیں نے شعب ابی طالب میں بنی المطلب و بنی ہاشم اور رسول اکرمؐ کے ساتھ محصور ہو کر مصائب جھیلے اور وہ واقعہ تو سب کو معلوم ہے کہ جب اس بائیکاٹ سے قبل سرداران قریش بشمول ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت لے کر ابو طالب کے پاس آئے تھے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دعوت توحید اور مذمت اصنام قریش سے منع کریں۔ جس پر ابو طالب کی آنحضرت کو نصیحت سے آپ نے آبدیدہ ہو کر کہا تھا کہ خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں گے جب بھی جب تک میری جان میں جان ہے میں اس دعوت توحید کو نہ چھوڑوں گا"۔ تو ابو طالب نے کہا تھا کہ ہاں اے عم زاد' تم اپنے پیغام توحید کو جاری رکھو' کوئی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا' اور انہوں نے ان سرداران قریش کو ناکام و نامراد پلٹا کر دیا تھا' اس کے بعد ہی کفار قریش نے بنی ہاشم و بنی المطلب کے بائیکاٹ کا وہ عمل شروع کیا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے' اور جس میں ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے' یہ بھی تمام کتب سیرت میں مذکور ہے کہ اس بائیکاٹ کے خاتمہ کے بعد ہی جب ابو طالب اور سیدہ خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت اور آپ کے صحابہ پر مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا' اور پھر آخر کار اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا راستہ پیدا کیا۔

بلیغ الدین صاحب کے پاس زبیر بن عبدالمطلب کے بارے میں کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے' وہ حلف الفضول میں ان کی شمولیت اور ان کے عبدالمطلب کے بعد خاندان کا سربراہ ہونے کی بات کرتے ہیں' یہ سب دور کفر کی باتیں ہیں' اس ضمن میں ان زبیر اور ابو طالب کا مالی اور ادبی حیثیت سے تقابل بھی ایک مسلمان کے لئے کوئی قیمت نہیں رکھتا' اور نہ آج تک کسی بھی مسلمان مورخ نے اس کو اپنا موضوع بنایا سوائے محمود عباسی کے' جس کے خیالات کی بازگشت بلیغ الدین صاحب کے فکر میں نظر آتی ہے' میں نے اپنے گزشتہ مضمون میں بخاری کی حدیث نقل کی تھی۔ جس میں مذکور ہے کہ ابو طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت فرماتے تھے اور آپ کے مخالفین کے خلاف ان کی حمیت جوش میں آتی تھی اور اس لئے وہ جہنم کے سب سے نیچے کے انتہائی المناک حصہ کے بجائے اوپر کے حصہ میں ہوں گے کہ ٹخنوں تک ہی جہنم کی آگ کفر کی وجہ سے ان کو ستائے گی۔

میں نے بلاذری کی انساب الاشراف کا حوالہ خود نہیں دیا تھا اور نہ اس لئے کہ وہ معتبر ہے یا غیر معتبر' بلکہ صرف اس لئے کہ صرف ایک کتاب جس کا سہارا لینے کے لئے "چارٹ" تیار کرنے والے صاحب یا صاحبان (تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات و لٹریچر) نے حوالہ دیا تھا اس کی صریحی عبارت کو بھی وہ نہ سمجھ سکے' کیونکہ اس عبارت کا صاف مطلب یہ ہے کہ "بعض لوگوں نے (سب نے نہیں) جو یہ روایت کی ہے کہ زبیر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی اور اس کے بعد ابو طالب نے" یہ غلط ہے' کیونکہ جب حلف الفضول میں آنحضرت صلعم نے شرکت فرمائی' اس وقت آپ کی عمر بیس سال سے کچھ اوپر تھی' اور کسی کو اس بات سے اختلاف نہیں کہ عبدالمطلب کی وفات کے صرف پانچ سال بعد ابو طالب کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام تشریف لے گئے۔" بالفاظ دیگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب کی سرپرستی عبدالمطلب کی وفات کے بعد" سے حاصل تھی کہ آپ بارہ سال کی عمر میں ابو طالب کے ساتھ شام گئے' ورنہ زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ جاتے جو اس وقت تک زندہ تھے جب آنحضرت کی عمر بیس سال سے اوپر تھی' عجیب دھاندلی ہے کہ بلاذری نے پہلے تو بعض لوگوں کے اس قول کو غلط کہا کہ "پہلے زبیر نے رسول اکرمؐ کی کفالت کی اور اس کے بعد ابو طالب نے"۔ پھر اس تردید سے ثبوت کے لئے ایک تاریخی دلیل پیش کی' مگر ضیاء الدین کرمانی اور اس کے بعد بلیغ الدین صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ زبیر نے ہی آنحضرت کی سرپرستی کی' قرآن کریم نے سچ کہا ہے **فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور** (حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں ہی اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ سینوں میں (مستور) دل بھی اندھے ہو جاتے ہیں۔

بلیغ الدین صاحب اور اس مکتب فکر کے معدودے چند حضرات اپنے دعویٰ کی مانند میں زبیر بن عبدالمطلب کی فصیح اللسانی اور امتیازی شاعر ہونے کا بھی ذکر کرتے ہیں' پہلی بات تو یہ کہ اس کا اصل موضوع سے کوئی تعلق نہیں' اور پھر قرآن کریم نے کہا ہے۔ "**والشعراء یتبعهم الغاوون الم تر انهم فی کل واد یهیمون وانهم یقولون ما لا یفعلون الا الذین آمنوا و عملوا الصالحات**" یعنی شعراء کا اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ ہر وادی میں مارے مارے پھرتے ہیں' اور وہ کہتے رہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ سوائے ان (شعراء) کے جو اہل ایمان ہیں اور عمل صالح سے متصف ہیں۔" پھر دوسری بات یہ کہ علامہ آلوسی نے اپنی کتاب بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب میں لکھا ہے کہ یہ زبیر بن عبدالمطلب شاعر تو بہت اچھے تھے' مگر سخت ہجو گو' یہاں تک کہ لوگ ان کی فحش ہجو گوئی سے ڈرتے تھے' ان کا کہنا ہے "**فذع الہجاء**" پھر کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن اور ابتدائے جوانی میں تربیت ایک فحش گو شاعر پر چھوڑ دیتا۔ اس نبی آخر الزمان کی تربیت کو جس کو انسانیت کے لئے نمونہ اخلاق بنانا تھا۔ یہ ایک انتہائی لغویات ہے' اور اس کے پیچھے صرف یہ جذبہ کارفرما ہے کہ چونکہ مسلمانوں کا ایک مخصوص فرقہ ابو طالب کی تعریف میں غلو کرتا ہے اور ان کو صاحب ایمان قرار دیتا ہے' تو ہم ان کے مقابلہ میں زبیر بن عبدالمطلب کو کھڑا کر دیں۔ جن کا کسی ایک مورخ نے بھی اس حیثیت سے ذکر نہیں کیا۔ جمہور اہل سنت کی طرح میرا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ابو طالب کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا' مگر وہ زبیر بن عبدالمطلب سے ہزار درجہ قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے باتفاق امت اسلامیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا اور انتہائی محبت و تکریم کا برتاؤ کیا' ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کہتے تھے۔ سفیان بن عیینہ روایت کرتے ہیں کہ ابو طالب کی وفات پر حضور اکرمؐ نے دعا کی کہ اللہ تم پر رحمت فرمائے اور مغفرت کرے' اور جب تک اللہ تعالیٰ منع نہ کر دے میں تمہارے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا' یہ بھی روایت ہے کہ آپ ان کی وفات پر روئے اور چند روز اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے حتیٰ کہ یہ آیت اتری۔ **ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی** (ملاحظہ ہو' طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۳'

۲۲۴ اور الواحدی نیشاپوری کی کتاب 'اسباب النزول ص ۱۵)

اور پھر اس ساری بحث سے قطع نظر زبیر بن عبدالمطلب کوئی بہت مشہور شاعر بھی نہ تھے' امرؤ القیس' نابغہ الذبیانی' زہیر بن ابی سلمیٰ' کعب بن زہیر' ابوذویب الھذلی' حسان بن ثابت اور دیگر سینکڑوں جاہلی اور اسلامی شعراء عرب ان سے ہزار گنا بہتر تھے' اس لئے ان کا کوئی بھی شعر نہ ابو تمام کے مشہور شعری مجموعہ دیوان الحماسہ میں ہے' اور نہ علامہ محمود شکری آلوسی بغدادی نے اپنی مذکورہ کتاب میں ممتاز شعراء کے ضمن میں ان کا ذکر کیا ہے' صرف ان کے تین شعر اس موقعہ پر نقل کئے ہیں جس کا میں نے حوالہ دیا ہے۔ بلکہ میرے ناقد نے "شریف شاعر" کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ شریف کے جو معنی اردو میں ہیں وہ عربی میں نہیں' جس میں حسن اخلاق و عمل پنہاں ہے' وہاں شریف کے معنی ممتاز اور معزز کے ہیں۔

بلکہ حلف الفضول ہی کو لے لیجئے جس میں زبیر بن عبدالمطلب کے اشتراک کو بلیغ الدین صاحب اور ان کے بعض ہمنوا بہت اہمیت دیتے ہیں' تمام سیرت کی تمام و جدید کتابوں میں اس کا ذکر ہے' اور اس کے ذکر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جدعان ہی کی تعریف کی ہے اپنے ان چچا کا کہیں ذکر نہیں کیا' بلیغ الدین صاحب کو کہیں حوالہ ملتا تو ضرور نقل کرتے۔

بعض لوگوں نے عجیب احمقانہ بات لکھی ہے کہ چونکہ وہ صاحب ثروت تھے' اس لئے وہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا بار اٹھا سکتے تھے' ایک صاحب نے تو انتہائی گستاخانہ انداز میں "تکبیر" کے نام ایک مضمون میں لکھا ہے کہ "ابو طالب مفلس' قلاش اور لنگڑا تھا وہ کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و کفالت کر سکتا تھا' معاذ اللہ! کیسا جہل' کینہ اور بد زبانی ہے۔ کیا دنیا کے سارے غریب لوگ اپنے ہونے والے یتیم بچوں اور پوتوں کی تربیت صاحب ثروت اعزہ کے سپرد کر دیتے ہیں' یا ان کے سپرد جن کا دل شفقت و محبت سے معمور ہو؟ چاہے وہ خاندان میں سب سے بڑے نہ ہوں' مال دار نہ ہوں۔

اس سب کے بعد جس طبقات ابن سعد کا حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے کہ اس میں مذکور ہے کہ عبدالمطلب نے خاندان کے لئے اپنا وصی زبیر بن عبدالمطلب کو بنایا تھا' اس میں تو یہ بھی لکھا ہے کہ ابو طالب نے عبدالمطلب کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی و کفالت کی' اور یہ ایک علیحدہ عنوان کے تحت لکھا ہے' پھر وہ اس بات کو کیوں تسلیم نہیں کرتے' بلکہ خود عبدالمطلب نے ابو طالب کو اس کی وصیت کی تھی' ابن سعد کے الفاظ ہیں فلما حضرت عبد المطلب الوفاة اوصى اباطالب بحفظ رسول الله صلى الله عليه وسلم وحياطته (طبقات ج ۱ ص ۱۱۸)' (یعنی جب عبدالمطلب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے ابو طالب کو وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و سرپرستی کریں)' یہ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اولاد سے زائد محبت ہے' جو بڑھتی ہی گئی' اور اس کا حال قارئین اس طبقات ابن سعد جلد (۱) کے صفحہ (۱۱۹) اور صفحہ (۱۲۰) پر پڑھیں۔ یہاں ان لوگوں کی تسکین بھی ہو جائے گی جو ابو طالب کی غربت کا رونا روتے ہیں۔ انہیں طبقات ابن سعد کے ان صفحات میں نظر آ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ جو رازق مطلق ہے اس نے کس طرح ابو طالب کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل برکت دی۔

"ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت فرماتے تھے' اپنی اولاد سے بھی زائد' وہ آپ کو اپنے پہلو میں سلاتے تھے' اور جب آپ باہر جاتے تو ابو طالب بھی ساتھ ساتھ جاتے تھے' ابو طالب کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عشق تھا (صب به صبابة) کہ ان کو دنیا کی کسی چیز سے اتنا عشق نہ تھا" (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۱۹)

اس موقعہ پر بلاذری کا سیرت نبوی کے قدیم ترین بڑے مصنف اور ثقہ حافظ حدیث محمد ابن اسحاق المدنی متوفی ۱۵۱ھ سے تقابل کرتے ہوئے' بلیغ الدین صاحب نے ابن اسحاق کے لئے بڑے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں' وہ کہتے ہیں۔ "بلاذری کی طرح کیا ابن اسحاق ابو جعفر منصور عباسی کا دست گرفتہ نہیں تھا"۔

اس سے نہ صرف ان کی عربی اسلامی تاریخ سے بے خبری کا پتہ چلتا ہے' بلکہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن اسحاق کے مرتبہ اور امت اسلامیہ پر ان کے احسان سے ناواقف ہیں' رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے لئے سارے علمائے امت نے ان پر اعتماد و انحصار کیا ہے' ورنہ ہمارے پاس سیرت نبوی سے متعلق تفصیلی معلومات کہاں سے آتیں' کتب حدیث میں اس موضوع پر مغازی وغیرہ کے بعض ابواب جو کچھ مواد ہے وہ مختصر ہے اور غیر مرتب۔

ابن اسحاق تبع تابعی تھے (مولانا شبلی نے تو اپنی سیرت نبوی کے مقدمہ میں ان کو تابعی لکھا ہے)' وہ امام زہری کے شاگرد رشید اور امام ثوری' سفیان بن عیینہ' امیر و جیسے محدثین کے استاد اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے بڑے ہم عصر تھے' اور بغداد میں اپنی وفات کے بعد امام ابو حنیفہ کی قبر کے برابر مدفون ہوئے' یہاں گنجائش نہیں کہ میں ان کے حالات پر تفصیلی روشنی ڈالوں' مگر تمام کتب طبقات و اسماء الرجال میں ان کا ذکر بڑے احترام کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اگر بلیغ الدین صاحب کو عربی کتابیں پڑھنے کا شوق ہے' اور حافظ ابن سید الناس اندلسی متوفی ۷۳۴ھ کی سیرت پر ممتاز کتاب "عيون الاثر في فنون المغازي والسير" تک ان کی دسترس ہے تو اس کا مقدمہ پڑھیں جس میں اس جلیل القدر' اور منصف و راست گو عالم نے تفصیل سے بحث کی ہے' اور دیگر علماء کی طرح ان کو لائق اعتماد ٹھہرایا ہے۔

اور جہاں تک ان کے ابن اسحاق پر طنز کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی بیشتر عمر مدینہ منورہ میں گزری' ابو جعفر منصور عباسی کی خلافت ۱۳۶ھ میں قائم ہوئی' وہ چند سال سابقہ عباسی دارالخلافہ الانبار میں رہنے کے بعد کوفہ منتقل ہوا' یہیں اس کو ابن اسحاق نے اپنی سیرت نبوی پر کتاب پیش کی' جس کے بعد وہ کچھ عرصہ شمالی عراق اور اہواز میں رہے' جہاں ان کی بڑی قدر ہوئی' پھر ۱۴۹ھ میں بغداد کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد (یہ تعمیر ۱۴۵ھ میں شروع ہوئی لیکن محمد النفس الزکیہ کی مشہور علوی بغاوت مدینہ منورہ اور بصرہ میں اسی سال ہونے کی وجہ سے رک گئی) وہ بغداد آئے اور یہاں صرف تقریباً دو سال رہ کر وفات پا گئے۔ اور جہاں تک بلاذری کا تعلق ہے' تو وہ باقاعدہ عباسی دربار کے ساتھ وابستہ تھا' اپنی جوانی میں اس نے خلیفہ المامون کی مدح سرائی کی پھر وہ متوکل کی مجالس طرب میں اس کا مصاحب رہا اس کے بعد مستعین (عباسی خلیفہ) کا تنخواہ دار رہا۔ اس کے بعد وہ دربار کی نظر سے گر گیا اور مختلف عباسی وزراء کی مدح سرائی کرتا اور ان کے سامنے دست طلب دراز کرتا رہا' لیکن آخر عمر میں تنگ دستی کا رونا رہتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا' (مزید تفاصیل کے لئے ملاحظہ ہو 'فتوح البلدان پر ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کا فاضلانہ مقدمہ)۔

جہاں تک اس کے علم و معلومات کا تعلق ہے میں اس کا قدر دان ہوں' اور اس کی کتاب "فتوح البلدان" اپنے موضوع پر ایک بے نظیر کتاب سمجھی جاتی ہے' اور میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے' لیکن سیرت نبوی پر میں یا کوئی بھی اس کو ابن اسحاق کے ہم پلہ نہیں سمجھتا۔ اور پھر اس کا ذکر تو میں نے اپنے تکبیر کے سابقہ مضمون میں صرف اشارۃً اس لئے کیا تھا کہ خانوادۂ نبوت پر "چارٹ" مرتب کرنے والے صاحب کو یہ ثابت کرنے کے لئے کہ زبیر بن عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و کفالت کی بلاذری کی انساب الاشراف کے سوا پورے ذخیرہ سیرت و تاریخ میں کوئی حوالہ نہیں ملا' اور اس کو بھی قصداً یا عربی زبان سے سرسری واقفیت کے سبب غلط معنی دیئے گئے ہیں' وہ محدثین اور قدیم سیرت نگاروں کی طرح ثقہ نہیں اور اس لئے میں نے ابو طالب کی سرپرستی رسول صلعم سے متعلق صحیح بخاری کی حدیث بھی لکھ دی تھی لیکن بلیغ الدین صاحب نے ابن اسحاق پر یہ ناپاک حملہ شروع کر دیا۔ بہرحال اب یہ ثابت کر دیا گیا کہ وہ ابو جعفر منصور عباسی کے دست گرفتہ نہ تھے' کیونکہ ان کا تعلق صرف چند سال منصور سے رہا۔

اسی موقعہ پر بلیغ الدین صاحب نے محمد بن عمر الواقدی کا ذکر چھیڑتے ہوئے اس کے خلاف اور بھی پست الفاظ استعمال کئے ہیں' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ الفاظ کی نزاکت سے واقف نہیں اور جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہیں' وہ فرماتے ہیں کہ واقدی "مامون الرشید کا زلہ بردار تھا" میں نے واقدی کا اپنے مضمون میں کہیں ذکر نہیں کیا تھا' نہ معلوم ان کو واقدی پر برسنے کا خیال کیوں آ گیا وہ میرا مضمون دوبارہ پڑھ لیں' اس میں جن گیارہ کتابوں کا حوالہ میں نے دیا تھا وہ بیشتر کتب حدیث و تفسیر و فتاوی تھیں' میں نے احتیاطاً اس میں کتب تاریخ کا نام نہیں لیا تھا' مگر جس مکتب فکر کی ترجمانی بلیغ الدین صاحب کرتے ہیں اس میں واقدی پر زبان درازی کی جاتی ہے' اس لئے انہوں نے اس موقعہ کو بھلا جانا اور اپنی "علمیت" کا اظہار کر دیا۔ اب بہتر ہے کہ جب موصوف نے ان کے خلاف یہ جارحانہ جملہ لکھا ہے' اور ان کو بعض دوسرے نام نہاد محققین کی طرح چند محدثین کے اقوال مختصراً درج کر کے "کذاب اور متروک الحدیث" لکھا ہے تو اس کی بھی تھوڑی سی توضیح ہو جائے تفصیل کی افسوس کہ گنجائش نہیں' ورنہ بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا۔

واقدی بھی ابن اسحاق کی طرح مدنی ہیں۔ وہ انتہائی وسیع العلم عالم تھے' جن کا سب نے اعتراف کیا ہے' حدیث کے ساتھ تاریخ و سیرت نبوی اور خاص طور سے غزوات پر ان کی انتہائی گہری نظر تھی اور یہی ان کا اصلی مقام تھا جس کی بناء پر وہ مغازی کے امام مانے جاتے ہیں۔ اگر کچھ محدثین نے "متروک الحدیث اور کذاب" کہا ہے تو دوسرے محدثین اور ناقدین حدیث نے ان کو ثقہ بھی قرار دیا ہے' جن میں حافظ دراوردی' یزید بن ہارون' ابو عبید القاسم بن سلام اور خاص طور پر اسماء الرجال کے قدیم ماہر ابراہیم الحربی شامل ہیں' ان کو "کذاب" [illegible]

بہت سے لوگ بے خبر ہیں اور جو باخبر ہیں وہ غالباً تجاہل سے کام لیتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل سے صراحت ہے کہ وہ ان کو اس لئے کذاب (جھوٹا) کہتے تھے کہ ایک متن حدیث (TEXT) کے بیان میں جو مختلف رواۃ کی اسانید پائی جاتی ہیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیتے تھے' جس کو محدثین صحیح تسلیم نہیں کرتے اس لئے ان کو کذاب کہا گیا۔ مگر یہی وہ طریقہ ہے جو بعد کی تمام کتب تاریخ میں پایا جاتا ہے' اور جن پر واقدی کو کذاب کہنے والوں کا اعتماد ہے' آج بھی یہی طریقہ رائج و مقبول ہے۔ ابراہیم بن الحربی اس کو عیب نہیں سمجھتے تھے اور کہتے ہیں کہ امام ابن شہاب الزہری بھی ایسا کرتے تھے۔

اور پھر امام احمد بن حنبل تو واقدی کی کتابوں کے بڑے قدر دان تھے' اور ان کے صاحب زادہ عبداللہ کے بقول ہر ہفتہ واقدی کے شاگرد رشید محمد بن سعد (۔ مولف الطبقات الکبیر) سے منگوا کر پڑھتے تھے اور انہیں واپس کر کے دوسری کتابیں منگواتے تھے۔ غزوات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہوں اور ان کی تفاصیل کے بارے میں وہ جس انتہائی اعلیٰ تحقیقی طریقہ پر عمل پیرا تھے وہ آج بھی بہترین اور مطلوب و مقبول ترین طریقہ سمجھا جاتا ہے' یعنی وہ بذات خود ان جگہوں کا جا کر معائنہ کرتے تھے جہاں یہ غزوات پیش آئے۔ اس سلسلہ میں ایک چھوٹے سے غزوہ المریسیع کی جگہ کا معائنہ کرنے کا خود ذکر کیا ہے اور ایک چشم دید شاہد نے ان کو مکہ مکرمہ میں' آج کل کے علم الآثار کے ماہرین کی طرح' حنین جاتے ہوئے دیکھا جہاں مشہور غزوہ حنین پیش آیا تھا (یہ مدینہ منورہ سے کافی دور مکہ مکرمہ کے شمال مشرق میں کافی فاصلہ پر واقع ہے)

یہاں بھی میں بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہمنواؤں سے عرض کروں گا کہ اگر واقعی تحقیق کا شوق ہے تو اس مذکورہ کتاب سیرت "عیون الاثر" کا منصفانہ اور فاضلانہ مقدمہ پڑھیں' اور ساتھ واقدی کی کتاب المغازی کے فاضل مستشرق مارسدن جونز کا مقدمہ اس کتاب کے نئے ایڈیشن ۱۹۶۶ء القاہرۃ) میں پڑھیں۔ شاید ان کے شکوک و شبہات دور ہو جائیں۔ مولانا شبلی کے سامنے یہ کتاب "عیون الاثر فی فنون المغازی و السیر" نہیں تھی (اس وقت یہ طبع نہیں ہوئی تھی اور انہوں نے کلکتہ کے قلمی نسخہ کا ہی ذکر کیا ہے) ورنہ وہ غالباً یک طرفہ طور پر واقدی کو متہم نہیں کرتے۔

اور جہاں تک اس ناپاک اتہام "زلہ بردار مامون الرشید" کا تعلق ہے تو عرض ہے' کہ بغداد علم و ثقافت کا مرکز بن چکا تھا' تمام دنیا سے اہل علم وہ پہنچتے تھے' واقدی بھی پچاس سال کی عمر میں وہاں ہارون الرشید کے عہد میں پہنچے کہ وہ ان کی قدر و منزلت سیرت نبوی کے موضوع پر جان چکا تھا' برامکہ اور ہارون الرشید نے ان کی قدر دانی کی' اور ان کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا' امین ابن الرشید کا زمانہ عیش و عشرت اور مصاحبین و مطربین کا زمانہ تھا' وہ غالباً اس منصب سے علیحدہ ہو گئے' اور جب مشہور "فتنہ امین و مامون" کے بعد مامون الرشید خراسان سے ۲۰۴ھ میں بغداد واپس ہوا' اور جو اہل علم کا بہت قدر دان تھا تو اس نے دوبارہ واقدی کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کر دیا' اور اس دفعہ المامون کے عہد میں وہ صرف تین سال بغداد شرقی کے قاضی رہے' کیونکہ ۲۰۷ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اور اب بلیغ الدین صاحب سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ اس کو واقدی کی مامون بن ہارون الرشید کی زلہ برداری کہتے ہیں؟! اگر منصب قضا پر مامور ہونا "زلہ برداری" ہے تو مشہور حنفی قاضی اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد قاضی ابو یوسف بھی "زلہ بردار" تھے' کیونکہ وہ ہارون الرشید کے عہد میں بغداد کے قاضی اور پھر قاضی القضاۃ تھے' اور پھر پاکستان میں ہائی کورٹس کے تمام جج بھی "زلہ بردار" ہیں' مگر نہ معلوم کس وزیر اعظم یا صدر کے!؟ جن لوگوں کو اسلامی تاریخ کا علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اس اولین عہد عباسی میں بغداد کا منصب قضا ایک بہت اہم اور لائق احترام عہدہ تھا خواہ مغربی بغداد کا ہو یا مشرقی بغداد کا اس کے حامل کو "زلہ بردار" آج تک کسی نے نہیں کہا سوائے بلیغ الدین صاحب کے' اور جو ایک انتہائی تحقیر کا لفظ ہے یعنی حاشیہ بردار۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اسی واقدی کے شاگرد رشید محمد بن سعد کی الطبقات الکبیر سے وہ اپنی بعض آراء پر استدلال بھی کرتے ہیں' جب کہ اسی "طبقات" میں زیادہ تر روایات واقدی ہی کی مرویات ہیں' ابن سعد کو "کاتب الواقدی" کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر شام کے بارے میں "عدم اختلاف" پر تنقید کرتے ہوئے اور اس رائے کو میری طرف منسوب کرتے ہوئے (یہ میری رائے نہ تھی بلکہ بلاذری کی ہے جس کا قول بعینہ میں نے نقل کیا تھا) اس کو "معنی خیز" قرار دیتے ہوئے مجھے گول مول الفاظ میں مطعون کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہاں مولانا شبلی کے تتبع میں یہ بھی کہا ہے کہ مستشرقین بحیریٰ راہب کے واقعہ سے جو فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے' وہی منافقین کا شیوہ بھی رہا ہے۔ یہ آخر میں منافقین کے شیوہ کا اضافہ بلیغ الدین صاحب کا ہے' شبلی نے ان کا نام یہاں نہیں لیا ہے۔

انہوں نے رواۃ وغیرہ کے بارے میں جو باتیں نقل کی ہیں وہ تمام کی تمام مولانا شبلی سے نقل کی ہیں ان کا اضافہ یہ ہے کہ یہ روائت (صحیح لفظ روایت ہے) ایک مخصوص گروہ کی مخیل آرائی کا نتیجہ ہے" "مخصوص گروہ" سے ان کا مطلب شیعہ حضرات ہیں (نہ معلوم موصوف تقیہ کیوں کرتے ہیں صاف بات کیوں نہیں کہتے! یہ تو ایک علمی بحث ہے)

سب سے پہلے تو میں بلیغ الدین صاحب سے یہ عرض کروں گا کہ وہی بلاذری جس کو وہ ابن اسحاق اور واقدی پر ترجیح دے چکے ہیں' کیا وہ اس موضوع پر قابل اعتماد نہیں رہا؟ چلئے وہ اس کو یہاں قابل اعتماد نہیں سمجھتے ہیں' کوئی بات نہیں۔ اگر وہ مولانا شبلی ہی کو قابل اعتماد سمجھتے ہیں تو انہوں نے تو سیرۃ النبی کی اسی جلد میں ابو طالب کو ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا ذمہ دار کہا ہے' زبیر بن عبدالمطلب کو نہیں' پھر ان کی اس بات کو وہ کیوں تسلیم نہیں کرتے ہیں' انہوں نے شعب ابی طالب لکھا ہے' بلیغ الدین صاحب شعب بنی ہاشم کہنے پر مصر ہیں' ابو طالب کے نام سے انہیں چڑھ ہے؟

بلیغ الدین صاحب کو یاد آنا چاہئے کہ جس زمانہ میں شبلی نے سیرۃ النبی لکھی تھی انگریزوں اور انگریز مستشرقین کی کتابوں کا غلغلہ تھا' اس لئے اس موقع پر ان کا انداز فکر معذرانہ (APOLOGETIC) ہے۔ بحیریٰ سے بعض اسلامی تعلیمات اخذ کرنے کا افسانہ مستشرقین نے تراشا ہے' اسلامی روایت میں یہ کہیں نہیں' بجائے اس کے وہ اس افسانے پر ضرب کاری لگاتے' انہوں نے سفر شام کی روایت ہی کو رد کر دیا۔ جو درست نہیں' ان کے سامنے حافظ ابن کثیر کی عظیم کتاب البدایہ والنہایہ (۱۴ جلدیں) نہیں تھی' اور نہ یہ مرحوم سید سلیمان ندوی کے سامنے تھی' ورنہ وہ اس روایت کو بہ تمام و کمال رد نہیں کرتے۔ وہ اس موقعہ پر ساری بحث ترمذی کی روایت سے کرتے ہیں' جس میں حضرت ابو بکرؓ و بلالؓ کا ذکر ہے' اس وجہ سے اور عبدالرحمٰن بن غزوان (اس حدیث کے ایک راوی) کے ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو رد کرتے ہیں۔ مگر ان کے بارے میں حافظ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۲۸۵) کہتے ہیں' کہ بخاری نے ان سے روایت کی ہے' اور حفاظ حدیث و ائمہ کے ایک گروہ نے ان کی توثیق کی ہے اور کسی نے ان کو مجروح قرار نہیں دیا ہے۔

مگر افسوس کہ مولانا شبلی نے اس موقعہ پر ابن اسحاق کی سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کتاب التاریخ و والمبعث والمغازی کو نہیں دیکھا جو سیاہ تھی اور جو حافظ ابن کثیر کے سامنے تھی' البدایہ والنہایۃ میں انہوں نے سب سے پہلے سفر شام اور بحیریٰ سے ملاقات کے بارے میں ابن اسحاق کی طویل روایت نقل کی ہے' وہی ابن اسحاق جن کو مولانا شبلی نے "نامی اور اساطین علم حدیث" میں شمار کیا ہے۔ (مقدمہ سیرۃ النبی)۔ ابن اسحاق کی روایت آنحضرت کے ابو طالب کے ساتھ سفر شام کے قصہ میں حضرت ابو بکرؓ و حضرت بلالؓ کا کوئی ذکر نہیں (ملاحظہ ہو' البدایہ والنہایۃ جلد ۲ ص ۲۸۳' ۲۸۴)

ابن اسحاق نے کوئی سلسلہ اسناد بھی پیش نہیں کیا ہے (وہ ترمذی سے ایک صدی قبل گزرے ہیں) کہ وہ عہد صحابہ سے بہت قریب اور مدینہ منورہ کے باشندہ تھے بخلاف ترمذی کے' جن کا سلسلہ اسناد طویل ہے۔

یہاں ابن اسحاق کی روایت ہی قابل اعتماد ہے' جس پر سارے قدیم سیرت نگاروں نے اسی لئے اعتماد کیا ہے اور اس لئے بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرت کے ابو طالب کے ساتھ اس سفر شام کے سفر میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا تھا۔ یہ مستشرقین کی حماقت و عداوت اور افتراء پردازی ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ بارہ سال کے بچہ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کو بحیریٰ نے اسلام کی بنیادی تعلیمات یعنی توحید و معرفت خداوندی وغیرہ ایک نشست میں ازبر کرا دیں۔

اپنی بیان کردہ روایت پر تفصیل سے گفتگو کرنے سے قبل ان کا ایک مختصر بیان بڑا معنی خیز اور حقیقت پسندانہ ہے اور جس پر بلیغ الدین صاحب نے غور نہیں کیا' وہ یہ ہے۔

"عیسائی مصنفین اگر روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہئے' جس طرح روایت میں مذکور ہے' اس میں بحیریٰ کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں' قیاس میں بھی نہیں آتا کہ دس بارہ برس کے بچہ کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیئے جائیں اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیریٰ کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

کاش کہ مولانا شبلی اس پر اکتفا کرتے یا ان کے سامنے سیرت ابن اسحاق ہوتی؟

۔ حرب فجار کے موقعہ پر زبیر بن عبدالمطلب کے سرگروہ بنی ہاشم ہونے کا میں نے انکار نہیں

کیا' لیکن اس سے یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت بھی کی تھی' یہ عہد جاہلیت کی باتیں ہیں' اس سے خانوادۂ نبوت کے چارٹ یا شجرہ کا کیا تعلق ہے؟

جی ہاں! شبلی نعمانی اور قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی ابن زبیر کے حرب فجار میں آل ہاشم کے علم بردار ہونے کا ذکر کیا ہے' مگر ان دونوں حضرات نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرپرستی کی' میں نے اسی ذیل میں ان کا نام لیا تھا' اس کے برخلاف دونوں علماء کرام نے یہی لکھا ہے کہ ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی' بلیغ الدین صاحب نے اس طرح ان کا حوالہ دے کر مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

۱۳۔ اس اعتراض کے جواب میں عرض ہے کہ یہ "چارٹ" بنو ہاشم کا نہیں ہے بلکہ خانوادۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ چارٹ کے تیار کرنے والے صاحب یا صاحبان نے ان میں ابولہب کا نام لے کر کوئی اچھا کام نہیں کیا ہے۔ اور پھر انہوں نے "سرپرست سرکار دو جہاں" کی جلی سرخی کے تحت پہلے نمبر (۱) اور (۲) کے آگے عبدالمطلب اور زبیر بن عبدالمطلب کا نام لکھا ہے اور یہاں پر یہ تحریر کیا ہے کہ "آنحضور" کے سب سے بڑے چچا نے ۲۰ سال کی عمر تک پرورش کی"۔ اور اس موقعہ پر پورے شجرہ میں صرف ایک حوالہ اور وہ بھی بلاذری کی انساب الاشراف کا دیا گیا ہے' جس کے بارے میں اپنے سابقہ مضمون میں لکھ چکا ہوں' عربی کی عبارت دے کر' قصداً یا عربی سے کماحقہ ناواقفیت کی بناء پر غلط معنی لئے گئے ہیں اور یہی ایک ان صاحب نے کیا ہے جنہوں نے سیرت نبوی پر ایک ہیجان انگیز اور اہل سنت کے نقطہ نظر سے ہٹ کر ایک کتاب لکھی ہے' یعنی ضیاء الدین کرمانی صاحب۔

پھر اہم بات یہ ہے کہ ابو طالب کو تو آنحضرت کا سرپرست نہیں مانا گیا ہے' مگر ان کا اور ابولہب کا نام "غیر مسلم" کی ذیلی سرخی کے تحت لکھا گیا ہے' کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آیا عبدالمطلب اور زبیر مسلم تھے؟ ان کے ناموں کے ساتھ غیر مسلم کیوں نہیں لکھا گیا؟ یا پھر ابو طالب سے کینہ و عداوت کے لئے ایسا کیا گیا ہے' یہ غالباً اس لئے لکھا گیا ہو کہ ایک خاص فرقہ (یعنی شیعہ) ان کو مسلمان کہتا ہے' ان کا ذکر غیر مسلم کی تصریح کے ساتھ زبیر بن عبدالمطلب کی جگہ ہونا چاہئے' جس پر ساری امت اسلامیہ کا اتفاق ہے۔

پھر جہاں تک رسول اکرمؐ کی تربیت و کفالت کا تعلق ہے وہ صرف دادا عبدالمطلب اور سگے چچا ابو طالب نے کی۔ دو مسلمان چچاؤں کا سرپرستی سرکار دو جہاں سے کوئی تعلق نہیں' حمزہؓ تو عمر میں تقریباً آنحضرتؐ کے برابر ہی تھے کہ عبدالمطلب کے بڑھاپے کی اولاد تھے' اور عباسؓ بھی تھوڑے بڑے تھے' ان کا ذکر یہاں غلط ہے۔ اور دشمن رسول و دشمن اسلام عبدالعزیٰ یعنی ابولہب کے ساتھ ابو طالب کا ذکر ایک خاص نوع کی کینہ پروری ہے۔

پھر یہ بات بھی صحیح نہیں کہ ابو طالب کے بعد بنو ہاشم کا سربراہ ابولہب تھا۔ طبقات ابن سعد جلد اول میں عبدالمطلب کے ذکر میں تصریح ہے کہ عبدالمطلب نے اس سربراہی کی وصیت ابو طالب کو' اور اس کے بعد عباس کو کی' ابولہب کا ذکر یہاں نہیں ہے۔

۱۴۔ اس اعتراض و تنقید میں بلیغ الدین صاحب نے امیر معاویہؓ کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے یہ ایک مستقل موضوع کا طالب ہے' موصوف کا بیان یہاں کافی خطیبانہ ہے اور یہاں انہوں نے امیر معاویہ کے عہد میں اسلامی فتوحات کا ذکر بھی کیا ہے۔

میں نے حدیث اور امام ابن تیمیہ کے حوالے سے جو کچھ لکھا تھا اس کو انہوں نے "سبائی رجحان" قرار دیا ہے' اس کے جواب میں پھر عرض ہے کہ الزامات اور طنز و تشنیع علمی طریقہ نہیں تاریخی حقائق و براہین ہی اہل علم کے نزدیک مقبول اور صحیح طریقہ ہے۔

خود موصوف کی بات میں جو انتشار ہے' وہ خود ہی کہتے ہیں کہ "حضرت سفیان ثوری عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں" تو پھر سوال یہ ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کو پانچواں خلیفہ راشد کیوں نہیں قرار دیا؟ کیا وہ بھی "سبائی" تھے؟

ان کی یہ انوکھی منطق ہے کہ تمام صحابہ جو یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے سربراہ بنے منتخب ہوئے۔ سب خلفائے راشدین تھے" تمام امت اسلامیہ تو صرف چار "خلفاء" ہی کو "خلفائے راشدین" مانتی ہے۔

حضرت معاویہ کو بادشاہ کسی "مخصوص فرقہ" نے کہنا شروع نہیں کیا ہے' میں نے تو فتاویٰ ابن تیمیہ سے مخصوص فرقہ کے ان سب سے مخالف و دشمن منہاج السنہ کے مصنف شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول نقل کیا تھا' اور میں نے پورے انصاف کے ساتھ امام ابن تیمیہ کی پوری عبارت نقل کر دی تھی جس میں یہ بھی ہے کہ ان کی بادشاہت رحمت تھی جبر و استبداد نہیں' جو ان کے فوراً بعد امام ابن تیمیہ کے مطابق شروع ہوا۔

امیر معاویہ کے عہد میں فتوحات تو ضرور ہوئیں' لیکن وہ اگر سیدنا علیؓ کے خلاف نبرد آزما نہ ہوتے تو یہ فتوحات ان کے عہد میں بھی ہوتیں' اور پھر یہ کوئی معیار حق نہیں' ولید بن عبدالملک کے عہد میں مشرق و مغرب میں کہیں زیادہ فتوحات ہوئیں پھر غزنویوں اور ان کے بعد عثمانی اتراک نے اپنے اپنے عہود میں بڑی فتوحات کیں' اور بہت وسیع علاقے مشرق و مغرب میں اسلامی حکومت میں داخل کئے' مگر یہ سب کچھ معیار فضیلت نہیں' فتوحات تو دوسری غیر مسلم اقوام نے بھی کیں اور دنیا کے بہت وسیع رقبہ پر حکومتیں کیں' مگر یہ سب موضوع زیر بحث سے متعلق نہیں۔

بحر ظلمات میں عقبہ بن نافع کے گھوڑے دوڑا دینے کے متعلق بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر جن لوگوں نے شمالی افریقہ میں اسلامی فتوحات کی تاریخ پڑھی اور پڑھائی ہے' وہ اچھی طرح جانتے ہیں' کہ مسلمانوں کو یہاں اسی طرح طوفانی حملوں کے سبب کتنے مصائب کا سامان کرنا پڑا' اور کیسی اندوہناک شکستیں ان کو بعض مراحل میں ہوئیں' کیونکہ مبلغین اور علماء حق کے ذریعہ اشاعت اسلام کا کام منظم طریقہ پر نہیں کیا گیا' یہ کام سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں ہوا' اور جبھی وہاں اسلام نے پوری طرح جڑ پکڑی' عقبہ بن نافع کے بہت بعد ولید بن عبدالملک کے عہد میں موسیٰ بن نصیر کے ہاتھوں مغرب عربی کی فتوحات مکمل ہوئیں' مگر بربر جب ہی چین سے بیٹھے جب ان کو عمر بن عبدالعزیز کے شمالی افریقہ کے گورنروں نے اور ان کے ساتھ مبلغین اسلام نے اسلامی مساوات اور عدل و احسان کا پیغام سنایا اور اس پر عمل کیا۔

جہاں تک بادشاہ کے لفظ کا تعلق ہے' میں ذاتی طور پر اس کو معیوب نہیں سمجھتا' کو ہمارے اس دور جمہوریت میں غالباً اس کو انتہائی معیوب بلکہ ایک گالی سمجھا جاتا ہے' اصل میں اسلام کے اصول سیاست پر عمل' صالح کردار اور دولت و ثروت کی صحیح تقسیم ہے جو عہد خلفائے راشدین میں تھی' پھر حضرت معاویہ کی حکومت انتخابات و شوریٰ کے نتیجہ میں قائم ہوئی اور اس کے بعد انہوں نے افسوس کہ اس کو وراثتی بنا دیا' جو ٹھیک نہیں ہوا' کیونکہ اس کے بعد پھر اچھے برے سب ہی قسم کے بادشاہ یا خلیفہ بنے۔

"شاہ است و بادشاہ است حسین" سے استدلال بے محل ہے۔ محققین اہل سنت اس کو صحیح نہیں سمجھتے' میں نے کبھی اس کو شیخ معین الدین اجمیریؒ کا شعر نہیں سمجھا' بلیغ الدین صاحب صحیح کہتے ہیں کہ وہ ایک ایرانی معین الدین کاشانی کا شعر ہے' اور پھر اس کا آخری مصرعہ جس کو عام طور پر لوگ دہراتے ہیں' حقائق تاریخ کے بالکل ہی برخلاف اور مہمل ہے' کیونکہ سیدنا حسینؓ اور یزید کے درمیان جنگ' کفر و ایمان کی لڑائی نہ تھی۔

"طلقاء اسلام" کو جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور جن کو صرف دو سال رسول اکرمؐ کی صحبت حاصل رہی' مناصب اور عہدوں کی وجہ سے افضل قرار نہیں دیا جا سکتا' یہ عہدے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے انتہائی قریبی رفقاء اور جاں نثاروں کو جن کا شمار "السابقون الاولون" میں ہے ان کو بھی نہیں دیئے تو کیا ان مناصب کی وجہ سے یہ اموی اصحاب مناصب "عشرہ مبشرہ بالجنہ" سے افضل قرار دیئے جا سکتے ہیں' جن میں خلفائے اربعہ کے علاوہ حضرات زبیر بن العوامؓ سعد بن ابی وقاصؓ عبدالرحمن بن عوفؓ طلحہؓ وغیرہ جلیل الشان صحابہ آتے ہیں لہٰذا یہ ساری گفتگو بیکار ہے۔

حضرت معاویہؓ کے جنتی ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ بھی میں نے نہیں اٹھایا تھا' یقیناً وہ جنتی ہیں' نہ "اول ملوک الاسلام" کی عبارت سے ذم کا پہلو نکالنا مقصود تھا' ورنہ میں وہ ٹکڑا نہیں لکھتا جس میں ہے کہ "ان کا ملک رحمت ہوگا" ' صرف خلافت' راشدہ اور ملوکیت کا فرق دکھانا تھا۔

حدیث سفینہؓ (مطبوعہ نہیں) "خلافت تیس سال رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہوگی" کو صرف میں ہی صحیح قرار نہیں دیتا ہوں' بلکہ وہ محدث عظیم صحیح قرار دیتے ہیں جن کی ساری عمر حدیث کی خدمت میں گزر گئی ہے' اور اس موقعہ پر امام ابن تیمیہ کا حوالہ ایک دوسرے ثقہ معاصر محدث کی کتاب سے دے کر میں نے "قارئین کو دھوکہ دینے" کی کوشش نہیں کی تھی' اتہامات دینے کی موصوف کی عادت ہے' "تکبیر" کے اس مختصر مضمون میں زیادہ علمی حوالوں کی کہاں گنجائش تھی' لیجئے اب اصل فتاویٰ ابن تیمیہ سے بھی حوالہ دیئے دیتا ہوں۔ جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ بلیغ الدین صاحب نے اس کی شکل بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ اصل عربی عبارت ملاحظہ ہو۔ یہ کہنے کے بعد کہ امیر معاویہؓ اول الملوک تھے وہ لکھتے ہیں۔

" فانه قد ثبت عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال . تکون خلافة النبوة

ثلاثین سنۃ ثم یصیر ملکا۔ و کان ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہم الخلفاء الراشدون و الائمۃ المہدیون الذین قال فیہم النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین من بعدی۔ (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۷۸) نشر الرئاسۃ العامۃ لشئون الحرمین الشریفین بامر الملک فہد بن عبدالعزیز (طبع مصر ۱۴۰۴ھ '۳۷ مجلدات)

شیخ محمد ناصر الدین الالبانی کے بارے میں جو گھٹیا الفاظ بلیغ الدین صاحب نے استعمال کئے ہیں یہ خود لوٹ کر انہیں کی طرف آتے ہیں' کیٰ حضرت وہ غیر معروف نہیں اور نہ کسی "مخصوص گروہ" کے ترجمان ہیں' یعنی شیعہ نہیں جو آپ کا مقصد ہے۔ وہ مراکش سے لے کر کویت تک بلکہ ہند و پاکستان کے بھی ان حلقوں میں جن کو حدیث نبوی اور اس کی صحت سے شغف ہے' بخوبی معروف ہیں اور ان کی کتابیں ہزاروں کی تعداد میں بکتی ہیں' میں نے ایک مختصر جملہ میں ان کا تعارف کرایا تھا کہ وہ چالیس سال سے حدیث نبوی کی خدمت کر رہے ہیں' اب کہتا ہوں کہ وہ اس دور کے حافظ ابن حجر عسقلانی ہیں' تمام عرب محققین ان کو ایسا مانتے ہیں۔ ان کی جس کتاب کا حوالہ میں نے دیا تھا' وہ چار بڑی جلدوں میں (۳۰۵۷) صفحات پر مشتمل ہے اور مشہور و غیر مشہور احادیث کی متون اور اسماء الرجال کی تحقیق پر ایک شاہ کار ہے' پھر ان کی دو کتابیں الاحادیث الضعیفۃ کے نام سے (۱۰۸۲) صفحات پر مشتمل ہیں' اور یہ سلسلہ جاری ہے' اور اس کے علاوہ ان کی تیس کتابیں اور ہیں' جو مختلف اسلامی موضوعات پر ہیں' ان میں حافظ جلال الدین السیوطی کی کتاب کی تنقید و تصحیح بھی شامل ہے جو "صحیح الجامع الصغیر و زیادتہ" اور ضعیف الجامع الصغیر و زیادتہ کے نام سے دو جلدوں میں چھپی ہے' اور اسی طرح الحافظ المنذری کی مشہور کتاب "الترغیب والترہیب" پر تحقیق و تنقیدی نظر کے بعد اس کو اسی طرح دو جلدوں میں "صحیح الترغیب والترہیب" اور ضعیف الترغیب والترہیب" کے نام سے شائع کیا ہے' ان کی بیشتر کتابیں دمشق کے المکتب الاسلامی" کی طرف سے شائع ہوئی ہیں' بعض اردن اور ریاض میں بھی چھپی ہیں' یہ مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں حدیث کے پروفیسر بھی رہے ہیں۔

اصلاً البانی ہیں' اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ اس نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث و سنت کی خدمت کے لئے ایک غیر اسلامی یورپ کے ملک کے باشندے کو چنا۔ البانی مسلمان مہاجروں کے ساتھ جب وہاں مسلمانوں کے خلاف تحریک چلی اپنے والدین کے ساتھ شام آ گئے تھے' میں نے ان کو ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۰ء تک دمشق میں اپنی تعلیم کے دوران دیکھا ہے' انتہائی نورانی شکل' گھڑیاں سنبھال کر اس زمانہ میں اپنی روزی کماتے تھے' اور عصر کے بعد سے تمام وقت روزانہ کئی گھنٹے دمشق کے مشہور مکتبہ ظاہریہ (یعنی قدیم الملک ظاہر کی لائبریری) میں کتب حدیث کے مابین گزارتے تھے' اور اس علمی جلالت شان کے ساتھ انتہائی متواضع اور خلیق ہیں۔ یہ ہیں وہ علامہ جلیل جن کے بارے میں بلیغ الدین صاحب کہتے ہیں کہ "ان غیر معروف کی کتاب کسی گنتی و شمار میں نہیں" میرے گھر تشریف لائیں اور ان کی جو کتابیں صحیح و ضعیف احادیث پر ہیں دیکھیں' جن میں سے ایک کا حوالہ میں نے اپنے سابقہ مضمون میں دیا تھا۔

اسی حدیث (یعنی خلافت تیس سال رہے گی اور اس کے بعد ملوکیت ہو گی) پر اعتراض کرتے ہوئے جو ترمذی' ابو داؤد' مستدرک الحاکم' صحیح ابن حبان' مسند الامام ابن حنبل وغیرہ میں ہے بلیغ الدین صاحب نے صحابی رسول اکرم حضرت سفینہ سے اس کو روایت کرنے والے تابعی سعید بن جمہان کے بارے میں فرمایا کہ۔ "ابن تیمیہ سعید بن جمہان کی حیثیت سے خوب واقف ہیں' یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں" اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "ابن تیمیہ نے اسے رد کیا ہے" یعنی اس حدیث کو۔

سب سے پہلے تو یہ بتایا جائے کہ میں نے تو امام ابن تیمیہ کے ایک مشہور معاصر شارح یعنی شیخ ناصر الدین البانی کی کتاب سے ان کے قول کا حوالہ دیا تھا جس پر آپ نے مجھ کو "دھوکہ دہی" کا الزام دیا ہے' اب آپ کا ابن تیمیہ کے قول کا حوالہ کہاں ہے؟ بتایئے کون دھوکہ دے رہا ہے' آپ کو تو ابن تیمیہ کی تمام کتابوں کے ناموں کا بھی علم نہیں' جب کہ میری ذاتی لائبریری میں ان کی بیشتر اہم کتابیں موجود ہیں' جو سب عربی میں ہیں۔ اب میں عرض کرتا ہوں کہ امام ابن تیمیہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابن تیمیہ جیسا کہ سب جانتے ہیں شام کے رہنے والے تھے' ان کی بیشتر کتابیں جن میں سے بعض اب تک غیر مطبوع ہیں' دمشق کے مشہور کتابخانہ مکتبہ ظاہریہ میں جو جامع اموی کے قریب ہے' موجود ہیں' میں نے اس عظیم کتابخانہ سے جو اپنی قلمی کتابوں کے لئے دنیا میں مشہور ہے دوران تعلیم فائدہ اٹھایا تھا۔ اس کتابخانہ میں امام ابن تیمیہ کے مسودات ہیں' ان میں ایک رسالہ بعنوان "قاعدہ" ہے' جو خاص اس حدیث پر ہے' اور اس کا نمبر ۲/۸۳۵ ہے۔

اس کے شروع میں وہ لکھتے ہیں۔

"وھو حدیث مشھور من روایۃ حماد بن سلمۃ و عبدالوارث بن سعید والعوام ابن حوشب عن سعید بن جمھان عن سفینہ مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ اھل السنۃ کابی داود وغیرہ و اعتمد علیہ الامام احمد وغیرہ فی تقریر خلافۃ الخلفاء الراشدین الاربعۃ وثبتہ احمد و استدل بہ علی من توقف فی خلافۃ علی من اجل افتراق الناس علیہ

(ترجمہ) یہ (یعنی حدیث سفینہ) مشہور حدیث ہے جس کو حماد بن سلمہ' عبدالوارث بن سعید اور العوام بن حوشب نے سعید بن جمہان سے اور انہوں نے سفینہؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام و خادم) سے روایت کیا ہے' اور اس کو اہل السنن (یعنی محدثین) ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے' اور اس کو امام احمد وغیرہ نے چاروں خلفاء راشدین کی خلافت کو ثابت کرنے کے لئے مستند ٹھہرایا ہے' اور امام احمد نے اس کو حدیث ثابت کہا ہے' اور اس سے ان لوگوں کے خلاف استدلال کیا ہے جو سیدنا علیؓ کی خلافت کے بارے لوگوں کے اختلاف کی وجہ سے توقف کرتے ہیں" یعنی ان کی خلافت کو ماننے میں تامل کرتے ہیں) ملاحظہ ہو' الاحادیث الصحیحۃ تالیف الشیخ محمد ناصر الدین البانی' المجلد الاول ص ۷۴۴)

یہاں یہ عرض کر دوں کہ شیخ ناصر البانی جن کی تعریف یا شناخت میں اوپر کرا چکا ہوں' امام ابن تیمیہ کی کتابوں کے حافظ اور ان کی بعض کتابوں کے محقق ہیں' متقی اور نہایت ثقہ ہیں۔

اب بلیغ الدین صاحب بتائیں کہ انہوں نے کہاں امام ابن تیمیہ کا یہ قول پڑھا ہے کہ یہ حدیث جو ابو داؤد' ترمذی' مستدرک الحاکم' صحیح ابن حبان وغیرہ میں آئی ہے' غلط ہے۔

جہاں تک سعید بن جمہان کا تعلق ہے امام ابن تیمیہ نے تو ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا ہے' نہ قاضی ابو بکر بن العربی نے اپنے ایک چھوٹے سے رسالہ "العواصم من القواصم" میں کچھ کہا ہے بلکہ اس کتاب پر طویل حواشی لکھنے والے مرحوم شیخ محب الدین الخطیب کہا ہے' ابو بکر بن العربی نے تو صرف اتنا لکھا ہے۔ وھذا حدیث لا یصح" (یہ حدیث صحیح نہیں ہے) العواصم ۲۰۱ طبع الریاض ۱۹۸۳ء۔ محب الدین الخطیب نے لکھا ہے تاویل کرتے ہوئے' کہ اس حدیث کا راوی سعید بن جمہان ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے' بعض لوگوں نے کہا' وہ ٹھیک ہیں' بعض نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے' ابو حاتم نے کہا ہے کہ "وہ ایک ایسے شیخ ہیں جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا" العواصم' حاشیہ نمبر (۴) اس کے بعد اب قارئین' بلیغ الدین صاحب کا راوی حدیث سفینہؓ' سعید بن جمہان کے بارے میں یہ جملہ یاد کریں۔ "یہ شخص قابل اعتبار ہی نہیں ہے" غلط بیانی کی کوئی حد ہے!

مزید توضیح یہ ہے کہ سعید بن جمہان کو امام احمد' یحییٰ بن معین اور ابو داؤد نے ثقہ قرار دیا ہے۔ جہاں تک اس حدیث سفینہؓ کا تعلق ہے اس کے راوی صرف وہی نہیں' بلکہ یہ دو اور اسناد سے بھی مروی ہے' ایک حضرت ابو بکرہؓ سے' یعنی علی بن زید عن عبدالرحمن بن ابی بکرۃ عن ابیہ" اور دوسری حضرت جابر بن عبداللہ سے' حدثنا محمد بن الصباح حدثنا ھشیم بن بشیر عن ابی الزبیر عنہ' پہلی روایت بیہقی کی "دلائل النبوۃ" میں ہے اور دوسری واحدی کی الوسیط میں۔ اس طرح یہ حدیث صرف حضرت سفینہ سے ہی روایت نہیں ہے' بلکہ دوسرے دو صحابہ سے بھی جن کے سلسلہ اسناد میں سعید بن جمہان شامل نہیں۔ ابو بکر بن العربی کے مقابلہ میں اس حدیث کو (۹) مشہور محدثین نے صحیح کہا ہے' امام احمد' امام ترمذی' ابن جریر طبری' ابن حبان' ابن ابی عاصم' الحاکم' ابن تیمیہ الذھبی ابن حجر العسقلانی۔ چونکہ قاضی ابو بکر بن العربی کی کتاب العواصم من القواصم اردو میں ترجمہ ہو گئی ہے جس میں دلائل و براہین کے بغیر اس حدیث کو ضعیف قرار دیا گیا ہے' اور بلیغ الدین صاحب اور ان کے ہمنوا دوسرے حضرات کا مبلغ علم یہی ہے' اس لئے خطیبانہ انداز میں اپنے مخصوص افکار کو ثابت کرنے کے لئے خلافت سے متعلق اس مشہور حدیث کو غلط کہتے ہیں۔

جن ائمہ کرام کا میں نے ذکر کیا ہے وہ "تاریخ کو مسخ کرنے والے نہیں" "اسلامی تاریخ بنانے والے ہیں اور وہ "مستشرقین کو خوب مواد فراہم کرنے والے" نہیں۔ بلکہ مستشرقین کا دل جلانے والے ہیں۔

اس حدیث میں بنی امیہ کے خلفاء یا ملوک کے لئے "بنو الزرقاء" کے تحقیری لفظ کی بات رہ گئی جو بلیغ الدین صاحب نے اٹھائی ہے' اور کہا ہے کہ "امیر المومنین معاویہؓ اور ان کے بعد خلفاء کو بدنام کرنے کے لئے یہ روایت (وہ ایسا ہی لکھتے ہیں صحیح روایت ہے) گھڑی گئی ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ روایت ترمذی کا یہ ٹکڑا سعید بن جمہان سے روایت کرنے والے راوی حشرج بن

بات کا ہے' جو ایک ضعیف راوی ہے اور وہ صحیح نہیں' اس لئے میں نے امام ابن تیمیہ کے واسطہ سے جو حدیث گزشتہ مضمون میں نقل کی تھی اس میں یہ ٹکڑا نہیں تھا' اور نہ اس کی وجہ سے سعید بن جمہان کو ناقابل اعتبار کہا جا سکتا ہے' اور نہ اصل حدیث سے انکار کیا جا سکتا ہے۔ میں اس ساری بحث کے لئے شیخ ناصر البانی کا شکر گزار ہوں' انہوں نے الاحادیث الصحیحہ (مجلد ۴) میں اس پر ۷ صفحوں میں بحث کی ہے۔ ۴۳۲۔ ۴۳۹ اسے ضرور دیکھا جائے لاجواب ہے۔

اس کے ساتھ اس سلسلہ میں انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی " ازالة الخفاء " کا نام لے کر جو بات ان سے منسوب کی ہے اس کی کوئی قیمت نہیں جب تک وہ پورا حوالہ نہ دیں جس طرح میں نے اپنے سابقہ مضمون میں دیئے تھے اور اب دیئے ہیں' مجھے یقین ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ہرگز وہ نہیں کہا ہو گا جو ان کی طرف بلیغ الدین صاحب نے منسوب کیا ہے' انہوں نے اجماع امت کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کہی ہے' اس کے برخلاف وہ تفہیمات الٰہیہ ج ۲ء اول کی تفہیم نمبر (۶۵) میں تفصیل سے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

و نشهد بالجنة و الخير للعشرة المبشرة و فاطمة و خديجة و عائشة و الحسن و الحسين رضی الله عنهم و نوقرهم و نعترف بعظم محلهم فی الاسلام و كذلك اهل البدر و اهل بيعة الرضوان و ابو بكر الصديق امام حق بعد رسول الله صلی الله عليه وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی الله عنهم ثم تمت الخلافة و بعده ملک عضوض (التفهيمات الالهية' تصحیح غلام مصطفیٰ القاسمی ج ا۔ ص ۲۰۱)

(ترجمہ) اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ جنت اور خیر کے مستحق ہیں' صحابہ عشرہ مبشرہ بالجنت اور فاطمہ اور خدیجہ' حسن' حسین' اور ابو بکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امام حق ہیں (یعنی خلیفہ) پھر عمر' پھر عثمان' پھر علی رضی اللہ عنہم' پھر خلافت ختم ہو گئی۔ اس کے بعد زبردستی کی ملوکیت قائم ہو گئی) کہئے اب کیا کہتے ہیں بلیغ الدین صاحب؟ اور یہ امانت ملی! اپنے خلاف انہیں کا جملہ دہرا دیا ہے۔ اس کے علاوہ جا بجا انہوں نے اپنی اس اہم کتاب میں (جو دو حصوں میں شاہ ولی اللہ اکادمی حیدر آباد سے شائع ہوئی ہے) سیدنا علیؓ کو خلیفہ چہارم کہا ہے' بلکہ ایک جگہ تو لکھا ہے کہ میں عقیدہ تو خلفائے راشدین کے بارے میں اسی ترتیب سے رکھتا ہوں جو اہل سنت والجماعت کا ہے' لیکن دل چاہتا ہے کہ حضرت علیؓ کو افضل سمجھوں۔

اس موقعہ پر سیدنا حسن کے خلافت سے نزول کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے' وہ سب کج بحثی ہے اور اس میں کوئی بات اس حدیث سے متعلق نہیں ہے جو تیس سالہ دور " خلافت علی منہاج النبوة " کے بارے میں ہے' اور اس کے بعد ہی حدیث سفینہ سے متعلق جو بات اکثریت صحابہ کی گنہگاری کی ہے وہ قطعاً غلط ہے' یہ بات ابو بکر بن العربی نے العواصم من القواصم میں بالکل نہیں کہی ہے یہ ان پر ایک بہتان ہے' بلکہ اس کے برعکس یہ کہا ہے۔

و يحتمل ان تكون مراتب فی الولاية خلافة ثم ملك فتكون ولاية الخلافة لاربعة و تكون ولاية الملك لابتداء معاوية۔ (العواصم' مذکورہ ایڈیشن ص ۲۰۷)

(ترجمہ) اس کا احتمال ہے کہ حکومت کے مرحلے ہوں۔ خلافت' پھر ملوکیت' اس لئے خلافت والی حکومت تو چار (خلفائے راشدین) کی ہے' اور ملوکیت والی حکومت معاویہؓ کی ابتداء سے ہے)۔

اب قارئین کے سامنے شاہ ولی اللہ صاحب اور قاضی ابو بکر بن العربی دونوں کی بات انہیں کے الفاظ میں حوالہ کے ساتھ آ گئی' وہ دونوں ہی حضرت معاویہؓ کو خلافت کے بجائے ملوکیت کا علمبردار کہتے ہیں۔ اب بتایا جائے کہ قارئین کو دھوکہ کون دے رہا ہے؟

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر جو بہتان بلیغ الدین صاحب نے باندھا ہے کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر صحابہ کرام کی عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی اور شرپسندوں نے ان کو کوفہ منتقل ہونے پر مجبور کیا' بالکل لغو اور بے بنیاد بات ہے' کسی تاریخ میں یہ نہیں لکھا ہے' بلیغ الدین صاحب حضرت علیؓ سے عداوت اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں' جتنے شواہد ان کے خلاف اس مقالہ میں دیئے گئے ہیں۔ کافی ہیں۔ بس یہاں امام احمد بن حنبلؒ کا اس سلسلہ میں فیصلہ نقل کر کے بات ختم کرتا ہوں۔ جو امام ابن تیمیہ نے اپنی پختہ رائے کے بعد نقل کیا ہے۔

والصحيح الذی عليه الائمة ان عليا رضی الله عنه من الخلفاء الراشدين فزمان علی كان يسمی نفسه امير المومنين۔ والصحابة تسميه بذلك قال الامام احمد بن حنبل من لم يربع بعلی رضی الله فی الخلافة فهو اضل من حمار اهله (فتاوی ابن تیمیہ' مذکورہ ایڈیشن' ج ۴ ص ۴۷۹)۔

(ترجمہ) صحیح بات جس پر آئمہ متفق ہیں وہ یہ ہے کہ علیؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں حضرت علی اپنے سارے زمانہ خلافت میں خود کو امیر المومنین کہتے تھے' اور صحابہ ان کو یہی نام دیتے تھے' امام احمد ابن حنبل نے کہا ہے کہ جو کوئی علیؓ کو چوتھا خلیفہ نہ کہے وہ اپنے گھر کے گدھے سے بھی بدتر ہے)۔

اس کے بعد انہوں نے جو کچھ حضرت سفینہؓ کی حدیث اور ذات سے متعلق لکھا ہے' اس کی کوئی قیمت نہیں رہتی ہے اور نہ وہ در خور اعتنا ہے ہاں یہاں جو حوالہ جنگ جمل و صفین کا دیا گیا ہے' اور اس کے بعد ہی قاضی عیاضؒ کا قول نقل کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کو دین کا خدمت گزار اور متقی قرار دیا ہے' تو ان اوصاف میں حضرت علیؓ کیلئے قاضی عیاض سے برتر صحابہ اور تابعین اور علماء کے اقوال گنائے جا سکتے ہیں' یہ سب جانتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی دین کیلئے خدمت بہت دیر میں یعنی ۸ھ میں شروع ہوئی جب وہ اسلام لائے جہاں تک جنگ صفین کا تعلق ہے تو اس کے بارہ میں انتہائی ثقہ محدث' مفسر اور مورخ کا قول ان کی تاریخ البداية والنهاية میں دیکھا جا سکتا ہے جس میں انہوں نے اس جنگ پر کافی کچھ لکھنے کے بعد فیصلہ دیا ہے کہ " و كان علی مصيبا فيها (یعنی اس میں حضرت علیؓ حق پر تھے)۔

جہاں تک حدیث سفینہ کا (جو تیس سالہ خلافت اور اس کے بعد ملوکیت کے بارے میں ہے) تعلق ہے اور اس کو بلیغ الدین صاحب ترمذی کے حوالہ سے حسن صحیح (اچھی اور صحیح) لکھا ہے تو اس کے بعد تو کوئی مسئلہ نہیں رہتا' کیونکہ ایسی تمام احادیث معتبر سمجھی جاتی ہیں' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ امام ترمذی کی اصول حدیث سے متعلق مصطلحات کو نہیں جانتے ہیں' یہ کوئی تفریق نہیں بلکہ انہوں نے تو حدیث کو "حسن" کہنے کے بعد کہہ کر اس کی مزید توثیق کر دی ہے' مصطلحات علم اصول حدیث سمجھنے کیلئے بلیغ الدین صاحب کو کوئی معتبر اور مستند کتاب پڑھنا چاہئے جیسے "مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث" جو اس باب میں بہت اہم قدیم کتاب سمجھی جاتی ہے' یا نخبة الفکر"

حافظ ابو عمرو عثمان المشهور بابن الصلاح متوفی ۶۴۲ھ اپنی مذکورہ کتاب کے باب' "النوع الثانی۔ معرفة الحسن من الحديث" میں کہتے ہیں۔ یعنی۔ حسن وہ ہے جس کی اصل معلوم ہو اور اس کے رجال یعنی رواۃ مشہور ہوں " یہ سنن ابی داؤد کے مشہور شارح محدث خطابی کا قول ہے' اس کے بعد وہ خود امام ترمذی کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ "ان کے نزدیک حدیث حسن وہ ہے جس کے سلسلہ روایت میں کوئی ایسا آدمی نہیں جس کو جھوٹا کہا جاتا ہو' اور نہ وہ حدیث شاذ (یعنی منفرد) ہو بلکہ دوسرے سلسلہ روایت سے بھی اس کو بیان کیا گیا ہو" مقدمہ ابن الصلاح' بیروت ۱۹۷۸ء' صفحہ ۱۵)

اسی حدیث زیر بحث پر تنقید کرتے ہوئے انہوں نے اس حدیث کا ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم میں بارہ خلفاء کے بارے میں ہے' اور جسکو انہوں نے مرحوم سید سلیمان ندوی کے حوالہ سے اشارۃً ذکر کیا ہے' اور ان کی عبارت کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے یہ بڑا اہم مسئلہ ہے اور اس پر سید صاحب مرحوم نے مختلف عنوانات کے تحت دارالاشاعت ایڈیشن ۱۹۸۵ء صفحہ کے ۳۸۸ سے صفحہ ۳۹۲ تک بحث کی ہے' جو پڑھنے کے قابل ہے اور اس میں سے بلیغ الدین صاحب نے صرف اپنے مطلب کی بات نقل کی ہے' یا اس کے بالکل برعکس بات ان سے منسوب کی ہے' اس میں مندرجہ ذیل نقاط قابل غور ہیں۔

۱۔ حافظ عیسیٰ یعنی امام ترمذی کی طرف بارہ خلفاء کے ناموں کا سید صاحب نے ذکر نہیں کیا ہے اور ترمذی میں بارہ خلفاء کی حیثیت کو " غریب " بھی کہا گیا ہے۔

۲۔ یہاں انہوں نے قاضی عیاض کی اس حدیث کا وہ مطلب نہیں لکھا جو سید صاحب مرحوم نے ذکر کیا ہے جو یہ ہے۔ " قاضی عیاض اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں کے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے۔ "

۳۔ مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے حافظ ابن حجر کی بارہ خلفاء کے ناموں کی فہرست براہ راست ان کی کتاب فتح الباری فی شرح البخاری سے نہیں دی ہے' سیوطی کی مختصر کتاب تاریخ الخلفاء کے مقدمہ سے دی ہے۔

۴۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بارہ خلفاء کی فہرست میں کے ایک خلیفہ یعنی یزید بن معاویہؓ کی خلافت کے بارہ میں وہ اس ایڈیشن کے صفحہ ۳۹۲ پر ایک ذیلی عنوان۔ "یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر کے تحت لکھتے ہیں"

"امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا' اور یہی اسلام کے سیاسی' مذہبی' اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولین شب ہے' حضرت ابو ہریرہ سے

متعدد روایتیں ہیں' مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ ٦٠ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو۔ "

اس کی تائید میں سید سلیمان ندوی مرحوم نے مسند کی ایک حدیث نقل کی ہے' اور ایک دوسری اسی موضوع کی حاکم کی کتاب المستدرک سے نقل کی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے ابو ہریرہ کی یہ دعا کہ اے اللہ! مجھے اس وقت سے پہلے دنیا سے اٹھالے' قبول فرمائی اور ٥٤ھ میں ان کی وفات ہو گئی یہاں حافظ ابن حجر کی کتاب (فتح الباری ج ١٣ ص ١٠) سے اس کی تائید میں ابن ابی شیبہ کی ایک اور روایت کا اضافہ کرتا ہوں جو یہ ہے کہ۔ "اے اللہ مجھے ٦٠ھ سے پہلے اس دنیا سے اٹھالے اور مجھ کم عمر نوجوانوں کی حکومت دیکھنا نہ پڑے' اور ایسا ہی ہوا کہ یزید بن معاویہؓ کی خلافت ہوئی' جو ٦٤ھ میں دنیا سے چل بسا۔ "

اب بلیغ الدین صاحب اس تضاد کو ملاحظہ فرمائیں کہ جس یزید کو وہ ان بارہ خلفاء میں سے سمجھتے ہیں کہ جن کے عہد میں "اسلامی حکومت اچھی رہے گی" اس کے بارہ میں خود علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے تفصیل سے کیا لکھا ہے' جو قارئین نے پڑھ لیا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بلیغ الدین صاحب مصنف مرحوم کی بیان کردہ ان متضاد روایات کو بیان کرنے کے بعد عقلی اور نقلی (یعنی روایتی) استدلال سے اس تضاد کو دور کر کے اپنا نقطہ نظر ثابت کرتے' مگر انہوں نے ایسا کرنے کے بجائے سید سلیمان ندوی کا صرف ایک قول یا ان کی بیان کردہ صرف ایک روایت نقل کردی' اور یزید کی حکومت کے بارے میں اپنا ——— نقطہ نظر جو ان بارہ خلفاء میں سے ایک ہے' ذکر نہیں کیا' کیا اسکو علمی دیانت کہتے ہیں؟

علمی تحقیق کا جو تقاضہ ہے' اس کے تحت میں نے مرحوم مولانا سید سلیمان ندوی کا حوالہ یعنی سیوطی کا اپنی کتاب "تاریخ الخلفاء" کا مقدمہ دیکھا' مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مرحوم نے حافظ ابن حجر کی صرف ایک روایت اس "مقدمہ" سے درج کی ہے' سیوطی نے اس روایت کے بعد ابن حجر ہی کی ایک دوسری روایت نقل کی ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے' اور جس سے وہ تعارض و تضاد دور ہو جاتا ہے جو اس موضوع پر بعض علماء کے یہاں پایا جاتا ہے' اور جو درج ذیل ہے۔

"اور کہا گیا ہے کہ بارہ خلفاء سے مراد وہ خلفاء ہیں جو پوری مدت اسلام میں قیامت تک ہوں گے' اگرچہ یہ تسلسل کے ساتھ نہ ہوں' اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو محدث مسدد نے اپنی "مسند کبیر" میں ابی الخلد سے روایت کی ہے کہ۔ یہ امت اس وقت تک ہلاک نہیں ہوگی جب تک اس میں بارہ خلیفہ نہ ہو جائیں' اور جو سب ہدایت الٰہی اور دین حق پر عمل پیرا ہوں گے' ان میں سے دو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہوں گے" (تاریخ الخلفاء | طبعة رابعة' ١٩٦٩ء' ص ١٢)

اور اس کے بعد اس بارہ خلفاء کے موضوع پر تفصیلی بحث کے بعد اپنی رائے میں جن کو بارہ خلیفہ قرار دیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔ "چاروں خلفائے راشدین" (یعنی ابو بکرؓ' عمرؓ' عثمانؓ' علیؓ) ٥۔ حسنؓ ٦ معاویہؓ ٧۔ ابن الزبیرؓ ٨۔ عمر بن عبدالعزیزؒ یہ آٹھ ہیں' ان کے ساتھ خلفائے بنی عباس میں سے "المهتدی" کے نام کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے' کیونکہ وہ بنی امیہ کے عمر بن عبدالعزیز کی طرح تھے' دو باقی رہ گئے' جن میں سے ایک مہدی منتظر ہیں جو آل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہوں گے۔ " (تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ١٢)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ امام سیوطی کی اس فہرست خلفاء میں امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے علاوہ کسی اموی خلیفہ کا نام نہیں ہے' مگر ان سے گنتی میں سہو ہوا ہے' ان کی تفصیل کے مطابق یہ صرف گیارہ خلفاء بنتے ہیں' غالباً وہ اس میں عبدالملک بن مروان کا نام بھول گئے جو امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے درمیان سب سے بہتر خلیفہ سمجھا گیا ہے' اس نے مدینہ منورہ میں تربیت پائی تھی اور اس کا شمار مدینہ کے عبادت گزار وسیع العلم' فقہاء میں ہوتا ہے' بعض نے اس کو خلافت سے قبل مدینہ منورہ کے فقہاء میں سعید بن المسیب اور عروۃ بن الزبیر وغیرہ تابعین کے ساتھ شمار کیا ہے۔

یہاں یہ اشارہ کرنا ضروری ہے کہ قارئین جناب بلیغ الدین صاحب کی فراہم کردہ بارہ خلفاء کی فہرست پر غور سے نظر ڈالیں تو اس میں ان کو صرف گیارہ خلفاء نظر آئیں گے' بارھویں اہم خلیفہ عمر بن عبدالعزیز وہ کو بھول گئے جن کو بہت سے علماء پانچواں خلیفہ راشد سمجھتے ہیں (اور میں بھی ان کو سو فیصد سیدنا عمرؓ کی روش تقویٰ' زہد' عدل و احسان اور انابت الی اللہ کی وجہ سے ایسا ہی سمجھتا ہوں) 'جو حدیث نبوی۔ "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین" کے عین مطابق ہے' اور المهتدی عباسی کے بارہ میں جو کچھ امام سیوطی لکھا ہے وہ بالکل صحیح ہے' وہ تقویٰ' زہد' خشیت خداوندی' اور حکمرانی کے صحیح اسلامی احساس ذمہ داری کے سبب عمر بن عبدالعزیز کے نقش قدم پر تھا' اور اسی لئے شہید کر دیا گیا' جس طرح عمر بن عبدالعزیز کو یزید بن عبدالملک نے اموی خاندان پر شدت اور لوٹ کھسوٹ کی گزشتہ شاہی روش کو بند کرنے کی وجہ سے زہر دے کر شہید کرا دیا تھا اس یزید بن عبدالملک یا یزید ثانی کے ظلم اور عیش پسندی ——— سے تمام قدیم عربی تواریخ کے صفحات پر ہیں' وہ ہی تواریخ جن میں عبدالملک' عمر بن عبدالعزیز' ولید اور سلیمان بن عبدالملک کی کافی تعریف کی گئی ہے۔

اور پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس بارہ خلفاء والی صحیح مسلم کی حدیث میں نہ تو اموی خلفاء کی تصریح ہے اور نہ یہ کہ یہ سب خلفاء تسلسل کے ساتھ ہوں گے' اس موضوع پر جو دیگر احادیث امام سیوطی نے اپنی مذکورہ کتاب تاریخ الخلفاء کے صفحہ (١٠) پر ذکر کی ہیں اس میں سے بعض احادیث میں ہے کہ یہ سب قریش میں سے ہوں گے' تو اس میں خلفاء بنی عباس بھی آتے ہیں اور خلفاء راشدین و امیر معاویہؓ اور عمر بن عبدالعزیز کے بعد اموی اور عباسی خلفاء (جن کا اصطلاحاً ہی نام لیا جاتا ہے) میں سے ایسے نام گنائے جا سکتے ہیں جو اپنے کردار و سیرت کی وجہ سے اس حدیث کے مصداق ہوتے ہیں' بلکہ خود امام مسلم کی زیر بحث قصے میں ان بارہ خلفاء کے بارے میں "الائمة من قریش" (خلفاء سب قبیلہ قریش سے ہوں گے) کے الفاظ موجود ہیں اس کی تشریح میں ناصر الدین البانی نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ یہ حدیث ایک دوسری حدیث "الائمة من قریش" (یعنی امام یا خلفاء قریش میں سے ہوں گے) کی طرح ایک حکم نبوی کی حیثیت رکھتی ہے' صرف ایک خبر نہیں' یعنی ایسا ہونا چاہئے۔

صفحات کی تنگ دامانی اجازت نہیں دیتی کہ مزید کچھ لکھوں۔

کماں میر کہ بپایاں رسید کار مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است

مضمون کے آخر میں ایک انتہائی اہم جملہ بلیغ الدین صاحب نے لکھا ہے جس سے ان کے میرے بارہ میں سوء ظن اور حقیقت حال کا اندازہ ہو' ان کے الفاظ ہیں۔ "رضوان علی صاحب کا رویہ گمراہ کن ہے .... انکا مسلک رکھنے والوں نے جو چارٹ چھاپے ہیں ان پر وہ ترجہ کریں ...." اس دل شکن الزام کا کیا جواب دوں قارئین یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد میرے رویہ کے بارہ میں فیصلہ کر سکتے ہیں کہ میرا رویہ گمراہ کن ہے یا وہ ہے جس پر تمام اہل سنت والجماعت ساری دنیائے اسلام میں عقیدہ رکھتے ہیں۔ جن ائمہ کرام اور محدثین عظام کے اقوال کی روشنی میں نے اپنا سابقہ تصحیحی مضمون لکھا تھا' اگر ان کا رویہ گمراہ کن تھا تو میرا رویہ بھی گمراہ کن کہلائے گا "امام بخاری ابن سعد' ابن ہشام' امام ابن تیمیہ' ابن کثیر' حافظ ابن حجر العسقلانی' امام سیوطی' شاہ ولی اللہ صاحب محدث کبیر شیخ ناصر الدین البانی سلفی' استاذ مکرم مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی الندوی' الشہید الاستاذ سید قطب' مرحوم محدث شاہ حلیم عطا ندوی وغیرہ جن کی کتابوں سے میں نے بہت بہت کچھ سیکھا ہے' اور اگر حجاز' شام اور مصر کے میرے اپنے اساتذہ کبار' مرحوم ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی' مرحوم استاذ محمد المبارک' الاستاذ العلامہ شیخ مصطفیٰ الزرقاء' ڈاکٹر محمد معروف الدوالیبی' ڈاکٹر زکی شعبان السید علوی مالکی' الشیخ حسن مشاط' الشیخ عبدالرزاق حمزہ (مکہ مکرمہ) رحمہم اللہ جمیعاً مفسر قرآن الشیخ محمد امین شنقیطی' محدث مدینہ الشیخ عبدالرحمن افریقی (مدینہ منورہ) یہ سب گمراہی کے رویہ پر تھے تو میرے رویہ کو بھی گمراہ کن کہا جا سکتا ہے۔

اور جہاں تک مسلک کا تعلق ہے' نہ معلوم کس خفیہ ایجنسی سے مضمون نگار صاحب نے میرے مسلک کا پتہ چلا لیا' جس سے انکا مطلب شیعہ مسلک ہے' بہرحال اس کا فیصلہ تو اس خدائے ذوالجلال کے سامنے روز حساب ہو گا جن نے ہدایت فرمائی ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیراً من الظن ان بعض الظن اثم .... سورۂ الحجرات' (اے اہل ایمان بہت گمان کرنے سے بچو' کیونکہ یقیناً بعض گمان گناہ ہیں) 'اور میں اپنے پروردگار سے جس کے حرم میں کتنے ہی سال میں نے گزارے ہیں روز محشر کہوں گا کہ اپنے اس بندہ سے میرے خلاف بدگمانی و اتہام کا حساب لے۔

ہرچند کہ میں پاکستان میں غیر معروف ہوں مگر ایسا بھی نہیں' میرا محدود حلقہ احباب کراچی یونیورسٹی میں اور اس سے باہر بھی ہے' جس میں سے بعض کو بلیغ الدین صاحب بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں' جیسے اسمٰعیل احمد مینائی صاحب' انعام اللہ خاں صاحب' ڈاکٹر ریاض الاسلام صاحب' خالد اسحٰق صاحب' مولانا ظفر احمد انصاری صاحب' مولانا تقی عثمانی' وغیرہ' اور پھر خود مدیر تکبیر برادر مکرم محمد صلاح الدین صاحب اگر ان میں سے کسی کو ٹیلیفون کر کے وہ پوچھ لیتے کہ "یہ تکبیر" میں مضمون لکھنے والا انسان کون ہے' تو ان کو میرے مسلک کا پتہ بآسانی چل

جاتا۔ انہوں نے جس انداز سے میں تو کیا عربی دنیا کے مشہور ترین 'متقی اور سعی محدث شیخ محمد ناصر الدین البانی کیلئے تحریر آمیز الفاظ استعمال کیئے ہیں' اس پر تو مجھے کہنا پڑا کہ ۔

کبر نبا ۔ ہے لتہ خالق کیا کیلئے

میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ طویل عرصہ تک میں عرب ممالک اور انگلستان میں رہ چکا ہوں' مجھے پاکستان کی فرقہ بندیوں کا کوئی خاص علم نہیں اب ایک دو سال سے کچھ کچھ معلوم ہو رہا ہے اور نہ میں نے شیعہ مسلک رکھنے والوں کا کوئی "شجرہ اہل بیت" کہیں دیکھا ہے' ہاں چند ماہ قبل ایک مرتبہ "جنگ" میں دو شیعہ علماء کا جن میں سے ایک صاحب جو پروفیسر کہلاتے ہیں (پاکستان میں یہ لقب بہت پست ہو گیا ہے' ورنہ یورپ و امریکا اور عرب ممالک میں تو صرف یونیورسٹیوں کے اعلیٰ اساتذہ کیلئے ہی یہ لقب استعمال ہوتا ہے) یہ مختصر بیہودہ انکشاف پڑھا تھا کہ سیدہ زینبؓ سیدہ رقیہؓ سیدہ ام کلثومؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادیاں نہیں تھیں' بلکہ سیدہ خدیجہؓ کی اپنے پہلے شوہر سے تھیں' اس جاہلانہ و ظالمانہ بیان پر بہت تاؤ آیا تھا اور جنگ میں لکھنا چاہتا ہے' مگر اس اخبار کے بعض مخصوص ذہنیت کے مدیران میرے مضامین چھاپتے نہیں ہیں میں نے "تکبیر" میں لکھنا چاہا' مگر اسی دوران کسی صحیح العقیدہ صاحب کا مضمون اس بیان کے رد میں تکبیر میں چھپ گیا۔ اور فرض کفایہ پورا ہو گیا' اس وقت میں نے شاہ بلیغ الدین کا کوئی رد عمل اس صریحی گمراہ رویہ پر "جنگ" میں نہیں دیکھا' وہ تو مشہور آدمی ہیں ان کی تنقید و تصحیح تو غالباً اس اخبار کے ذمہ دار حضرات چھاپنے سے انکار نہیں کرتے۔

مجھ جانے والے پاکستانی بزرگ واحباب جانتے ہیں کہ میں برسوں ایسے ممالک میں رہا ہوں جہاں اس خاص مسلک کے ماننے والے نظر ہی نہیں آتے جن سے "شجرہ خاندان نبوت" کی طرف بلیغ الدین صاحب نے اشارہ کیا ہے' یعنی شام' لیبیا' حجاز و نجد (سعودی عرب)' جہاں یہ پتہ چلتا ہی نہیں کہ وہ ماہ محرم کب آیا جو پاکستان میں آتا ہے' ہاں یہ بہت نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس ماہ میں مسلمانوں کا نیا سال شروع ہو گیا ہے' سو مجھے کسی ایسے غلط اور گمراہ کن شجرۂ خاندان نبوت کا قطعی علم نہیں اور یقیناً وہ باطل ہے' اگر اس میں سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحب زادیوں اور حضرات حسنینؓ کے علاوہ آپ کے دوسرے نواسوں اور نواسی کا ذکر نہیں جو ثقہ مورخین و محدثین کے بیانات کے مطابق بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ (جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی) اور سیدنا علیؓ کے علاوہ آپ کے دوسرے داماد وں کا تذکرہ نہیں جن میں سے ایک ذی النورین کے لقب کے حامل ہیں' تو ایسا شجرہ یا چارٹ یقیناً باطل اور فرقہ وارانہ تعصب پر مبنی ہے' قدیم عرب شیعہ مورخین یعقوبی' مسعودی وغیرہ بھی ایسا نہیں کہتے۔

لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس "مخصوص فرقہ" سے عناد کی وجہ سے ہم ان اہل بیت نبوت کی تنقیص کریں۔ جن کی فضیلت بکثرت اور بتواتر صحیح احادیث نبوی میں آئی ہے اور جن پر قرآن کریم بھی شاہد ہے' تاریخ کو اگر ایک گروہ مسخ کرتا ہے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہم ایک دوسری انتہا پر پہنچ کر ضد و عصبیت میں کسی اور انداز سے اس کو مسخ کریں۔ کیونکہ ارشاد خداوندی ہے۔

یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی ..... سورۃ المائدۃ ۸ (ترجمہ۔ اے ایمان والے والو' اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے ہو کسی گروہ کی دشمنی تم کو اس طرف مائل نہ کر دے کہ تم انصاف کی بات نہ کرو' انصاف کرو' کہ یہی خدا ترسی کے قریب تر بات ہے۔)

اب سب سے آخر میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس ساری علمی بحث و تمحیص کا عام مسلمانوں کو کیا فائدہ ہے' اس کو میں ایک بہت واضح حقیقت سے ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں جو یہ ہے کہ وہ مخصوص گروہ جسکو شاہ بلیغ الدین صاحب "سبائی" کے نام سے یاد کرتے ہیں اپنی مجالس میں صرف (اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی آل محمد) کہتے ہیں جبکہ تمام اہل سنت والجماعت مسلمان ساری دنیا میں درود شریف میں کہتے ہیں (اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی الہ و صحبہ وسلم) یہ کہتے ہوئے وہ لفظ "آل" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اولاد و اسباط (نواسے نواسیاں) خاندان نبوت کے مسلمان افراد یعنی چچاؤں' پھوپیوں اور ان کی اولاد کو شامل سمجھتے ہیں' اور اسی لئے آل "محمد" کے ساتھ ساتھ اس درود شریف یا صحیح الفاظ میں صلوٰۃ و سلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کرام علیحدہ سے شامل کرتے ہیں' جن کے مختلف درجات اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب یعنی قرآن کریم میں اور رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے احادیث صحیحہ میں بیان فرما دیئے ہیں' اور عربی کی کہاوت ہے کہ "و آتوا کل ذی حق حقہ (یعنی ہر صاحب حق کو اس کا حق دو) اور میں نے اس پر سلف صالحین کے عقیدہ کے مطابق عمل کیا ہے۔ اسی لئے میں نے اپنے سابقہ مضمون میں اہل بیت اور آل' اولاد کی اس تقسیم کا ذکر کیا تھا' جس کے لئے قرآن کریم سے کوئی دلیل نہ ہو احادیث رسولؐ سے۔

بلکہ میں نے اس تقسیم کی مخالفت کرتے ہوئے جناب بلیغ الدین صاحب کے مضمون کے آخری الفاظ پڑھ کر معلوم ہوا' "آل محمدؐ" کے وسیع تر مفہوم کا ذکر بھی قرآنی شواہد سے کر دیا تھا' یعنی تمام امت محمدیہ' کیونکہ وہ درود شریف جس کو ہم نماز میں پڑھتے ہیں' اس سے یہی "حق" مراد ہیں' ورنہ اگر ہم اسکو اس محدود معنی میں لیں جو اس "چارٹ" میں ذکر کیئے گئے ہیں تو اس سے صحابہ کرام پر بڑا ظلم ہو گا' اور ہم نادانستہ اس گروہ کے ہمنوا ہو جائیں گے جو "آل محمدؐ" سے صرف آپ کی اولاد و اسباط مراد لیتا ہے۔

میں مدیر تکبیر سے معذرت خواہ ہوں کہ میرا مضمون جو حسب عادت ایک تحقیقی مقالہ کی شکل اختیار کر گیا بہت طویل ہو گیا ہے' میں ان کی وسعت قلبی اور حق پرستی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھ کو اس کا موقع دیا' ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں کہ اس کا محرک نہ تو کوئی عصبیت ہے اور نہ اظہار علمیت' بلکہ صرف احقاق حق ہے۔ "ان فی ذلک لذکری لمن کان لہ قلب او القی السمع و ھو شھید" (سورۃ ق ۳۷) (ترجمہ۔ اس میں ہر اس شخص کیلئے خیر خواہی ہے جس کے پہلو میں دل ہے اور جو پوری توجہ سے بات سنے) و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ()

شہادت حسینؓ — صفحہ نمبر ۸۷ کا باقی حصہ

"حضرت معاویہؓ کے مخالفانہ طرز عمل نے حضرت حسنؓ کو دوراہے پر لا کھڑا کیا۔ ایک راہ یہ بھی تھی کہ وہ خلافت علیٰ منہاج نبوت کا دفاع کرتے اور حضرت معاویہؓ کو طاقت کے زور پر مجبور کرتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو انہیں ہر لحاظ سے ایسا کرنے کا حق حاصل تھا۔ دوسری راہ یہ تھی کہ اگر وہ خلافت کے ادارہ کو بچانے پر قادر نہیں تو کم از کم مسلمانوں کو خانہ جنگی کے فتنہ سے بچالیں۔ اپنے حمایتیوں کے اختلاف اور مخالفت کے باوجود حضرت حسنؓ نے اس دوسری راہ کا انتخاب کیا۔ ان کی اس امن پسندی سے مسلمان خانہ جنگی کے عذاب سے تو بچ گئے، مگر انہیں خلافت علیٰ منہاج نبوت کے انہدام کا صدمہ بہر حال برداشت کرنا پڑا۔ حضرت حسنؓ کے بارے میں بھی تاریخ کے طالب علم کا یہ سوال اپنی جگہ پر برقرار ہے کہ ان پر خلافت علیٰ منہاج نبوت کے ادارہ کے تحفظ اور دفاع کی جو ذمہ داری عائد ہوئی تھی وہ انہوں نے کیوں پوری نہیں کی، حالانکہ اس مقصد کے لئے ان کے پاس طاقت اور وسائل کی بھی کمی نہ تھی۔ حضرت حسنؓ کی "امن پسندی" یا ان کی "غیر سیاسی" حکمت عملی نے امت سے بڑی قیمت وصول کی۔ امت کو خلافت علیٰ منہاج نبوت کا سانحہ گوارا کرنا پڑا۔ اس حکمت عملی کے نتائج بھی مسلمانوں کے حق میں مفید بر آمد نہ ہوئے۔ چند ہی سال بعد حضرت حسینؓ اور اہل حجاز کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔"

حضرت عثمانؓ اور حضرت حسنؓ کے خلاف اس تنقید کے جواب میں صرف اتنا دریافت کرنا چاہتی ہوں کہ اگر بقول آپ کے ان دونوں حضرات نے ادارۂ خلافت کا تحفظ نہ کر کے، بلکہ اس سے لوگوں کو روک کر جو گناہ عظیم کیا تو سوال یہ ہے کہ اس دور کے صحابہ کرامؓ نے جن میں حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ بھی شامل ہیں ان دونوں حضرات کو اس گناہ عظیم سے باز رکھنے کی پوری کوشش کیوں نہ کی اور ان کے اس غلط رویہ کو کیوں برداشت کیا؟ جبکہ ان کے سامنے قرآن مجید کا یہ ارشاد موجود تھا کہ معصیت میں کسی کی تابعداری جائز نہیں اور حضور اکرمؐ کی سنت بھی موجود تھی کہ عہد نبویؐ میں ایک امیر جماعت نے اپنے ساتھیوں کو آگ میں گودنے کا حکم دیا اور اگرچہ اطاعت امیر کے تحت لازمی قرار دیا، مگر ان کے ماتحت صحابہؓ نے

باقی صفحہ نمبر ۱۴۱ پر

خانوادۂ نبویؐ میں کون شامل ہے کون نہیں؟

ڈاکٹر رضوان علی ندوی کے جواب میں شاہ بلیغ الدّین کی تحریر

تکبیر کے ۲۸ دسمبر ۸۹ء کے شمارے میں "خانوادۂ نبوت- حضورؐ کے اہلبیت میں کون شامل ہیں، کون نہیں" کے زیر عنوان ایک اہم موضوع پر شاہ بلیغ الدین اور ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی کی ایک عالمانہ بحث شائع ہوئی تھی- اس کا آغاز تکبیر ہی میں شائع شدہ ایک چارٹ سے ہوا تھا، جس پر ڈاکٹر رضوان علی صاحب نے کچھ اعتراضات اٹھائے، شاہ بلیغ الدین نے چارٹ میں دیئے گئے شجرے کی مدافعت کی اور ان اعتراضات پر ڈاکٹر صاحب کی گرفت کی- ہم نے بحث کی طوالت سے بچنے کے لئے شاہ بلیغ الدین کا مضمون اشاعت سے قبل ڈاکٹر رضوان علی صاحب کو بھیج دیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس پر اپنا تبصرہ ہمیں بھیج دیں، تاکہ دونوں تحریریں ایک ساتھ شائع ہو جائیں اور ہم یہ باب بند کر دیں- تکبیر کوئی مذہبی جریدہ نہیں، نیوز میگزین ہے اور تازہ ترین حالات و واقعات کی رپورٹنگ اور ان پر اداریئے، تبصرے اور تجزیئے وغیرہ میں پھنسا رہتا ہے- وہاں بحثوں کا متحمل نہیں ہو سکتا- ان دونوں مضامین کی اشاعت کے وقت ہم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ "شاہ بلیغ الدین صاحب اور ڈاکٹر رضوان علی صاحب کو ایک موقع اور دیں گے تاکہ وہ نہایت اختصار کے ساتھ اپنا موقف قارئین تکبیر کے سامنے پیش کر دیں" ان کے مضامین موصول ہونے کے بعد انہیں پھر یکجا شائع کر دیا جائے گا-

اب شاہ بلیغ الدین صاحب نے "شرطِ اختصار" کو نظر انداز کر کے اپنا طویل مضمون ہمیں اشاعت کے لئے ارسال کیا ہے اور ان کی شرط یہ ہے کہ پہلے میرا مضمون شائع کیجئے- پھر رضوان علی صاحب کو اس پر تبصرہ کا موقع دیجئے- یہ بند دروازہ دوبارہ کھولنا اور سلسلۂ بحث جاری رکھنے کی صورت ہے جو ہمارے لئے بوجوہ قابلِ عمل نہیں، تاہم شاہ بلیغ الدین صاحب کا اصرار اور اپنے وعدے کی تکمیل کے پیش نظر ہم شاہ صاحب کا مضمون قدرے اختصار اور ان کی نظرثانی و منظوری کے بعد شائع کر رہے ہیں- ڈاکٹر رضوان صاحب اگرچہ کوئی جواب دینے کا ارادہ نہیں رکھتے لیکن اس مضمون کی اشاعت کے بعد انہوں نے کسی وضاحت کی ضرورت محسوس کی تو ہم اپنے وعدے کے مطابق اسے بھی شائع کرنے کے پابند ہیں، ہماری درخواست یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے پر قائم رہیں اور ہمیں اس بحث کو بند کرنے میں مدد دیں- ہمارے قارئین صدیوں سے چھڑی بحثوں کی بجائے ہم سے تازہ ترین ملکی و بین الاقوامی واقعات کی تفصیلات اور ان پر رائے عامہ کی رہنمائی کرنے والے تجزیاتی مضامین کی توقع رکھتے ہیں - یہ بحث اہم ہے مگر تکبیر اس کا مناسب فورم نہیں اس لئے ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اس میں دوسرے حضرات کی شرکت سے ہم پہلے ہی معذرت کر چکے ہیں (مدیر)

بحث کے پس منظر کے لئے تکبیر کے تین شمارے پیش نظر رکھیئے - (۱) ۲۸ ستمبر ۸۹ء جس میں تحریک انسداد غیر اسلامی مطبوعات و لٹریچر پاکستان کی طرف سے اہل بیت نبویؐ کا چارٹ چھپا ہے - (۲) نومبر ۸۹ میں خانوادہ نبوتؐ سے متعلق ایک طغرے میں تاریخی اغلاط- (مضمون رضوان علی صاحب) (۳) ۲۸ دسمبر ۸۹ء جس میں میرا تنقیدی مضمون اور رضوان علی صاحب کا جواب شائع ہوا ہے-

رضوان علی صاحب کا جواب بہت طویل ہے جس پر صلاح الدین صاحب نے بھی احتجاج کیا ہے - تعلی طوالت اور غیر ضروری مباحث سے قطع نظر اصل موضوع سے متعلق میرا موقف حسب ذیل ہے-

پہلا مغالطہ

سب سے پہلے میرے مضمون کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے جو آیۂ تطہیر سے متعلق ہے- "زید ابن ارقم کی روایت ہو یا کوئی اور- ان روایات میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس میں صرف ایک بیٹی ایک داماد اور ان کے دو صاحبزادے کیوں شامل ہیں؟ آخر حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں حضرت ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ بھی تو شامل تھیں-" رضوان علی صاحب کا جواب یہ ہے- "یہاں بلیغ الدین صاحب نے جو اعتراضات اس حدیث پر اٹھائے ہیں اسکا جواب یہ ہے کہ اس آیت (تطہیر) کے نزول کا زمانہ ۵ ہجری نہیں بلکہ ۹ھ ہے (فتح الباری ج ۸ ص ۵۲۲) اس وقت سیدہ زینبؓ اور سیدہ ام کلثومؓ وفات پا چکی تھیں" جب اس اعتراض کا جواب ان سے نہ بن پڑا تو انہوں نے ناموں کی مناسبت سے بات بدل دی- حضرت فاطمہ کی صاحبزادیوں حضرت ام کلثوم کی وفات ۴۹ھ میں ہوئی اور حضرت زینب کی وفات ۶۲ھ میں ہوئی (زینب کبریٰ ص ۱۲۲ جعفر واقدی) عام قاری کو متاثر کرنے کے لئے سیاق و سباق کو توڑ کر فتح الباری کا حوالہ دیدیا- زمانہ نزول میں بھی اختلاف ہے- میں ایک آسان حوالے پر اکتفا کرونگا- تفہیم القرآن میں سورہ احزاب کے زمانہ نزول کے بارے میں مودودی صاحب ۵ھ کو فوقیت دیتے ہیں- رضوان علی صاحبؒ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اگر یہاں یہ الجھن نہ ڈالدی گئی تو پھر سوال یہ پیدا ہو گا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینبؓ اور ابوالعاصؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت عثمانؓ کو بھی چادر میں کیوں نہ ڈھانپا، دونوں اعتراضات کا جواب کوئی نہیں؟

دوسرا مغالطہ

تکبیر کے ص ۵۳ پر رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ "حدیث نمبر ۹۵۳ کا جو اہم ٹکڑا ہے اسکو موصوف (شاہ بلیغ الدین) نے کمال ہوشیاری سے حذف کر دیا ہے اور اسکے بعد کہتے ہیں کہ ترجیح یہاں بھی کوئی نہیں" پوری حدیث یہ ہے کہ "سیدہ فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں جس نے ان کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا- اب بتایا جائے کہ اس میں کوئی ترجیح نہیں!" یہاں صرف اس حدیث کا روئے سخن کس کی طرف ہے- یہ معلوم ہو جائے تو رضوان علی صاحب کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے- حضرت فاطمہؓ کو کس نے ناراض کیا؟ صحیح بخاری میں دامادوں سے متعلق جو باب ہے اس میں لکھا ہے کہ---- فاطمہؓ میرا ایک ٹکڑا ہے- اسکو جو بات بری لگے اسے میں ناپسند کرتا ہوں اللہ کی قسم یہ تو ہونے والا نہیں کہ اللہ کے رسولؐ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن (ابو جہل) کی بیٹی دونوں ایک شخص کے نکاح میں رہیں"- قارئین خود یہاں فیصلہ کریں کہ حدیث کا جو حصہ میں نے چھوڑا وہ ایک ناخوشگوار واقعہ سے متعلق ہے- جس کا میری بحث سے کوئی تعلق نہیں- اصل فضیلت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "جگر کا ٹکڑا" ہونے میں ہے- یہ جملہ میں نے دے دیا ہے- اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس حدیث میں اپنی بہنوں یا امہات المومنین پر سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت کا کوئی پہلو نکلا ہے؟ پھر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سب بیٹیاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر ہی کے ٹکڑے ہیں- یہاں فضیلت ابو جہل کی بیٹی پر ثابت ہوتی ہے جسکی کوئی اہمیت نہیں- چارٹ میں سب سے پہلے حضرت فاطمہ کا نام لکھنے سے اسکا کیا تعلق جو اعتراض مجھ پر کیا گیا غلط ہے-

اعتراض برائے اعتراض کی ایک اور مثال حضرت امامہ کے تعلق سے ہے- لکھتے

ہیں کہ شاہ بلیغ الدین نے اردو کی دائرۃ المعارف یونیورسٹی آف پنجاب کا حوالہ دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ علمی طریقے کے متعلق مقالہ نگار کا نام دینا چاہیے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کو اس اہم موضوع پر کسی قدیم عرب مورخ کا حوالہ دینا چاہیے ۔ میں نے اپنے مضمون میں تکبیر کے ص ۳۹ پر لکھا ہے کہ ---- دیکھیے جلد سوم دائرۃ المعارف طبع اول ۱۹۶۸ دانش گاہ پنجاب ۔ یہ بہت واضح حوالہ ہے ۔ اعتراض کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ کسی عرب مورخ کا حوالہ دیجئے ۔ میں اس مقالے کا حوالہ دے رہا ہوں جس میں کئی عرب مورخوں کے حوالے سے بات کی گئی ہے ۔ لفظ "امامہ" سے حوالہ ڈھونڈتا ہے ۔ دائرۃ المعارف کی ترتیب حروف حجی کے لحاظ سے ہوتی ہے ۔ میں نے جلد سوم کا بھی ذکر کیا ہے حوالہ آسانی سے نکل سکتا تھا۔

چارٹ بنانے والے نے سورہ الاحزاب کی آیتوں کے علاوہ درود شریف بھی دیا ہے جس میں آل کا مطلب متبعین بھی آجاتا ہے ۔ قرآن حکیم میں ہے ---- اغرقنا آل فرعون ۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اس چارٹ کا عنوان نہیں ہے ۔ آپ کے ساتھ پہلے آپ کے والدین کے نام دیئے گئے ۔ احتراماً آنحضرتؐ کے نام کو جلی قلم سے لکھا گیا ہے ۔ پہلی سرخی جو کالی پٹی میں ہے اہل بیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے یہی چارٹ کی سرخی ہے جو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ پہلا عنوان ہے ازواج مطہرات پھر ہر حصہ کا الگ الگ عنوان ہے ۔ یہ عنوانات کاتب نے کالی پٹی میں لکھے ہیں جس سے آپ فائدہ اٹھا کر بلاوجہ اعتراض کر رہے ہیں ۔ عام قاری کی سہولت کے لئے امت کی ماؤں پھر ان کی اولاد پھر نواسوں نواسیوں کا الگ الگ ذکر آیا ہے ۔ پھر اس میں سرپرست حضرات اور صحابہ کرامؓ جو غلام بنے ان کے نام ہیں اور اہل بیت کے وسیع تر مفہوم کو واضح کیا گیا ہے ۔ جو بڑی خوشی کی بات ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بقول مولانا مودودی (تفہیم جلد ۴ ۔ الاحزاب) جو لوگ اہل بیت کو صرف حضرت علیؓ اور ان کے دو صاحبزادوں تک محدود رکھنا چاہتے ہیں یہ چارٹ اس سے ہٹا ہوا ہے اور سلف صالحین اور بہت سے اکابرین کی رائے کے مطابق وہ سب نام چارٹ میں ہیں ۔ جو کسی اعتبار سے بھی اہل بیت کے زمرے میں ضرور آسکتے ہیں ۔ اگر یہ بات غلط ہو تو میرا مشورہ رضوان علی صاحب کو یہ ہوگا کہ وہ اس چارٹ کو شریعت کورٹ میں پیش کر کے اسپر کورٹ کا فیصلہ لے لیں ۔

تیسرا مغالطہ

رضوان علی صاحب ص ۵۲ کالم ۲ میں لکھتے ہیں کہ ---- جن صاحب نے (ایک نامعلوم نقاد کی طرف اشارہ ہے) اہل بیت سے صرف ازواج مطہرات کے معنی لئے ہیں ۔ انھوں نے دیدہ دلیری اور علمی بددیانتی کے ساتھ مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دیا ہے حالانکہ مرحوم نے ہرگز ایسا نہیں لکھا ۔ مجھے یہاں صرف اس فقرے سے بحث ہے کہ " ہرگز ایسا نہیں لکھا" تفہیم کی جلد ۴ ص ۹۳ کا انھوں نے حوالہ دیا ہے اسی جلد کے ص ۹۲ پر لکھا ہے کہ ---- " زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کا اصل خطاب ازواج سے ہے اور اولاد مفہوم لفظ کے اعتبار سے اس میں شامل قرار پائی" --- اب ارشاد فرمایئے کہ وہ ایک نامعلوم نقاد جھوٹ بولتا اور دیدہ دلیری سے آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے یا آپ خود اسکے مرتکب ہیں ؟ قارئین فیصلہ کریں ۔ یہاں دو اہم باتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ چارٹ بنانے والے غریب نے تو صرف ازواج مطہرات کا نام نہیں لکھا ۔ اس نے تو مجازی معنوں میں اسے پھیلا بھی دیا پھر بھی آپ چراغ پا ہیں ۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ صرف امہات المومنین کے اہل بیت ہونے کا صاف لفظوں میں اعلان تو حبر الامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کیا ہے ۔ ابو عبداللہ عروہ بن زبیرؓ جیسا عظیم عالم حدیث یہی بات کہتا ہے ۔ عظیم مفسر عکرمہ مولیٰ ابن عباس اسی کے دعویدار ہیں ۔ وہ تو مدینتہ النبی کی گلیوں میں جگہ جگہ اسکا اعلان فرماتے تھے ۔

چوتھا مغالطہ

اسی فقرہ نمبر ۲ کے تیسرے پیراگراف میں رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ ---- " راغب اصفہانی شیعہ تھا" ۔ آپ کے ہمنواؤں نے تو یہی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے ۔

امام فخرالدین رازی نے ان کے صحیح العقیدہ اور اہل سنت ہونے کی تصدیق کی ہے ۔ (دیکھیے اساس التقدیس) علامہ سیوطی نے بغیتہ الوعاۃ (ص ۳۹۶) میں امام رازی ہی سے استفادہ کر کے اپنی بدظنی کو دور کیا آپ نے آغا بزرگ طہرانی کا معروف حوالہ دے کر راغب اصفہانی کے مقام کو گرانے کی کوشش کی ہے ۔ معجم الادباء میں ہے کہ وہ تفسیر حدیث لغت ادب اور شعر کے کوہ گراں تھے ۔

ساری کوشش یہ ہے کہ خانوادہ نبویؐ کے پورے ارکان کا تذکرہ آپ کو گوارا نہیں ۔ امام راغب اصفہانی نے "فصل اہل" میں اہل الرجل کی تشریح میں لکھا ہے کہ " اصل میں تو وہ لوگ مراد ہوتے ہیں جو ایک مکان میں ساتھ رہتے ہوں پھر مجازاً آدمی کے قریبی رشتہ داروں کے لئے یہ لفظ بولا جانے لگا ہے اور عرف عام میں اہل البیت سے خاص کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان مراد ہوتا ہے ۔ چنانچہ فرمایا کہ --- انما یرید اللہ ---- کہ (اے پیغمبر) کے اہل بیت اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس کو دور کر دے اور کبھی اہل الرجل سے مراد اسکی بیوی ہوتی ہے "

یہاں لسان العرب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ " مگر بلیغ الدین صاحب نے کمال ہوشیاری سے اس کو پھیلا دیا اور دوسری باتوں کا ذکر چھیڑ دیا ۔ " آپ محض کج بحثی اور الزامات کے خوگر ہیں ۔ اوپر میں آل فرعون کی بات لکھ چکا ہوں ۔ آپ صاف صاف لکھیے کہ آپ سورۂ احزاب اور قصص کی آیتوں کے مفہوم کو ماننے کے لئے تیار نہیں تو آپ کا یہ موقف سمجھ میں آسکتا ہے ۔ آپ کیسے کیسے جلیل القدر علما کو جھٹلانے کی کوشش کر رہے ہیں ۔ ابن عباسؓ عروہ بن زبیر کے علاوہ اجماع صحابہؓ سے آپ کو اختلاف ہے ۔ آپ نے لکھا ہے کہ راغب اصفہانی کی کتاب محاضرات الادباء مطبوع اور مشہور ہے آپ کہیں سیوطی کی " محاضرات الادباء و محاورات الشعراء والبلغاء کی بات تو نہیں کرتے ؟ اگر آپ نے سنی علماء کے بارے میں ان کے تاثرات اور ان کے تائیدی بیانات پڑھے ہوتے تو آغا بزرگ طہرانی کے حوالے پر اکتفانہ کرتے ۔ جس کا مسلک نام سے ظاہر ہے ۔

اہل بیت

سلف صالحین کے مسلک کا نام لے کر آپ قارئین کو غلط فہمی میں کیوں مبتلا کرتے ہیں ۔ ان کا مسلک وہی ہے جو اجماع امت ہے کہ ---- آیۂ تطہیر امہات المومنین کے بارے میں نازل ہوئی ایسی اللہ کے رسولؐ نے ارشاد فرمایا ۔ بے شک تفسیر کا حق سب سے پہلے معلم کتاب و حکمت کا ہے لیکن یہ وعید آپ کو معلوم ہے کہ جو جھوٹی باتوں کو اللہ کے رسولؐ سے نسبت دے وہ جہنمی ہے ۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ آیت سے کوئی روایت متصادم ہو تو وہ باطل ہے ۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تھوک کے بھاؤ دشمنان قرآن نے روایتیں گھڑی ہیں ۔ اس بات سے ہٹ کر خوب اچھی طرح یہ بات سن لیجئے کہ رب العزت کی قسم ہم اہل سنت سیدنا حضرت علیؓ اور سیدہ حضرت فاطمہؓ اور ان کے خانوادے کے ایک ایک فرد کی جلالتِ علمی زہد اخلاصِ اسلام کے لئے ان کی محبت اور جو بھی ان کے صحیح کارنامے ہیں ان کو مانتے اور انھیں اپنی محبت کا محور و مرکز سمجھتے ہیں لیکن انھیں "دیو مالائی" شخصیتیں ماننے کے لئے ایک لمحے کے لئے بھی تیار نہیں اور خود ان عظیم المرتبت شخصیات کو ان اطراءات اور خرافات سے کوئی تعلق نہیں جو ان کے بارے میں سبائیوں نے تخلیق کیں حتیٰ کہ حضرت علیؓ کی الوہیت کا بھی اعلان کر دیا ہم نبی اکرم کو خاتم النبیین اور خاتم المعصومین مانتے ہیں ۔

حضرت عائشہ کی فضیلت کا مسئلہ بھی آپ پر گراں ہے ۔ قرآن نے امہات المومنین کو جو فضیلت دی ہے اسکے بعد کوئی ایسی روایت جس میں کسی بیٹی کو امہات المومنین پر فضیلت دی جائے یا نص صحیح سے ٹکرانے والی ہو غلط ہے ۔ امام بخاری نے حضرت عائشہؓ کے بارے میں جو کچھ اپنی صحیح اور اپنی تاریخ میں لکھا وہ درست ہے ۔ کیا امام بخاری آپ کی رائے میں سلف صالحین میں داخل نہیں ؟

پانچواں مغالطہ

محسن کا نام بھول جانے کی غلطی چارٹ والے سے ہوئی ہے ۔ میں تو خدا لگتی بات کہہ رہا

تھا خانوادہ نبوی کا کوئی قریبی فرد زندہ رہایا جلد مر گیا اسکا اسم گرامی شجرے میں آئے گا۔ یہی بات آپ نہیں سمجھ پارہے۔۔

۹ نومبر ۸۹ء کے تکبیر میں آپ غدیر خم آل علی آل عقیل آل عباس آل جعفر کا بھی تذکرہ لے آئے ہیں اور حوالہ ابن کثیر سے لیا ہے! تفسیروں میں جو اسرائیلی روایات اور موضوع روایات آگئی ہیں ان کے بارے میں آپ کا علم کیسا ہے مجھے نہیں معلوم لیکن آپ کا رجحان طبع ان حوالوں سے معلوم ہو گیا ہے۔ شاعر کیا پتے کی بات کہہ گیا۔

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

جوامع السیرہ کے حوالے سے جو بات میں ثابت کرنا چاہتا تھا اسکے اندراج کو آپ نے تسلیم کرلیا۔ میں نے اس پر "اصرار" نہیں کیا۔ کوئی یہ بات ثابت کردے تو میں مانوں۔ ص ۴۹ پر کالم ایک میں نمبر (۷) کے تحت میری عبارت پڑھیئے۔ میں نے صاف لکھا ہے کہ "اس بارے میں (یعنی عبداللہ کے القاب میں) مورخین میں اختلاف ہے"۔

یہاں آپ کا یہ ارشاد کہ طیب و طاہر کے بارے میں ابن حزم کا حوالہ دیا تو اس کی دوسری باتیں بھی مانیے اوہ کیا شان تحقیق ہے! اہل طیب طاہر کے عبداللہ سے الگ ہونے کا ایک حوالہ اسد الغابہ میں بھی ہے (دیکھئے اولاد رسولؐ) اب یہ بتایئے کہ اسد الغابہ کی ساری ضخیم سطروں کو مان لیا جائے؟ اگر کسی مورخ اور محدث کی کوئی بات مانی جائے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسکی ہر بات آنکھ بند کر کے مان لی جائے۔ ابن حزم بے شک عظیم شخصیت تھے الملل والنحل ہو کہ جمھرہ الانساب یا تواریخ الخلفاء اسکا بڑا مقام ہے۔

زاد المعاد اصل میں سیرت کی نہیں فقہ کی کتاب ہے۔ یہاں وہاں کچھ نہ کچھ سیرت کی باتیں آنا تو لازم ہے۔ عبداللہ (حضرت رقیہؓ اور حضرت عثمانؓ) کے صاحبزادے کے بارے میں یہ بات ملے ہے جس پر اجماع ہے کہ وہ ان کے صاحبزادے تھے۔ بس یہی بات چارٹ کی ضروریات کے لئے کافی ہے۔ آپ یہ ثابت کردیجئے کہ وہ ان کے صاحبزادے نہیں تھے۔ مرغ کے ٹھونگ مارنے والی روایت بڑی تفصیل چاہتی ہے۔ اس لئے جو کچھ میں نے اسکے بارے میں لکھا ہے کہ یہ دوسو برس بعد کی روایت ہے یہ میری بحث کے لئے کافی ہے۔

عیب بینی

مراج الزہب کی روایت کے بارے میں ایک تو آپ نے مسعودی کی پوزیشن گرانے کی بات کی ہے۔ دوسرے حضرت عثمان کے صاحبزادے کے کثیر الطلاق ہونے کی بات آپ نے بڑی خوشی سے لکھی ہے۔ ایسی کوئی روایت حضرت حسنؓ کے بارے میں بھی سنی ہو گی۔ اسکے علاوہ حضرت عثمانؓ کی دوسری اولاد کے بارے میں جن باتوں کی تفصیل آپ نے لکھی ہے اللہ کو حاضر ناظر جان کر بتایئے کہ اسکا چارٹ کے اندراجات سے کیا تعلق؟۔ تاریخ بھری پڑی ہے کہ اس دور میں کس کس نے مسجد نبوی میں کیا کیا کمالات کے مظاہرے دکھائے ہیں، رہا مسعودی تو اولاد عثمان کی تنقیص میں اس کا بیان جھوٹ اور مبالغے پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔۔۔ویل لکل ھمزۃ لمزہ۔۔۔۔۔۔ ہر شخص جو عیب بینی کرتا اور آوازے کستا ہے اسکی بڑی خرابی ہے۔

مسعودی کو آپ بڑا مورخ بھی مانتے ہیں اور اسمیں آپ کو کوئی شک نہیں (ص ۵۴ تکبیر) دوسری طرف طبری کے مقابلے میں مسعودی کی روایت کہ عبداللہ ضعیف العمری کو پہنچے اور امام ابن تیمیہ کے اس ارشاد کو ماننے کو تیار نہیں کہ حضرت زین العابدین ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ ایک عام قاری کو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن آپ کو تو اپنی ریت کی عمارت متزلزل ہوتی معلوم ہو گی۔ لطف یہ کہ مسعودی بڑا مورخ ہو کر بھی مقہور اور واقدی محبوب و مطلوب!! امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین جیسے سلف صالحین اسکی حدیث لکھنے کے لئے تیار نہیں۔ مغازی کی حد تک کہیں کہیں اسے چھوٹ دی گئی ہے، واقدی کی تائید آپ کا موقف واضح کردیتی ہے۔

حضرت عثمان کی اولاد اگر کشمیر ملتان اور حبشہ جبولی وغیرہ کے علاقوں میں پائی جاتی ہے تو اس میں تعجب کیا ہے۔ اگر صدیقی فاروقی علوی ہندوستان و پاکستان میں آباد ہیں تو عثمانیوں پر کیا پابندی ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی شبیر احمد عثمانی تاریخ دیوبند کے مطابق حضرت عثمان کے دوسرے صاحبزادے کی اولاد ہیں، مولانا محمود الحسن کے علاوہ عثمانیوں میں ایک اور بڑی شخصیت مولانا ظفر احمد عثمانی کی ہے۔

حضرت عبداللہ کی اولاد الحمدللہ آج بھی مکہ میں ہے۔ قرطبہ اندلس اور اشبیلہ میں بھی تھی جبولی کے حکمران کا دعویٰ آپ کی نظر سے کہاں گزرا ہو گا اور مظفر آباد کے نواب مظفر کے جس شجرے پر علامہ شبیر احمد عثمانی اور علامہ انور شاہ کاشمیری کی تصدیق ہے وہ کہاں آپ نے دیکھی ہو گی۔ شاہ رکن عالم کے نانا حضرت جمال فرغانی کا تعلق بھی حضرت رقیہ کی نسل سے تھا "ساوات بنی رقیہ کا جو مشہور شجرہ مولانا شبیر احمد کی تصدیق سے شائع ہوا ہے" اس میں امام کاشف کا نام موجود ہے جن کے کشمیر میں وارد ہونے اور تبلیغ کرنے کی تاریخوں میں شہادت موجود ہے۔ یہ شجرہ راولپنڈی میں ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۳۸ کو شائع ہوا پھر اسے ایوب صدیقی نے ملتان سے شائع کیا۔ یہ شجرہ مفصل طور پر کتابی صورت میں خدا بخش صاحب نقشہ نویس نے جو خود آل رقیہ سے ہیں' چھاپا تھا۔ اسکا دوسرا ایڈیشن راولپنڈی سے چھپا۔ جسکی تصدیق کر کے مولانا عثمانی نے حکماً ایوب صدیقی اپنے شاگرد سے دوبارہ ملتان سے چھپوایا۔ اس میں شیخ جمال فرغانی اور بی بی پاکدامن زوجہ شیخ صدرالدین عارف بن شیخ بہاء الدین کے نام ہیں۔ کراچی کی اہم لائبریریوں میں سے کسی میں یہ مل جائے گا پھر دیکھیئے (ص ۱۳۵ ساوات رقیہ)۔

حقائق

نقرات ۹ تا ۱۳ میں لوٹ پھیر کے وہی باتیں کی گئی ہیں اور جگہ جگہ غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس لئے اہم نکات کی مختصر تشریحات یہاں دی جارہی ہیں تاکہ ریکارڈ درست رہے۔

قبائلی نسبت پہلے بھی تھی۔ آنحضرت کے زمانے میں بھی تھی' آج بھی ہے۔ اگر نیت اور عمل برا نہ ہو تو یہ نسبت بری نہیں۔ آپ نے مستشرقین کی دھائی دی کہ قبیلہ پرستی کا نتیجہ تھا کہ جنگ جمل اور صفین ہوئی۔ اول تو مستشرقین کی یہ بات ہی غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ مستشرقین سے کون مراد ہیں؟ نام' کتاب کا حوالہ جو بات میرے لئے جائز نہیں آپ کو اس میں کھلی چھوٹ ہے؟ تحقیق کا یہ انداز بھی خوب ہے۔ مستشرقین کے نام اور ان کی کتابوں کے حوالے دیتے تو میں ایک ایک پر تبصرہ کرتا۔ اب یہ سن لیجئے کہ جمل اور صفین سبائیوں کی فتنہ پردازی کے واقعات ہیں۔ جمل میں تو ان دشمنان اسلام نے شب خون مار کر صلح کو لڑائی میں بدل دیا۔ صفین میں حضرت علیؓ صلح چاہتے تھے سبائیوں نے حملہ کردیا۔ ان دونوں موقعوں پر ایران اور شام کے مختلف قبائل شریک تھے۔ یہ صرف بنی امیہ اور بنو ہاشم کی لڑائی کسی طرح نہیں تھی۔

خاندانی نسبت سے اللہ کے رسولؐ نے کبھی انکار نہیں کیا۔ آپ اپنے قرشی ہونے کا ذکر فرماتے تھے۔ سلف صالحین آپ کو عربی' ہاشمی' مطلبی اور امی (سلسلہ امنین سے) لکھتے چلے آئے ہیں اس جواز کے بعد کسی اور سند یا کسی مستشرق کی ہرزہ سرائی کی اہمیت نہیں۔ اصل میں جمل اور صفین کے بارے میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کی لڑائی کا پروپیگنڈہ سبائیوں کا ہے۔ خون سبائیوں نے بہایا۔

آپ حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ کے صاحبزادوں کی اہمیت و فضیلت کے لئے یہ بات یاد رکھیں کہ نواسوں میں وہی صحیح معنوں میں صحابیؓ کی تعریف میں آتے ہیں کیونکہ کوئی اور نواسے وصال نبویؐ سے پہلے بالغ نہیں تھے۔ ہم تو سب کو محترم سمجھتے ہیں۔ اعتراض آپ کو ہے۔ اس لئے نشاندہی کردی گئی۔

ابن عساکر کے بارے میں تفصیل دے کر آپ قاری کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ میں نے ابن عساکر کا حوالہ یوں ہی دے دیا۔ اب سے سولہ سترہ برس پہلے چھپنے والی میری کتاب رزم حق' باطل میں ابن عساکر کے حوالے بھی ہیں اور یہ نوٹ بھی جو آپ کے اعتراض کی تردید کرتا ہے کہ مجھے اسکی کتابوں کے بارے میں تفصیل معلوم نہیں۔ شخصیات کے تحت میری کتاب میں نوٹ ہے۔۔۔۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق کی اسی جلدیں لکھی تھیں۔ اب ان میں صرف چند ملتی ہیں۔ لیکن ان کے اقتباسات عام ہیں۔ ایک خلاصہ تاریخ بھی ملتا ہے۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ قاری یہ سمجھ لے کہ ابن عساکر کا حوالہ علی بن ابوالعاص کے

بارے میں قابل اعتبار نہیں کیونکہ اسکی کتابیں بازار میں عام نہیں بکتیں تو پھر ابن اسحق کا ہر حوالہ باطل کہ یہ کتاب بھی ناپید ہے۔ پروفیسر گیوم کی کوشش ایک بالکل الگ چیز ہے۔ ابن الندیم کی الفہرست میں پچاسوں کتابوں کے نام اور حوالے ہیں جو ناپید ہیں۔ احقاق حق کے لئے اللہ تعالیٰ آثار محفوظ کر دیتا ہے' حوالے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

احد کے معرکے میں ابو دجانہؓ کو آپ نے وہ فضیلت دیدی جو صحابہ کرام میں صرف اور صرف حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران کی خصوصیت ہے۔ (بخاری غزوہ احد) ابو دجانہؓ نے تو اس تلوار کا حق ادا کیا جو حضورؐ نے انھیں دی۔ ماں باپ فدا کرنے والی بات کو آپ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے چھین کیوں رہے ہیں وہ ہم سمجھتے ہیں! انھوں نے ایران جو فتح کیا تھا!

ہر داماد رسولؐ کی اپنی فضیلت ہے۔ ابو العاص کے بارے میں رسول اکرمؐ کے ارشادات صحاح میں ہیں۔ حضرت زینب پر سوکن نہ لانے کا وعدہ انھوں نے ایفا کر کے دکھایا۔ اس کا تذکرہ صحیح بخاری (باب فضائل) سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحٰق۔ البدایہ والنہایہ میں ہے۔ حضرت زینب کی واپسی کا وعدہ بھی انھوں نے پورا کیا۔ اپنے بھائی کنانہ کے ذریعے انھیں مدینہ بھیجنا چاہا تو ذی طوی کے مقام پر ہبیرہ (شوہر ام ہانی) اور اس کے بھائی ہبار بن سود نے سیدہ پر نیزے سے حملہ کر کے اونٹ سے گرایا' جس سے ان کا حمل ساقط ہوا۔ ابو سفیان آڑے آئے اور صحت یابی کے بعد پھر انھیں لے کر زرقانی کے قول کے مطابق کنانہ بطن یاجج تک گئے' مکے سے آٹھ میل دور جناب زید بن حارثہ کے حوالہ کیا۔ طحاوی حاکم اور زرقانی کا کہنا ہے کہ یہی وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے اللہ کے رسولؐ نے سیدہ زینبؓ کو افضل بیٹی فرمایا۔ حضرت رقیہؓ کو دو ہجرتوں کی فضیلت حاصل ہے۔ وہ صاحبزادیوں میں سب سے خوبصورت بھی تھیں۔ ان کے اور حضرت عثمانؓ کے جوڑے کی خصوصی تعریف کی گئی ہے اور پیمبروں کے جوڑے سے حضور نے تشبیہ دی' ام کلثوم کو دوسرا نور فرمایا۔ حضرت فاطمہ آخر تک زندہ رہیں اور بہت محبوب رہیں۔

بت شکن

فتح مکہ کے موقع پر علیؓ بن ابو العاص کے بارے میں پھر حوالے لیجئے۔ علیؓ بن ابو العاص کو حضور نے پرورش کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ردیف تھے۔ انھوں نے فتح مکہ کے موقع پر بت شکنی کی۔ حوالے۔ الاصابہ جلد نمبر ۲ ص نمبر ۵۰۳۔ سنن ابوداؤد۔ الاستیعاب اسد الغابہ (جلد ہفتم تحت "علی" رحمتہ للعلمین ج دو۔ سیر الصحابیات (دار المصنفین) ابن حزم جوامع السیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا علی ابن ابی طالب اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر نہیں گئے۔ قسطلانی کی روایت میں علی کا ذکر ہے اور وہ علی بن ابو العاص ہیں۔

تکبیر میں صفحہ ۵۶ پر رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ ---- "جن بعض کتب سیرت میں علیؓ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں کعبہ کی چھت سے ایک بت گرانے کے ذکر ہے وہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے اور اس میں سیدنا علیؓ بن ابی طالب کا نام صراحت سے مذکور ہے" ---- قارئین! آپ یہاں کیا کوئی حوالہ دیکھتے ہیں؟ بعض کتب سیرت سے مراد کونسی کتب ہیں؟ ان کے نام دیجئے یہ بھی بتایئے کہ وہ عرب مورخین کی ہیں یا سبائیوں کی چونکہ آپ نے حوالہ نہیں دیا لہٰذا آپکا بیان غیر مستند ہے۔

آنحضرتؐ کے کندھوں پر سوار ہو کر رات کے اندھیرے میں کعبے کی چھت سے ایک بت گرانے کا واقعہ جس کا جناب رضوان علی صاحب نے ذکر کیا۔ بقول ان کے ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے؟ اگر ایسا ہے تو کس سنہ کا واقعہ ہے۔ اس وقت حضرت علی بن ابو طالب کی عمر کیا تھی؟ یہ خفیہ کارروائی کیوں کی گئی؟ ---- میں تو علی بن ابو العاص کے تعلق سے فتح مکہ کی بات کر رہا ہوں۔ جناب مورخ! کیا ہجرت سے پہلے بت شکنی ثابت ہے؟ کہاں کی بات کہاں ملا دی۔

مزید حوالے

محمد الاوسط کے بارے میں تمہید میں کچھ تفصیل ہو چکی ہے۔ مغیرہ سے حضرت امامہ کا صاحب اولاد ہونا بھی ثابت ہے۔ ابن قتیبہ کی تاریخ الانساب کتاب المعارف دیکھیے' صاف لکھا ہے کہ ---- امامہ کے بطن سے مغیرہ کا ایک لڑکا یحیٰی پیدا ہوا۔ ابن سعد کی طبقات جلد سوم میں بھی یہ حوالہ موجود ہے۔ رضوان علی صاحب یہ کہیئے کہ یہ دونوں کتابیں مستند ہیں یا آپ کا قیاس!۔ دائرۃ المعارف کے حوالے میں المحبر کا حوالہ بھی ہے۔ امام نووی کی تہذیب الاسماء کا ذکر بھی ہے۔ کتنے مستند حوالے اور آپ کو درکار ہیں؟ انساب الاشراف میں بھی یہ حوالہ موجود ہے جو چارٹ میں آپ نے دیکھ لیا۔ میں نے شاہ معین الدین صاحب کی خلفائے راشدین (ص ۳۷۵) کا حوالہ بھی دیا تھا۔ اپنے اساتذہ کو تو آپ خاطر ہی میں نہیں لاتے' چارٹ کے حوالے کے باوجود انساب الاشراف کے بارے میں آپ کا قارئین کو یہ تاثر دینا کہ صرف آپ ہی کو اس کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا۔ کس بنا پر ہے؟ اور کونسے نسخے کا آپ نے مطالعہ کیا ہے؟ ڈاکٹر حمید اللہ نے جسے مدون کیا ہے؟ یہ تو عالیہ بات ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مزید جلدوں پر کام کرنا چھوڑ دیا لیکن تدوین کا کام جاری ہے۔ آپ کی بیجا تعلی کے جواب میں صرف یہاں یہ اشارہ کر دوں کہ ۱۹۷۳ء میں چھپنے والی میری کتاب "رزم حق باطل" میں اسکے حوالے اور بلاذری پر شخصیات کے تحت نوٹ موجود ہے۔ آپ مجھے کیا بلاذری سے متعارف کرائیں گے۔ انساب الاشرف کے نسخے مجلس علمی اور خالد اسحاق لائبریریوں میں ہیں۔ انساب الاشراف کی پہلے چھپی ہوئی کچھ جلدیں کتب خانہ آصفیہ اور دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ بھی تھیں اور دائرۃ المعارف حیدر آباد کی طرف سے شائع کرنے کے لئے اسکی تالیف بھی کی جاری تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ علی اور امامہ کے صاحبزادے محمد الاوسط کا نام علی میاں نے اپنی المرتضیٰ میں نہیں دیا تو یہ آپ ان سے پوچھیئے عربی ماخذوں کے مقابلے میں ان کا کیا مقام ہے' آپ خود بتائیں!

ام الفضلؓ زوجہ عباسؓ کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ بالکل ابتداء میں مسلمان ہوئیں۔ ابن سعد کے پاس ابو رافع کے قول کے باوجود آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عباس بھی ان کے ساتھ اسلام نہیں لائے۔ فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے رسول مسلمانوں سے مرالظہران کی طرف بڑھ رہے تھے کہ ذی الحلیفہ کے قریب حضرت عباسؓ اپنے خاندان کے ساتھ اہل اللہ سے آن ملے تو ارشاد ہوا ---- میں آخر الانبیا ہوں اور تم آخر المہاجرین۔ مسلمان نہ ہوتے تو آخر المہاجرین کا خطاب کس طرح پاتے؟ حضورؐ ان کے اسلام کے بارے میں جانتے تھے' ابن سعد کا قول بدر کے موقع پر صحابہ سے فرمایا تھا کہ مسلمان انھیں قتل نہ کریں۔ اسد الغابہ میں ہے' کئی بار ان کی ہجرت کرنے کی استدعا کو حضور نے روکا۔ ابو العاص اگر ابتدائی مسلمان نہ ہوتے تو انکے پہلے نکاح ہی کو برقرار نہ رکھا جاتا۔ اگر ان کا دوبارہ نکاح پڑھایا جاتا تو یہ کام حضور اکرمؐ کے سوا اور کوئی نہ کرتا۔ ایسا ہوتا تو دس جگہ اس کی تفصیل ملتی۔ ترمذی ابوداؤد اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس کی صاف روایت موجود ہے کہ تجدید نکاح کے بغیر حضرت زینب ان کی زوجیت میں رہیں۔ حکیم بن حزام' عکرمہ اور ابوسفیان کو بھی بغیر تجدید نکاح کے اجازت دی گئی تھی۔ رہا جہاد کا مسئلہ ابو العاص دور صدیقی میں برابر جہاد میں شریک رہے۔ جنگ یرموک میں اپنے لخت جگر کے ساتھ تھے۔ آپ نے یہ سوال اٹھایا تو یہاں یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ صد یون کے بعد سیدنا علیؓ نے چوبیس پچیس برس جہاد میں کیوں حصہ نہیں لیا۔ سیدنا عمرؓ ان کو ایران کی فتح پر روانہ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے ایک بات ابو العاص کے تعلق سے کہی ہے کہ رشتوں سے کوئی فضیلت درجات کا فیصلہ نہیں کرتا۔ آپ نے یہ بات بھولی تو بتایئے کہ اہل بیت کے بارے میں آپ کا کیا موقف رہ گیا؟

چھٹا مغالطہ

رضوان علی صاحب کا کہنا ہے کہ حضرت فاطمہؓ سے میں نے حضرت ابو العاصؓ کا تقابل کیا ہے۔ کہاں؟ کس جگہ؟ کن الفاظ میں؟ میری تحریر قارئین کے سامنے ہے۔

عورت اور مرد کا کیا تقابل؟ گفتگو حدیث پر ہو رہی ہے۔ اگر حدیث میں تقابل ہے تو خود اللہ کے رسولؐ کے ارشاد میں ہے اور یہ دامادوں کے درمیان ہے پھر یہ تقابل بھی صرف ایک شرط کے تعلق سے ہے۔

طحاوی کی حدیث فضیلت کے بارے میں ہے - فقہ کا کوئی مسئلہ بیان نہیں ہوا ہے حضرت ابوالعاصؓ کے تعلق سے تو آپ اپنے ترکش کا ہر تیر آزما رہے ہیں لیکن ہر تیر ضائع کیا جا رہا ہے کیونکہ حضرت فاطمہؓ سے ان کا تقابل سرے سے کہیں نہیں ہوا! چارٹ سے اس بحث کا کیا تعلق؟

شعب بنو ہاشم

بلاوجہ کی بحث اور ژولیدہ بیانی کا ایک اور نمونہ جسے چارٹ کے اندراجات سے کوئی تعلق نہیں' یہ ہے کہ "شعب ابی طالب صحیح نام ہے" - جی نہیں شعب بنو ہاشم صحیح نام ہے - تاریخ کو مسخ کرنے والوں نے یہ چال بھی چلی ہے - ازرقی نے تاریخ مکہ (جلد نمبر ۲ ص ۱۸۸) پر لکھا ہے کہ یہاں بنو ہاشم کے مکانات تھے اور یہ ہاشم بن عبدالمطلب کا علاقہ کہلاتا تھا - اس کا پرانا نام شعب ابی یوسف تھا - معجم البلدان میں یاقوت حموی نے لکھا ہے (جلد ۵ ص ۲۷۰) کہ اسکا نام شعب ابی یوسف تھا - یہ وہ گھاٹی ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کے جور و ستم سے تنگ آکر بنو ہاشم سمیت پناہ لی تھی - عبدالمطلب نے اس گھاٹی کی زمین اپنی تمام اولاد میں تقسیم کردی - اس کا ایک حصہ اللہ کے رسول کے والد محترم کو بھی ملا تھا - دیکھئیے شعب بنو ہاشم (مواہب الدنیہ حصہ اول قسطلانی اور معجم البلدان) - ہاشم مکہ کی بت قد آور شخصیت تھے اور یہ گھاٹی اس دور میں اور مابعد شعب بنو ہاشم ہی کہلاتی تھی - فن درایت کی رو سے بھی اس میں ہاشم کی اولاد رہتی تھی ۔ ابو طالب کے پاس تو گھاٹی میں زمین کا ایک ٹکڑا تھا پوری گھاٹی ان کی نہیں تھی - حضور اکرمؐ یہاں بنو ہاشم کے ساتھ اسیر ہوئے تھے جسکی تائید ہر مورخ و محدث کرتا ہے -

اسد اللہ - اسد الرسول اللہ

سیدنا حضرت امیر حمزہؓ کے بارے میں رضوان علی صاحب کہتے ہیں کہ وہ اسد اللہ اور اسد الرسولؐ کے خطاب کے مالک نہیں تھے - بلکہ حضرت علی تھے (تکبیر ۵۸ کالم نمبر ۱)

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

حوالہ نمبر (۱) طبقات ابن سعد حصہ اول (اولاد عبدالمطلب کی تفصیل کے تحت) (۲) طبقات ابن سعد' حصہ سوم (۳) تاریخ الانساب کتاب المعارف ابن قتیبہ (نام حمزہ کے تحت)' (۴) اسد الغابہ جلد اول (چچاؤں کا بیان) اب ابن ہشام کا اقتباس بھی پڑھیئے --- "فرمایا جبرائیل میرے پاس آئے اور بتایا کہ ساتوں آسمانوں کے لوگوں میں حمزہ کے متعلق لکھا گیا ہے کہ "حمزہ بن عبدالمطلب اسد اللہ اور اسد رسولؐ ہیں" "سید الشہداء" بھی ان ہی کا خطاب ہے - اس پر بھی آپ حضرات نے چھاپا مارا - مزید حوالہ دیکھیئے (اسد الغابہ جلد سوم تحت حمزہ) زاد المعاد حصہ اول تحت بزرگ رشتہ دار - اب یہ بتایئے کہ دوسروں سے آپ حوالے مانگتے ہیں ورنہ اپنے زعم میں الزام لگا دیتے ہیں' سیدنا حضرت علی کو معرکہ خیبر میں کامیابی کے بعد خطاب دینے کا ایک حوالہ تو آپ کسی مستند عربی تاریخ سے دیتے - آپ نے تو لے دے کر انحصار علی میاں پر کیا ہے - موسیٰ بن عقبہ مسند احمد طبری اور ابن ہشام نے مرحب کے خلاف محمد بن مسلمہ اور یاسر کے خلاف زبیر بن العوام کی شجاعت کا تذکرہ کیا ہے - طبری کے پاس عوف اور میمون کی روایتیں بعد میں آئی ہیں - میزان الاعتدال میں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ عوف اور واقدی رافضی اور شیطان تھے - یحییٰ بن معین میمون کو ناقابل بھروسہ کہتے ہیں آپ خود دیکھیئے کہ ظالموں نے تاریخ کو کہاں کہاں مسخ کیا ہے - علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں الواقدی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "لائق اور نالائق ہر قسم کے لوگوں سے روایت کرتے ہیں" دوسرا اقتباس - "ان کی حدیث ترک کرنے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے (تذکرۃ الحفاظ تحت واقدی) - آپ ہم پر احسان کریں گے اگر مستند تاریخی حوالوں سے خیبر کے موقع پر حضرت علی کے خطاب پانے کی تفصیل قارئین تکبیر کو بتائیں - یاد رکھیئے کہ آپ کے استاذ الاساتذہ علامہ شبلی درہ خیبر کے تعلق سے واقدی کے بیان کو سخاوی کے حوالے سے لغو بیان سمجھتے ہیں - سیدنا علی کی فضیلتیں ہمارے سر آنکھوں پر لیکن اللہ کی میزان پر حق کا دامن نہیں چھوڑا جا سکتا -

شیر بطحا

رضوان علی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت ابوالعاص کے لقب کے لئے کوئی حوالہ نہیں ہے - اس لقب کے لئے میرے حوالے دیکھیئے - ابن حجر عسقلانی - الاصابہ جلد ۴ ص ۱۲۱. الاستیعاب (اصابہ کی جلد ۴ کا حاشیہ ص ۱۲۶ مطبوعہ السعادہ' قاہرہ ۱۳۲۸ھ) - ہمارے علماء کی اردو تحریریں تو آپ کو سمجھ میں نہیں آتیں سوائے علی میاں کے' اس لئے علامہ قاضی سلمان منصور پوری کے حوالے کی تفصیل یہاں نہیں دی گئی -

ابوالعاصؓ کے نام پر ابھی آپ کا رونا کم نہیں ہوا - انہوں نے حضرت زینبؓ کی وفات کے بعد شادی کرلی - کیا یہ شرع میں منع ہے یا حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد کئی عقد نہیں کئے تھے؟ حضرت عثمانؓ نے عقد نہیں کئے' کیا کوئی حوالہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (ابوالعاص کو) منع فرمایا پھر بھی انہوں نے جرأت کی؟

کفالت

رضوان علی صاحب نے تکبیر کے دونوں مضمونوں میں صحیح بخاری باب قصہ ابو طالب کا حوالہ دیا ہے - بخاری میں چار اور صحیح مسلم میں کتاب الایمان میں باب ۷۷ میں کل آٹھ روایتیں ہیں - ابتدائی تین یعنی ۴۱۸' ۴۱۹ اور ۴۲۰ میں حضرت عباسؓ کی بات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب بسلسلہ ابو طالب دیا گیا ہے - باقی پانچ میں اللہ کے رسول کی بدولت ہلکی آگ میں رہنے کا ذکر ہے - کفالت کا کہیں ذکر نہیں - رہا سربراہی کا مسئلہ تو جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے' حضرت عبدالمطلب کی وفات سے لے کر ہجرت تک یعنی سرکار دو عالم کی آٹھ سالہ عمر سے ۵۳ سال تک ۴۵ سال کے زمانے میں خاندان کے تین سربراہ مقرر ہوئے - زبیر سب سے پہلے تھے پھر ابو طالب ہوئے پھر ابولہب کو آخر زمانے میں یہ منصب ملا - یہ تینوں بھائیوں کا سلسلہ سینیارٹی کے مطابق ہے - باب' کفالت جلد اول اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ زبیر نے اپنے بھتیجے کی پہلے کفالت کی وہ مرے تو ابو طالب کو یہ سعادت ملی - یہ قول واضح طور پر آیا ہے پھر بحیرا راہب کے جھوٹے واقعے کی دلیل ہے جس کا جھوٹا ہونا ثابت ہے - یہ تاریخی قول نہیں ابن اثیر کی ذاتی رائے ہے - زبیر کے بارے میں کچھ اور حوالے - ابن سعد - یعقوبی - روض الانف (سہیلی) سرسید کے خطبات (انگریزی) رحمتہ للعالمین اور وہ حوالے جو ان کے علاوہ پہلے دیئے جاچکے ہیں - اس طرح چارٹ کے اندراجات درست ہیں - ابو طالب کی وفات اسی برس کی عمر میں ہوئی - ۷۰ برس کی عمر میں وہ سربراہ خاندان بنے جہاں تک ان تین وفود کا تعلق ہے جو شکایتاً ابو طالب کے پاس آئے اس کے سلسلے میں حضورؐ کا صرف یہ ارشاد وضاحت کے لئے کافی ہے کہ ---- ایک ہاتھ میں چاند ایک میں سورج رکھ دیا جائے پھر بھی تبلیغ آپ نہیں چھوڑیں گے - آپ کو یہ ارشاد فرمانے کی ضرورت نہ ہوتی اگر ستر برس کی عمر کے باوجود ذہنی طور پر اسلام سے ابو طالب کی وابستگی ہوتی - یہ اصل میں ان وفود کو منہ توڑ جواب تھا جن کو ابو طالب مطمئن نہ کرسکے تھے - حضرت عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید مشرکین پر غصہ کیا کرتے تھے یا دل میں کڑھتے تھے - جسمانی طور پر وہ تندرست نہیں تھے -

کفالت کے سلسلے میں واضح طور پر یہ بات پیش نظر رکھنا چاہیے کہ جس نبی کی تعلیم "الرحمان" نے اپنے ذمے لی اور کسی فرد بشر کے آگے نبی اکرمؐ کو زانوئے تلمذ تہ نہیں کرنے دیا اسکی حمیت کیا اسے گوارا کرتی کہ فخر رسلؐ' سرور کشور رسالتؐ روٹی کپڑے مکان کے لئے کسی کا مرہون منت ہوتا - حضور اکرمؐ اپنے دادا کے پاس رہے یا چچاؤں کی سرپرستی میں' کھاتے پیتے تھے اپنے والد محترم کی چھوڑی ہوئی جائیداد سے! یہ بحث یہاں تشنہ ہے - سورہ الضحیٰ کی ایک آیت کی تفسیر پر تبصرہ کرنا ہے مگر گنجائش کا سوال ہے - اس مضمون پر طویل تقریروں میں ہر پہلو سے روشنی ڈال چکا ہوں - خاندان نبویؐ پر میرا کیسٹ عام ملتا ہے - میری کتاب طوبیٰ میں بھی اس موضوع پر مضامین ہیں - ابو طالب سرپرست رہے مگر زبیر کے بعد - اس سلسلے میں بہت سی موضوع روایتیں انتشار پیدا کرتی ہیں - حضور اکرمؐ کے چچا کی حیثیت سے وہ ہمارے لئے قابل احترام ہیں لیکن تاریخ کے معاملے میں دھونس اور دھمکی نہیں چلتی -

بحیرا راہب

اب طویل اور غیر متعلق بحث کرتے ہوئے رضوان علی صاحب ایک اور سبائی روایت کے دفاع پر آگئے۔ وہ بحیرہ راہب کے واقعہ سے متعلق ہے۔ پچھلے مضمون میں اس بارے میں جو کچھ لکھ چکا ہوں اس میں بس صرف اتنا اضافہ کرونگا کہ ابوالحسن علی میاں مصنف المرتضی بھی اپنی سیرت کے حصہ اول میں اسے رد کرتے ہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ص ۱۰۷ پر وہ لکھتے ہیں کہ ---- یہ بات صرف وہی شخص کر سکتا ہے جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو یا خیال آرائی اور فرضی اور وہمی باتوں کی اسکو عادت پڑ چکی ہو۔ اگر یہ قصہ سیرت کی کتابوں میں نہ ہوتا تو اسکے ذکر کی بھی یہاں ضرورت نہ تھی۔

ایک اور اعتراض

حضرت زبیر پر رضوان علی صاحب کا پھر ایک وار!! ان کے اعتراضات اور میرے جواب سنتے جایئے۔

۱۔ زبیر شاعر تھے۔ ابو طالب بھی شاعر تھے۔

۲۔ شاعروں کو وادیٔ خیال میں بھٹکنے والا کہا گیا۔ زبیر بعثت سے پہلے کے شاعر ہیں انھوں نے آنحضرت کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ لہٰذا اس زمرے میں نہیں آتے بلکہ وہ بامقصد شاعری کرتے تھے۔

۳۔ شاعر کیسے نبی کا سربراہ ہو سکتا ہے۔ تو پھر ابو طالب بھی نہیں ہو سکتے۔

۴۔ زبیر کو شاہ بلیغ الدین صاحب نے شریف شاعر لکھا عربی میں شریف کا مطلب معزز ہے۔ ترجمہ میرا نہیں جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ کے رکن علامہ عبداللہ العمادی کا ہے جو مانے ہوئے عربی داں تھے۔ اگر شریف کے وہی معنی لئے جائیں جو رضوان علی صاحب کہتے ہیں تو بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وہ ممتاز اور معزز حیثیت کے مالک سردار تھے۔ اور قادر الکلام شاعر تھے، چلیئے آپ نے خود ہی ثابت کر دیا۔ شکریہ!

۵۔ زبیر فحش گو شاعر تھے۔ بعثت سے پہلے صحابہ کی زندگی بھی مختلف تھی۔ کوئی نمونہ ان کی فحش شاعری کا؟

آپ کے علم میں ہے کہ سعدی جیسا شاعر بھی فحش و ہزل گو تھا۔ آلوسی کا حوالہ دے کر قارئین کے آگے زبیر کی کردار کشی کی کوشش ایک سعئی ناکام ہے۔ الحمد للہ میں بھی اس حوالے سے واقف ہوں۔ اب سنیئے کہ آلوسی کا حوالہ ۷۳ء میں چھپنے والی میری کتاب رزم حق و باطل میں ہے۔ شخصیات کے تحت اسپر نوٹ بھی ہے۔ آلوسی نے اپنی کتاب بلوغ الادب میں ایک باب دیا ہے جس کا عنوان ہے۔ وہ شعرا جو اپنے قبائل کی مدافعت کرتے تھے۔ اسکے ضمن میں فرزدق شاعر اہل بیت کی ہجو گوئی کا بھی ذکر ہے۔ ایک اور شاعر عبداللہ الزبعری بن قیس کا ذکر ہے۔ اس نے حضرت زبیر کے خاندان کی ہجو کی اور حضرت زبیر کے ڈر سے اسے عتبہ بن ربیعہ کی طرف پھیر دیا۔ اس ڈر سے کہ زبیر اسکی ہجو نہ کہہ ڈالیں۔ آلوسی تو لکھتا ہے کہ ---- زبیر فصیح و بلیغ شاعر تھا۔ سخت مقابلہ کرنے والا اور فحش ہجو گو شخص تھا۔ آلوسی نے آگے لکھا ہے قبیلے کی حفاظت کا مطلب عورتوں کی حفاظت سے ہے وہ صرف فحش گو شاعر نہیں تھے اور پھر آلوسی کا یہ بیان ناقص ہے۔ اس نے زبیر کی فحش شاعری کا کوئی نمونہ نہیں دیا۔ ہزل گوئی اس زمانے کا مذاق بھی تھا۔ ہجو گوئی میں ہزل تو آتی ہے۔ اہمیت دو باتوں کی ہے کہ ایک تو یہ کہ سب کچھ اپنے قبیلے کی حفاظت کے لئے تھا۔ دوسرے یہ حقیقت ہے کہ وہ بہت قادر الکلام شاعر اور بہادر سردار تھے۔ آلوسی نے نمونے کے ان کے جو شعر دیئے ہیں وہ ثقہ اور اچھے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ ضرورت پڑتی تو وہ ہزل کا مورچہ بھی سنبھال لیتے تھے۔ آلوسی نے نمونے کے جو اشعار دیئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ موحد تھے۔ ان کے بہادر جنگجو ہونے کا اندازہ حرب فجار میں ان کی تیر اندازی سے بھی ہوتا ہے۔ آلوسی کے الفاظ میں وہ مقابلہ کرنے والے آدمی تھے۔ عرب کی جس سوسائٹی میں اللہ کا آخری پیغمبر مبعوث ہوا وہ تو اخلاقی نقطہ نظر سے بدترین سوسائٹی تھی۔ زبیر کی شاعری پر اعتراض ہے تو پھر ابو طالب کے کفر پر شدید اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ زبیر نے تو بعثت کا زمانہ نہیں پایا۔ رضوان علی صاحب نے کچھ شعرا کے نام دیئے ہیں اسکا چارٹ کے اندراج سے کیا تعلق؟ ان میں کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ اور جعفل کے نام نہیں ہیں۔ جنھوں نے اپنی شاعری سے اسلام کی بڑی خدمت کی۔

ساتواں مغالطہ

رضوان علی صاحب زبیر کی پوزیشن کم کرنے کے لئے لکھتے ہیں کہ سیرت کی تمام کتابوں میں ہے کہ آنحضرت نے عبداللہ بن جدعان کی تعریف کی ہے اور زبیر کی نہیں۔ ابن سعد حلف الفضول کے تحت لکھتے ہیں ---- جتنے عہد و پیان ہو چکے تھے حلف الفضول کا معاہدہ سب میں معزز تھا۔ سب سے پہلے زبیر بن عبدالمطلب نے اسکی دعوت دی تھی۔ بنی ہاشم بنی زہرہ بنی تیم سب لوگ عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے۔ زبیر نے ان کے کھانے کا انتظام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کا رخ تو زبیر کی طرف ہے۔ حلف کی تجویز ان کی جمع کرنے والے وہ۔ عبداللہ بن جدعان کا تو صرف گھر استعمال ہوا۔

اب ایک اور واضح بات سنیئے۔ ابن سعد اسی حوالے میں لکھتے ہیں کہ ---- "ہم کو معلوم نہیں کہ اس حلف میں بنی ہاشم سے کوئی سبقت لے گیا ہو یعنی جہاں تک علم کی رسائی ہے سب سے پہلے بنی ہاشم ہی نے اس کار خیر کی بنیاد ڈالی اور ایسے بابرکت عہد و پیان کے آثار استوار کیئے"۔ کسی سیرت کی کتاب میں حلف الفضول کے تعلق سے آنحضرت کے فرمان کے بعد زبیر کے سوا کسی اور کی تعریف بد دیانتی ہے۔

ابو طالب کے افلاس کی بات سب مورخین نے کی ہے۔ وہ حضور اکرم کے والد محترم حضرت عبداللہ کے دست نگر تھے۔ ابن سعد نے ان کے افلاس کا تذکرہ کیا ہے۔

ابن اسحٰق واقدی بلاذری

ابن اسحٰق کی بھی آپ تعریف کرتے ہیں حالانکہ ان کے ہاں موضوع روایات کی بھرمار ہے۔ صاحبان علم کی نظر میں سیرت کے تعلق سے موسیٰ بن عقبہ، یحییٰ بن معین اور ابن سعد کا مقام بہت اونچا ہے۔ ابن سید الناس کی کتاب کا جس طرح طعن سے آپ نے ذکر چھیڑا ہے اسکے حوالے بھی رزم حق و باطل مطبوعہ ۱۹۷۳ میں دیکھ لیجئے۔

آپ کا یہ کہنا کہ ابن اسحٰق پر ناپاک حملہ کیا ہے۔ کیا الفاظ ہیں جو ناپاک ہیں؟ ابن اسحٰق صد فیصد ابو جعفر کا دست گرفتہ تھا۔ یہ جملہ شاید آپ کو ناگوار گزرا ہے۔ ابن اسحاق شیعہ مورخ ہے۔ علامہ سیوطی کی رائے اس کے بارے میں سنیئے ---- جہاں تک مغازی کا تعلق ہے مشہور محمد بن اسحٰق کی کتاب ہے اور وہ اہل کتاب سے نقل کرتا ہے!(حوالہ ملا علی قاری موضوعات کبیر شبلی جنگ خیبر)۔ مالک بن انس ان کو شیعی اور اکثر متعدد قصوں اور نقلوں کا مخترع بتاتے تھے، جن کی ابن اسحٰق نے روایت کی۔ اس پر ابن اسحٰق کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا۔ (دائرۃ المعارف۔ جلد اول۔ ابن اسحٰق)۔ ابن اسحٰق پیغمبر تھے۔ یا صحابی تھے؟ مورخ اور محدث کو تو جانچا پرکھا جائے گا۔

رضوان علی صاحب ابن اسحاق کے بعد اب واقدی کا دفاع کرتے ہیں۔ جو بات واقدی کے بارے میں میرے پہلے مضمون میں ہے 'وہ سلف صالحین کا نقطہ نظر ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ واقدی کی کتابیں جھوٹی ہیں اور مغازی میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کے علاوہ کوئی کتاب صحیح نہیں۔ (موضوعات کبیر حدیث ۱۹ کے بعد کی پہلی فصل)

رضوان علی صاحب کا کہنا ہے کہ امام احمد بن حنبل واقدی کی کتابیں منگوا کر پڑھتے تھے۔ حوالہ کوئی نہیں۔ احمد بن حنبل کی افتاد طبع اور محدث ہونے کی وجہ سے رضوان علی صاحب کی بات کا یقین کرنا مشکل ہے۔ موضوعات کبیر ہی کے اس حوالے سے احمد بن حنبل کا تبصرہ پڑھیئے۔ تین قسم کی کتابوں کا کوئی اصول نہیں (۱) مغازی (۲) ملاحم (۳) تفسیر۔ خطیب اپنی جامع میں فرماتے ہیں کہ۔ یہ ان مضامین کی ان خاص کتب کے بارے میں ہے۔ جن پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے ناقل صاحبِ عدالت نہ تھے اور ان میں قصوں کی بھرمار تھی۔ ملاحم کا جہاں تک تعلق ہے تو اس مضمون کی تمام کتب اس صفت کے ساتھ متصف ہیں اور آئندہ آنے والے فتنوں کے بارے میں چند احادیث کے علاوہ کوئی صحیح نہیں،

اور جہاں تک کتب تفسیر کا تعلق ہے تو اس میں سب سے زیادہ مشہور کلبی اور مقاتل بن سلیمان کی کتابیں ہیں۔ امام احمد بن حنبل تفسیر کلبی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ از اول تا آخر جھوٹ ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ اسے دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے فرمایا۔ نہیں۔ نیں ازرکشی فرماتے ہیں کہ مقاتل کی تفسیر اس کے قریب قریب ہے۔"
ابن سعد کاتب واقدی رہے ہیں، لیکن اہل علم کی نظر میں ان کا مقام معتبر ہے۔ میں نے بلاذری، ابن اسحاق اور واقدی کا کوئی تقابل نہیں کیا۔ شام کے سفر کے بارے میں علامہ شبلی کے اس بول کا تو کوئی جواب آپ سے نہ بن پڑا کہ ---- یہ روایت ناقابل اعتبار ہے اور اس عہد کے طالب علم نے شبلی کو بھی قابل اعتماد نہ جانا۔
فقرہ نمبر ۱۳ حیرت ہے کہ آپ یہ سنی سنائی بات لکھ جاتے ہیں یعنی "الزامات، طنز، تشنیع علمی طریقہ نہیں۔ تاریخی حقائق اور براہین اہل علم کے نزدیک مقبول اور صحیح طریقہ ہے!"
کاش آپ نے خود اس پر عمل کیا ہوتا۔

حدیث مغفور

(فقرہ ۱۳) آپ امیر المومنین معاویہ کے بعد جبر و استبداد کی بات پر بھی آگئے۔ گویا اب معائب کا دفتر کھلا۔ یہ بڑی طویل اور اس جگہ قطعی غیر متعلقہ بحث ہے۔ جواب سنئے یہ امیر معاویہ کا پوتا ہی تھا، جس نے علمی مشاغل اور سائنسی تجربات کی خاطر اقتدار کو لات ماردی تھی جب کہ علوی بار بار اس کے لئے خروج کر رہے تھے۔
حضرت امیر معاویہ صحابی تھے۔ قرآن ان کے راشد ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ ... شامیو! میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا جس کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو۔ تمہارے امام یعنی امیر معاویہ کے علاوہ! (منہاج السنہ جلد ۳ ص ۱۸۵) امیر معاویہؓ اور امیر یزید کو سمجھنا ہو تو ابن کثیر البدایہ والنہایہ کو غور سے پڑھئے۔ ان کے بارے میں صرف اتنی بات کافی ہے کہ باپ نے قبرص فتح کرکے حضور اکرمؐ کی پیش گوئی پوری کی اور بیٹے نے قسطنطنیہ پر حملہ کرکے حضرت ام حرام کے گھر دیکھے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کی دوسری پیشن گوئی پوری کی، دونوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی، اسماعیل بینائی کو آپ جانتے ہیں۔ ان سے فاران کا وہ پرچہ مانگ لیجئے، جس میں حدیث مغفور کے سلسلے میں میں نے چوالیس حوالے دیئے ہیں۔
ابن کثیر لکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ سے لوٹ کر یزید بن معاویہؓ نے مسلمانوں کو حج کرایا یعنی امیر حج بنے اس سے پہلے بھی امیر حج رہے معاویہؓ اور ان کے فرزند کے دور میں جہاد کا احیاء ہوا امیر یزید کے بارے میں حضرت زین العابدین اور حضرت محمد بن حنفیہ کی روایتوں کا لب لباب یہ ہے، جو البدایہ والنہایہ العواصم من القواصم منہاج اللہ میں ہے کہ فسق و فجور کی روایتیں محض پروپیگنڈہ ہیں ورنہ صحابہ کرامؓ ایک فاسق و فاجر کو نہ امیر حج تسلیم کرتے نہ جہاد قسطنطنیہ میں ان کے پیچھے نماز پڑھتے۔ تمام مورخین متفق ہیں کہ حضرت حسینؓ اس جہاد میں شریک ہوئے اور عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اس جہاد میں امیر یزید کے ساتھ شریک تھے اور محمود بن ربیع کی حدیث کتاب التہجد باب النوافل بخاری میں ہے کہ ابو ایوب انصاری بھی اس جہاد میں شریک تھے، جس کے سپہ سالار یزید بن معاویہؓ تھے۔ ان سب نے یزید بن معاویہؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے۔ ۵۰ صحابہؓ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، جن میں عشرہ مبشرہ، بدری صحابہؓ اور بیعت رضوان کے صحابہؓ شامل ہیں۔ ابن حجر اور امام عینی ہی نہیں ابو داؤد بھی کہتے ہیں کہ ان کی بیعت پر اجماع امت ہے۔

غیر معروف

ناصر الدین البانی صاحب اس دور کے محقق ہیں۔ یہ خود ہجرت کرکے یورپ سے نہیں آئے۔ ان کے والد آئے تھے۔ یہ پہلے مقلد اور اب غیر مقلد ہیں۔ ان کی ایک آدھ کتاب کراچی کی ایک دو معروف لائبریریوں میں ہے۔ میں نے ان کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ غیر معروف ہیں۔ آپ خود اس کی تصدیق کرتے ہیں، ورنہ آپ کو لفظ "بلکہ" کا سارا لے کر انہیں ہندوستان پاکستان میں معروف نہ بنانا پڑتا۔ میں نے کیا غلط لکھا تھا! ایک مخصوص گروہ کے نظریات ان کے پاس مل جاتے ہیں۔ حضرت سفینہ کی روایت کو ان کا صحیح کہنا خود اس کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ شیخ ناصر الدین صاحب کی شہرت یہ ہے کہ انہوں نے بہت سی صحیح احادیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے۔ آپ نے ان کو امام بخاری، ابن حجر اور امام عینی کی صف میں بٹھانا چاہتے ہیں تو کون اسے تسلیم کرے گا۔ ابھی تو وقت گزرے گا ان کے لکھے پر جرح و تعدیل ہو گی پھر ان کا مقام متعین ہو گا۔ ان سے بڑے مرتبے کے عالم مولانا ظفر عثمانی اعلاء السنن (۲۰ جلدیں) کے مصنف عرب ملکوں میں غیر معروف۔ مولانا یوسف بنوری اکثر مقامات پر غیر معروف۔ ہمارے اکابرین میں شاہ ولی اللہ، شیخ احمد سرہندی، شاہ عبدالحق محدث جیسی شخصیتیں عرب ممالک میں غیر معروف ہیں۔ جو پڑھا لکھا شخص بھی وہاں جائے اسے اس کا احساس ہوتا ہے۔
حوالے نہیں ملتے تو آپ کروٹ بدل کر مطبوع اور وثوق کتابوں کے بجائے مخطوطات کا سہارا لینے پر اتر آئے ہیں؟ جناب تحقیق کے لحاظ سے ان کی اہمیت اس وقت تک مسلم نہیں، جب تک آپ اس کی میکرو فلم نہ منگوائیں یا اس کے حوالے کثرت سے دوسرے محققین بھی نہ دیں۔ نہ رسالہ "قاعدہ" سے آپ نے کیا نقل کیا اس کی کوئی ضمانت نہیں۔ اسی طرح آپ سیاق و سباق توڑ کر ابن تیمیہ کا حوالہ دیتے ہیں۔ آپ وہ سوال بھی تو لکھتے جس پر ابن تیمیہ نے فتویٰ دیا۔ موجودہ صورت میں آپ کا بیان نامعتبر ہے۔ اس لئے ابن تیمیہ منہاج السنہ اول ص ۴۸۷ پر واضح طور پر لکھتے ہیں کہ "ابو بکر، عمر اور عثمان کی خلافت، خلافت نبوت ہے" آپ نے ان کے جس فتوے کا حوالہ دیا ہے اس میں حضرت علی کا نام ہے؟ ابن تیمیہ صاف کہتے ہیں کہ لوگ ان پر جمع نہیں ہوئے وہ نہ خلافت نبوت کے منتظم بنے نہ ملک کے" انہوں نے یہ بھی تشریح کی ہے کہ خلافت مدینے میں ہو گی، مدینے کے باہر نہیں۔ تیس سالہ مدت کی روایت میں ایک سقم یہ ہے کہ تنبیہ والاشراف میں مسعودی نے حضرت ابو بکر سے حضرت حسن تک ہر ایک کی مدت خلافت لکھی ہے، اسے جوڑا جائے تو حضرت حسن کی خلافت تیس سالہ مدت سے باہر ہو جاتی ہے۔ دوسری روایتیں کچھ اور صورت حال پیش کرتی ہیں، مدت خلافت کی روایتوں کو بھی مسخ کیا گیا ہے۔

سفینہ کی بیعت

حضرت سفینہ کی روایت کو ناصر الدین صاحب چاہے، کچھ کہیں امام ترمذی صحیح نہیں مانتے۔ حضرت ابو بکر کی روایت میں زرقا اور اس روایت میں استعمال ہونے والے ٹکڑے محاورے ("گ" سے ہوا) کا کوئی: کر نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہے اقتدار دے لکھا ہے۔ امام ابو داؤد نے سفینہ کی ــــــــ کی روایت کا ٹکڑا جڑ دیا ہے۔ سیوطی، ابو حاتم، ابن العربی، محب الدین خلیب سعید بن جمہان کو واقدی کی طرح نامعتبر سمجھتے ہیں۔ الحافظ الکبیر امام ابو حاتم صاف کہتے ہیں کہ اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا، پھر بھی آپ ناصر الدین صاحب سے چمٹے ہوئے ہیں۔ ۳۰ سالہ روایت صحاح میں کسی اور طرح سے نہیں ملتی نہ صحیحین میں ملتی ہے عبداللہ بن مسعود کی روایت پچیس سالہ عرصہ کی ہے بشمول عہد نبوی ۳۵ سال اور صحیحین میں تین خلافتوں کی اور روایتیں بھی ملتی ہیں۔ ایک اور دلیل پیش ہے۔ حضرت سفینہ نے امیر معاویہؓ اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کیوں کی؟ جمل اور صفین میں شرکت کیوں نہیں کی۔ جب کوئی محدث اپنی بیان کردہ حدیث کے خلاف عمل کرتا ہے تو روایت باطل ہو جاتی ہے، سفینہ ۷۶ میں مر گئے۔ سعید بن جمہان کی سماعت حدیث ثابت نہیں، سفینہ مدینے میں فوت ہوئے۔ سعید بصرے ہی میں رہا اس طرح یہ حدیث ضعیف اور منقطع ہے۔ ایک اور دلیل جو دے چکا ہوں کہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر صحابہ کرامؓ کی جس عظیم اکثریت نے بیعت نہیں کی وہ اس حدیث کی رو سے گنہگار ہو جاتی ہے۔

آپ کہتے ہیں سعید بن جمہان کو بعض نے ثقہ کہا ہے؟ آپ مکمل کے نام دیجئے اور ان کے حوالے بھی دیجئے۔ آپ کے بیان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہاں ناصر الدین صاحب کا نام دیجئے! سفینہ کی روایت میں حشرج بن نباتہ کا نام بھی آتا ہے، جو سعید بن جمہان سے روایت

کرتا ہے۔ یہ ضعیف الحدیث' نامعتبر اور منکر الحدیث ہے۔ حجت کے قابل ہے ہی نہیں۔ ہم تک سفینہ کی یہ روایت دو نامعتبر راویوں سے پہنچی ہے۔

آٹھویں غلط بیانی

ازالۃ الخفا کی پہلی جلد میں ص ۱۱۴ پر فارسی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ حدیث سفینہ کے تحت وہ اقتباس ہے جسے رضوان علی صاحب فرضی تصور کرکے الزام تراشی کرتے ہیں۔ "حدیث سفینہ سے مدت خلافت تیس سال ظاہر ہوتی ہے اور حدیث ابن مسعود سے پچیس سال معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت کوئی تناقص نہیں ہے کیونکہ اگر حضرت مرتضٰی کو (ان کی اسلامی خدمات کی قوت پر نظر کرکے اور ان کے زمانہ خلافت میں ان کے افضل الناس ہونے پر نظر کرکے) خلفاء راشدین میں شمار کریں تو خلافت کی مدت (موافق حدیث سفینہ کے) تیس سال ہوتی ہے اور اگر اس بات پر نظر کرکے کہ حضرت علیؓ کی خلافت نے نظام (کامل) نہ پایا اور ان کو خلفاء میں شمار نہ کریں تو حضرت عثمانؓ کی موت سے خلافت خاصہ منقطع ہو گئی (اور موافق حدیث ابن مسعود کے خلافت کی مدت پچیس سال ہوتی ہے) اور اکثر حدیثیں اس مضمون کی وارد ہوئی ہیں اور (تعین مقام خلافت) ابوہریرہ وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) خلافت مدینے میں ہو گی اور سلطنت شام میں" تشریح اس کی یہ کہ خلافت ماننے کے دو حصے ہیں ایک خلافت خاصہ اور دوسری راشدہ جو مدینے سے باہر ہو گی۔ خلافت کے بارے میں اور بھی حدیثیں ہیں' جو حضرت عثمان ہی کے عہد پر آکر ختم ہو جاتی ہیں مثلاً بخاری' مسلم اور ترمذی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب سے پہلے خواب دیکھنے کی حدیث جس میں ترازو کے ایک پلڑے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضرت ابو بکرؓ' حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ ملت کے مقابلے میں تلتے رہے اور بھاری نکلے اس کے بعد وہ ترازو آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ ابوداؤد میں اسی طرح کی ایک روایت حضرت ابو بکرہ سے منقول ہے۔ ابوداؤد نے حضرت جابر سے وہ روایت بیان کی ہے' جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے حضرت ابو بکر ان کے دامن سے حضرت عمر ان کے دامن سے حضرت عثمان لٹک رہے ہیں۔ ایک کا دوسرے کے دامن سے لٹکنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے والی ہوں گے۔ خلافت خاص یہاں ختم۔

چند اور ثبوت

حاکم نے سفینہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرمؐ نے مسجد اقدس کی بنیاد ڈالی تو پہلے آپ نے ایک پتھر رکھا پھر ابو بکرؓ سے فرمایا کہ پتھر رکھیں' اس کے بعد پہلو میں عمرؓ سے پتھر رکھوایا اور آخر میں عثمانؓ سے اور ارشاد فرمایا۔ یہ لوگ میرے بعد خلیفہ ہیں۔ بزاز اور طبرانی نے (کتاب المعجم) اوسط میں اور بیہقی نے حضرت ابوذر سے روایت کی ہے کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے تھے کہ ابوذر وہاں پہنچے پھر ابو بکر' عمر اور عثمان رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں پڑی ہوئی تھیں۔ آپ نے کنکریاں ہتھیلی پر رکھیں تو تسبیح پڑھنے لگیں۔ آپ نے انہیں زمین پر رکھا تو خاموش ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھا کر انہیں ابو بکر کے ہاتھ پر رکھا وہ پھر تسبیح پڑھنے لگیں۔ زمین پر رکھا خاموش ہو گئیں۔ آپ نے عمر کے ہاتھ پر رکھیں پھر تسبیح پڑھنے لگیں۔ زمین پر رکھا پھر خاموش ہو گئیں۔ اسی طرح حضرت عثمان کے ہاتھ پر تسبیح پڑتی رہیں پھر زمین پر رکھتے ہی خاموش ہو گئیں۔ فرمایا کہ یہ علامت خلافت نبوت کی ہے۔ یہ سب حدیثیں میں نے ازالۃ الخفاء سے لی ہیں۔ صرف اس لئے کہ قارئین کو خلافت کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب کا نقطہ نظر اچھی طرح معلوم ہو جائے (جلد اول فصل سوم تفسیر آیات خلافت) تکبیر کے ص ۶۳ کالم ایک میں میری تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ہرگز وہ نہیں کہا ہو گا جو ان کی طرف بلیغ الدین صاحب نے منسوب کیا ہے۔" اب قارئین خود انصاف کریں۔ ابو بکر بن العربی نے بھی ان احادیث کے حوالے العواصم من القواصم میں دیئے ہیں۔ محب الدین خطیب نے بھی ان پر حاشیہ آرائی کی ہے۔ تفہیم ۶۵ تفہیمات الٰہیہ کا حوالہ' جس کی تصحیح کے لئے غلام مصطفٰی قاسمی کا نام لکھا گیا ہے' اس میں یہ شہادت کہ کون کون جنت اور خیر کے مستحق ہیں' وہ تو ہر مسلمان کا نظریہ ہے۔ بعد کا ٹکڑا جس میں زبردستی کی ملوکیت کی بات ہے' وہ شاید خوابی تحریف کا مظہر ہے۔ ایک طرف تو رضوان علی صاحب ملوک رحمت ابن تیمیہ کے حوالے سے بات کرتے ہیں دوسری طرف دسمبر ۹۰ کے تکبیر میں ص ۶۳ پر انہیں زبردستی کی ملوکیت کا بانی بنا دیتے ہیں۔ سچ کیا ہے؟ اسی جگہ شاہ ولی اللہ کا نام لے کر انہوں تمام خلفاء پر حضرت علی کی فضیلت کی بات چھیڑی ہے۔ یہ تفضیلہ گروہ کا نعرہ ہے۔ رہی شاہ ولی اللہ صاحب کی بات اسے رضوان علی صاحب سمجھ نہیں سکے۔ انہوں نے پہلا گروہ نبوت کا بتایا ہے' اس میں پہلا نام حضرت ابو بکر کا ہے خلفاء راشدہ میں پہلا نام حضرت علی کا ہے۔ صرف خلفاء کا سلسلہ شمار ہو تو حضرت علی چہارم امیر معاویہ پنجم ہیں یہی سلف صالحین کا نظریہ ہے۔

سال اتحاد

حکومت معاویہؓ کے بارے میں حضرت حسن کا فیصلہ امیر معاویہ کو سب سے بڑا خراج تحسین ہے۔ شاہ ولی اللہ انہیں حضرت عثمان کا عہد حکومت ختم ہونے کے بعد شروع ہونے والی خلافت راشدہ میں شمار کرتے ہیں' یہی ابن تیمیہ کہتے ہیں' صرف سبائی اسے جبر و زبردستی کی ملوکیت کا نام دیتے ہیں' حالانکہ امیر معاویہ پر اجماع امت ہے۔ اسی لئے تاریخ میں یہ سال ہی "سال اتحاد و ملت" کہلاتا ہے (عام الجماعتہ) رضوان علی صاحب تکبیر کے ص ۶۳ پر لکھتے ہیں کہ۔ "حدیث سفینہ کے بارے میں جو بات اکثریت صحابہ کی تنقیدوں کی ہے وہ غلط ہے۔ یہ ابو بکر ابن العربی نے العواصم من القواصم میں بالکل نہیں فرمائی ہے' بلکہ اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ اور یہ احتمال بھی ہے کہ ولایت کے مدارج مختلف ہوں۔۔ آخر تک)

سب سے پہلے تو یہ بات نوٹ کیجئے کہ جس کا سہارا آپ نے لینا چاہا وہ بات شروع "احتمال" سے ہوئی ہے جو شک اور قیاس پر مبنی ہے۔ جو بات ص ۱۰۷ پر انہوں نے کی ہے۔ اس سے پہلے "عاصمہ" کے تحت بحث کرتے ہوئے واضح الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں۔ ۱) معاویہ اور حسن کی صلح کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے (۲) حضرت معاویہ خلیفہ راشد تھے اور پھر صفحہ ۲۰۱ پر دو ٹوک الفاظ میں کہتے ہیں کہ حضرت حسن نے امیر معاویہ کی بیعت کرلی اور یہ حدیث (حدیث سفینہ) صحیح نہیں ہے اگر صحیح ہو بھی تو اس صلح کے مخالف ہے' جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوا پھر اس طرف رجوع لازم ہے" یہ بات اس لئے کی گئی ہے کہ حضرت حسن اس شہادت کو پورا کرتے ہیں' جو اللہ کے رسول نے دی' اس لئے جو روایت اس سے ٹکرائے' غلط ہے کیونکہ حدیث بشارت صحیح ہے اور کئی طرق سے آئی ہے۔

صحیح اور حسن پر جو بحث آپ نے کی ہے اسے سوائے کج بحثی کے اور کیا کہا جائے۔ عدل و ضبط صحیح کے لئے ضروری ہے' حسن کے لئے نہیں۔ حسن کا درجہ دوسرا ہے۔ ایک حوالہ اور مختصر حوالہ۔ مشکواۃ کے مقدمہ میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ۔ حدیث کی اصل قسمیں تین ہیں ۱۔ صحیح ۲۔ حسن ۳۔ ضعیف۔ صحیح سب سے اعلٰی مرتبہ ہے۔ حسن متوسط درجہ ہے۔ صحیح حدیث یہ ہے۔ جس کا نقل کرنے والا عادل تام الضبط ہو جو نہ معلل ہو نہ شاذ اگر یہ صفات علی وجہ الکمال پائی جائیں تو وہ صحیح لذاتہ ہے اور اگر اس میں کسی قسم کا نقص ہو لیکن کثرت طرق سے اس نقصان کی تلافی ہو جائے تو وہ صحیح لغیرہ ہے اور اگر اس نقص کی تلافی کرنے والی کوئی چیز نہیں تو وہ حسن لذاتہ ہے

نواں مغالطہ

تکبیر ص ۶۳ پر الزام "شاہ بلیغ الدین صاحب نے (سید سلیمان صاحب کی بحث سے) صرف اپنے مطلب کی بات نقل کی ہے۔ اس کے بالکل برعکس بات ان سے منسوب کی ہے"۔ اب ان کے نکات پر آیئے۔ (نقاط نہیں)

نکتہ نمبر ۱۔ امام ترمذی کی طرف بارہ خلفاء کے ناموں کا سید صاحب نے ذکر نہیں کیا"

جواب۔ میں نے کہاں کہا ہے کہ سید صاحب نے ترمذی کا ذکر کیا ہے؟ تکبیر کے ص ۵۱ پر میں نے لکھا ہے کہ ابن حجر عسقلانی کے حوالے سے بارہ نام لکھے ہیں۔ حافظ عینی نے بھی یہی

بارہ نام لکھے ہیں -

دسواں مغالطہ

اسی ضمن میں لکھا ہے کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو غریب لکھا ہے - غریب کہتے ہیں، وہ روایت جس کی سند میں کسی جگہ شیخ سے ایک ہی راوی روایت کرے یعنی ایک راوی منفرد ہوتا ہے - متن حدیث میں غریب کا اطلاق عربی زبان میں استعمال ہونے والے الفاظ کے سوا غیر مانوس الفاظ کو کہتے ہیں - جامع ترمذی جلد دوم حدیث نمبر ۱۰۳ جو بارہ خلفاء کے بارے میں ہے - امام ترمذی اس کے آخر میں لکھتے ہیں -

ہٰذا حدیث حسن صحیح وقد روی من غیر وجہ عن جابر بن سمرہ

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس کے علاوہ دوسرے طریقوں سے حضرت جابر بن سمرہ سے مذکور ہے -

جامع ترمذی میں پھر حدیث نمبر ۱۰۴ ہے جابر بن سمرہ کی یہ حدیث ہے یعنی حدیث نمبر ۱۰۴ جو غریب ہے اور غریب اس لئے ہے کہ اس میں ایک جگہ جہاں حدیث نمبر ۱۰۳ میں سماک بن حرب کا نام لکھا ہے ' سمرہ بن جندب کی دوسرے طریقہ سے بیان کردہ حدیث نمبر ۱۰۴ میں سماک کی جگہ ابی بکر بن ابی موسیٰ کا نام ہے ' جو منفرد راوی ہے اس کا کوئی اور شاگرد اس سے روایت نہیں کرتا -

مزید غلط بیانیاں

نکتہ نمبر ۲ میں انہوں نے (شاہ بلیغ الدین) نے قاضی عیاض کی حدیث کا وہ مطلب نہیں لکھا ' جو سید صاحب مرحوم نے ذکر کیا ہے وہ یہ ہے " قاضی عیاض اس حدیث کا مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی اور وہ متقی تھے -

جواب - دیکھئے تکبیر ص ۱۵ کالم نمبر ۱ اور ۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے پھر قاضی عیاض عقیدہ اہل سنت والجماعت کے مطابق انہیں دین کا خدمت گزار اور متقی قرار دیتے ہیں - ایک ہی تاریخ ۲۸ دسمبر ۸۹ء میں میرا اور ان کا مضمون چھپا ہے' قارئین میری عبارت اور ان کے حوالے کا موازنہ فرمالیں - میں ان کی علمی ذہانت پر کیا تبصرہ کروں !

نکتہ نمبر ۳ - رضوان علی صاحب لکھتے ہیں کہ " سلیمان ندوی نے ابن حجر سے نہیں سیوطی کے مقدمے سے نام لئے ہیں "

جواب - سلیمان ندوی نے ابن حجر سے فہرست نقل کی ہے یا سیوطی سے' یہاں یہ زیر بحث نہیں - یہاں تو صرف یہ بات زیر بحث ہے کہ سیرۃ النبی جلد سوم میں سید سلیمان نے وہ نام دیئے ہیں جو زیر بحث ہیں یا نہیں ؟ لہٰذا اعتراض مہمل اور بلاوجہ -

نکتہ ۴ - رضوان علی صاحب کہتے ہیں کہ --" سب سے اہم بات کہ اس بارہ خلفاء کی فہرست میں ایک خلیفہ یعنی یزید بن معاویہ کی خلافت کے بارے میں اس ایڈیشن کے نمبر ۳۹۲ پر ایک ذیلی عنوان یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر کے تحت لکھتے ہیں "

جواب - سید سلیمان ندوی خود ناموں کا انتخاب نہیں کر رہے ہیں - وہ ایک فہرست نقل کر رہے ہیں - یہ ابن حجر کی فہرست ہے ' جو سیوطیؒ کے پاس بھی ہے ایک اور فہرست امام بیہقی کی ہے - سید صاحب اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے - یہ اعتراض پڑھ کر قارئین کو بھی حیرت ہو گی کہ کیسا بے معنی اعتراض ہے ہے اور صاف اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یزید بن معاویہؓ سے بغض ہے -

رضوان علی صاحب تکبیر ص ۶۴ کالم نمبر ۱ میں لکھتے ہیں کہ -- بلیغ الدین صاحب مصنف مرحوم کی بیان کردہ ان متضاد روایات کو بیان کرنے کے بعد عقلی اور نقلی (یعنی روایتی) استدلال سے اس تضاد کو دور کرکے اپنا نقطہ نظر ثابت کرتے -

جواب - میں سیرۃ النبی میں یزید بن معاویہ پر سید سلیمان ندوی مرحوم کے خیالات کا تجزیہ کر رہا ہوں نہ یہ میرے موضوع سے متعلق ہے - میں تو بارہ خلفاء کی حدیث پر بحث کر رہا ہوں - اس حدیث میں سلف صالحین نے جن کے نام شریک کئے ہیں ان پر محاکمہ نہ میں کر رہا ہوں نہ سید سلیمان ندوی کر سکتے تھے - اسی لئے انہوں نے صرف فہرست اسمائے خلفاء نقل کر دی -

دوسرا اعتراض - (شاہ بلیغ الدین صاحب) نے سید سلیمان کا صرف ایک قول نقل کیا یا ان کی ایک روایت بیان کی -

جواب :- میں نے سید سلیمان ندوی مرحوم کا کوئی قول نہیں دہرایا - قارئین تکبیر ص اکیاون کالم نمبر ۲ خود دیکھ لیں اور خود یہ فیصلہ کریں - میں نے تو یہ لکھا ہے کہ --" صحیح مسلم کے الفاظ کو علامہ سلیمان نے دہرایا ہے - وہ دوسرے کا قول نقل کر رہے ہیں - یزید بن معاویہ کے بارے میں اس جگہ انہوں نے کچھ نہیں لکھا - دیکھئے جلد سوم ص ۶۳۱ کہ اس وقت تک اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک اس پر بارہ خلفاء حکمران نہ ہو جائیں - یہاں سلیمان ندوی کا قول کون سا ہے ؟ ان کا نقطہ نظر بیان کرنے کی مجھے ضرورت ہی نہیں جب کہ خود انہوں نے اپنا قول اس جگہ بیان نہیں کیا - رضوان صاحب ایک بے معنی اعتراض اٹھا کر طعن پر آتے ہیں کہ " کیا اس کو علمی دیانت کہتے ہیں ؟ میرا جواب ہے کہ ہاں !! اور جو مین میخ آپ نے نکالنے کی سعئ بیجا کی اسے میں کیا نام دوں ؟ -

روایت لڑکا شاہی

احمد بن حنبل کی ایک حدیث کا حوالہ ہے جو اس اعتراض میں آیا ہے - " لڑکوں کی حکومت " سے کیا مراد ہے - الصبی کا مطلب ہر مستند لغت میں یہ ہے کہ بچہ جو جوان سے کم عمر ہو - اس لفظ کی جمع صبیان جو ابوہریرہ کی حدیث میں ہے صحیح مسلم میں باب جواز حمل الصبیان فی الصلواۃ حضرت امامہ بنت ابوالعاص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز میں اپنے کاندھوں پر بٹھانے کا بیان ہے ' اس میں بھی صبی آیا ہے مطلب چھوٹا بچہ - سورۃ النساء کی چھٹی آئت میں ارشاد ربانی کا مطلب ہے کہ اور سدھارتے رہیں یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو پھر اگر دیکھو ان میں رشد (ہوشیاری) تو حوالے کر دو ان کا مال ان کو اب اس آئت میں بالغ ہونے کی عمر کا ذکر آیا ہے اور اسے متعین کیا گیا ہے اس بات سے کہ وہ نکاح کرنے کے قابل ہوں " - بلوغت کی عمر بعض نے لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال مقرر کی ہے - بلوغت کی عمر بعض فقہانے دونوں کے لئے پندرہ سال مقرر کی ہے -

امام ابوحنیفہ کے مذہب میں فتویٰ اس قول پر ہے کہ لڑکا اور لڑکی دونوں پندرہ سال کی عمر پوری ہونے پر شرعاً بالغ قرار دے دیئے جائیں گے " (معارف القرآن - سورۃ النساء - مفتی محمد شفیع) رُشد یا ہوشیاری کے لئے قرآن حکیم نے کوئی حد مقرر نہیں کی - عدم ہوشیاری سے بچپن کا اثر مراد ہے - امام ابوحنیفہ کے مطابق پندرہ سال عمر بلوغت اور دس سال سن رشد ہوشیاری کیلئے ۲۵ سال کی عمر ہو جانے پر (مفتی محمد شفیع وہی حوالہ) اس عمر میں ان کے اموال ان کو دے دیئے جائیں - اگر وہ کسی سلطنت کا حقدار ہو تو وہ بھی اسے دے دی جائے - ووٹ کی عمر ہندوستان میں اٹھارہ سال ہے پاکستان میں اکیس سال یہ بھی سن رشد کا ایک معیار ہے - پچیس سال کے مرد کو کوئی بھی صبیان یعنی بچوں میں شامل نہیں کر سکتا - یہ فقہاء کا فیصلہ ہے - سیدنا حضرت حسن کی عمر عام روایت ۳ ھجری رمضان کے حساب سے بیعت خلافت کے وقت ۳۷ سال - اگر بعد جنگ خیبر پیدائش کی روایت کی جائے تو (۳۳) سال بوقت بیعت خلافت ہوئی - یزید بن معاویہ کی ولادت ۲۲ھ تاریخ بیعت رجب ۶۰ ھجری (تنبیہ واشراف مسعودی) بیعت کے وقت عمر ۳۸ سال' بیعت کے وقت ۳۵ سال کی روائت بھی ہے ابن کثیر اور ابن اثیر کی ایک روایت ۲۵ھ میں ولادت کی ہے لیکن میں یہ یہاں کم سے کم عمر کی روایت لے کر حساب لگا رہا ہوں' مسعودی تنبیہ واشراف میں بھی لکھتا ہے کہ وفات کے وقت یزید بن معاویہ کی عمر ۳۳ سال کی تھی - تین سال سات مہینے اتیس دن ان کی حکومت رہی یعنی بیعت کے وقت عمر تیس سال کے لگ بھگ تھی

بارہ خلفاء راشدین

بارہ خلفاء کے بارے میں احادیث میں یہ تشریح ہے کہ وہ قریش سے ہوں گے - بارہ

خلفاء کی دونوں فہرستوں میں امیر معاویہ اور امیر یزید کے نام موجود ہیں۔ سیوطی کے پاس بھی یہ نام ہیں۔ سیوطی نے اپنی مرضی سے ایک فہرست مرتب کی ہے' جس کا کوئی تذکرہ علامہ سید سلیمان ندوی نے نہیں کیا اس لئے اس کے بارے میں کوئی گفتگو ہمارے بحث سے خارج۔ سیوطی کی دوسری فہرست میں امیر یزید کا نام نہیں حالانکہ ان کی خلافت پر امت کا اجماع ہے' بخاری میں عبداللہ بن عمر کی حدیث ہے کہ ہم نے یزید کے ہاتھ پر اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے بیعت کی تھی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام ابن حجر امام عینی اور سیوطی کی پہلی فہرست میں شامل ہے' اگر کہیں سہو کتابت ہو گیا ہے تو غور سے دیکھو کہ لکھا کیا ہے۔ کیا گیارہواں یا بارہ؟ حوالہ سیرۃ النبی کے ص ۱۳۱ کا ہے' اس پیراگراف کی فہرست کے نام ہیں۔ اقتباس یہ ہے "حافظ ابن حجر ابو داؤد کے الفاظ کی بناء پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گناتے ہیں جن کی خلافت پر تمام امت کا اجماع رہا یعنی ۱۔ ابو بکر۔ ۲۔ عمر۔ ۳۔ عثمان۔ ۴۔ علی۔ ۵۔ معاویہ۔ ۶۔ یزید بن معاویہ۔ ۷۔ عبدالملک۔ ۸۔ ولید۔ ۹۔ سلیمان۔ ۱۰۔ عمر بن عبدالعزیز۔ ۱۱۔ یزید ثانی۔ ۱۲۔ ہشام۔ شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کرے گا"(سیرت النبی۔ سید سلیمان ندوی) سید سلیمان صاحب کی رائے میں اس پر اجماع امت ہے۔ اسی لئے سیوطی کی فہرست کو بھی سید صاحب نے رد کر دیا کہ اس کی ذاتی رائے فہرست سے الگ ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بارے میں پانچویں خلیفہ راشد کی حیثیت سے میں نے کئی مضامین لکھے ہیں۔ اپنی ان ریڈیائی تقریروں میں جو "ہماری کہانی تاریخ کی زبانی" کے عنوان سے شائع ہوئی ہیں ان میں حضرت عمر بن عبدالعزیز پر کوئی پندرہ تقریریں ہوئی تھیں' جو ۷ جنوری ۷۷ء سے شروع ہوئیں۔ اس سے پہلے اس کے بعد بھی پانچویں خلیفہ راشد میری کئی تقریروں کا عنوان رہے۔ یہ بھی مکا تکرار کہ رہا ہوں کیونکہ رضوان علی صاحب قارئین کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مرتبہ نہیں پہچانتا۔

ائمہ قریش سے ہوں گے' کے بجائے قوسین میں رضوان علی صاحب نے لکھا ہے' خلفاء قبیلہ قریش سے ہوں گے۔ انہیں فوراً اپنے "ائمہ" کا خیال آیا۔ یہ ایک جداگانہ اور طویل بحث ہے۔ اور یہ محض قاری کو الجھانے کے لئے بے موقع اٹھائی گئی ہے۔ چارٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں!

میرے نزدیک ہر بات جو چارٹ بنانے والے نے لکھی ہے قرآن حکیم کے فیصلے' ذرود شریف کے اشاروں اور تاریخی حوالوں اور بالخصوص ابتدائی معتبر عرب ماخذوں کے مطابق ہے' ہر نام جو چارٹ میں درج ہے اس کا ریفرنس تاریخ کے صفحات پر موجود ہے۔ تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کی جو کوششیں ہوتی رہی ہیں اور جس طرح گھڑی ہوئی روایات کے انبار لگائے گئے ہیں' ان کی جانچ پڑتال ہر دور میں ہوتی رہی ہے۔ برصغیر میں بھی دیمک ہماری تاریخ کو چاٹتی رہی ہے اور قصوں کہانیوں کو گردش میں لایا گیا ہے۔ سلف صالحین کا موقف وہ ہے' جو حضرت عبداللہ بن عمر' حضرت عبداللہ بن عباس' شیخ عبدالقادر جیلانی' امام غزالی ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ جیسی شخصیتوں کا رہا ہے۔۔

ومن اللّٰہ التوفیق وھوا المستعان فی المبداء والمعاد

ایک لمحے کے لئے ساری علمی بحث بھول جایئے زبان و بیان کی بے راہ روی کو نظر انداز کر دیجئے اور صرف یہ نوٹ کیجئے کہ کیوں اکابرین اہل سنت کی تنقیص بجا کی جاری ہے؟ حتیٰ کہ خلفاء کے معاملے میں بھی حضور اکرمؐ کے طریق کار پر تک اعتراض کی جسارت کی گئی ہے۔ کسی کو خاص صحابی رسولؐ سے عقیدت ہو' ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں' لیکن اس درجہ بندی میں خود حضورؐ کی احادیث' آپ کے مقرر کردہ رجات' امہات المومنین کے لئے قرآن کے ارشادات صحابہ کرام کی روایات اور امت مسلمہ کے اجماع کو نظر انداز کر کے اہل سنت والجماعت کے اکابرین اور محسنین اسلام کی کردار کشی کی جائے' یہ تاریخ کے ساتھ ظلم ہے' اسے کبھی گوارا نہیں کیا جائے گا۔

صفحہ نمبر ۱۲۱ کا باقی (شہادتِ حسینؓ)

جمہور کی آراء سے منتخب ہونے کا اور چونکہ ان کے نزدیک حضرتِ معاویہؓ اور یزید ابن معاویہ اس قسم کے حکمران نہ تھے لہٰذا ان "آمروں" کے خلاف (ایم آر ڈی کی طرح) سیاسی جنگ ضرور ہونی چاہیئے تھی' اسی لئے بقول ان کے تاریخ میں صرف دو کردار اہمیت رکھتے ہیں اور جن صحابہ کرامؓ کا تعلق ان دو کرداروں کے ساتھ نہیں' ان کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں۔ وہ حضرتِ علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسلامی تاریخ کے دو اہم کردار ہیں' ایک کردار وہ ہے جو خلافت علیٰ منہاج نبوت کا محافظ' دفاع الٰہ اس کے احیاء کے لئے قربانیوں کی روایات اور عزیمتوں کی تاریخ مرتب کرتا رہا ہے' جبکہ دوسرا کردار دانستہ طور پر اس ادارہ کے انہدام کے درپے تھا۔ پہلا کردار اسلامی تاریخ کا بہترین کردار ہے جس کی عظمت کو ایک دنیا سلام کرتی ہے' جبکہ دوسرا کردار ایسا ہے' جسے امت کے اجتماعی ضمیر نے مسترد کر دیا ہے۔"

ان کی اس تنقید کے نتیجے میں وہ تمام صحابہ کرامؓ جو ان معاملات میں غیر جانبدار رہے' وہ حق کی تائید نہ کرنے اور باطل کی مخالفت نہ کرنے کے خوفناک مجرم قرار پاتے ہیں' جن کے اس غلط رویّہ کے نتیجہ میں حضرتِ علیؓ اور حضرتِ حسینؓ کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ پھر وہی بات ہے جسے شیعہ حضرات ہمیشہ دہرایا کرتے کرتے ہیں۔ ان کے برعکس اہل سنت ہمیشہ سے ان غیر جانبدار صحابہ کرامؓ کو (جو صحابہؓ کی عظیم ترین اکثریت تھی) برحق سمجھتے ہیں اور فریقین کی جنگ کو بھی حق و باطل کی جنگ نہیں' بلکہ اجتہاد پر مبنی اختلاف کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ (غیر جانبدار صحابہ کرامؓ کے نقطۂ نظر کی اہمیت معلوم کرنے کے لئے حضرتِ شاہ ولی اللہؒ دہلوی کی کتاب ازالۃ الخفاء کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔)

جناب ناقد اور ان جیسے دوسرے حضرات کی یہ تنقیدی رائے امت کے اجتماعی ضمیر نے ہمیشہ مسترد کی ہے' صحابہ کرامؓ کی خاموش اکثریت کے اس وقت کے رویّہ سے لے کر خلافت اسلامیہ کے اختتام تک پوری تاریخ اس بات کی گواہ ہے اور آج بھی تمام مسلم ممالک میں سیاسی اسلامی جماعتوں کی ناکامی اس کا کھلا ثبوت ہے' اس کے مقابلہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے لے کر حضرتِ مجدد الف ثانیؒ تک خروج نہ کر کے اصلاح کرنے والوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی' وہ بھی اظہر من الشمس ہے' جس کے نتیجے میں یہ دوسرا طبقہ کامیاب بھی رہا اور ملت خانہ جنگی میں بھی مبتلا نہ ہوئی۔

آخر میں اتنا عرض کرنا بے جا نہ ہو گا کہ ایک مسلمان کے لئے کسی ایک صحابیؓ کی اجتہادی خطا مان لینا زیادہ آسان ہے' بجائے اس کے کہ صحابہ کرامؓ کی عظیم اکثریت کے لئے اجتہادی خطا بلکہ گمراہی اور عزیمت سے فرار کا نقطۂ نظر اختیار کیا جائے۔ جمہوریت اور اجتماعیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کم از کم متنازعہ معاملات میں موقعہ پر موجود صحابہ کرامؓ کی اکثریت کے رویّہ کو اہمیت دی جائے اور اس کا احترام کیا جائے' نہ یہ کہ ان پر ہم اپنا من پسند فیصلہ تھوپنے کی کوشش کریں۔

انتخابی عذرداری ۔ جائزہ

قومی انتخاب ۱۹۸۸ء میں سیٹ کے چکر میں اپنے مذہب کی بازی کو داؤ پر لگانے والے آغا خانیوں کی کہانی

عدالتی ریکارڈ کی زبانی۔

(اردو ترجمہ)

ایکشن اپیسل ۱۹۸۸ء

مدعا علیہ نمبر ۲ کی طرف سے جوابی حلف نامہ میں مسمی غلام علی الانہ ولد پیار علی الانہ، مسلم، عاقل و بالغ ساکن کراچی حلیفہ بیان دیتا ہوں کہ:۔

۱۔ میں مذکورہ معاملہ میں مدعا علیہ نمبر ۲ ہوں اور اس مقدمہ کے مضمرات سے بخوبی واقف ہوں۔

۲۔ مجھے اپیل کنندہ کے الزامات کا علم ہوا ہے اور میں بیان دیتا ہوں کہ یہ الزامات سراسر غلط بے بنیاد اور شر انگیز ہیں اور ان میں حقائق کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا ہے

۳۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اور تمام شیعہ امامی اسمٰعیلی مسلمان ہیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُس میں مذکور توحید پر ایمان رکھتے ہیں محمد مصطفےٰ کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں اور یہ بھی کہ اسلام اللہ کا سچا آخری دین ہے جو کہ قرآن کی ہدایت کی صورت میں انسانوں پر نازل کیا گیا ہے اور یہ کہ شیعہ نظریات تاریخ اور روایات کے مطابق محمد مصطفےٰ رحمت اللعالمین نے اپنے داماد اور چچا زاد بھائی مولا حضرت علیؑ مرتضٰی کو مقرر کیا اور نامزد کیا تاکہ وہ اللہ کے پیغام کو سمجھانے اور پھیلانے کا کام کو جاری رکھیں اور ان کو پہلا امام بنایا۔ محمد مصطفےٰ نے اعلان فرمایا تھا کہ امامت وراثت میں علی مرتضٰیؑ اور بی بی فاطمہ زہرہ خاتون جنت کی نسل سے جاری رہے گی۔

امامت کی وراثت نص NAAS کے اصول پر جاری رہے گی۔ امام وقت کا قطعی اختیار ہے کہ وہ اپنی نرینہ اولادوں میں کسی کو امام مقرر کر دے۔ موجودہ حاضر امام شاہ کریم الحسینی ہز ہائی نس پرنس کریم آغا خان۔ محمدؐ کے سلسلے سے ہیں اور ان کا براہ راست نسب اسمٰعیلی اماموں کے اہلبیت سے ملتا ہے اور یہ شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کے ۴۹ (انچاسویں) امام ہیں۔ شیعہ توجیہات اور روایات کے مطابق اسمٰعیلی امام اپنے شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کو ہمیشہ ہدایات دیتے رہتے ہیں کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کریں۔ میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی ارکان اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں اور تمام کلموں پر بھی شیعان علی کے طریقوں پر یقین رکھتے ہیں۔

۴۔ میں مزید اقرار کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی اسلام پر یقین رکھتے ہیں وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرح قرآن نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جہاد پر ایمان رکھتے ہیں اور ان پر شیعہ فقہ کے مطابق وقت کے امام کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ تمام اختلافی باتیں جو اپیل میں بیان کی گئی ہیں غلط شر انگیز اور برافروختہ کرنے والی ہیں

۵۔ میں مزید اقرار کرتا ہوں کہ (۱) دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آرٹیکل ۲۶۰ (A) اور (B) میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ (۲) دستور میں اور تمام قانونی دستاویزات میں مسلم کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ:۔

(A) مسلمان وہ ہے جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے محمدؐ کی قطعی اور آخری نبوت پر ایمان رکھتا ہو اور کسی بھی ایسے شخص یا ہدایت کنندہ کو نبی نہ مانتا ہوں جو ایسا کوئی دعویٰ کسی بھی انداز میں کرتا ہو اور

(B) غیر مسلم سے مراد وہ سبھی ہیں جو عیسائی، ہندو، بدھ سکھ یا پارسی برادری سے تعلق رکھتا ہو، یا قادیانی یا لاہوری گروپ سے ہو، جو اپنے آپ کو احمدی یا کچھ اور کہتے ہوں یا پھر بہائی ہو یا شیڈول کاسٹ کا کوئی شخص ہو۔

۶۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ پاکستان کی تاریخ میں کبھی پارلیمنٹ نے ایسا کوئی قانون منظور کیا ہے اور نہ پاکستان کی کسی حکومت یا عدالت نے مجھے یا میری برادری کو غیر مسلم تسلیم نہیں کیا ہے۔

۷۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے شائع کردہ ووٹر لسٹ میں میرا نام بحیثیت ایک مسلم ووٹر کے درج ہے اور اسی کی بنیاد پر سندھ کی صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے کا پورا استحقاق رکھتا ہوں جو کہ میرا دستوری حق ہے اور جو مجھے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور نے عطا کیا ہے۔

باقی صفحہ نمبر ۱۳۶ کالم ۳ پر

حکم نامہ

روبرو مسٹر جسٹس سعید الزماں صدیقی الیکشن اپیل اتھارٹی (کراچی ایسٹ) **عدالت عالیہ سندھ کراچی۔**

الیکشن اپیل نمبر ۲، ایسٹ / ۸۸

حاجی قاضی قادری محمد سبحان ———— اعتراض کنندہ

مقابل

(۱) ریٹرننگ آفیسر ۹۱ - ی ۲ کراچی شرقی ——— مدعا علیہان

(۲) غلام علی الانہ ————————

نمبر شمار (۱) حکم نامہ جج کے دستخطوں سے جاری ہوا

۸۸ - ۱۰ - ۲۲

یہ حکم نامہ مذکورہ بالا تینوں اپیلوں پر حاوی ہے جو کہ غلام علی الانہ امیدوار صوبائی اسمبلی حلقہ نمبر ۹۱ - ی ۲ کے کاغذات نامزدگی کی منظوری کے خلاف دائر کی گئی ہیں حسب بالا معترض اور معترض علیہان شیراز، غلام علی اور محمد اسلم سندھ صوبائی اسمبلی کے منعقد ہونے والے انتخابات میں بحیثیت امیدوار اپنے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے۔ اس حلقہ کے ریٹرننگ آفیسر نے تمام امیدواروں کے کاغذات نامزدگی منظور کر لئے تھے۔ معترض نے تمام مدعا علیہان کی درخواستوں کی منظوری کے خلاف اپیل درخواست گزاری ہے اور ان کے کاغذات نامزدگی کو چیلنج کیا ہے۔ درخواست گزار کے لائق وکیل شفیق صدیقی نے واضح طور پر میرے روبرو اپنا موقف بیان کیا ہے کہ مذکورہ مدعا علیہان اسمٰعیلی ہیں۔ وہ نہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں نہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں نہ حج کرتے ہیں اور نہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔

وہ اسمٰعیلی ہیں اس لئے جہاد پر بھی یقین نہیں رکھتے اس پر مستزاد یہ کہ ان کا کلمہ بھی مختلف ہے۔ مذکورہ تمام الزامات کی مد میں طبع شدہ مواد پیش کیا گیا جو کہ اسمٰعیلی نظریات پر مبنی تھا اور اس کی فوٹو کاپیاں اپیل کے ساتھ منسلک کی گئیں اسی بنیاد پر مدعا علیہان کے بارے میں یہ موقف بیان کیا گیا ہے شدید بحث کی گئی ہے کہ وہ لوگ عام

جن کے عہد میں اسلامی حکومت کی بلندی کی بشارت ہے' وہ مجھ پر دھونس اور دھاندلی کا ظالمانہ الزام لگاتے ہیں اور خود یہ عالم ہے کہ ترمذی و ابوداؤد کی وہ حدیث جس کو حدیث سفینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے "اور جس کا مرتبہ "حسن صحیح "ہے' وہ تو معتبر اور لائق اعتبار نہیں اور انہیں ترمذی کی بارہ خلفاء والی حدیث جس کو وہ خود " غریب " کہتے ہیں' معتبر اور لائق اعتبار ہے "اب بتایا جائے دھاندلی کسے کہا جاتا ہے!- جو چاہے آپ کا "علم "کرشمہ ساز کرے-

اس موضوع کی وضاحت تو آگے آئے گی' یہاں اتنا عرض کردوں کہ مولانا عبدالرشید نعمانی متوطنہ (مؤلف لغات القرآن) استاد دارالعلوم بنوری ٹاؤن کے بقول " ناصبیوں کے شیخ الشیوخ محمود عباسی " نے اپنی کتابوں کے ذریعہ ہیں پچیس سال پہلے کافی کوشش کرلی اور آپ (بلیغ الدین صاحب) جتنی چاہیں کرلیں' یزید اپنے مذکورہ جرائم کے سبب امت محمدیہ میں مبغوض ہی رہے گا' سیدنا حسین کے قتل اور مدینہ منورہ کی غارتگری میں تو وہ کامیاب ہو گیا تھا' لیکن تمام عالم اسلام میں (سوائے موصل عراق کے قدیم یزیدی فرقہ کے علاوہ) وہ صدیوں سے کراہت و نفرت بلکہ بہت سے ائمہ علم کی طرف سے لعنت کا نشانہ رہا ہے اور رہے گا-

اس موقعہ پر یہ بات دلچسپی اور عبرت سے خالی نہ ہوگی کہ وہی شام جو امویوں کی آماجگاہ اور وہی دمشق جو یزید کا پایہ تخت تھا اور جہاں چار سال تک (۱۹۵۵-۱۹۵۹ء) میں یونیورسٹی کے کلیتہ الشریعہ میں تعلیم اور پھر ایک سال اپنی پہلی عربی کتاب "العمر بن عبدالسلام" کے لئے مقیم رہا' وہاں میں نے کسی شامی کو نہیں دیکھا کہ اس کا نام یزید ہو' دوسرے عربی اور اسلامی ممالک کا تو ذکر ہی کیا' جب کہ بہت سے میرے ساتھی طلبہ کے نام عبدالملک' ولید' ھشام اور مروان تھے' وہاں یہ نام بہت عام ہیں مگر یزید کا نفرت آگیں نام کبھی نہیں سنا' نہ پڑھا- مولانا محمد علی جوہر مرحوم کیا حقیقت آمیز مصرع کہہ گئے ہیں- " قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے "- سیدنا حسین کا نام تو آج بھی دنیائے اسلام میں کروڑوں مسلمانوں کے نام کے ساتھ لگا ہوا ہے' یزید کسی کا نام سننے میں نہیں آیا سوائے الجزائر کے ایک سابق وزیر کے "اور الجزائر میں کافی خوارج آباد ہیں' وہاں بہت پہلے ان کی حکومت بھی رہی ہے' یہی یزید کی موت ہے-

اپنے مضمون کے صفحہ ۷ ۴۷ پر "حدیث منظور" کے تحت شاہ بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے' وہ سراسر غلط بیانی اور مغالطہ آرائی ہے' اہل علم تو اس کو یقیناً قابل اعتبار نہیں سمجھیں گے' لیکن عام قارئین کو یہ "ناصبی" پروپیگنڈہ گمراہ کر سکتا ہے- عوامی مقرر کو اس کا کیا پتہ کہ خالد بن یزید بن معاویہ نے منصب خلافت پر لات نہیں ماری تھی' بلکہ مروان نے مرج راھط کی خونریز جنگ کے بعد خاندان بنی امیہ کی سفیانی شاخ کو خلافت سے محروم کرتے ہوئے اپنے بیٹے عبدالملک کو ولی عہد مقرر کردیا تھا' اسیر خالد کی ماں یعنی یزید کی بیوی سے شادی کرلی تھی اور وہ نوجوان خالد کی دل آزاری کرتا تھا' تو اس کی ماں نے انتقامات کو سوتے ہوئے مروان کا گلا گھونٹ کر اس کو قتل کردیا تھا "انہوں نے غلط لکھا ہے کہ یزید کے عہد میں جہاد کا احیاء ہوا' بلکہ یزید نے تو جہاد کو رکوایا اور وہ فتح شدہ دو رومی علاقے خالی کرنے کا حکم دیا' جو مسلمان حضرت معاویہ " کے عہد میں بحر روم میں فتح کر چکے تھے اور سات سال سے وہاں آباد تھے' یہ دونوں مقامات مشہور جزیرہ روڈس اور قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ اروادہے' جو علی الترتیب ۵۳ھ اور ۵۴ھ میں فتح ہوئے تھے- یزید نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی پہلا کارنامہ یہ کیا کہ مسلمانوں کو حکم دیا کہ فوراً وہاں سے واپس آجائیں' ورنہ ان کی کمک اور رسد بند کردی جائے گی "ان کی تفصیل البدایہ والنہایہ واقعات ۵۳ھ (جلد ۸) اور تاریخ طبری واقعات ۵۴ھ میں دیکھی جا سکتی ہے-

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ حضرت علی زین العابدین نے یزید کے فسق و فجور کو ایک جھوٹا پروپیگنڈا قرار دیا تھا' یہ بھی کسی مورخ نے نہیں کہا ہے کہ سیدنا حسین یزید کے ساتھ حملہ قسطنطنیہ میں شریک ہوئے "اس حملہ میں جن صحابہ کے ناموں کا تاریخ میں ذکر ہے' وہ عبداللہ بن عمر' عبداللہ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن عباس ہیں' یہ بھی غلط ہے کہ بخاری میں لکھا ہے کہ ان سب صحابہ اور ابوایوب انصاری نے یزید کے پیچھے نماز پڑھی "اور سب سے زیادہ غلط بیانی یہ ہے کہ یزید کے ہاتھ پر ۳۵۰ صحابہ نے بیعت کی' جن میں عشرہ مبشرہ.......!! شامل ہیں- سچ ہے' "دروغ گو را حافظہ نباشد " عشرہ مبشرہ بالجنۃ یعنی چاروں خلفائے راشدین حضرات طلحہ' زبیر' عبدالرحمان بن عوف' سعد بن ابی وقاص' ابوعبیدہ بن الجراح اور سعید بن زید حضرت رضوان اللہ علیہم اجمعین یزید کے عہد حکومت سے کافی پہلے وفات پاچکے تھے' جیسا کہ ہر وہ انسان جس کو تاریخ اسلام کے عہد اولین کا ذرا بھی شعور ہے یہ بات جانتا ہے-

بدری صحابہ کا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی ایک بے سروپا بات ہے "کیونکہ غزوہ بدر کو ۶۰ھ تک ۵۸ سال گزر چکے تھے "اور جو صحابہ یزید کے عہد حکومت میں سن رسیدہ صحابہ میں شمار ہوتے تھے' جیسے ابو سعید الخدری (جو یزید کے غارتگر مدینہ منورہ مسلم بن عقبہ کی خوں ریزی کے ڈر سے مدینہ کے باہر ایک غار میں چھپ گئے تھے) نعمان بن بشیر انصاری "ابوبرزہ الاسلمی حضرت انس وغیرہ یہ سب جنگ بدر کے موقعہ پر بچے تھے اور وہ بدری نہیں' جنگ بدر کے وقت کوئی صحابی اگر ۲۰ سال کی عمر کا جوان بھی تھا' تو اب ۷۸ سال گزرنے کے بعد ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا- (بلیغ الدین صاحب کسی ایک کا نام ہی ذکر کرتے) ابن عبدالبر کی کتاب الاستیعاب کے مطابق ابواسید الساعدی آخری بدری صحابی تھے' جن کا انتقال ۶۰ھ ہوگیا' یعنی یزید کی حکومت سے پہلے-

اس موقعہ پر خطیبانہ انداز میں حسب عادت بغیر کسی حوالے کے انہوں نے یزید کی بیعت پر ابن حجر' عینی اور ابوداؤد کے محض ناموں کے حوالہ سے اجماع امت کا ذکر کیا ہے' یہاں ان ناموں کا ذکر کرکے قارئین کو مرعوب کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی' کیونکہ فقہاء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ فاسق کی بیعت جائز ہے اور حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ کی جلد ۸ میں یزید کے ذکر میں اس بات کو صراحت سے لکھا ہے "مگر یزید کا یہ دور وہ تھا' جس کو امام ابن تیمیہ نے "ملک اور جبر " کے نام سے یاد کیا ہے' (فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۷۸) بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے (صفحہ ۴۸۴) کہ " جو لوگ جیسے غلو کرنے والے عدوی فرقہ کے لوگ یا بعض کرد یزید کو نیک آدمی اور امام عادل سمجھتے ہیں' وہ گمراہ ہیں" اور پھر آگے (صفحہ ۴۸۷) ایک مغولی سردار بولائی کے یزید کے بارہ میں سوال پر کہتے ہیں- (مغلوں نے اس وقت دمشق پر قبضہ کر رکھا تھا)

لانسبہ ولا نحبہ' فانہ لم یکن رجلا صالحا فنحبہ' ونحن لانسب احدا من المسلمین بعینہ (نہ ہم اس کو گالی بکتے ہیں اور نہ اس سے محبت کرتے ہیں کہ وہ کوئی نیک آدمی نہ تھا' جو ہم اس سے محبت کریں) اس کے بعد جب اس سردار نے کہا کہ "تم اس پر لعنت کیوں نہیں بھیجتے ہو' کیا وہ ظالم نہیں تھا؟ کیا اس نے حسین کو قتل نہیں کیا؟ تو میں نے اس سردار سے کہا کہ جب حجاج بن یوسف اور اس جیسے ظالموں کا ذکر کیا جاتا ہے' تو جو قرآن میں اللہ نے کہا ہے' ہم وہی کہتے ہیں الا لعنۃ اللہ علی الظالمین یعنی بیشک ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے' ہم کسی کو اس کے نام سے لعنت نہیں کرتے ہیں "اور بہت سے علماء نے اس (یزید) پر لعنت کی ہے "اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں اجتہاد جائز ہے"۔

اور پھر اس سے بڑھ کر شاہ ولی اللہ صاحب نے تو امیر معاویہ کی خلافت کے بارہ میں لکھا ہے کہ ان کی خلافت "استیلاء " (یعنی زبردستی غلبہ) کے ذریعہ قائم ہوئی' یہ بات انہوں نے انعقاد خلافت کے طریقوں پر بحث کرتے ہوئے' چوتھے طریقہ کو بیان کرتے ہوئے کہی ہے' وہ فرماتے ہیں کہ "حضرت معاویہ بن ابی سفیان کا انعقاد خلافت حضرت علی مرتضی کی وفات اور حضرت حسن کے صلح کرلینے کے بعد اس طریقہ پر ہوا تھا" (ازالۃ الخفاء جلد ۱ ص ۳۴ طبع محمد سعید اینڈ سنز' کراچی' ترجمہ مولانا عبدالشکور صاحب و مولانا انشاء اللہ صاحب)

اسی طرح کی "بیعت استیلاء "(قوت کے زور پر بیعت) یزید کی بھی تھی' جہاں تک ابن حجر کے قول کا تعلق ہے' تو اس کی حقیقت تو ابن حجر کی کتاب لسان المیزان (جلد ۶ ص ۲۹۳-۲۹۴) میں یزید کے حالات کے ذکر سے پتہ چلتی ہے' جس میں انہوں نے یزید کے مظالم کا ذکر کرتے ہوئے مسند ابی یعلی سے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کا معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا' تا آنکہ بنی امیہ سے ایک شخص' جس کا نام یزید ہے' سب سے پہلے اس میں رخنہ ڈالے گا "پھر انہوں نے ہی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ "عمر بن عبدالعزیز کے سامنے ایک آدمی نے یزید کو "امیر المومنین یزید "کہا' تو اس پر انہوں نے کہا تم اس کو امیر المومنین کہتے ہو! اور حکم دیا کہ اس آدمی کو بیس کوڑے مارے جائیں" - اس طرح کی ایک دوسری روایت مکہ مکرمہ کے مشہور محدث احمد بن حجر الھیتمی (متوفی ۹۷۳ھ) نے اپنی کتاب الصواعق المحرقہ (صفحہ ۲۵۴) پر بیان کی ہے' ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی روایت کی ہے کہ ایک دوسرے آدمی نے عمر بن عبدالعزیز کے سامنے امیر معاویہ کی برائی کی' تو آپ نے حکم دیا کہ اس کو تین کوڑے مارے جائیں - ان ہی ابن حجر الھیتمی المکی نے ابو الدرداء کی ایک اور حدیث نقل کی ہے' جس میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ پہلا شخص جو میری سنت کو بدلے گا وہ بنی امیہ سے ہوگا جس کو یزید کے نام سے یاد کیا جائے گا (ص ۲۵۴)

اور یہ ابن حجر الھیتمی المکی وہ ہیں' جنہیں ایک کتاب حضرت معاویہ کی تعریف میں " تطہیر الجنان واللسان عن الخطور والتفوہ بثلب معاویہ بن ابی سفیان " کے عنوان سے مغل بادشاہ ہمایوں بن بابر کی فرمائش پر لکھی تھی اور جو اول الذکر کتاب کے ساتھ ہی شائع ہوئی ہے "اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سہالی یعنی شیعہ تھے-

یہ تو عرب علماء کی بات تھی' جن کا اعلیٰ مقام تمام اہل سنت و الجماعت کی نظر میں مسلّم ہے' جہاں تک ہندوستان کے جید علماء اہل سنت کا تعلق ہے' ان میں سے شاہ عبدالعزیز نے یزید کو یزید پلید کے نام سے یاد کیا ہے' اور یزید پر لعنت کو جائز قرار دیا ہے' اسی طرح مولانا قاسم نانوتوی نے اپنے مکاتیب میں یزید کو یزید پلید کے نام سے ذکر کیا ہے' ان اقوال کے لئے ملاحظہ ہو دارالعلوم بنوری ٹاؤن کے استاد محقق مولانا عبدالرشید نعمانی کی کتاب "یزید اہل سنت کی نظر میں" (تیسرا ایڈیشن مکتبہ اہل سنت و جماعت کراچی) اور مرحوم قاری محمد طیب صاحب کی کتاب "شہید کربلا اور یزید" یہ دونوں کتابیں انتہائی محققانہ ہیں اور تاریخی و فقہی نقطۂ نظر سے اپنے موضوع پر میرے نزدیک بہترین کتابیں ہیں' قارئین تکبیر میں سے جو لوگ یزید کے بارہ میں شیعی افکار سے ہٹ کر صحیح حقائق و آراء معلوم کرنے کے خواہشمند ہیں' وہ ان دونوں کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں" اور خاص طور پر مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب مدظلہ کی کتاب' جس میں قارئین کو ان کے استفسار اور ناصبیوں کے شبہات کا جواب مل جائے گا' اللہ تعالیٰ مولانا کو اس کار خیر پر جزائے خیر عطا فرمائے' شاہ عبدالعزیز دھلوی" نے فتاویٰ عزیزیہ (ج ا ص ۲۱) "یزید پلید" لکھا ہے اور مولانا قاسم نانوتوی" کا قول "یزید پلید" قاسم العلوم (ج ۴ ص ۱۵) میں مذکور ہے' ایسا ہی مجدد الف ثانی نے اپنے مکاتیب میں لکھا ہے۔

اس کے بعد عرض ہے کہ بلیغ الدین صاحب ایک ممتاز عوامی خطیب' ریڈیو کے مقرر اور شیعوں کے مقابلہ میں مشہور مناظرہ باز شخصیت کے مالک ہیں' یہاں مسئلہ علمی تحقیق کا ہے مگر افسوس کہ اپنے مضمون میں' موصوف نے اپنا مخصوص انداز بیان و مغالطہ آفرینی ہی کو قائم رکھا ہے' وہ مستند تاریخی حوالوں سے صاف انکار کر دیتے ہیں اور اپنے حوالے توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں جو علمی دیانت کے قطعی خلاف ہے' ان کے اعتراضات سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ وہ علم حدیث سے بے بہرہ ہیں' اور اس ذیل میں رواۃ وغیرہ کی بحث میں وہ محمود عباسی کی خوشہ چینی کرتے ہیں' محمود عباسی کی کتاب " وقائع ام ہانی" پڑھ کر مجھے سو فیصد یقین ہو گیا کہ ابو طالب' زبیر بن عبدالمطلب ھبیرہ شوہر ام ہانی بنت ابی طالب اور شعب بنی ہاشم وغیرہ کے بارے میں ان کی باتیں اور افکار اسی کتاب کی صدائے بازگشت ہیں' جس طرح یزید کے بارے میں انہوں نے محمود عباسی کی کتاب " خلافت معاویہ و یزید" سے خوشہ چینی کی ہے' ان کے اعتراضات و مغالطات کی فہرست بہت طویل ہے' سب کا جواب تکبیر کے محدود صفحات میں ممکن نہ ہو گا' بہر حال کوشش کروں گا کہ جس قدر گنجائش ہو جواب دوں' ان کے مضمون کو سامنے رکھ کر اسی طرح پڑھ لیا جائے۔

"پہلا مغالطہ"

آیت تطہیر کے نزول کے وقت سیدنا حسین کی عمر پانچ سال سے کم تھی اور ام کلثوم و زینب بنت فاطمہ تو ان کے بلکہ محسن کے بعد پیدا ہوئیں' جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں سیدہ زینب و ام کلثوم کا تعلق ہے تو اول الذکر کا انتقال ۸ھ میں اور موخر الذکر کا انتقال اس آیت کے نزول سے قبل ۹ھ ہی میں ہو چکا تھا' اور اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو العاص و سیدنا عثمان کی دامادی کا رشتہ منقطع ہو چکا تھا پھر کس طرح برسوں بعد صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کو اپنی چادر میں فاطمہ' علی' حسن و حسین کے ساتھ شریک کرتے' مجھے تعجب ہے کہ شاہ بلیغ الدین صاحب نے اسلامی تاریخ میں کراچی یونیورسٹی سے ایم-اے کس طرح کیا تھا' اگر وہ ڈاکٹریٹ کرتے تو شاید ان کو علمی تحقیق کا صحیح طریقہ معلوم ہو جاتا' اور عجیب بات ہے کہ میں آیت تطہیر کے نزول کی تاریخ حافظ ابن حجر عسقلانی سے دے رہا ہوں' موصوف مولانا مودودی مرحوم کی تفہیم القرآن کا حوالہ دے رہے ہیں' پھر مولانا مودودی نے یہ کہاں لکھا ہے کہ ساری سورہ الاحزاب ۵ھ میں نازل ہو گئی تھی؟ انہوں تو یہ لکھا ہے کہ اس کا زمانہ نزول ۵ھ سے لے کر ۹ھ تک ہے' بہر حال حافظ ابن حجر کا قول اہل علم کے نزدیک زیادہ معتبر ہے۔

اور مزید کہ جس حدیث الکساء (چادر والی حدیث) کے بلیغ الدین صاحب منکر ہیں اس کے تو مولانا مودودی قائل ہیں' میرے سابقہ حوالوں کے علاوہ مزید حوالہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس حدیث کو صحیح مانا ہے' اور عبداللہ بن عباس کی روایت لکھی ہے کہ حضور صلعم نے اپنی چادر میں حضرت علی' فاطمہ الزہراء اور حسن و حسین کو داخل کیا اور یہ آیت پڑھی "انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیرا" - (ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء جلد دوم ۲۰۷ مذکورہ ایڈیشن) کیا شاہ صاحب بھی لائق اعتبار نہیں ہیں!

"دوسرا مغالطہ"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ فاطمہؓ سے متعلق حدیث نبوی کے ٹکڑے "جس نے ان کو ناراض کیا مجھ کو ناراض کیا" کو سیدنا علیؓ کے ابو جہل کی بیٹی سے شادی کے ارادہ سے مختص کرنا اصول حدیث میں "عموم" و "خصوص" کی بحث سے بے خبری کی دلیل ہے' کیا اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ جس کسی نے سیدہ فاطمہؓ کو کسی اور مسئلہ میں ناراض کیا' اس سے آنحضرت کو کوئی ناراضی نہ ہو گی' اور کیا یزید اور عبیداللہ بن زیاد و شمر بن ذی الجوشن نے سیدہ فاطمہؓ کے جگر گوشہ سیدنا حسینؓ کو قتل کر کے سیدہ فاطمہؓ کو ان کی قبر مبارک میں ناراض و رنجیدہ نہ کیا تھا؟-

دائرہ المعارف کوئی بھی ہو' اس کے حوالہ کا وہ طریقہ صحیح نہیں ہے' جس پر بلیغ الدین صاحب کو بے وجہ کا اصرار ہے' اگر وہ ڈاکٹریٹ کے طالبعلم رہے ہوتے تو یہ کج بحثی نہ کرتے' باقی اس ذیل میں چارٹ کے بارے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب عذر لنگ ہے' ۲۸ دسمبر ۸۹ء کے اپنے سابقہ مضمون میں وہ لکھ چکے ہیں کہ آیت تطہیر (سورہ احزاب) کے مطابق جو چارٹ میں سب سے اوپر درج ہے' خانوادہ نبوی کا یہ چارٹ آل بیت سے متعلق ہے' اب ان کی تضاد فکری دیکھئے کہ "اس میں ابوبکر و عمر و معاویہ بلکہ ابو طالب و زبیر بن عبدالمطلب و ابو لہب وغیرہ کیسے شامل ہو گئے کیا یہ سب بھی سورہ احزاب کی آیت تطہیر میں شامل ہیں؟

"تیسرا مغالطہ"

مولانا مودودی کے بارے میں شاہ بلیغ الدین صاحب نے میری حرف گیری کرتے ہوئے دروغگوئی سے کام لیا ہے - جس صفحہ ** کا حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے اس کے فوراً بعد تکمیل کلام ص ** پر مولانا مرحوم اس طرح کرتے ہیں - "لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ "اہل البیت" کا لفظ صرف ازواج مطہرات کے لئے استعمال ہوا ہے' اور اس میں دوسرا کوئی داخل نہیں ہو سکتا' تو یہ بات غلط ہو گی" اور پھر اس طویل پیراگراف کے اختتام میں مولانا مرحوم فرماتے ہیں - "اس کے ملتے جلتے مضمون کی بکثرت احادیث مسلم' ترمذی' احمد' ابن جریر' حاکم' بیہقی وغیرہ محدثین نے ابو سعید خدریؓ' حضرت عائشہؓ' حضرت انسؓ' حضرت ام سلمہؓ' حضرت واثلہ بن اسقعؓ اور بعض دوسرے صحابہ سے نقل کی ہیں' جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ اور ان کے دو صاحبزادوں کو اپنا اہل بیت قرار دیا' لہٰذا ان لوگوں کا خیال غلط ہے' جو ان حضرات کو اس سے خارج ٹھہراتے ہیں"

اس کے بعد دوسرے پیراگراف کے شروع میں مولانا مرحوم لکھتے ہیں - "اسی طرح ان لوگوں کی رائے بھی غلط ہے جو مذکورہ بالا احادیث کی بنیاد پر ازواج مطہرات کو اہل البیت سے خارج ٹھہراتے ہیں"-

اور یہی وہ بات ہے' جو میں نے اپنے سابقہ مضمون میں حافظ ابن کثیر اور دوسرے قدیم و جدید عرب مفسرین و محدثین کے حوالہ سے کہی تھی' مولانا مرحوم نے یہاں ناصبیوں اور شیعہ دونوں گروہوں کے نقطۂ نظر کو رد کرتے ہوئے یہ حقیقت بیان کی ہے کہ اس آیت میں وارد لفظ "اہل بیت" میں سیدنا علیؓ' فاطمہؓ' حسنؓ و حسینؓ رضوان اللہ علیہم اور ازواج مطہرات دونوں شامل ہیں اور یہی سلف صالحین و اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے-

مگر میرے ناقد نے مولانا مودودی مرحوم کی پوری عبارت نقل کرنے کے بجائے "یا ایہ الذین آمنوا لاتقربوا الصلاۃ" (اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ" کے طریقہ پر عمل کیا ہے' یہی محمود عباسی نے اپنی کتابوں میں کیا ہے - یہاں شاہ بلیغ الدین صاحب نے بڑے طنطنہ سے عظیم مفسر عکرمہ مولی ابن عباس" کا وہ دعویٰ نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں "اہل بیت" سے صرف امہات المومنین مراد ہیں - اگر یہی بات ہے تو بلیغ الدین صاحب کو صاف صاف کہنا چاہئے کہ اہل بیت کا یہ سارا چارٹ غلط ہے' اس میں تو صرف ازواج مطہرات کو ہونا چاہئے تھا' پھر کیا بلیغ الدین صاحب کو یہ نہیں معلوم کہ عکرمہ پر خارجیت کا الزام ہے' وہ شمالی افریقہ میں (موجودہ لیبیا و تونس) خوارج کے فرقہ "نجدات" سے منسلک رہے تھے' پھر صرف اس ایک حدیث کی حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ' حضرت انس وغیرہ متعدد صحابہ کی احادیث کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہو سکتی ہے!

"چوتھا مغالطہ"

آغا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب "الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" میں شیعہ مصنفین ہی کا ذکر کیا ہے' راغب اصفہانی بھی اس میں مذکور ہے' ایک دوسرا حوالہ اور لیجئے' ایک دوسرے مشہور امامی مصنف محمود باقر خوانساری نے اپنی کتاب " روضات الجنات" میں بھی راغب اصفہانی کو شامل کیا ہے' جو شیعہ مصنفین کے احوال میں ہے - میں نے راغب اصفہانی کے مقام کو گرانے کی کوشش نہیں کی ہے' یہ بلیغ الدین صاحب کی حسب عادت الزام تراشی ہے' میں نے صرف ان دو کتابوں کا ذکر کیا ہے' جن میں شیعہ علماء کے حالات مذکور ہیں' اور یہ ظاہر بات ہے کہ شیعوں میں بھی بڑے بڑے عالم ہوئے ہیں' سیوطی کا "بغیۃ الوعاۃ) میں تو یہ عالم ہے کہ انہوں نے راغب اصفہانی کا زمانہ حیات "اوائل المئۃ الخامسۃ" (پانچویں صدی کے اوائل میں) لکھا ہے' جو قطعاً غلط ہے' کیونکہ ان کی وفات ۵۰۲ھ ہے' بلکہ ان کا نام بھی دیگر مصنفین کے برخلاف "المفضل بن محمد" لکھا ہے' جب کہ ان کا نام "الحسین بن محمد" ہے' جس پر اکثر مصنفین کا اتفاق ہے (دیکھئے الاعلام' تصنیف الزرکلی ج ۲ ص ۲۷۹)-

ایک تیسرے شیعہ مصنف عباس بن محمد رضاتی نے اپنی

کتاب "سفینۃ البحار" میں بھی راغب اصفہانی کا ذکر کیا ہے' اب آپ کس طرح دعوی کرتے ہیں کہ وہ اہل سنت و الجماعت میں سے تھا-

پھر آپ نے معجم الادباء کا حوالہ بھی غلط دیا ہے' اس کتاب میں کہیں راغب الاصفہانی کا ذکر نہیں' یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں ہے' پھر میں جناب کی علمیت پر حیران ہوں کہ " راغب اصفہانی نے (فصل الہاء) میں اہل الرجل کی تشریح کی ہے "یہ غلط ہے' راغب نے کتاب (الالف) میں اس کا ذکر کیا ہے' اس نے تو شیعی کتب فکر ہی کی ترجمانی کی ہے' آپ کا نقل کردہ حوالہ (ص ۴۲ کالم) کی آخری عبارت ہی اس پر دلیل ہے اور "کبھی اہل الرجل سے مراد اس کی بیوی ہوتی ہے "یعنی ہمیشہ نہیں -

آپ بھی یہاں صاف صاف بتایئے کہ ھود' قصص اور احزاب کی آیتوں کا مفہوم آپ کو صحیح معلوم ہے یا اس نبی آخر الزماں کو جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا' آپ نے صرف ایک صحابی عبداللہ بن عباس کا نام لیا ہے (عروہ بن الزبیر صحابی نہیں تابعی تھے) جب کہ میں نے متعدد صحابہ کے اقوال اہل بیت کی تفسیر میں مذکور کئے ہیں' اجماع صحابہ کا یہاں دعوی سرمحی افترا پردازی ہے' پہلے لکھ چکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ صاحب بھی ازالۃ الخفاء میں اسی تفسیر کے قائل ہیں اور پھر یہ بتایئے کہ سورہ ہود کی آیت ۴۵ حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو اپنا "اہل "نہیں کہا (ان ابنی من اہلی) اور کہا قرآن ہی میں بھائی کے لئے "اہل "کا لفظ نہیں آیا ہے؟ سورہ طہ کی آیت ۲۹ و ۳۰ میں - "اور میرے لئے وزیر بنا دے میرے اہل میں سے' ہارون میرے بھائی کو"-

راغب الاصفہانی کے بارے میں آپ کی علمیت کا بھانڈا تو یہیں پھوٹ گیا' راغب کی مطبوعہ کتاب "محاضرات الادباء "کا بیرا حوالہ دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں " آپ کہیں سیوطی کی محاضرات الادباء و محاورات الشعراء والبلغاء کی بات تو نہیں کرتے" جی نہیں' میں نے راغب اصفہانی کی کتاب محاضرات الادباء کا ہی ذکر کیا تھا' جو دو مرتبہ قاہرہ سے چھپ چکی ہے' پہلی بار ۱۳۰۵ھ میں جمعیۃ المعارف کی طرف سے اور دوسری بار ۱۳۲۶ھ میں دو جلدوں میں سیوطی کی جس کتاب کا آپ نے ذکر کیا ہے' وہ علیحدہ ہے' اگر آپ نے المفردات کا دوسرا ایڈیشن دیکھا ہوتا' تو اس کے مقدمہ بقلم سید کیلانی میں آپ کو محاضرات الادباء کا نام مل جاتا' زرکلی کی "الاعلام" تو دور کی بات ہے -

"اہل بیت"

اس فقرہ کے تحت آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ محض خطابت ہے' افترا پردازی اور فتنہ انگیزی ہے' اجماع امت ہرگز یہ نہیں ہے کہ سورہ احزاب کی آیت تطہیر صرف امہات المومنین کے بارے میں نازل ہوئی' جن محدثین و مفسرین عظام کا ذکر میں نے آپ کے تیسرے مغالطہ کے تحت کیا ہے' وہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے نہیں تھے' آپ یہ کہہ کر کہ "دشمنان قرآن نے تھوک کے بھاؤ روایتیں گھڑی ہیں" وہی بات کہہ رہے ہیں جو منکرین حدیث' نبوی کہتے ہیں' اگر حدیثیں گھڑی ہی گئی ہیں' تو علماء حدیث و رجال ایسے وضاعین کے خلاف انتہائی سرگرم رہے اور انہوں نے بیسیوں کتابیں موضوع احادیث کے ابطال پر لکھی ہیں' میری ہی ذاتی لائبریری میں چھ کتابیں اس موضوع پر موجود ہیں -

میں سیدنا علی اور سیدہ فاطمہؓ کو "دیو مالائی شخصیتیں" نہیں سمجھتا اور نہ حضرت علی کی الوہیت کا قائل ہوں' یہ باتیں آپ آغا خانیوں اور غالی شیعوں سے کہیئے' یہ آپ کی صریحی فتنہ انگیزی اور دشنام طرازی ہے' اور صحیح احادیث کو جو آپ جیسے ناصبیوں کو پسند نہیں آتی ہیں' ان کو محمود عباسی کی طرح سبائی روایت کہہ دیتے ہیں' اہل سنت والجماعت کا یہ طریقہ نہیں حضرت عائشہ کی فضیلت مجھ پر نہیں شیعوں اور آغا خانیوں پر گراں ہے' سر سلطان محمد آغا خان سوئم کی تعریف آپ کے مورخ محمود عباسی نے اپنی کتاب " خلافت معاویہ و یزید "میں کی ہے " دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ "

"پانچواں مغالطہ"

غدیر خم کی حدیث کو صرف حافظ ابن کثیر ثقہ مفسر و محدث نے ہی صحیح تسلیم نہیں کیا ہے' بلکہ جن پر آپ کو اعتماد ہے' یعنی شاہ ولی اللہ صاحب انہوں نے بھی اس کو صحیح تسلیم کیا ہے' ملاحظہ ہو ازالۃ الخفاء' جلد دوم صفحہ ۵۰۳-۵۰۴ (مذکورہ ایڈیشن) اب کیا فرماتے ہیں کیا شاہ ولی اللہ صاحب بھی سبائی تھے؟ کیا وہ بھی "تھوک کے بھاؤ گھڑی ہوئی حدیثیں" نقل کرتے تھے-

آپ کی علمیت کا بھانڈا اس سے بھی پھوٹتا ہے کہ آپ نے امام ابن حزم کی کتاب کا نام اپنے اس مضمون میں (ص ۴۳ کالم ا سطر ۱۷) "الملل والنحل "لکھا ہے' یہ نام شہرستانی کی کتاب کا ہے ابن حزم کی کتاب کا نام الفَصَل (ف پر زیر اور ص پر زبر کے ساتھ) فی الملل والاھواء والنحل' ہے' یہ بھی میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے' آپ کی لائبریری کو میں دیکھ چکا ہوں' جہاں مجھے صرف اردو کی کتابیں ہی نظر آئیں تھیں' آپ کے استاد محمود عباسی نے بھی اس کو "الملل والنحل "لکھا ہے-

آپ نے اس موقعہ پر یہ بھی غلط لکھا ہے کہ "زاد المعاد اصل میں سیرت کی نہیں فقہ کی کتاب ہے' یہاں وہاں کچھ نہ کچھ سیرت کی باتیں آنا تو لازم ہے "(ص ۴۳ کالم ا) معلوم ہوتا ہے' آپ نے حافظ ابن قیم کی اس کتاب کی شکل ہی نہیں دیکھی اور عربی کتب کے متعلق آپ کے مشیر نے آپ کو غلط اطلاع دی' جی نہیں' یہ سیرت نبوی کی انتہائی اہم کتب میں شمار ہوتی ہے' اور اب اس کا نیا ایڈیشن پانچ جلدوں میں شعیب ارناؤوط اور عبدالقادر ارناؤوط کی تحقیق سے بیروت سے شائع ہوا ہے' اس کی پہلی تین جلدیں سیرت و شمائل و غزوات و سنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر' چوتھی جلد طب نبوی پر' اور پانچویں جلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور احادیث احکام پر ہے' اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے زیادہ تر مواد کتب سیرت نہیں بلکہ کتب حدیث سے جمع کیا ہے' اس پانچویں جلد کی بناء پر اس کو فقہ کی کتاب کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے!

"عیب بینی"

عیب بینی کا خوگر میں نہیں آپ ہیں' اور افسوس کہ اس فقرہ کے تحت آپ نے مشہور شیعی مورخ مسعودی کا دفاع کیا ہے' جس کی شیعیت کا ثبوت میں نے اپنے سابقہ مضمون میں وضاحت سے پیش کر دیا تھا اور اس لئے اس نے حضرت عثمانؓ کی اولاد کو برے ناموں سے ذکر کیا اور ان کی عیب جوئی کی ہے' اور اسی لئے علامہ نجد شیخ عبدالعزیز بن باز نے اس کو "جل لگوا اور جھوٹا شیعی" لکھا ہے - مسعودی کو بڑا مورخ ماننے کے معنی یہ نہیں کہ میں اس کو شیعی نہیں سمجھتا یا اس کو عظیم ترین مورخ امام طبری مفسر' محدث' مورخ کے ہم پلہ سمجھتا ہوں' میں کیا اہل علم میں سے کوئی بھی خواہ وہ عرب ہوں یا اہل ہندوپاکستان ایسا نہیں سمجھتے' میں نے مسعودی کو قصہ گو بھی لکھا تھا' بڑا عالم تو نہج البلاغہ کا مشہور شارح ابن ابی الحدید بھی تھا مگر وہ شیعی تھا' لائق اعتماد نہیں-

بلیغ الدین صاحب اپنے اس محبوب شیعہ مورخ کو طبری پر ترجیح دیتے ہیں' جس کا عالم یہ ہے کہ وہ بغیر اسناد کے روایتیں ذکر کرتا ہے' اپنے مضمون کے (تکبیر ۲۸ دسمبر) صفحہ ۵۵ کالم ا پر میں نے ثابت کر دیا تھا- (ابن سعد اور بلاذری جیسے قدیم مورخین کی شہادتوں سے) کہ "عبداللہ الاصغر بن سیدنا عثمانؓ کی ماں سیدہ رقیہؓ نہیں' بلکہ فاختہ بنت غزوان تھیں' پھر مسعودی ہی کی دوسری کتاب "التنبیہ والاشراف" سے جو اس نے "مروج الذہب" کے بعد لکھی تھی یہ بات ثابت کر دی تھی کہ حضرت رقیہؓ کے بطن سے سیدنا عثمانؓ کے صرف ایک صاحبزادہ عبداللہ تھے یہی بات قاضی سلیمان منصور پوری کی مشہور کتاب رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۰۷ میں ہے' مگر بلیغ الدین صاحب زبردستی عبداللہ الاصغر کو سیدہ رقیہ کا بیٹا بنانے پر مصر ہیں' جب کہ خود بیچارے مسعودی نے اپنی دوسری کتاب میں اس کی تصحیح کر دی تھی' اب بتایا جائے کہ دھاندلی کون کر رہا ہے -

اس کے بعد جناب بلیغ الدین صاحب نے مسعودی کا مقابلہ واقدی سے کیا ہے' وہ چوتھی صدی ھجری کے اس مورخ و جغرافیہ نویس یعنی مسعودی شیعی کو دوسری صدی ھجری کے مشہور عالم' محدث' قاضی اور مورخ واقدی مدنی پر ترجیح دیتے ہیں- واقدی پر جو کچھ میں نے لکھا ہے' اس کو میرے ۲۸ دسمبر کے مضمون میں ص ۵۹ کالم ۲ اور صفحہ ۶۰ کالم (۱) پر پڑھ لیا جائے' امام احمد بن حنبل اور یحیی بن معین واقدی کی احادیث احکام کو صحیح نہیں سمجھتے تھے' مگر انہوں نے بھی مغازی اور سیرت نبوی کے موضوع پر ان کو قبول کیا ہے' پھر دوسرے محدثین جو امام احمد بن حنبل کے معاصر ہیں' جیسے ابراہیم الحربی' یزید بن ھارون' ابو عبید القاسم بن سلام وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے' اور "کذب" کے الزام کی حقیقت بھی میں نے واضح کر دی تھی کہ وہ مختلف اسناد کی احادیث کو ایک حدیث میں جمع کر دیتے تھے' جو امام زہری کا بھی طریقہ تھا' اور مسعودی تو کوئی سند ذکر ہی نہیں کرتا ہے' پھر وہ تو سب سے بڑا کذاب ٹھہرا' بلیغ الدین صاحب ذرا کسی محدث اور ناقد حدیث کا قول تو دکھا دیں کہ مسعودی بہت بڑا ثقہ اور لائق اعتماد راوی یا مورخ ہے-

تاریخ "دیوبند" میں حضرت عثمانؓ کی ہندوستان و پاکستان میں موجود اولاد کے بارے میں جو اپنے آپ کو عثمانی لکھتے ہیں' یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عثمان کی دوسری اولاد سے ہوں گے قاضی سلیمان منصور پوری نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین ج ۲ ص ۱۰۶ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شیخ الہند محمود الحسن کو حضرت عثمانؓ کی اولاد لکھا ہے مگر سیدہ رقیہ کی اولاد نہیں لکھا' کسی نے دعوی نہیں کیا کہ وہ سیدہ رقیہ کی اولاد سے ہیں' قدیم عربی تواریخ میں انکی اولاد کا کوئی ذکر نہیں ابن حزم وغیرہ کے حوالوں سے میں پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ ان کے صرف ایک صاحبزادہ عبداللہ تھے' جو بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے' ورنہ ابن حزم جیسے کٹر سنی محدث و مورخ اور دوسرے قدیم سنی مورخین کو سیدہ رقیہ سے کد نہیں تھی' شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء (ج ا ص ۲۷۵) میں تصریح کی

ہے کہ آنحضرتؐ کی اولاد سب حضرت علیؓ و حضرت فاطمہؓ سے چلی۔

آپ بھی یہ یاد رکھیں کہ امام ابن تیمیہ' حافظ ابن کثیر' ابن حزم اور پھر شاہ ولی اللہ صاحب شیعہ نہیں تھے اور ان سب بلکہ تمام قدیم و جدید مورخین نے سیدنا حسنؓ و حسینؓ کو صحابی لکھا ہے' صحاح ستہ میں ان کی فضیلت کی کثیر احادیث مذکور ہیں' آپ کا یہ بلا دلیل ایک عجیب دعویٰ ہے کہ "صحابی کی تعریف میں سیدہ زینبؓ و سیدہ رقیہؓ کے صاحبزادے ہی آتے ہیں کہ وصال نبویؐ سے پہلے سیدنا حسنؓ و حسینؓ بالغ نہیں ہوئے تھے" آپ جو دعوے چاہیں کریں' یہ تاریخ و حدیث کا مسئلہ ہے' اس میں کہیں مذکور نہیں کہ حضرات حسنینؓ کے علاوہ دوسرے دو نواسے وصال نبویؐ کے وقت بالغ تھے' میں اپنے سابقہ مضمون (تکبیر ۸ دسمبر ۸۹ء) میں صفحہ ۵۵ کالم ۲ میں طبقات ابن سعد' ابن حزم کی جمہرۃ الانساب اور جوامع السیرہ' اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری کے حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ سیدہ زینبؓ کے صاحبزادہ علی بن ابوالعاص ابتدائے جوانی میں انتقال کر چکے تھے' اب ایک اور حوالہ امام ذہبی کی کتاب "تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام" سے پیش کرتا ہوں' وہ اس کی پہلی جلد ص ۲۷۷ میں "اسلام ابی العاص مبوفاً" کے تحت لکھتے ہیں (سیدہ زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شادی کے ذکر کے بعد) "فولدت لہ علیاً فمات طفلا" یعنی سیدہ زینب سے علی کی ولادت ہوئی اور وہ بچپن میں انتقال کر گئے (تاریخ الاسلام تحقیق دکتور عبدالسلام تدمری' القاہرہ ۱۹۸۷ء) اور جہاں تک حضرت عبداللہ بن رقیہ کا تعلق ہے' تو وہ میں متعدد معتبر حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے' کیا اب بھی آپ یہ بلا دلیل دعوے کرتے رہیں گے؟ اور پھر ایک معتبر اردو کی کتاب رحمۃ للعالمین کا حوالہ لیجئے' اس کے مصنف قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی کتاب مذکور کی جلد دوم صفحہ ۱۰۷ پر یہی لکھا ہے کہ سیدہ رقیہ کے ایک فرزند عبداللہ تھے' چھ سال کی عمر میں وفات پائی اور یہی انہوں نے علی بن العاص کے بارے میں ص ۱۰۴ پر لکھا ہے کہ وہ بچپن میں وفات پا گئے۔

اور پھر یہ تو بتائیے کہ ان حضرت علی بن ابی العاص سے جن کو آپ افسانوی انداز میں جنگ یرموک لے گئے (اور جس کا ابطال میں اپنے سابقہ مضمون میں کر چکا ہوں) ان سے کون سی حدیث نبوی مروی ہے' سیدنا حسن کے متعلق تو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء جلد ۱ صفحہ ۲۹۲ میں لکھا ہے کہ ان سے دو حدیثیں مروی ہیں' اور صفحہ ۲۹۳ میں حضرت معاویہ سے بھی دو حدیثیں مروی ہونے کا ذکر کیا ہے' (ملاحظہ ہو فصل چہارم میں مذکور صحابہ و تابعین کے مختصر حالات' ذکر معاویہ و ذکر حسن)

بلیغ الدین صاحب اپنی ناصبیت اور اہل بیت کے بغض میں سیدنا حسن و حسین کو شرف صحابیت سے محروم کرنا چاہتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نواسے جنہوں نے آپ کی آغوش مبارک میں تربیت پائی' اگر وہ صحابی نہ ہوں گے تو کون صحابی ہوگا؟ اصول حدیث کی کتابوں میں صحابی کی تعریف دیکھئے' صحابی وہ ہے جس نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا' حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ (ج ۸ ص ۲۰۳) سیدنا حسین کی شہادت پر غم کے ساتھ لکھتے ہیں۔ فانہ من سادات المسلمین و علماء الصحابہ و ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التی ہی افضل بناتہ (وہ یعنی سیدنا حسینؓ مسلمانوں کے سرداروں میں اور علماء و صحابہ میں سے ہیں' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیٹی کے صاحبزادے ہیں' جو سب بیٹیوں میں افضل تھیں)

ابن عساکر اور ابن اسحاق کی کتب کے بارے میں بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ کسی صاحب علم کو زیب نہیں دیتا' وہ فرماتے ہیں ابن عساکر کا "ایک خلاصۂ تاریخ بھی ملتا ہے" ہذہ فدا' میں اپنے سابقہ مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ ان کی تاریخ کے خلاصہ کی سات جلدیں شیخ عبدالقادر بدران کے قلم سے چھپ چکی ہیں' آپ ایک خلاصہ کہتے ہیں' پھر فرماتے ہیں کہ "اس کی (یعنی ابن عساکر) کی کتابیں بازار میں عام نہیں بکتیں" تو سوال یہ ہے کہ کیا آپ اپنی "تحقیقات عالیہ" کی بنیاد بازار میں عام بکنے والی کتابوں پر رکھتے ہیں؟ اور اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ "پھر ابن اسحاق کا ہر حوالہ باطل ہے کہ یہ کتاب بھی ناپید ہیں"۔

بلیغ الدین صاحب نے شاید یہ سمجھ رکھا ہے کہ تکبیر کے پڑھنے والے سب عوام الناس ہیں' ان کو غالباً یہ معلوم نہیں کہ یہ پاکستان کی دینی درسگاہوں اور یونیورسٹیوں میں بھی پڑھا جاتا ہے' اور اہل علم یہ بات جانتے ہیں کہ سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور و معروف کتاب درحقیقت ابن اسحاق کی ہی سیرت نبوی پر مشہور کتاب ہے' جو عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۸ھ نے بروایت زیاد البکائی ترتیب دی ہے' اور اس میں وہ حالات جو ابن اسحاق نے حضرت آدم سے لے کر حضرت اسماعیل علیہ السلام تک کے ذکر کئے تھے' حذف کر دئے ہیں' اسی طرح وہ بہت سے قصائد و اشعار بھی نکال دئے ہیں' جن کو ابن ہشام نے مستند نہیں سمجھا' مزید عرض یہ ہے کہ سیرت ابن اسحاق کا بھی ایک حصہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کی تحقیق سے رباط - مراکش سے چھپ چکا ہے (۱۳۹۱ھ میں)' اور دمشق کے ڈاکٹر سہیل زکار کی تحقیق سے بھی ایک حصہ' دارالفکر کی طرف سے ۱۳۹۸ھ میں چھپ چکا ہے' پھر یہ بھی بلیغ الدین صاحب کے لئے انکشاف ہوگا کہ کتبہ جامع قرویین' فاس (مراکش) میں یہ کتاب قلمی شکل میں موجود ہے' (اور ریاض کی اسلامک یونیورسٹی' جامعۃ الامام محمد بن سعود میں اس کا مائیکرو فلم موجود ہے)۔ اگر میرے ناقد و معترض نے ترکی کے علامہ ڈاکٹر فواد سیزگین کی تاریخ التراث العربی' مجلد اول پڑھی ہوتی تو مجھ کو یہ سب کچھ بتانا نہیں پڑتا' مگر یہ کتاب بازار میں نہیں ملتی' میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے' اصل کتاب جرمن زبان میں سات جلدوں میں ہے' اس کی دو جلدیں پہلی بار قاہرہ سے (عربی ترجمہ) چھپ چکی ہیں اور پھر دوبارہ ۱۰ جلدوں میں جرمن کتاب کی تین جلدوں کا ترجمہ ریاض کی امام ابن سعود یونیورسٹی سے شائع ہوا ہے' شاید خالد اسحاق صاحب کی لائبریری میں موجود ہو' جہاں بلیغ الدین صاحب جاتے ہیں۔

میرے سابقہ مضمون میں سعد بن ابی وقاص کے بجائے ابو دجانہ کا نام سہواً چھپ گیا تھا' مقصود یہ تھا کہ ابو دجانہؓ نے اپنی پیٹھ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنا لیا تھا اور حضرت سعد کافروں کی طرف تیر چلا رہے تھے۔ مگر اس موقع پر بلیغ الدین صاحب نے جو زہر آگیں طنزیہ جملہ لکھا ہے "ماں باپ فدا کرنے والی بات کو آپ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے کیوں چھپا رہے ہیں وہ ہم کہتے ہیں انہوں نے ایران جو فتح کیا تھا" اس کا کیا جواب دوں ابی کہ میں عربی الاصل' ہاشمی النسل ہوں' یہ بات آپ کسی اور سے کہیں' اور اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں شیعہ ہوں تو یہ آپ کی بہتان تراشی ہے' شیعیت تو کوفہ کے عربوں سے شروع ہوئی تھی اور ایک یمنی یہودی عبداللہ بن سبا نے اس میں مفسدانہ اور شر انگیز رول ادا کیا تھا' میرے جد امجد سیدنا علیؓ نے عبداللہ بن سبا کے بعض متبعین گمراہ و ملحد شیعوں کو آگ میں جلایا تھا' یہ سب عام تاریخ میں مذکور ہے۔

آپ نے دوبارہ لکھا ہے کہ "ابوالعاص بن الربیع کے بارہ میں ارشادات صحاح میں ہیں (ص ۴۳ کالم ۱) یہ غلط ہے کہیں نہیں ہیں' صرف ایک قول "وعدنی و صدقنی" ایک مخصوص معاملہ میں ہے' جس کا ذکر میں تفصیل سے سابقہ مضمون میں کر چکا ہوں۔ اس طرح کے دو نمبری عام تقریروں میں چل سکتے ہیں' علمی تحقیق سے اس کا کوئی تعلق نہیں' یہاں اس بات کو یاد دلانا ضروری ہے کہ وہ بحیثیت مسلمان صرف ایک سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد رہے (تفصیل کے لئے دیکھئے میرا مضمون تکبیر ۲۸ دسمبر ص ۵۷ کالم ۱) یہاں مزید یہ اضافہ کر دوں کہ امام ذہبی نے "تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام" ص ۲۸۰ (مذکورہ ایڈیشن) میں تصریح کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے' اور یہی اپنی عظیم کتاب سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۲۳۶) میں لکھا ہے۔

○

صفحہ نمبر ۱۰۶ کا باقی حصہ (شہادت حسینؓ)

ان کا یہ غلط حکم ماننے سے انکار کر دیا اور جب رسول اللہ کے سامنے ان اصحاب کے طرز عمل کا تذکرہ ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ امیر کے اس غلط حکم کی اطاعت نہ کر کے انہوں نے بالکل صحیح کیا اگر وہ ایسا کرتے تو ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہتے۔

اسلام کی اس تعلیم کے پیش نظر جناب ناقد سے سوال یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ و حضرت حسنؓ کے علاوہ باقی صحابہ کرامؓ نے ادارۂ خلافت کے تحفظ کی فکر کیوں نہ کی؟ اور اس صورت میں کیا یہ تمام صحابہؓ بھی حضرت عثمانؓ اور حضرت حسنؓ کی طرح مجرم قرار نہیں پاتے؟

جناب ناقد کے مضمون سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ غالباً ان کے نزدیک خلافت علیٰ منہاج نبوت نام ہے

باقی صفحہ نمبر ۱۱۶ پر

دوسری قسط

خانوادۂ نبوی کی بحث سے متعلق آخری وضاحت

"بت شکن"

علی بن ابی العاص کے بارے میں بلیغ الدین صاحب نے پھر وہی بات دہرائی ہے، میں مستند اور ثقہ محدثین و مورخین کے حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ ان کی وفات بچپن میں ہو گئی تھی اور سطور بالا میں امام ذہبی کا بھی ایک حوالہ دے دیا ہے پھر وہ کہاں سے بت شکنی کر سکتے تھے۔

اس موقعہ پر جو حوالے بلیغ الدین صاحب نے اسد الغابۃ' الاصابۃ اور الاستیعاب کے دیئے ہیں، ان میں کہیں علی بن العاص کے مکہ مکرمہ میں بت شکنی کی بات نہیں کی گئی ہے۔ بلکہ صراحت سے یہی مذکور ہے کہ وہ بچپن ہی میں آنحضرت کی زندگی میں وفات پا گئے' مزید یہ کہ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء (ج ۳ ص ۲۴۶) میں بھی یہی لکھا ہے۔ اس سے بلیغ الدین صاحب کی علی بن العاص کی بت شکنی کے بارے میں غلط بیانی صاف ظاہر ہے۔

اب جہاں تک سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر چڑھ کر کعبہ کی چھت سے بت گرا کر پاش پاش کرنے کا تعلق ہے اور اس کا حوالہ مجھ سے بلیغ الدین صاحب نے مانگا ہے' تو اس کے لئے ملاحظہ ہو مشہور مفسر و محدث و مورخ امام محمد بن جریر طبری کی چار سال قبل شائع شدہ کی کتاب حدیث "تہذیب الآثار" "جلد ۴' بنام مسند علی)' جہاں اس موضوع پر خود حضرت علی کی زبانی تین احادیث صفحہ ۲۳۶ تا ۲۳۸ تین مختلف اسناد سے درج ہیں' ان میں حدیث نمبر ۳۳ میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ درج ہے۔ اس کتاب کے عظیم اور مشہور مصری محقق علامہ محمود احمد شاکر مرحوم نے اس حدیث کا حوالہ مسند امام احمد' مجمع الزوائد' مسند ابو یعلیٰ سے بھی دیا ہے' اور طبری کی روایت کی سند کو رجال پر بحث کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے۔

دوسرا حوالہ ایک ایسی مشہور کتاب سے پیش ہے' جو اہل ہندو پاکستان بخوبی جانتے ہیں اور بلیغ الدین صاحب بھی' یعنی شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء' (جلد دوم صفحہ ۳۹۰ اردو ایڈیشن)' جہاں حضرت علی کے بت توڑنے کی روایت اس تفصیل سے درج ہے جیسی طبری کی مذکورہ بالا مجموعہ حدیث میں۔

یہاں بلیغ الدین صاحب کی دھاندلی کا اندازہ کیا جائے کہ خود ہی صحیح بخاری کے شارح قسطلانی کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ "انہوں نے ذکر کیا ہے کہ علی نے کعبہ میں بت شکنی کی"۔ پھر خود ہی اس کی حسب منشا عجیب تشریح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد علی بن ابی العاص ہیں۔ کیا ثبوت ہے؟! ایک معمولی پڑھا لکھا انسان بھی جانتا ہے کہ جب کہیں صرف علی کا نام آتا ہے' تو اس سے مراد چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی ہی مراد ہوتے ہیں' مگر برا ہو ناصبیت کا کہ یہاں بھی وہ غلط معنی ہی نکال رہے ہیں۔

مزید حوالے

اس فقرے کے تحت بلیغ الدین صاحب نے محمد الاوسط کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر میرے سابقہ مضمون کی بحث ص ۵۶ کالم (۲) پر پڑھ لی جائے' موصوف نے میرے مستند حوالوں کو غور سے نہیں دیکھا' اب وہ مجھے مناظرانہ اور جذباتی انداز میں پوچھتے ہیں کہ میں ابن سعد کی طبقات کبریٰ اور ابن قتیبہ کی کتاب المعارف کو مستند سمجھتا ہوں کہ نہیں جن میں محمد الاوسط کا ذکر ہے؟

پہلے تو یہ عرض ہے کہ انساب کے معاملہ میں میں امام ابن حزم

پروفیسر ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

جیسے محدث و مورخ کو زیادہ معتبر سمجھتا ہوں' انہوں نے اپنی کتاب جوامع السیرہ میں تصریح کی ہے کہ سیدہ امامہ بنت زینب کے بطن سے حضرت علی کی کوئی اولاد نہیں ہوئی اور نہ انکے بطن سے دوسرے شوہر مغیرہ بن نوفل کی کوئی اولاد ہوئی حتیٰ کہ انکا انتقال ہو گیا (صفحہ ۳۹)۔ ابن قتیبہ نے سیدہ امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہ کے بطن سے مغیرہ بن نوفل کے ایک لڑکے یحییٰ کا ذکر تو کیا ہے اور یہی بات رحمۃ للعالمین (جلد دوم صفحہ ۱۰۵) میں قاضی سلیمان منصور پوری نے بھی لکھی ہے لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ "یہ نسل دنیا سے ناپید ہو چکی ہے"۔ سیدہ امامہ کے بطن سے محمد الاوسط بن حضرت علی کا ذکر انہوں نے بھی نہیں کیا اور نہ ابن قتیبہ نے۔

جہاں تک کتاب المحبّر کا تعلق ہے' بلیغ الدین صاحب نے اس کا حوالہ ... دائرۃ المعارف اردو (پنجاب) کے واسطے سے دیا ہے۔ خود انہوں نے یہ کتاب نہیں دیکھی اس میں نہ تو محمد الاوسط بن امامہ کا ذکر ہے اور نہ یحییٰ بن امامہ بنت زینب کا' یہ کتاب میری ذاتی لائبریری میں موجود ہے' زیر بحث چارٹ میں انساب الاشراف کا حوالہ اس سلسلہ میں کوئی نہیں' بلکہ صرف زبیر بن عبدالمطلب کی حضور کی سرپرستی کے بارے میں ہے' وہ غور سے دوبارہ چارٹ دیکھیں۔

اب جہاں تک ابن سعد کی طبقات سے محمد بن الاوسط بن امامہ کا ذکر ہے' وہ واقدی کی روایت ہے جس کو بلیغ الدین صاحب بڑے زور و شور سے "کذاب' رافضی اور شیطان" لکھتے ہیں۔ پھر وہ اس موضوع پر اسی واقدی کی روایت کس طرح تسلیم کرتے ہیں؟!

پھر چلئے میں ان کے ساتھ ابن سعد کاتب واقدی کی طبقات کبریٰ کو مستند تسلیم کرتا ہوں' اب میرا مطالبہ ہے کہ اپنی بات پر سچے مسلمانوں کی طرح قائم رہیئے اور وہ ساری باتیں تسلیم کیجئے جن پر تمام سیرت نگاروں کا اتفاق ہے' اور جن کے آپ محمود عباسی کے ساتھ منکر ہیں' اور جو ابن سعد کی اسی مستند کتاب میں مذکور ہیں' یعنی یہ

۱۔ حضور کی پرورش ابو طالب نے کی' زبیر بن عبدالمطلب نے نہیں کی۔

۲۔ آپؐ نے ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا اور اس سفر میں بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی۔

۳۔ حضرت رقیہ کے بطن سے حضرت عثمان کے صرف ایک بیٹے عبداللہ تھے جو چھ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے' آپ نے مسعودی کی ایک مزعومہ روایت کے مطابق ایک اور فرزند عبداللہ الاصغر کو صحیح سمجھ رکھا ہے' جو رقیہ کے نہیں بلکہ فاختہ بنت غزوان کے بطن سے تھے۔'

۴۔ ابن سعد کے ذکر کردہ نام شعب ابی طالب کو بھی صحیح تسلیم کیجئے' جبکہ آپ بغیر دلیل اور صحیح حوالہ کے اس کو شعب بنی ہاشم کہنے پر مصر ہیں۔

یہ وہ موضوعات ہیں جس پر آپ نے محمود عباسی کی طرح صفحات کے صفحات سیاہ کئے ہیں' غلط اور تراشیدہ حوالے دے کر عام قارئین کے ذہن میں انتشار پیدا کیا ہے' اگر آپ ابن سعد کو مستند مان لیں تو کوئی اختلاف ہی نہ رہے' مگر صرف اپنے مطلب کی ایک بات پر اس کو مستند نہ مانیئے' جبکہ اس کے خلاف بھی روایتی دلائل موجود ہیں۔

انساب الاشراف۔ بلاذری کے بارے میں آپ نے عجیب انفعالی انداز میں غیر متعلقہ باتیں لکھی ہیں' اور وہ بھی ناقص' نہ آپکو اس کی جلدوں کا علم ہے' نہ مطبوعہ جلدوں اور ان کی تاریخ طباعت کا' سو آپ کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے تو صرف اس کی پہلی جلد کو اپنی تحقیق سے شائع کیا تھا اور وہ بھی حال میں نہیں بلکہ ۳۱ سال پہلے ۱۹۵۹ء میں مصر سے اور اس سے بہت پہلے ۱۹۳۶ء اور ۱۹۳۸ء میں ایک یہودی مستشرق گوئتین Goetine نے اس کی چوتھی جلد اور پانچویں جلد کا کچھ حصہ شائع کیا تھا۔ القدس (یروشلم) سے (اس بوڑھے مستشرق سے پرنسٹن Prinston امریکا میں میری ملاقات بھی ۱۹۷۸ء میں ہوئی تھی) میں حضرت میں نے یہ تینوں مطالعہ کی ہیں۔ آپ دوسروں کی لائبریریوں میں ان کے موجود ہونے کا ذکر کرتے ہیں' جبکہ یہ تینوں جلدیں میری ذاتی لائبریری میں عرصہ دراز سے موجود ہیں' آپ کی مزید معلومات کے لئے عرض ہے کہ اس کی ایک اور جلد بغداد سے پندرہ سال قبل شائع ہوئی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے بارے میں آپ نے حقارت آمیز انداز میں جو کچھ لکھا ہے اس کے بارے میں کیا کہوں!

صرف اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کا مقام یہ ہے کہ عرب دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں ان کی عربی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں' ان کی زیر بحث کتاب "المرتضی" بھی پہلے عربی زبان میں چھپی تھی پھر ان کے ایک شاگرد ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور عالم عربی کے تمام علماء و محققین ان کی دسیوں عربی کتابوں کو انتہائی عزت و اعتراف کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

جنگ یرموک میں ابوالعاص بن الربیع (بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنے فرزند علی کے ساتھ شرکت کا بلا دلیل دعوی دوبارہ آپ نے اس فقرہ کے تحت کیا ہے' ایک بھی تاریخی شہادت پیش نہیں کی' اسکے بارے میں تفصیل سے اپنے سابقہ مضمون میں لکھ چکا ہوں' وہیں تمام مستند حوالے موجود ہیں کہ ابوالعاص کا ۱۲ ھ میں' ان کے فرزند علی بن سیدہ زینب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں بچپن میں انتقال ہو چکا تھا' دو مزید حوالے یہ ہیں۔ امام ذہبی کی التاریخ الکبیر (ج ۱ ص ۲۸۰) اور قاضی سلیمان منصور پوری کی رحمتہ للعالمین (جلد دوم صفحہ ۱۰۳) لہذا جب یہ دونوں حضرات جنگ یرموک سے کافی پہلے مستند اور متعدد تاریخی حوالوں کے مطابق انتقال فرما چکے تھے' تو اس جنگ میں ان کی شرکت کہاں سے ہو سکتی ہے عرض ہے کہ یہ تاریخ اسلام کا موضوع ہے' یہاں خطابت اور افسانہ طرازی سے کام نہیں چلتا' دور صدیقی میں بھی ابوالعاص بن الربیع کسی جلو میں شریک نہیں ہوئے' کہیں ان کا ذکر نہیں' اس موقعہ پر انہوں نے سیدنا علی پر ایک عجیب تلاک حملہ کیا ہے کہ "وہ حضور کی وفات کے بعد چوبیس پچیس برس کسی جلو میں شریک نہیں ہوئے" سوال یہ ہے کہ خلافت راشدہ کے عہد میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان میں سے کون جلو پر گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ بحیثیت صدر مملکت یا خلافت ان کا مدینہ منورہ میں مقیم رہنا سیاسی و مشاورتی قیادت کے لئے ضروری تھا' ان تینوں خلفاء نے حضرت علی کو اہم مشوروں کے لئے اپنے ساتھ رکھا' سیدنا علی پر یہ حملہ بلیغ الدین صاحب کی ناصبیت کی دلیل ہے۔

چھٹا مغالطہ

اس فقرہ کی پہلی سطر میں محترم مضمون نگار نے چیلنج کیا ہے کہ بتایا جائے کہ موصوف نے حضرت فاطمہ سے ابوالعاص کا کہاں اور کن الفاظ میں تقابل کیا ہے' تو ملاحظہ فرمایئے کہ تکبیر ۲۸ دسمبر ۸۹ کے اپنے مضمون میں صفحہ ۳۹ کالم (۲) پر ابوالعاص کا ذکر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں۔ "حضرت فاطمہ کی منقبت کی روایتوں میں تقابل کے ساتھ ان کی توصیف آئی ہے" باقی رہے اس تازہ مضمون میں آپ کے "ترکش و تیر آزمائی" کے خطیبانہ الفاظ تو آپ کے پاس مستند تاریخی حوالوں کا جواب نہیں ہوتا تو اپنے اس محبوب و معروف اسلوب خطابت پر اتر آتے ہیں' میں ایسی باتوں کا جواب نہیں دیتا' چارٹ سے غیر متعلق یہ سب باتیں آپ ہی نے چھیڑی ہیں' اپنے غلط افکار پھیلانے کے لئے' میں نے تو صرف جوابات دیئے ہیں۔

"شعب بنی ہاشم"

اس کو موضوع سخن آپ ہی نے بنایا تھا اور آپ پھر دھونس کے ساتھ بتایا ہے کہ شعب ابی طالب نہیں' صحیح نام شعب بنی ہاشم ہے' میں نے تو اپنے سابقہ مضمون میں اسی کو صحیح مان لیا تھا مگر اس بار آپ نے یہ بات کہتے ہوئے تمام قدیم و جدید سیرت نگاروں پر تاریخ مسخ کرنے کا الزام لگایا ہے' اس لئے کچھ لکھنا پڑا۔

اس سلسلہ میں آپ نے ازرقی کی "تاریخ مکہ" اور یاقوت کی معجم البلدان کے جو حوالے دیئے ہیں۔ ان میں سے کوئی کتاب آپ نے نہیں پڑھی ہے' درحقیقت آپ نے یہ سب محمود عباسی کی واقعہ امامی (صفحہ ۹۰) سے نقل کیا ہے' اور جو غلطیاں اس نے کی تھیں وہی آپ نے کی ہیں' ان دونوں کتابوں میں کہیں شعب بنی ہاشم نہیں لکھا ہے بلکہ اس گھاٹی کو شعب ابی طالب کے نام سے ہی یاد کیا گیا ہے' (ملاحظہ ہو' تاریخ مکہ۔ ازرقی' تحقیق رشدی ملحس بیروت ۱۹۸۳' جلد دوم ص ۲۲۱' معجم البلدان' جلد دوم' مادہ (بذر) بیروت ایڈیشن)' تیسری صدی ہجری میں اس کا نام شعب ابن یوسف مشہور تھا' جو ازرقی کا زمانہ ہے' اور یہی نام معجم البلدان میں مادہ (شعب) میں مذکور ہے' بلیغ الدین صاحب نے شعب ابی یوسف غلط لکھا ہے' اور یہ پرانا نہیں نیا نام تھا' کیونکہ اس نام کے امیر نے یہ علاقہ خرید لیا تھا' شعب ابی طالب اب شعب علی کے نام سے مشہور ہے۔

درحقیقت محمود عباسی نے شعب ابی طالب کے نام پر علامہ شبلی کی گرفت کی تھی اور پھر متعدد صفحات میں بات کا بتنگڑ بنایا تھا کہ شیعوں نے شعب بنی ہاشم کا نام بدل کر شعب ابی طالب رکھ دیا تھا' وہی سب کچھ بلیغ الدین صاحب نے مختصراً لکھ دیا ہے' کسی نے تاریخ کو مسخ نہیں کیا تھا' محمود عباسی نے ناکام کوشش کی تھی' اب بتایا جائے کہ اسکا چارٹ سے کیا تعلق ہے؟

"اسد اللہ و اسد رسولہ"

اس فقرہ کے تحت (ص ۳۵) پر بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر سیدنا حمزہ کے لئے اس خطاب کو تسلیم کرنے کا جو بے بنیاد الزام لگایا ہے' بلکہ بہتان' وہ ان کی افترا پردازی اور فتنہ انگیزی کی کھلی دلیل ہے میرا سابقہ مضمون صفحہ ۵۸ کالم (۱) پڑھ لیا جائے' بلکہ میں نے تو اس خطاب یا لقب کے لئے سیرۃ ابن ہشام کا حوالہ فراہم کیا تھا' کیونکہ بلیغ الدین صاحب نے بغیر کسی حوالہ کے اس لقب کا ذکر کیا تھا۔ اب بلاوجہ کی عداوت اور احسان ناشناسی دیکھئے کہ میرے ہی اس حوالہ کے الفاظ نقل کر کے وہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ میں اس لقب کا سیدنا حمزہ کے لئے قائل نہیں۔

ہاں میں نے ابوالعاص بن الربیع کے لئے "شیر بطحاء" کے لقب پر جو سوال اٹھایا تھا' وہ ہنوز قائم ہے' جس پر آگے بحث آتی ہے یہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ حضرت حمزہ کے لقب مذکور کے لئے جو اقتباس دیا ہے' وہ بنیادی طور پر اسی ابن اسحاق کا ہے جس کو بلیغ الدین صاحب اپنے سابقہ مضمون میں (ص ۵۰ کالم (۱) پر) ناقابل اعتبار ٹھہرا چکے ہیں اور اپنے اس تازہ مضمون تکبیر ۱۵ مارچ میں ۳۶ کالم (۲) میں فرماتے ہیں کہ "ان کے ہاں موضوع روایات کی بھرمار ہے" "اور یہ کہ "ابن اسحاق شیعہ مورخ ہے"۔ اب آپ فرمایئے کہ کس طرح اس لقب کے سلسلے میں ابن اسحاق کے قول کو معتبر سمجھ رہے ہیں؟ میں تو بہر حال تمام قدیم و جدید مورخین کی طرح اس کو ثقہ سمجھتا ہوں۔

سیدنا علی کے لقب "اسد اللہ" کے بارے میں ایک دوسرا حوالہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ملاحظہ فرمایئے وہ تو عربی جانتے تھے' لائق اعتبار ہیں' ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۵۰۲ وہ حضرت علی کے حالات میں بیان کرتے ہیں۔ "لقب اسد اللہ" (مذکورہ اردو ایڈیشن)' دوبارہ جلد دوم ص ۳۸۷ وہ یہ لقب پھر ذکر کرتے ہیں پھر یہ لقب اس قدر مشہور ہے کہ یہاں کسی حوالہ کی ضرورت نہیں' ورنہ علامہ اقبال ان کو اپنے شعر میں اسد اللہ کے نام سے یاد نہیں کرتے جس کا میں سابقہ مضمون میں ذکر کر چکا ہوں۔ آپ کے بعض غلط حوالوں کی حقیقت میں گذشتہ صفحات میں واضح کر چکا ہوں اور کچھ آئندہ آئیں گیں۔

اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے ضرور حضرت علی کے لئے اسد اللہ کے لقب سے انکار کیا اور دوسرے موضوعات کھڑے کر دیئے جن میں مرحب کے قتل کا مسئلہ ہے کہ یہ محمد بن مسلمہ نے کیا تھا' اور آپ نے واقدی کے لئے "رافضی و شیطان" کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے یک طرفہ اقوال نقل کئے ہیں' ناصبیوں کا یہ محبوب موضوع ہے کہ خیبر کے موقع پر حضرت علی نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا۔

اب جو آپ نے یہ مسئلہ چھیڑا ہے تو سنیئے کہ ابن ہشام کی جس روایت کا آپ نے اس سلسلہ میں سہارا لیا ہے' وہ اسی ابن اسحاق کی ہے جس کو آپ کذاب' وضاع اور شیعہ قرار دے چکے ہیں اور یہی روایت طبری میں منقول ہے' اب آپ کو یہ ابن اسحاق کیسے قابل قبول ہو گیا (دیکھئے سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۳۳۳-۳۳۴) پھر اسی ابن اسحاق کی یہ روایت ابن ہشام کی اس جلد میں صفحہ ۳۳۵ پر مذکور ہے کہ جب سیدنا علی کی ڈھال گر گئی تو انہوں نے ایک دروازہ کو اٹھا کر ڈھال بنا لیا جس کو سات آدمی مل کر بھی نہیں اٹھا سکتے تھے' آپ کے شیخ محمود عباسی نے تو اس کو جھوٹ اور مضحکہ خیز قرار دیا ہے' اب فرمایئے کہ کیا آپ "افتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض" کے زمرہ میں نہیں آتے ہیں؟

موسیٰ بن عقبہ کی کتاب مفقود ہے اور مسند امام احمد بن حنبل سے آپکو کیا تعلق' انہوں نے تو یہ کہا ہے کہ جو سیدنا علی کو چوتھا خلیفہ تسلیم نہ کرے وہ گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے' آپ انکی خلافت میں شک پیدا کرتے ہیں پھر مسند احمد کا تفصیلی حوالہ دیجئے۔

رہا مرحب کا قتل تو اس بارے میں محققین اہل سنت والجماعت مشہور محدث امام مسلم کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جس میں صراحت سے مذکور ہے کہ مرحب کو سیدنا علی نے قتل کیا (ملاحظہ ہو صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر' یہاں وہ شعر بھی درج ہیں جو سیدنا علی رجز یہ پڑھتے تھے) طبری کی جس روایت کو آپ نے ترجیح دی ہے اس کو ذرا غور سے دیکھئے وہ بھی ابن اسحاق کی ہے' جو آپ کے نزدیک وضاع و کذاب ہے اور روایت کے پہلے اور بعد میں آنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ "عوف عن میمون" کی روایت اور طبری ہی میں یونس بن بکیر عن المسیب بن مسلم کی دو روایتوں میں یہی ہے کہ مرحب کو سیدنا علی نے قتل کیا (دیکھئے طبری' دارالمعارف' مصری ایڈیشن' ج ۳ ص ۱۱' ۱۲) آپ اپنے قارئین کو کہاں تک دھوکہ دیں گے؟

موصوم مولانا شبلی کا نام لے کر آپ نے قارئین کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے' حوالوں میں غلط بیانی محمود عباسی کی طرح آپ کی عادت ہے' آپ کی رسائی عربی کتابوں تک نہیں' غالداسحاق صاحب کی لائبریری میں جا کر وہاں موجود عربی کے ایک طالبعلم سے عربی کتابوں سے عبارتیں آپ ترجمہ کراتے ہیں' اور ان کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں' بلکہ افسوس کا مقام کہ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی سے بھی اپنے مطلب کی بات ہی نقل کرتے ہیں اور اصلی بات کو چھپا دیتے ہیں' صحیح بخاری کتاب المغازی و فضائل الصحابہ اور صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ میں صراحت سے مذکور ہے کہ جب تین دن مسلسل دوسرے صحابہ غزوہ خیبر میں کامیاب نہ ہو سکے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے آدمی کے ہاتھ میں دونگا جس کو اللہ محبوب رکھتا ہے اور جو اللہ کو محبوب رکھتا ہے' اور پھر حضور صلعم نے حضرت علی کو طلب کیا' وہ اس وقت آنکھوں کی بیماری میں مبتلا تھے' پھر بھی آپ نے طلب فرمایا اپنا لعاب دہن حضرت علی کی آنکھوں پر لگایا' حضرت علی کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں' انہوں نے خیبر کے آخری قلعہ قموص کو اس کے مالک مرحب کو قتل کر کے فتح کیا' اور

اسی لئے فاتح خیبر کہلائے مگر حضرت علی سے بغض اور ناصبیت نے آپ کی آنکھیں بند کر دی ہیں' اور مجھے شپرہ (چمگادڑ) کہتے ہیں- اور آپ کتب حدیث و عربی تواریخ تو کیا اردو میں مولانا شبلی کی عبارتوں سے اپنے آنکھیں بند کر لیتے ہیں' مولانا شبلی اپنی سیرۃ النبی جلد اول (صفحہ ۲۸۲ طبع اول' دارالاشاعت کراچی ۱۹۸۵) میں تفصیل سے غزوہ خیبر پر بحث کرنے کے بعد کہتے ہیں-

"ابن اسحاق' موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا' مسند ابن حنبل اور نووی کی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے' لیکن صحیح مسلم اور حاکم (ج ۳ ص ۳۹) میں حضرت علی ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے' اور یہی اصح الروایات ہے"-

اور پھر آپ نے مولانا شبلی مرحوم پر درخیبر (مضمون میں درہ خیبر غلط چھپا ہے) کے سلسلہ میں تہمت گڑھی ہے' انہوں نے اس موضوع پر صفحہ بالا میں واقدی کے بیان کی نہیں بلکہ اسحاق اور حاکم سے منقول اس روایت کی سخاوی کی مقاصد حسنہ کے حوالہ سے تردید کی ہے' جس میں ہے کہ قلعہ قموص کا وہ دروازہ جس کے ایک پٹ کو حضرت علی نے بطور ڈھال استعمال کیا وہ اس قدر وزنی تھا کہ سات آدمی بھی اس کو نہیں اٹھا سکتے تھے' اور مولانا شبلی کی یہ بات صحیح ہے مگر آپ اس واقعہ کو بیان کر کے فتح خیبر کے سلسلے میں سیدنا علی کے کارنامہ سے ہی انکار کرنا چاہتے ہیں جو بخاری و مسلم کی صحیح حدیثوں اور مولانا شبلی کے مذکورہ بالا صریحی بیان سے ثابت ہے-

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ کسی مورخ نے بھی واقدی کو "رافضی اور شیطان" نہیں لکھا ہے' مدینہ کے دوسری صدی ہجری کے عظیم سیرت نگار' محدث اور قاضی کے بارے میں یہ صرف آپ کی دریدہ دہنی ہے -- مولانا شبلی کی سیرۃ النبی جس تک آپ کی رسائی ہے اس سے آپ نے عوف (ایک راوی) کے بارے میں موصوف کی بندار سے نقل کردہ ایک عبارت کو واقدی پر چسپاں کر دیا ہے' بلکہ مجھے آپ کے ماخذ کا پتہ چل گیا' یہ سیرت شبلی نہیں بلکہ محمود عباسی کی کتاب "تحقیق مزید" ہے جہاں صفحہ ۱۵۳ پر میزان الاعتدال' ذہبی کے حوالہ سے یہ عبارت "عوف" کے لئے استعمال ہوئی ہے مگر میرے ناقد نے یہاں "عوف" کے بجائے عظیم مورخ و محدث و قاضی "واقدی" کا نام درج کر دیا' کیا اسی کا نام علمی دیانت ہے؟ مولانا شبلی کی عوف کے بارے میں یہ روایت سیرۃ النبی کی جلد اول صفحہ ۲۸۱ (مذکورہ بالا ایڈیشن) پر موجود ہے' اور یہ اس سلسلہ میں ہے کہ طبری میں ایک روایت اس راوی سے مذکور ہے کہ قلعہ قموص کی فتح سے ناکام ہو کر دو دن سیدنا ابوبکر و سیدنا عمر واپس آ گئے تھے اور فوج نے حضرت عمر کی کمزوری کی شکایت کی اور دونوں نے فوج کے بھاگ جانے کی' اس موقعہ پر بظاہر فوجیوں کا بیان غلط ہے اور اسی لئے اس کو ایک شیعی روایت کہہ کر مولانا شبلی نے اس کی تردید کی ہے' جو سارے اہل حق کا مسلک ہے' لیکن مولانا شبلی نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ فتح خیبر کا شرف حضرت علی کا ہی نصیب تھا' وہ اس روایت کی تردید کے بعد کہتے ہیں:-

"تاہم اس قدر ضرور ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے' لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا" اور پھر اس کے بعد ہی انہوں نے حضور صلعم کی طرف سے حضرت علی کا اس مہم پر مقرر کیا جانا ذکر کیا ہے' آپ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا بند کریں' سچ وہ ہے جو امام بخاری' امام مسلم' حافظ ابن حجر اور پھر مولانا شبلی نے لکھا ہے وہ نہیں جس کو آپ خطیبانہ انداز میں سچ قرار دے رہے ہیں اور حضرت علی کی تنقیص کر رہے ہیں-

"شیر بطحاء"

سیدنا علی سے بغض میں جلا بلیغ الدین صاحب نے دوبارہ ابوالعاص بن الربیع کو "شیر بطحاء" ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور جو حوالے انہوں نے دیئے ہیں وہ غلط ہیں' میں ان سے پوچھتا ہوں کہ کیا "شیر" عربی زبان کا لفظ ہے؟ حضرت حمزہ اور حضرت علی کے ناموں کے ساتھ تو قدیم و جدید کتب تاریخ میں "اسد اللہ" یعنی (شیر خدا) کا لفظ آیا ہے' مگر ابوالعاص کے لئے "اسد بطحاء" کا لفظ کہاں آیا ہے؟ بلکہ وہ لفظ آیا ہے جس کو بلیغ الدین صاحب نے چھپانے کی کوشش کی ہے' قارئین سنیں' وہ ہے "جرو البطحاء" (ملاحظہ ہو امام ذہبی کی التاریخ الکبیر الموسوم بہ تاریخ الاسلام و طبقات المشاہیر والاعلام' ج' ص ۲۷۸' طبع مصر)' اب وہ اس عربی لفظ (جرو) کے معنی کسی عربی دان سے پوچھ لیں یا کسی لغت میں دیکھ لیں' کسی بھی عرب ملک میں چلے جائیں' وہ ایک عرب بچے سے بھی سن لیں گے کہ وہ کتے کے بچہ کو "جرو" کہتا ہے' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ لقب نہیں دیا تھا' بلکہ امام ذہبی نے لکھا ہے- وکان یدعی جرو البطحاء واسر یوم بدر" (وہ جرو بطحاء کے نام سے پکارے جاتے تھے اور بدر کی جنگ میں گرفتار ہوئے)

یاد رہے کہ امام ذہبی نے اپنی اس بے نظیر کتاب میں ابی العاص کے حالات بڑی تشلیح کے تین صفحات میں لکھے ہیں' اور صفحہ ۲۸۰ پر تصریح کی ہے کہ وہ حضور کے ساتھ کسی غزوہ میں شریک نہیں ہوئے' اور میں گزشتہ مضمون میں مستند حوالوں سے ثابت کر چکا ہوں کہ وہ ۱۲ھ میں وفات پا گئے پھر کون سا کارنامہ تھا جن پر ان کو "شیر بطحاء" کا اردو کا خطاب ملا؟

اس موقعہ پر انہوں نے محقق و مصنف جلیل القدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے لئے جو سوقیانہ انداز اختیار کیا ہے اس سے تو میں صرف نظر کرتا ہوں' اور یہ کہتا ہوں کہ مجھے "ہمارے علماء کی تحریریں" بھی سمجھ میں آتی ہیں' انہیں میں مولانا شبلی' سید سلیمان' قاضی سلیمان منصور پوری وغیرہ شامل ہیں' ہاں محمود عباسی شامل نہیں' بلیغ الدین صاحب ابوالعاص بن الربیع کے بارے میں قاضی سلیمان منصور پوری کا پورا بیان تو پیش کریں' ان کے جھوٹ کی پول کھل جائے گی' قاضی سلیمان مرحوم نے ابوالعاص کے بارے میں وہی سب کچھ لکھا ہے جو امام ذہبی اور دوسرے قدیم عرب مورخین نے لکھا ہے' میں "تکبیر" کے اردو دان قارئین اور طالبان حقیقت کی خدمت میں عرض کروں گا کہ وہ رحمۃ للعالمین کی دوسری جلد ضرور پڑھیں' صفحہ ۱۰۲ تا صفحہ ۱۰۵ (شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی' ایڈیشن) سیدہ زینب کا ذکر' اس میں وہ دیکھیں گے کہ صراحت سے مصنف نے لکھا ہے-

۱- ابوالعاص نے بماہ ذی الحجہ ۱۲ھ وفات پائی' ان کا لقب "جرو البطحاء" تھا- (صفحہ ۱۰۳)-

۲- علی سبط الرسول نے بچپن میں وفات پائی- (ص ۱۰۳)

۳- سیدہ امامہ بنت سیدہ زینب کا نکاح پہلے سیدنا علی سے اور پھر حضرت علی کی وصیت کے مطابق حارث عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پوتے مغیرہ بن نوفل سے امیر المومنین کی اجازت سے نکاح ثانی پڑھایا گیا' مغیرہ کے ہاں سیدہ امامہ کے بطن سے ایک فرزند پیدا ہوا یحییٰ نام تھا' یہ نسل دنیا سے ناپید ہو چکی ہے' (ص ۱۰۵)

۴- انہوں نے علی بن العاص کے فتح مکہ کے موقع پر بت شکن ہونے کا ذکر نہیں کیا ہے- الاصابہ اور الاستیعاب کے جو حوالے بلیغ الدین صاحب نے اس ذیل میں دیئے ہیں ان میں بھی ابوالعاص کے لئے "جرو البطحا" کا لقب آیا ہے' اور وہ اس لقب سے اسلام سے پہلے سے پکارے جاتے تھے' یہ عرض کر دوں کہ قاضی سلیمان منصور پوری نے ابوالعاص کے بحیثیت مسلمان ایک سال داماد رسول کے احترام میں اس لقب کا اردو ترجمہ نہیں کیا ہے' میں نے بھی نہیں کیا' یہ بھی عرض کر دوں کہ گو "جرو" کے عام اور متداول معنی "کتے کے بچے" کے ہیں لیکن لغت میں اس کے معنی درندہ کے بچہ کے لئے بھی آئے ہیں' اور شاید وہ اپنی سختی اور دشمن کے خلاف زور آزمائی میں شہرت کی وجہ سے مکہ میں اس لقب سے مشہور ہو گئے ہوں گے-

اب وہ ثابت کریں کہ کس مصنف نے ان کو "اسد بطحاء" کے لقب سے یاد کیا ہے؟

"کفالت"

اس فقرہ کے تحت انہوں نے محمود عباس کی ناصبی کے فکر مطابق ابوطالب کے بجائے زبیر بن عبدالمطلب کا حضور کا کفیل' سرپرست اور حامی دوبارہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے' اس کے بارے میں تفصیلی حوالوں سے سابقہ مضمون میں کافی لکھ چکا ہوں' دوبارہ پڑھ لیا جائے-

بلیغ الدین صاحب نے ابن سعد' یعقوبی' روض الانف (سہیلی) اور رحمۃ للعالمین' خطبات سرسید کے جو حوالے دیئے ہیں' وہ سب صریحی غلط بیانی ہے' ان سب نے یہی لکھا ہے کہ ابوطالب نے حضور صلعم کی کفالت کی اور انہوں نے ہی آنحضرت کی نصرت و حمایت کی (طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۱۸' یعقوبی ج ۲ ص ۱۳' سیرۃ النبی' شبلی' جلد اول ص ۱۲۳ وغیرہ وغیرہ)' اور بلیغ الدین صاحب سے تو ایک دوسرے نام نہاد محقق اور ناصبی ضیاء الدین کرمانی ہی اچھے ہیں کہ انہوں نے اپنی کتاب "ابدی پیغام کے آخری پیغمبر" (ص ۵۹) میں سرسید احمد خاں کے بیان کے بارے میں سچ لکھ دیا ہے کہ -"اپنے ناقدانہ ذہن اور ژرف نگاہی کے باوجود سرسید نے بھی عام خیال کے مطابق اپنے خطبات (ص ۲۷۶) میں لکھ دیا کہ "عبدالمطلب کی وفات کے بعد حضرت محمد کی سرپرستی ابوطالب نے کی"-

اس لئے میں کہتا ہوں کہ زیر بحث چارٹ کے اندراجات غلط ہیں' یہ ریڈیو میں اور عام مجالس میلاد النبی میں تقریروں کا مسئلہ نہیں (جس میں بلیغ الدین صاحب بے شک مشہور ہیں)' بلکہ علمی تحقیق کا مسئلہ ہے اور بلیغ الدین صاحب کسی بھی تاریخی حوالہ سے یہ ثابت نہیں کر سکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی کفالت ابوطالب کے بجائے دوسرے چچا زبیر نے کی' بلکہ انہوں نے بغیر تعین صفحات کے جو حوالے دیئے ہیں وہ سب غلط ہیں' وہ عامۃ المسلمین کو تاریخ اسلام کے بارے میں گمراہ کرنے کی کوشش میں ہمیشہ ناکام رہیں گے جیسے محمود عباسی ناکام رہا-

"بحیرا راہب"

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب نے مجھ پر حسب عادت الزام تراشی کی ہے کہ "اب طویل اور غیر متعلق بحث کرتے ہوئے رضوان علی صاحب ایک اور سبائی روایت کے دفاع پر آ گئے"' یہ الزام تراشی اور دریدہ دہنی کا وہ طریقہ ہے جو بلیغ الدین صاحب نے محمود عباسی سے سیکھا ہے' جو ہر اس روایت کو جو اس کو پسند نہیں آتی ہے سبائی روایت کہہ دیتا ہے- غیر متعلقہ مضامین بلیغ الدین صاحب نے اپنے طویل مضمون میں اٹھائے تھے' جس کا مدلل و مفصل جواب

باقی صفحہ نمبر ۴۸ پر

صفحہ نمبر ۱۲۶ کا باقی حصہ

سے یہ علاقے تقریباً افغانستان کے برابر ہیں جن میں ہنزہ، نگر، یاسین، پنیال، گلگت، مستوج، برغیل، کپت یار خون کے علاوہ واخان، بدخشاں، اشکاشم، زیباک، رباط شغنان، پامیر وغیرہ کے دور دراز علاقوں پر مشتمل ہے اس خطے میں ان علاقوں کی سرحدی اور جغرافیائی سیاسی حیثیت بیحد اہم ہے اور یہ علاقے اسماعیلی آبادی کی اکثریت پر مشتمل ہیں۔ جہاں کسم شے لیکر تمام عملاً اسی فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ "آزاد اسماعیلی طاقت" جس نے افغانستان میں اپنے وجود کا اعلان کیا ہے اسرائیل کی طرح وسعت پذیری کے رجحانات رکھتی ہے جو عالم اسلام اور اس خطے کے لئے خطرناک ہے۔ یہودیوں کی طرح اس نسل پرست ریاست کا قیام کیا قیامت نہ ڈھائے گا اس کا ایک اندازہ اور جھلک اسماعیلیوں کی تاریخ اور ان کے داعیوں اور اماموں نیک کردار پر سرسری نظر ڈالتے ہی دیکھی جا سکتی ہے اور آج کے دور میں بھی ان کے امام نے پوری افغان جنگ میں کبھی مظلوم کا ساتھ نہ دیا آغا خان فاؤنڈیشن نے دنیا بھر کی خدمت انجام دی لیکن افغانوں کے بارے میں خاموش رہی۔ ایک سپر کے ساتھ گٹھ جوڑ اور دوسری سپر پاور کے ساتھ "تاریخی اتحاد" کی فطرت کا مظاہرہ واضح طور پر نظر آتا ہے۔

"سنڈے میگزین" کے نمائندے جیف بی بارمن کی یہ رپورٹ افغانستان میں فرقہ باطنیہ کے کردار اور اس کے حلیفوں کے عزائم واضح کرتی ہے یہ رپورٹ واضح کرتی ہے کہ حسن بن صباح کے روحانی پیروکار "الموت" کے قیام کے لئے آٹھ سو برس کی جدوجہد کے بعد ایک آزاد اسمٰعیلی طاقت کا اعلان کر رہے ہیں اس طاقت کے اعلان میں ان کے روحانی پیشوا کے حکم کے بارے میں روحانی پیشوا کا نمائندہ افغانستان میں اپنے بیٹے کو یہ تاریخی حکم سناتا ہے کہ "الموت" کی روحانی مسند کے جانشین!

* آغا خان کے احکامات کی تعمیل لازمی ہے۔ ہمارا اپنا سوال امام، ہمارا امام زندہ ہے۔ اگر آغا خان حکم دیں کہ افغانستان کے سارے اسماعیلی اپنی جانیں قربان کر دیں تو ہم سب یقیناً ایسا ہی کریں گے۔ یہ حقیقت ہے کوئی مذاق نہیں!"

جنگِ افغانستان:
ہمارے لیے سو فیصد مفید ہے

چوبیس سالہ سید جعفر نادری کا تعلق اسماعیلی فرقہ سے ہے۔ شکل و صورت میں جون بلوشی (JOHN BELUSHI) سے مشابہ یہ آرام پسند افغان سردار آج کل افغانستان کے شمال مشرقی صوبہ بغلان کا فوجی گورنر ہے، جو شادی بیاہ میں اپنے امام کی نمائندگی کرتا ہے۔ علاقے کے لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ گھڑ دوڑ میں حصہ لیتا ہے۔ منہ زور گھوڑوں پر سواری کرتا ہے۔ مغربی موسیقی یعنی پاپ میوزک اور راک میوزک کا رسیا یہ اسمٰعیلی سردار اپنی ذاتی فوج کی کمان بھی کرتا ہے۔

سید جعفر کا باپ سید منصور نادری افغانستان میں آباد بیس لاکھ اسماعیلیوں کا خلیفہ ہے۔ آغا خان کے معتقد فرقۂ اسماعیلیہ کا مذہب

یہ مضمون برطانوی جریدے سنڈے میگزین کی ۲۱ مئی ۱۹۸۹ء کی اشاعت سے لیا گیا ہے جو میگزین کے نمائندے جیف بی بارمن نے تحریر کیا۔

شیعہ کی ایک ذیلی شاخ ہے، جن کے مذہب میں شراب حلال ہے اور جن کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ ویسے سنی اور شیعہ ہمیشہ سے انہیں ملحد کہتے ہیں۔ افغانستان میں موجودہ جنگ سے پہلے صدر داؤد نے سید منصور نادری کو سیاسی وجوہات (تاریخی فرقہ وارانہ طرز عمل) کی بنا پر قید کر دیا تھا۔ انہی دنوں اس کے بیٹے دس سالہ سید جعفر کو اس کے فرزند کے پاس برنگھم بھیج دیا گیا تھا۔ جہاں سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ چودہ سال کی عمر میں اپنے چچا کے پاس امریکہ چلا گیا اور وہاں ساؤتھ ایڈیٹین جونیئر ہائی اسکول میں داخلہ لے لیا۔ اپنی شرارتوں کی وجہ سے جعفر کو سولہ بار اسکول سے نکالا گیا۔ جس کے بعد وہ ہپیوں کے ایک گروہ میں شامل ہو گیا۔ بعدازاں ایک ریسٹورنٹ میں ملازم ہو گیا— ایک بار وہ پبلک سوئمنگ پول میں برہنہ نہانے پر گرفتار بھی ہوا۔ جعفر کی عمر سترہ سال ہوئی تو افغانستان میں اس کے باپ سید منصور کو رہا کر دیا گیا۔ افغانستان کے بدلے ہوئے حالات میں وہ ایک امریکن بن کر واپس آیا۔ اس کا کہنا ہے کہ

"میں جب دس سال کا تھا تو انگلینڈ گیا۔ مجھے انگریزی بالکل نہ آتی تھی اور میں جب واپس آیا تو فارسی نہ بول سکتا تھا۔ کابل کے ہوائی اڈہ پر پہنچتے ہی مجھے یوں لگا کہ میں جہنم میں پہنچ گیا ہوں۔ میرے تین چچا لاپتہ تھے۔ شریا اتنی اسماعیلی سردار بھی غائب ہو چکے تھے اور گاؤں کے گاؤں برباد ہو گئے تھے۔ میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ افغانستان کا یہ حشر ہونے والا ہے۔ یہ سیاسی لیڈر، حکومت کی سیاسی پارٹیاں اور پھر روس، آخر یہ سب کیا ہے؟"

جعفر کی اس پریشانی کا حل اس کے باپ سید منصور نے اسے سمجھایا۔ جعفر کا کہنا ہے کہ:

"لیکن آخر ایک بات کو میرے والد نے مجھے سب کچھ سمجھایا۔ یہ بھی کہا کہ آغا خان کے احکامات کی تعمیل لازمی ہے۔ ہمارا اپنا سوال اسلام، ہمارا امام زندہ ہے۔ اگر آغا خان حکم دیں کہ افغانستان کے سارے اسماعیلی اپنی جانیں قربان کر دیں تو ہم یقیناً ایسا ہی کریں گے۔ یہ حقیقت ہے کوئی مذاق نہیں"۔

افغانستان کی صورتحال پر آغا خان کے حکم کی تعمیل کے حوالے سے وضاحت کرنے والے جعفر کے باپ سید منصور کا اب افغانستان کی سیاست میں کافی عمل دخل ہے اور اس نے اپنے بیٹے کو بارہ سو سپاہیوں کی اسمٰعیلی ڈیفنس فورس "فدائین" کا کمانڈر انچیف بنایا ہے (حسن بن صباح کے پیروکاروں کو بھی فدائی کہا جاتا تھا۔ یہ فدائین ہر وقت حسن بن صباح کی جنت کے نشے میں انتہاپسندی کی حد تک مرنے کے لئے تیار رہتے تھے) مترجم۔

سنڈے میگزین کے نمائندے نے لکھا ہے کہ سید جعفر سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب میں اپنی فلم "افغان" بنا رہا تھا جو روسی فوج سے متعلق ہے۔ ایک روسی کرنل نے اس سے میری ملاقات کا انتظام کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ ایک عام سیاسی لیڈر یا سردار ہو گا جس نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر روسیوں اور کابل انتظامیہ سے سانٹھ گانٹھ کر رکھی ہو گی لیکن سید جعفر قطعاً ہرگز نہیں ہے، وہ ایک انگریزی اسکول کا سابق طالبعلم ہے اور اپنے باپ کی تربیت اور اثر سے افغانستان کی سیاست میں ایک اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

ہمارے روسی مہمان کے ہٹتے ہی سید جعفر نے مجھے صاف صاف بتا دیا کہ وہ مجاہدین کابل انتظامیہ اور روسیوں سے برابر کے تعلقات رکھتا ہے۔ اس نے مجھ سے یہ بھی پوچھا کہ میرے پاس مغربی موسیقی کے کوئی ریکارڈ ہیں؟ مشہور امریکی گانا "HIGHWAY TO HELL"...... (شاہراہ دوزخ) اس کا پسندیدہ نغمہ ہے۔ جب سید جعفر اپنی بکتر بند گاڑی میں سوار ہونے لگا تو اس کے اسماعیلی محافظوں نے اسے گھیرے میں لے لیا، روسی فوجیوں نے اس کے فوٹو کھینچے، جیسے وہ کوئی اہم شخصیت ہو۔ چلتے وقت جعفر نے مجھ سے کہا کہ اگلی مرتبہ آؤ تو روسیوں کو ساتھ مت لانا، پھر ہم جی بھر کر باتیں کریں گے۔

چھ ہفتے بعد میں پھر اپنے کیمرہ مین کے ساتھ سید جعفر کی قیام گاہ پر پہنچا۔ وہ راتوں رات ہمیں قصبہ کیان (KAYAN) جو ضلع کیان کا صدر مقام ہے، لے گیا۔ ستائیس ہزار مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا یہ علاقہ صوبۂ بغلان میں ایک اسمٰعیلی ریاست ہے اس علاقے میں ہم پورا ایک ماہ انتہائی آرام سے گھومے پھرے اور روسی مقبوضہ افغانستان کے پُر بہار خطے کی سیر کی۔

سید جعفر نے بتایا کہ اگرچہ کیان افغانستان ہی کا ایک حصہ ہے لیکن کئی لحاظ سے یہ ایک علیحدہ ملک ہے۔ اس علاقے میں میری اور میرے باپ کی حکومت ہے۔ اس کے دفاع، بجلی، ٹیکس

باقی صفحہ نمبر ۱۵۴ پر

آخری قسط

ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی

خانوادۂ نبوی کی بحث سے متعلق آخری وضاحت

"ابن اسحاق، واقدی، بلاذری"

اس فقرہ کے تحت معترض صاحب نے دو قدیم علماء اور سیرت نگاروں کے خلاف جو زہر اگلا ہے، وہ ایک مستقل طویل مضمون کا طالب ہے، میں نے پہلے اس پر پانچ صفحات لکھے تھے، لیکن اب مدیر تکبیر کے اصرار پر ایک سطر پر اکتفا کروں گا۔

بلاذری کے بارے میں تو میں یہاں کچھ نہ کہوں گا، جس کو بلیغ الدین صاحب لائق اعتبار سمجھتے ہیں، کیونکہ اپنے سابقہ مضمون میں کس قدر تفصیل سے اس کے بارے میں لکھ چکا ہوں اور وہ ان دونوں محدثین و علماء سے ایک صدی متاخر ہے۔ ابن اسحاق (وفات ۱۵۱ھ) اور واقدی (وفات ۲۰۷ھ) کے بارے میں بھی محدث و سیرت نگار ابن سید الناس کے حوالے سے لکھ چکا ہوں اور یہ کہ مولانا شبلی نے سیرۃ النبی کے مقدمہ میں ابن اسحاق کو تابعی اور فن مغازی کا امام کہا ہے، بلیغ الدین صاحب نے دوبارہ ان کے خلاف دریدہ دہنی اور یاوہ گوئی سے کام لیا ہے۔ میں یہاں یہ اضافہ کروں گا کہ ابن اسحاق کو جو امام زہری کے شاگرد رشید اور ثوری، شعبہ اور سفیان بن عیینہ وغیرہ جیسے ائمہ علم و دین کے استاد تھے، حافظ ابن عبدالبر اندلسی (وفات ۴۶۳ھ) نے بھی اپنی مشہور کتاب جامع بیان العلم و فضلہ (ص ۴۳۸، طبع مصر ۱۹۷۵ء) میں ثقہ قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بھی ابن سید الناس اندلسی کی طرح مالکی تھے۔ ان دونوں حضرات نے نہایت معقولیت پسندی سے امام مالک کے ان پر اعتراض و تنقید کی توجیہ و تردید کی ہے۔ پھر ابن سعد نے طبقات کبریٰ (ج ۷ ص ۳۲۱) میں ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح قاضی ابن خلکان نے (وفیات الاعیان ج ۴ ص ۲۷۶ طبع بیروت) میں تصریح کی ہے کہ "اکثر علماء حدیث کے نزدیک وہ حدیث میں معتبر تھے۔" مزید یہ کہ مشہور محدث حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی نے "تقیید العلم" میں ان سے متعدد روایات نقل کی ہیں۔ امام مالک نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس کا سبب معاصرانہ چشمک اور ذاتی اسباب تھے، جیسا کہ ابن سید الناس اور ابن عبدالبر نے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء کی آخری فصل میں بکثرت ابن اسحاق سے روایتیں نقل کی ہیں۔

جہاں تک ابو جعفر منصور کا تعلق ہے تو وہ تو علویوں کا سخت دشمن تھا اور اس نے محمد النفس الزکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم (دونوں سیدنا حسن کے پرپوتے تھے) کی بغاوت کو کچلتے ہوئے ان کو قتل کیا سو وہ کیوں کر ایک شیعہ مورخ کی دست گرفتگی کر سکتا تھا۔ اس لئے ان پر شیعیت کا الزام لغو ہے، اور دوسرا الزام بھی بے بنیاد ہے۔

محمد بن عمر واقدی مدنی کو "کذاب" رافضی اور شیطان" کہنا انتہائی گستاخانہ بات ہے جو آج تک بلیغ الدین صاحب کے سوا کسی نے نہیں کی، وہی ابن سعد، جس کی "طبقات کبریٰ" کو وہ مستند کہتے ہیں اس میں ابن سعد نے جو درحقیقت واقدی کا کاتب تھا بکثرت واقدی کی روایات بیان کی ہیں، پھر واقدی کس طرح کذاب ہو سکتے ہیں، واقدی امام مالک و ثوری وغیرہ جیسے محدثین کے شاگرد اور ابن اسحاق کی طرح فن مغازی (غزوات نبوی) کے امام سمجھے جاتے ہیں، اور طبری، ابن کثیر، ابن حجر وغیرہ ائمہ علم نے ان کی روایات بیان کی ہیں، اگر کچھ محدثین نے انکو ضعیف قرار دیا ہے تو بہت سوں نے جیسے ابراہیم الحربی، یزید بن ہارون، ابو عبید القاسم بن سلام وغیرہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے، یاقوت نے (معجم الادباء ج ۷ ص ۵۶) بہت اچھی بات کہی ہے کہ "تاریخ سیرت نبوی، فقہ اور دیگر تمام علوم میں وہ باتفاق ثقہ سمجھے جاتے ہیں"۔ اور حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی نے تو بہت ہی شاندار الفاظ میں ان کی تعریف کی ہے (بحوالہ معجم الادباء، حالات واقدی ج ۷ ص ۵۶) پھر یہ کہ بقول قاضی ابن خلکان "مامون الرشید نے ان کو مشرقی بغداد کا قاضی مقرر کیا تھا" (وفیات ج ۴ ص ۳۴۹) اور ہر ذی ہوش جانتا ہے کہ مامون الرشید رافضیوں اور شیطانوں کو بغداد کا قاضی مقرر نہیں کرتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ دشمنان اسلام مستشرقین نے ان دونوں بنیادی سیرت نگاروں کے خلاف یک طرفہ اقوال نقل کر کے زہر اگلا ہے، تاکہ وہ مسلمانوں کو اپنے نبی کی سیرت کی دو بنیادی کتابوں کے بارے میں شکوک و اوہام میں مبتلا کر دیں، اور وہی بلیغ الدین صاحب کر رہے ہیں۔

اس موقع پر بلیغ الدین صاحب نے علامہ شبلی مرحوم اور مجھ پر افترا کیا ہے، مرحوم آنحضرتؐ کے ابو طالب کے ساتھ سفر شام کے منکر نہیں ہیں، اور نہ بحیرا راہب سے ملاقات کے (یہاں یہ اضافہ کر دوں کہ حافظ ابن حجر بھی الاصابہ جلد، صفحہ ۱۷۶ پر ذکر بحیرا کے تحت اس سفر اور ملاقات کے قائل ہیں) بلکہ وہ اس روایت کے اس غلط ٹکڑے کے منکر ہیں جس میں ابوبکر و بلال کا ذکر ہے، اور اس بات کے منکر ہیں جو بعض مستشرقین نے کہی ہے کہ بحیرا نے آنحضرتؐ کو قرآنی تعلیمات ازبر کرا دیں، میں نے جو حوالہ مولانا شبلی کا دیا تھا اس کو ان کی سیرۃ النبی میں دیکھا جا سکتا ہے، یہی میرا موقف ہے۔

یہاں مضمون نگار صاحب نے ازراہ حسد فتنہ انگیزی سے بھرپور ایک ذاتی حملہ مجھ پر کیا ہے، جو یہ ہے "افسوس کہ ندوہ کے طالب علم نے شبلی کو بھی قابل اعتنا نہ جانا" اس کے جواب میں پہلی بات تو یہ کہ مولانا شبلی مرحوم نے کبھی اپنے کو معصوم عن الخطا نہیں کہا، دوسری بات یہ کہ ندوہ میں ذہنی غلامی نہ پہلے سکھائی جاتی تھی اور نہ اب سکھائی جاتی ہے، ان کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم نے سیرۃ النبی ہی میں متعدد مقامات پر اپنے محبوب استاد سے اختلاف کیا ہے، جیسا کہ قاضی ابو یوسف اور امام محمد اپنے شفیق استاد امام ابو حنیفہ سے اختلاف کرتے تھے اور پھر ندوہ کے مرحوم مفکر و استاد اور اس کے ایک طالبعلم (راقم السطور) کے معاملہ میں آپ کا کیا دخل؟

فغض الطرف انک من نمیر
فلا کعبا بلغت ولا کلابا

پھر مضمون نگار معترض یہ بھول گئے کہ ندوہ کا یہ ناچیز طالب علم حجاز مقدس اور مصر میں ازاد تعلیم کے بعد دمشق یونیورسٹی اور پھر کیمبرج میں ڈاکٹریٹ کا طالب علم بھی رہا ہے، ندوہ میں تو اس نے صرف ایک سال گزار کر "عالیہ" کی ڈگری حاصل کی تھی، لیکن عرب ممالک میں اس نے اپنی تعلیم کے آٹھ سال گزارے تھے، پھر یہی طالبعلم لیبیا و سعودی عرب کی یونیورسٹیوں میں ۲۴ سال تک اسلامی تاریخ و تمدن کا پروفیسر بھی رہا ہے، جہاں ریسرچ کے عرب طلبہ (ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی) کے عربی زبان میں علمی مقالوں Thesis کا نگران اور ممتحن بھی رہا ہے۔ اس کی بعض عربی کتابیں بھی ان یونیورسٹیوں میں چھپی ہیں اور نصاب میں یا بطور کتب حوالہ (Refrence) شامل ہیں، لہذا ان کے اس حاسدانہ جملہ سے اس کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا خود ان کی ذہنیت قارئین پر آشکارا ہو گئی ہے۔

یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ اس کو تعلی نہ سمجھا جائے، بلکہ جواباً ذاتی تعارف ہے، تعلی مقصود ہوتی تو یہ کہتا کہ لیبیا کے انقلاب سے صرف چند ماہ پہلے کرنل معمر القذافی بن غازی یونیورسٹی میں "ندوہ کے اس طالبعلم" کا شاگرد رہا تھا، جو اس وقت معمر عبدالسلام بومنیار القذافی کے نام سے میرے رجسٹر میں درج تھا اور فوج میں صرف کیپٹن تھا، وہ اسلامی تاریخ بحیثیت External Student کے پڑھ رہا تھا، یا پھر یہ کہتا کہ لیبیا میں پاکستان کے سفیر عبدالرؤف خان نے ۱۹۷۱ء کی ہند و پاک جنگ کے موقعہ پر اس کے بعض عربی مضامین اخبارات سے انگریزی میں ترجمہ کر کے وزارت خارجہ اسلام آباد کو بھیجے تھے وغیرہ وغیرہ

"حدیث مغفور"

ناصبیوں کے ہاتھ بخاری کی ایک حدیث آگئی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے "میری امت کا پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر حملہ آور ہو گا اس کی مغفرت ہو گی" اس حدیث کی غلط تاویلیں کر کے وہ اس کو یزید پر چسپاں کرتے ہیں، درحقیقت اس حدیث پر بحث کی کافی گنجائش ہے، تکبیر کے محدود صفحات اس کی اجازت نہیں دیتے، لیکن یہاں دو باتیں خاص طور پر اس کے رد میں کہی جا سکتی ہیں۔

(۱) اس حدیث میں بشارت اس پہلے لشکر کے لئے ہے جو "مدینۃ القیصر" پر حملہ آور ہوگا اور تاریخ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ حملہ جس میں یزید شامل تھا' پہلا حملہ نہ تھا' بلکہ اس سے قبل متعدد حملے اس طرف جا چکے تھے 'یزید والے حملہ کی تاریخ ۴۹ھ '۵۰' ۵۱ھ یا ۵۲ھ بتائی جاتی ہے' جبکہ تاریخ طبری' تاریخ یعقوبی' تاریخ ابن الاثیر اور ان تینوں سے قبل امام بخاری کے استاد محدث و مورخ خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں مذکور ہے کہ ۴۴ھ اور ۴۵ھ میں دو حملے اس طرف عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کی قیادت میں بھیجے گئے اور اس کی تائید سنن ابوداؤد کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے جو ایک ایسے راوی ابو عمران اسلم کی زبان ہے' جو خود اس غزوہ میں شریک تھے "اور اس میں حضرت ابوایوب انصاری بھی شریک تھے" اس قدرے طویل حدیث کی ابتداء میں جو باب "فی قولہ عزوجل - ولاتلقوا بایدیکم الی التہلکۃ" میں ہے راوی ابو عمران کہتے ہیں " ہم مدینہ سے جہاد کے لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے 'اور ہمارے جیش کی قیادت حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کر رہے تھے "

اور اسی مضمون کی ایک دوسری حدیث اسی سنن ابوداؤد میں "باب فی قتل الاسیر بالنبل " میں ہے -اور حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن الولید کا سنہ وفات ۴۶ھ ہے' اس طرح بخاری کی مذکورہ حدیث کا اطلاق اس پہلے حملہ پر ہوگا جو حضرت عبدالرحمٰن بن خالد کی قیادت میں ہوا - (سنن ابو داؤد کے حوالہ کے لئے میں مولانا عبدالرشید نعمانی کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اپنی کتاب "یزید اہل سنت کی نظر میں " یہ حوالہ دیا ہے)'

(۲) اور اگر بفرض محال مان بھی لیا جائے کہ بخاری میں مذکور جیش سے وہ لشکر مراد ہے' جس میں یزید بھی شامل تھا' تو اس سے یہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ اس میں شریک ہونے والے تمام فوجیوں کے (صرف یزید کے نہیں) اگلے یا آئندہ ہونے والے سب گناہ بھی معاف کر دیئے گئے ' یہ تو اسلام کے بدیہیات کے خلاف ہے ' یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس جہاد سے پہلے کے گناہوں کی مغفرت ہو گئی ' لیکن اس کے بعد اس جہاد میں شریک ہونے والوں کے گناہوں کی مغفرت کا تو اس میں کوئی ذکر نہیں -

اور یزید کے جو مشہور اعمال بد یا جرائم ہیں وہ اس حملہ کے بعد ہی کے ہیں 'جب وہ حکمران ہوا "اور پہلے سیدنا حسین و اہل بیت کے قتل کا مرتکب ہوا پھر مدینہ منورہ پر چڑھائی کا جو تاریخ میں واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے 'اور جس میں تین دن تک مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تاراجی کی گئی اور صحابہ اور ان کی اولاد کو قتل کیا گیا "ان کو غلام بنایا گیا اس کی تفصیل ابتداء میں بیان ہو چکی ہے اور اس کے فوراً بعد کعبہ پر آگ کے گولے پھینکے گئے 'اور اس دوران ہی اللہ تعالیٰ نے یزید کو دنیا سے اٹھا لیا یا حافظ ابن کثیر کے بقول "اللہ تعالیٰ نے جو جباروں کی کمر توڑنے والا ہے اس کی کمر بھی توڑ دی"

لہذا یزید کسی طرح اس حدیث کی بشارت میں داخل نہیں ہوتا' ہرگز نہیں "اس موقع پر ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ کا جو حوالہ بلیغ الدین صاحب نے دیا ہے وہ قطعاً غلط ہے 'وہ قارئین کو دھوکہ دے رہے ' ابن کثیر نے تو تمام روایات نقل کرنے کے بعد تین جگہ یزید کو فاسق لکھا ہے -

پھر یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھنے کی ہے کہ یہ حملہ جو درحقیقت سفیان بن عوف کی قیادت میں روانہ ہوا تھا (اور جنہوں نے متعدد بار ایشیائے کوچک میں رومی مقبوضات پر حملوں کی قیادت کی) اور جس کی امارت حضرت معاویہ نے یزید کو سونپی تھی 'اس میں وہ کافی سستی اور معذرت کے بعد حضرت معاویہ کے اصرار پر گیا تھا 'اور پھر دمشق سے نکلنے کے بعد شام کی شمالی سرحد کے ایک پر فضا مقام پر اپنی بیوی ام کلثوم کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا ' جس کی تفصیل بلاذری نے انساب الاشراف (ج ۴) میں اور ابن الاثیر و ابن خلدون نے اپنی تاریخوں میں دی ہے اور یزید کے دو شعر بھی اس کی تائید میں نقل کئے ہیں 'اور اس وقت بنو نطی مورچے پر مجاہدین بھوک و مرض سے دوچار تھے 'حضرت معاویہ کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے قسم کھائی کہ یزید بھی سفیان بن عوف اور دیگر مجاہدین کے پاس بنو نطی یا رومی سر زمین میں جائے گا اور اس کو بھی ان سب مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا' جو دوسرے مجاہدین کو پہنچے ہیں 'لہذا وہ ان کے تاکیدی حکم کے بعد ادھر گیا-

پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ تمام جلیل القدر علماء اور محدثین جنہوں نے یزید کو فاسق لکھا ہے اور بہت سوں نے اس پر لعنت کو بھی جائز سمجھا ہے ' جیسے ابن الجوزی ' ابوبکر الجصاص 'حضرت مجدد الف ثانی ' شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ کیا وہ سب بخاری کی اس حدیث سے بے خبر تھے اور اس کا انکشاف بلیغ الدین صاحب نے اور ان سے قبل ان کے مرشد علمی اور ناصبیوں کے شیخ المورخین محمود عباسی نے ہی کیا ہے! حقیقت یہ ہے کہ وہ سب اس حدیث سے واقف تھے اس کے باوجود انہوں نے یزید کو فاسق اور بڑے جرائم کا مرتکب قرار دیا ہے -کیونکہ اس غزوہ اور اس کی حکومت کے درمیان دس سال کا عرصہ ہے 'جس میں اور پھر دوران حکومت اس سے جرائم سرزد ہوئے -

شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اپنی کتاب "شرح تراجم ابواب البخاری " (ص ۳۱ '۳۲) میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے یہی لکھا ہے کہ "اس سے یزید کے بعد کے گناہوں کی مغفرت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا' غزوہ سے پہلے کے گناہ تو معاف ہو گئے ' کیونکہ جہاد میں شرکت گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے 'لیکن یزید نے اس کے بعد اعمال بد کا جو ارتکاب کیا جیسے قتل حسین ' مدینہ طیبہ کی تاراجی اور شراب نوشی پر اصرار ایسے گناہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو عذاب دے جیسا کہ سارے گنہگاروں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے "

اس موقعہ پر خواہ مخواہ بلیغ الدین صاحب نے ایک اور بے تکی بات یہ لکھی ہے کہ " قرآن حضرت معاویہ کے (خلیفہ) راشد ہونے کی گواہی دیتا ہے " مگر کوئی آیت ذکر نہیں کی 'امت مسلمہ کا اجماع (اتفاق) تو اس پر ہے کہ خلفائے راشدین صرف وہی چار ہیں 'جن کو سب جانتے ہیں اور پھر یہ کہنا کہ "ان کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے سب سے زیادہ مشابہ تھی " خلفائے راشدین اور ان صحابہ کی تنقیص ہے جن کو عشرہ مبشرہ بالجنۃ کہا جاتا ہے 'کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ جو جلیل القدر صحابہ حضرت معاویہ کے اسلام سے قبل اکیس سال تک حضور صلعم کے ساتھ نماز پڑھتے رہے اور بعد میں بھی دو سال مزید 'ان کی نماز آنحضرت ' کی نماز سے مشابہ نہ تھی ' یعنی ابوبکر عمر 'عثمان 'علی 'طلحہ وغیرہ پیچھے رہ گئے اور صرف دو سال کی صحبت میں امیر معاویہ ان صحابہ کرام سے جن کو السابقون الاولون (اسلام میں سبقت کرنے والے) کہا گیا ہے - آگے بڑھ گئے -

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب کی ناصبیت کھل کر سامنے آگئی ہے 'بلکہ یزیدیت کہ وہ یزید کی مدح سرائی میں وہ سب کچھ کہہ گئے ہیں جو محمود عباسی نے اپنی کتاب " تحقیق مزید بہ سلسلہ خلافت معاویہ و یزید "(ص ۳ اور ص ۵۸) میں کہا ہے 'انہوں نے کوئی حوالہ دیئے بغیر لکھا ہے کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے صحابہ میں عشرہ مبشرہ ' بدری صحابہ اور بیعت رضوان کے صحابہ شامل ہیں ' یہ پوری عبارت انہوں نے محمود عباسی سے نقل کی ہے 'بلکہ اس میں اتنا اضافہ کیا ہے کہ محمود عباسی نے ایسے صحابہ کی تعداد (۲۷۲) لکھی تھی (صفحہ ۵۸) موصوف نے اسے بڑھا کر (۳۵۰) کر دیا ہے 'یعنی یزید کی محبت و تقدیس میں محمود عباسی سے بھی بازی لے گئے -

اس قول کی تردید میں بہر حال ابتداء میں کر چکا ہوں 'اس سے زیادہ افترا پردازی اور مغالطہ انگیزی اور کیا ہو سکتی ہے کہ یزید کے ہاتھوں پر "عشرہ مبشرہ " (یعنی وہ دس صحابہ جنکو نام بنام حضور صلعم نے جنت کی بشارت دی ہے) نے بیعت کی 'کیونکہ ان میں بیشتر کافی پہلے وفات پا چکے تھے اور سب سے آخر میں وفات پانے والے سعید بن زید ہیں جن کا انتقال ۵۱ھ میں ہوا 'جبکہ یزید کی ولیعہدی کی بیعت ۵۳ھ میں اور خلافت کی بیعت ۶۰ھ میں ہوئی 'اور یزید کی بیعت حکومت کے وقت بدری صحابہ میں سے بھی کوئی باقی نہ تھا اور جہاں تک یزید کی ولیعہدی کی بیعت کا تعلق ہے وہ خواہ مخواہ قارئین کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ اس پر اجماع امت تھا' ان کو چاہئے کہ وہ اس بیعت کے بارے میں امام بخاری کے استاد (جن کی احادیث بخاری میں ہیں) خلیفہ بن خیاط کی تاریخ میں اس موضوع کو (ص ۲۱۳ تا ص ۲۱۷) کسی سے پڑھوا کر اس کا ترجمہ سنیں تو ان کو اس بیعت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ یہ کس طرح جبریہ طور پر لی گئی تھی 'یہ کتاب میرے علاوہ خالد اسحاق صاحب کی لائبریری میں بھی ہے 'یہاں گنجائش نہیں کہ اس طویل روایت کو جو انتہائی اہم ہے اور پوری صحیح سند کے ساتھ مروی ہے نقل کروں 'صرف ایک ایسے صحابی کی بیعت کا حال لکھتا ہوں ' جن کے بارے میں کافی (حذورا) پیٹا جاتا ہے ' ناصبیوں کی طرف سے ' یعنی حضرت عبداللہ بن عمر انہوں نے اس موقعہ پر فرمایا - ان کان خیرا رضینا و ان کان بلاء اصبرنا (اگر یہ خیر ہے تو ہم راضی رہیں گے اور ابتلا ہے تو صبر کریں گے)-

اور پھر سب یہ جانتے ہیں کہ نہ صرف سیدنا حسین بلکہ حضور کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر کے صاحبزادہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کے فرزند حضرت عبداللہ بن الزبیر نے بھی یزید کی بیعت نہ کی ' بلکہ سیدنا حسین کے بعد اس کے خلاف مسلح تحریک مکہ مکرمہ میں چلائی 'اور یزید نے ان سے انتقام لینے میں مکہ کی حرمت کو بھی ملحوظ نہ رکھا 'لہذا اجماع امت کا دعویٰ بے بنیاد ہے -

اور جن صحابہ نے بیعت کی تھی اس کی حقیقت وہ تھی 'جس کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں " خلافت استیلاء " کے نام سے یاد کیا ہے یعنی جبری خلافت 'جس کا ابتداء میں تفصیلی حوالہ دے چکا ہوں یعنی اس میں صحابہ کرام کی رضا و رغبت اور ان کے مشورہ کا کوئی دخل نہ تھا -

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ یزید کے فسق و جرائم کی وجہ سے اس کے خاندان سے ہی حکومت کا خاتمہ ہو گیا 'کیونکہ اس کے صالح بیٹے معاویہ ثانی نے خلافت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ۴۰ دن کے بعد اس کی وفات ہو گئی پھر مرج راہط کی خونریز جنگ میں شامی و اموی آپس میں لڑے اور نتیجہ میں مروانی شاخ کی حکومت قائم ہو گئی ' اور جس کو عباسیوں نے ۶۸ سال بعد ختم کر دیا -

"تغییر معروف"

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب نے دمشق کے مشہور و معروف محدث و مصنف شیخ ناصر الدین البانی کے خلاف جو باتیں کی ہیں ان سے ان کی ناقص معلومات اور فتنہ انگیزی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے 'وہ فرماتے ہیں کہ " یہ پہلے مقلد تھے اور اب غیر مقلد ہیں

"یہ دلائل ان پر کہاں سے آگئی ؟ میں نے تو تیس سال تک پانچ سال برابر ان کو دیکھا اور سنا اس وقت بھی وہ سلفی المذہب تھے اور اب بھی ہیں - پھر موضوع زیر بحث کا تعلق تاریخ سے ہے یا وہ احادیث نبوی ' جن کا تعلق اہل بیت اور خلافت راشدہ وغیرہ سے ہے ' یہاں کسی فقہی مسئلہ یعنی رفع الیدین اور آمین بالجہر وغیرہ کی باتیں نہیں کہ مقلد اور غیر مقلد کی بات چھیڑی جائے ' یہ بات موصوف نے پاکستان کے عام قارئین کو برانگیختہ کرنے کے لئے کہی ہے کیونکہ ان کی غالب اکثریت فقہ حنفی کی تقلید کرتی ہے -

بلیغ الدین صاحب کا شیخ ناصر الدین پر یہ ایک بے بنیاد بہتان ہے کہ " ان کی شہرت یہ ہے کہ انہوں نے بہت سی احادیث صحیحہ کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے " نہیں ہر گز نہیں ' مضمون نگار صاحب یہ کس بنا پر کہتے ہیں دراں حالیکہ انہوں نے شیخ کی ایک کتاب بھی نہیں دیکھی ' اس کے بالکل برعکس وہ ذخیرۂ حدیث کو اس کی صحیح صورت میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ' انہوں نے چار جلدوں میں " احادیث صحیحہ " کو کافی بحث و تمحیص کے بعد جمع کیا ہے (اسی میں ترمذی کی وہ صحیح حدیث بھی ہے ' جو حدیث سفینہ کے نام سے مشہور ہے اور اس میں تیس سالہ عہد خلافت راشدہ کا ذکر ہے اور جس کے بارے میں بلیغ الدین صاحب شکوک پھیلا رہے ہیں) اور دو جلدوں میں " احادیث ضعیفہ " کو اسی طرح پیش کیا ہے ' اسی طرح انہوں نے حافظ منذری کی " ترغیب و ترہیب " کی احادیث کی تنقید و ترتیب کی ہے اور سیوطی کی " الجامع الصغیر " کی تنقیح کی ہے -

یاد رہے کہ اپنے اسی مضمون میں بلیغ الدین صاحب ذخیرہ حدیث نبوی پر ایک عمومی حملہ کر چکے ہیں کہ " تھوک کے بھاؤ حدیثیں گڑھی گئیں ہیں " - شیخ البانی یہی کر رہے ہیں کہ کھری و کھوٹی حدیثوں کو علیحدہ کر رہے ہیں ' جیسے کہ پہلے علماء کرتے رہے ہیں -

مضمون نگار صاحب کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ " ان کی (شیخ ناصر الدین کی) ایک آدھ کتاب کراچی کی ایک دو معروف لائبریریوں میں ہیں " اس کے بالکل برعکس حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی کسی بھی اعلیٰ دینی درسگاہ میں موصوف کی متعدد کتابیں مل جائیں گیں ' خالد اسحاق صاحب کی لائبریری میں بھی موصوف کی ایک آدھ نہیں متعدد کتابیں ہیں ' میری ذاتی لائبریری میں ان کی چھ جلدیں ہیں -

پھر انہوں نے یہ بھی غلط لکھا ہے کہ ہمارے یہاں کے علماء شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ عرب ممالک میں غیر معروف ہیں ' ہمارے سارے وہ قدیم و جدید علماء جنہوں نے عربی زبان میں لکھا ہے ان ممالک میں کافی معروف ہیں ' شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ازہر یونیورسٹی میں اور بعض دوسری اسلامک یونیورسٹیوں میں نصاب میں شامل ہے ' اسی طرح نواب صدیق حسن خاں ' شیخ مجدد الف ثانی ' مولانا عبدالحی فرنگی محلی ' مولانا عبدالعزیز المیمنی وغیرہ علمی اور دینی حلقوں میں پوری طرح معروف ہیں اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تو مراکش سے لیکر کویت تک شہر شہر اور گاؤں گاؤں مشہور ہیں ' یہی نہیں وہاں ندوہ کے وہ نوجوان مصنفین بھی مشہور ہیں جو تیس سال سے عربی رسالہ " البعث " نکال رہے ہیں ' مگر جو آدمی کبھی عربی ممالک میں نہ رہا ہو ' سنی سنائی باتوں پر اعتبار کرتا ہو اسکو اس سب کی کیا خبر -

انہوں نے میرے بارے میں جو یہ کہا ہے کہ " حوالے نہیں ملتے تو آپ کروٹ بدل کر مطبوع اور موثق کتابوں کے بجائے مخطوطات کا سہارا لینے پر اتر آتے ہیں " یہ ان کی ریسرچ (تحقیق) کے طریقہ کار (Method) سے بے خبری کی دلیل ہے ' اہل علم و تحقیق جانتے ہیں کہ ریسرچ کا تو بنیادی اصول یہ ہے کہ صرف مطبوعہ کتابوں پر اکتفا نہ کیا جائے ' بلکہ یورپ استنبول عرب ممالک اور ہندوستان کی لائبریریوں میں جو ہزاروں علمی ذخیرے قلمی شکل میں موجود ہیں ان سے بھی استفادہ کیا جائے ' خواہ براہ راست یا مائکرو فلم کی شکل میں ' اس کے بغیر عربی و اسلامی علوم میں مغرب ممالک میں پی - ایچ - ڈی کی ڈگری ہی نہیں ملتی ہے -

وہ جس زمانہ میں بی اے کے طالبعلم ہو گئے (۱۹۶۰ ء) راقم السطور اس زمانہ میں کیمبرج یونیورسٹی میں ' برٹش میوزیم ' اسکوریال (میڈرڈ) ' لائیڈن اور قاہرہ و استنبول سے حاصل شدہ عربی کے ذاتی مائیکرو فلم پڑھ رہا تھا ' جو اب بھی میرے پاس موجود ہیں اور براہ راست عربی مخطوطات سے استفادہ تو میں نے دمشق کی ظاہریہ لائبریری سے ۱۹۵۸ء ہی میں شروع کر دیا تھا ' جب اپنی پہلی عربی کتاب " العز بن عبدالسلام " لکھ رہا تھا -

اس فقرہ اور اس کے بعد کے دو فقروں کے تحت بلیغ الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ' وہ میری غلط بیانی نہیں بلکہ ان کی صریحی غلط بیانی اور اختراء پردازی ہے (تکبیر ۱۵ مارچ ص ۴۸) اس سے وہ " ناصبیت " (سیدنا علی سے بغض و عداوت) کے اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہو گئے ہیں ' کیونکہ انہوں نے یہاں صریحی غلط بیانیاں کر کے سیدنا علی کی خلافت میں شکوک پیدا کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے ' اور حضرت معاویہ کو " خلیفہ راشد " کہا ہے -

اگر ان میں جرأت تھی اور وہ شیعوں کی طرح تقیہ کا سہارا نہیں لے رہے تھے تو ان کو اس مبہم عنوان کے بجائے اس فقرہ کا عنوان یہ لکھنا چاہئے تھا کہ " حضرت علی چوتھے خلیفہ راشد نہیں تھے " ' جو بالفعل انہوں نے مبہم فقروں کے تحت ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب کے ناقص اور جھوٹے حوالے دے کر کہا ہے ' اور ان دونوں علمائے اہل سنت پر بہتان تراشی کی ہے ' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ساری تنقید ' اعتراضات اور کج بحثی کا مقصد ناصبیت کا پروپیگنڈہ تھا ' جو انہوں نے یہاں سے لے کر اپنے آخری مضمون تک کیا ہے ' اور تکبیر کے صفحات کو اس کے لئے استعمال کیا ہے -

" مدیر تکبیر برادرم محمد صلاح الدین صاحب ہر چند کہ مورخ نہیں مگر نہ تو وہ شیعی افکار کے حامل ہیں نہ خارجی و ناصبی فکر کے داعی ' ان کے عقائد وہی ہیں جو تمام اہل سنت والجماعت کے ہیں یعنی خلافت راشدہ کا تسلسل حضرت علی کی شہادت تک رہا ' اس کے بعد جو حکومت قائم ہوئی وہ اگرچہ عرف عام میں خلافت کا نام رکھتی تھی مگر وہ درحقیقت اسلامی ملوکیت تھی ' (اور یہی امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ تمام علمائے حق نے لکھا ہے) وہ بھی تمام امت مسلمہ کی طرح یزید اور دوسرے اموی خلفاء کو خلفائے راشدین نہیں سمجھتے ہیں ' جب کہ بلیغ الدین صاحب نے " بارہ خلفائے راشدین " کی سرخی (تکبیر ۱۵ مارچ ص ۴۹) کے تحت ان سب کو خلفائے راشدین بنا دیا ہے ع " ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے " - مگر نہ معلوم یہ مدیر تکبیر کی وسعت قلبی ہے یا ان کی صحافتی مشغولیت کہ انہوں نے بلیغ الدین صاحب کے اس پروپیگنڈے کو میرے سابقہ مضمون پر تنقید و اعتراضات کے تحت شائع کر دیا ' حالانکہ نفس موضوع سے اس کا دور دور کا بھی تعلق نہیں ہے ' شاید ان کا منشا یہ ہو کہ بلیغ الدین صاحب نے جو شکوک و اوہام اس سلسلہ میں پیش کئے ہیں ان کا رد کر کے میں ان لوگوں کے ذہن صاف کر دوں ' جو محمود عباسی اور خود ان کے زہریلے افکار سے متاثر ہیں ' اس لئے میرے جوابی مضمون کا یہ حصہ بہت اہم ہے - یہ عرض کر دوں کہ میں نے اس موضوع پر تفصیلی دلائل کے ساتھ سات صفحات لکھے تھے ' اب ان کے اہم اجزاء کا اختصار کر کے دو تین صفحات میں پیش کروں گا -

جناب معترض نے اس سلسلہ میں (یعنی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حضرت علی چوتھے خلیفہ راشد نہ تھے اور خلافت علیٰ منہاج نبوت حضرت عثمان پر ختم ہو گئی) شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب " ازالۃ الخفاء " کی ساری فصول و مباحث سے آنکھیں بند کر کے فصل سوم کے ایک خاص مبحث کا سہارا لیا ہے ' اور یہاں بھی وارد جو احادیث ہیں ان کا حوالہ غلط دیا ہے ' اور دعویٰ یہ کیا ہے کہ سیاق و سباق سے کاٹ کر وہ چند احادیث پیش کر رہے ہیں ' اس کا مقصد یہ ہے کہ " خلافت کے بارے میں شاہ ولی اللہ صاحب کا نقطہ نظر اچھی طرح معلوم ہو جائے " -

شاہ ولی اللہ صاحب کا ہر گز وہ نقطہ نظر نہیں ہے جو انہوں نے پیش کیا ہے ' یہ ان پر ایک بہتان اور افتراء ہے ' وہ اسی ازالۃ الخفاء کی پہلی جلد کی فصل اول و دوئم میں بار بار خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین کا ذکر کرتے ہیں ' بتایا جائے کہ یہاں خلیفہ چہارم سے حضرت علی کے سوا کون سا خلیفہ مراد ہے ؟ وہ جلد اول کے صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں کہ " خلفائے اربعہ کے لئے خلافت خاصہ کا ثابت ہونا بہت ہی واضح (اجلیٰ) بدیہیات میں سے ہے " - (اردو ایڈیشن ' شائع کردہ محمد سعید اینڈ کمپنی کراچی) - پھر " افضلیت خلفائے اربعہ " کے تحت صفحات ۴۶ ' ۴۹ ' ۵۲ ' ۵۳ میں خلفائے اربعہ (چار خلفاء) کا ذکر کرتے ہیں ' یہ فصل " لوازم خلافت خاصہ " کے بیان میں ہے ' یعنی وہ خلافت عامہ کے اعتبار سے حضرت علی کو چوتھا خلیفہ سمجھتے ہیں اور خلافت خاصہ یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت یا خلافت راشدہ کے ذیل میں بھی حضرت علی کو چوتھا خلیفہ گردانتے ہیں -

پھر شاہ صاحب نے ازالۃ الخفاء کی دوسری جلد " خلفائے راشدین کے مناقب و مآثر " (کارگزاریاں) کے بارے میں تصنیف فرمائی ہے اور اس میں آخر میں صفحہ ۴۸۷ سے صفحہ ۵۵۷ تک حضرت علی کے مناقب و مآثر بیان کئے ہیں ' اب وہ بقول امام احمد ابن تیمیہ اپنے گھریلو گدھے سے بھی زیادہ احمق ہی کوئی شخص ہو گا ' جو اس کے باوجود حضرت علی کو چوتھا خلیفہ نہ سمجھے گا اور خلافت خاصہ کو حضرت عثمان پر ختم کر دے گا جو بلیغ الدین صاحب نے کیا ہے -

شاہ ولی اللہ صاحب نے خلافت خاصہ (خلافت علیٰ منہاج نبوت) کے جو لوازم یا شرائط اس کتاب کی جلد اول فصل دوئم میں بیان کئے ہیں وہ بالترتیب یہ ہیں ! (۱) خلیفہ مہاجرین اولین میں سے ہو (۲) تمام غزوات نبوی (مشاہد خیر) میں شریک رہا ہو (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے کر اس کو جنت کی بشارت دی ہو ' اس کے ساتھ وہ کہتے ہیں کہ خلفائے اربعہ کے لئے جنت کی بشارتیں اس درجہ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں کہ اس کے خلاف کا احتمال بھی نہیں رہتا (ج ۱ ص ۴۷) (۴) خلفائے اربعہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ولی عہدی کا سا برتاؤ کرنا جو قطعی طور پر ثابت ہے (ج ۱ ص ۵۳) یہاں انہوں نے چاروں خلفائے راشدین کے ساتھ نام بنام حضور کے مختلف مواقع پر ایسے برتاؤ کا ذکر کیا ہے ' اور حضرت علی کے بارے میں اس ذیل میں ان کو یمن کا حاکم مقرر کرنے اور ان کے لئے دعائے خیر کرنے کا ذکر کیا ہے ' وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ " یہ تمام احادیث مجموعی طور پر متواتر بالمعنی ہیں " ' یہ سب " لوازم " حضرت علی پر منطبق ہوتے ہیں -

کیا اس کے بعد بھی کوئی انصاف پسند اور ذی ہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ راشد نہیں سمجھتے تھے ؟ شاہ ولی اللہ صاحب کے خلاف بہتان تراشی پر حیف صد حیف ہے !

اب وہ احادیث جن کا حوالہ ازالۃ الخفاء کے صرف ایک بحث سے جناب معترض نے دیا ہے اس میں سے ترازو اور ڈول والی پہلی والی حدیث کو شاہ صاحب نے بخاری' مسلم و ترمذی کی حدیث نہیں بلکہ ابن مردویہ کی حدیث بتایا ہے' یہ ان کے خلاف صریح غلط بیانی ہے' بخاری وغیرہ کی حدیث صرف حضرت ابوبکر و عمر سے متعلق ہے' وہ ازالۃ الخفاء کو پھر پڑھیں' اور ابن مردویہ کا مقام صحاح ستہ کے مصنفین کے برابر نہیں' مقام حیرت ہے کہ وہ حدیث سفینہ کو جو ترمذی' ابوداؤد' امام احمد' حاکم اور ابن حبان جیسے اکابر محدثین سے مروی ہے' ضعیف و موضوع بتائیں اور اس کے راویوں پر بیجا بحث کریں' اور ابن مردویہ کی حدیث کو آنکھیں بند کر کے قبول کرلیں! اسی طرح یہاں ذکر کردہ بزار و طبرانی وغیرہ کی احادیث کا معاملہ ہے اور یہ زیادہ تر صحابہ کرام کے بعض خوابوں کی تعبیر سے متعلق ہیں' جن میں جرح کی کافی گنجائش ہے۔ اور کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ تصریح نہیں ہے کہ خلافت حضرت عثمان پر ختم ہو جائے گی' اگر یہ کہا جائے تو یہاں فصل اول و دوئم میں پیش کردہ صحیح و متواتر المعنیٰ احادیث اور شاہ صاحب کی خلفائے اربعہ کے بارے میں واضح تصریحات سے تعارض ہوگا' جو درست نہیں' اس لئے ان احادیث کا مطلب ان کی صحت اور عدم صحت سے قطع نظر یہ لیا جائے گا کہ ان تینوں خلفاء کی خلافت میں کوئی شخص فتنہ نہیں کھڑا کرے گا جو حضرت علی کے دوران خلافت پیش آیا اور جس کی وجہ سے علمائے محققین امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن کثیر (دونوں شام کے باشندے تھے) وغیرہ نے کہا کہ اس خلاف و جنگ (صفین) میں حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہ حق پر نہ تھے۔

پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے عہد میں دربار مغلیہ اور اس کے ساتھ دربار اودھ میں شیعیت کا بڑا غلغلہ تھا (اسی لئے شاہ صاحب کے بعد ان کے بیٹے شاہ عبدالعزیز دہلوی کو شیعوں کے رد میں تحفہ اثناعشریہ لکھنا پڑی) اور شیعہ حضرات پہلے تینوں خلفائے راشدین کی خلافت کے منکر تھے اور نعوذ باللہ ان کو غاصب خلافت کہتے تھے' جب کہ اہل سنت والجماعت ان تینوں کے ساتھ حضرت علی کو بھی خلیفہ برحق سمجھتے تھے' اس طرح حضرت علی کی خلافت فریقین کے مابین محل نزاع نہ تھی' پہلے تین خلفاء راشدین کی تھی' سو شاہ صاحب نے پوری قوت کے ساتھ ان کی خلافت کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے' نہ یہ کہ وہ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں شک رکھتے تھے۔ ورنہ ان کی فصل اول و دوئم بلکہ پوری کتاب کا خاکہ ہی غلط ٹھہرے گا۔

پھر شاہ ولی اللہ صاحب ہی نہیں محمود عباسی اور بلیغ الدین صاحب کے محبوب اور ان کے نزدیک انتہائی مستند مصنف ابوبکر بن العربی نے بھی پوری قوت کے ساتھ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ کہا ہے۔ (العواصم من القواصم' عربی' ریاض ایڈیشن' صفحہ ۱۴۲) بلکہ انہوں نے تو اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۳ پر یہاں تک کہا ہے کہ "حضرت عثمان کی شہادت کے بعد روئے زمین پر حضرت علی سے زیادہ خلافت کا حقدار کوئی نہ تھا' لہٰذا تقدیر الٰہی کے مطابق خلافت ان کو اپنے وقت پر اور اپنے مقام پر ملی" (اس موقع پر انہوں نے حضرت علی کی تعریف میں حضرت عمر کا قول بھی پیش کیا ہے کہ "اگر علی نہ ہوتے تو عمر کو ہلاکت سے دوچار ہونا پڑتا" یعنی دونوں باہم متعاون تھے)۔ اس سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت معاویہ کا حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا ایک غلطی تھی۔

مزید یہ کہ انہوں نے فرقہ عثمانیہ (حضرت عثمان کے بعد ان کے حامی اور خون کے دعویدار) کے اس قول کی تردید میں کہ حضرت علی کی بیعت سے صحابہ کا ایک گروہ جن میں بقول ان لوگوں کے حضرات سعد بن ابی وقاص' محمد بن مسلمہ' اسامہ بن زید وغیرہ جیسے لوگ شامل تھے کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ان کی بیعت سے کسی نے کنارہ کشی نہیں' لیکن ان کی نصرت و تائید سے ایک جماعت نے کنارہ کشی کی' جن میں وہ لوگ بھی ہیں جن کا تم نے ذکر کیا ہے' اور چونکہ یہ مسئلہ اجتہادی تھا' لہٰذا ہر ایک نے اجتہاد کیا' غور و فکر کیا اور جو اس کے لئے مقدر کر دیا گیا تھا وہ کیا"" (العواصم ص ۱۳۶-۱۴۷)

یہاں پر بلیغ الدین صاحب کا یہ کہنا کہ ابوبکر بن العربی نے بھی شاہ ولی اللہ صاحب کی بیان کردہ تین خلفاء سے متعلق احادیث بیان کی ہیں' ایک صریح غلط بیانی ہے' انہوں نے ایسا نہیں کیا ہے' وہ کتاب کو پھر غور سے پڑھیں' بلکہ جیسا کہ مذکورہ بالا حوالوں سے واضح ہوا انہوں نے تو صراحتہ حضرت علی کو چوتھا خلیفہ قرار دیا ہے۔

یہاں بلیغ الدین صاحب کی مضحکہ خیز حد تک "ناصبیت" ملاحظہ ہو کہ ازالۃ الخفاء سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ "خلافت مدینہ میں ہوگی اور سلطنت شام میں" جس سے صاف ظاہر ہے کہ مدینہ طیبہ میں جہاں حضرت علی کی بیعت خلافت ہوئی تھی' خلافت راشدہ ان کے بعد ختم ہوگئی' اور حضرت معاویہ کی جو حکومت شام میں قائم ہوئی تھی وہ خلافت نہیں بلکہ سلطنت تھی' حدیث کے الفاظ میں کوئی ابہام نہیں ہے مگر اپنی ناصبیت کے زور میں اور معاویہ کو خلافت راشدہ کا سرا پہنانے کے شوق میں انہوں نے اس کی تشریح یہ فرمائی ہے کہ "جو مدینہ سے باہر ہوگی وہ خلافت راشدہ ہوگی" (تکبیر ۱۵ مارچ ص ۴۸ کالم ایک) کیا انہوں نے اس رسالہ کے قارئین کو عقل سے کورا سمجھ رکھا ہے!

جہاں تک شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب "تفہیمات الٰہیہ" سے میرے اقتباس کا مسئلہ ہے کہ بقول شاہ صاحب کے حضرت علی پر خلافت ختم ہوگئی' اس کے بعد سے ملک عضوض (زبردستی کی ملوکیت) قائم ہوگئی وہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سے شائع شدہ ایڈیشن سے تھا' جس کو مضمون نگار صاحب نے دھاندلی میں تحریف کیا ہے' اگر اس ایڈیشن کو ایڈٹ کرنے والے مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب نے یہ تحریف کی ہے تو معترض صاحب کسی دوسرے نسخہ سے ثابت کریں' یا یہ کہ جو بات ناصبیت کے خلاف جاتی ہے' اس کو تحریف کہہ دیتے ہیں' یہ علمی تحقیق نہیں الزام تراشی ہے۔

یہاں انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کا نام لے کر ایک عجیب ملغوبہ افکار پیش کیا ہے' جس کا شاہ صاحب سے کوئی تعلق نہیں (کیونکہ کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے) کہ خلفاء میں ایک گروہ نبوت ہے اس میں پہلا نام حضرت ابوبکر کا ہے' اور خلفائے راشدہ (راشدین ہونا چاہئے) میں پہلا نام حضرت علی کا ہے۔ صرف سلسلہ خلافت شمار ہو تو حضرت علی چہارم اور امیر معاویہ پنجم ہیں"۔ شاہ صاحب نے یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہے' اور ان کی خلافت عامہ اور خلافت خاصہ کی بحث سے اس کا کوئی تعلق نہیں' وہ خلافت خاصہ' خلافت راشدہ کے معنی ہی میں استعمال کرتے ہیں' اور ان میں پہلا نام حضرت ابوبکر کا اور چوتھا نام حضرت علی کا ہے' حافظ ابن کثیر اور سیوطی نے (تاریخ الخلفاء) حضرت حسن کو پانچواں خلیفہ راشد کہا ہے' اور بعض نے عمر بن عبدالعزیز کو پانچواں خلیفہ راشد کہا ہے' لیکن حضرت معاویہ کو کسی نے نہیں کہا' خلافت عامہ (یعنی عام حکمرانی) کے تحت وہ بنوامیہ میں پہلے خلیفہ شمار کئے جاتے ہیں۔

لیکن چونکہ ناصبیت کے زور میں وہ سیدنا علی کو خلافت خاصہ (راشدہ) سے محروم کرنا چاہتے ہیں اس لئے انہوں نے خلافت کی یہ عجیب و غریب تقسیم نکالی ہے جو اہل سنت والجماعت کے مسلک' عقائد کے خلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا حضرت معاویہ کی خلافت کو خلافت استیلاء' تالیف قلوب یا جنگ و پیکار کے ذریعہ زبردستی کا غلبہ کہا ہے (ازالۃ الخفاء' فصل اول)۔

یہ بھی غلط بیانی ہے جناب معترض کی' قاضی ابوبکر بن العربی نے حضرت معاویہ کو "خلیفہ راشد" لکھا ہے' ہرگز نہیں انہوں نے صرف خلیفہ لکھا ہے' اور ان کے برخلاف امام ابن تیمیہ' ابن کثیر اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ کے اقوال کے مطابق وہ اسلام میں پہلے ملک (بادشاہ) تھے۔ فتاویٰ ابن تیمیہ وغیرہ سے کافی حوالے دے چکا ہوں۔ منہاج السنہ (ج ۳ ص ۱۸۵ طبع بولاق) میں بھی ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ "لم یکن فی ملوک الاسلام خیر من معاویہ (مسلمان بادشاہوں میں معاویہ سے بہتر کوئی بادشاہ نہ تھا) پھر خود حضرت معاویہ کا مشہور قول ہے۔ "انا اول الملوک" میں پہلا بادشاہ ہوں۔ (یعنی اسلام میں)۔ ابوبکر بن العربی نے تو حضرت حسن تک کو حضرت معاویہ اور بہت سے دوسروں سے زیادہ خلافت کا مستحق قرار دیا ہے' اور ان کے تنازل کی تعریف کی ہے۔

یہاں انہوں نے "صحیح" و "حسن" حدیثوں کی تعریف میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ مشکوٰۃ (اردو ترجمہ) سے جو کچھ میرے جواب میں نقل فرمایا ہے' وہ بھی عجیب شے ہے۔ میں نے تو ساتویں صدی ہجری کے مشہور محدث عمرو بن عبدالرحمان المعروف بابن الصلاح (وفات ۶۴۳ھ) کی اصول حدیث پر مشہور ترین کتاب مقدمہ ابن الصلاح سے ایسی احادیث کی تعریف پیش کی تھی اور وہ تین سو سال بعد کے ایک ہندوستانی محدث کا قول نقل کر رہے ہیں' جن کا ماخذ خود یہی مقدمہ ابن الصلاح تھا' یا حاکم اور ابن حجر و سیوطی وغیرہ کی کتب اصول حدیث۔ علم حدیث سے جناب معترض قطعی نابلد معلوم ہوتے ہیں۔

"نواں مغالطہ" - "بارہ خلفائے راشدین"

ان دونوں فقروں اور دوسرے چند فقروں کے تحت اپنے مضمون کے صفحہ ۴۹ و ۵۰ پر جو کچھ لکھا ہے وہ اس حدیث سے متعلق ہے' جو صرف ایک صحابی جابر بن سمرہ سے ترمذی میں ہے اور جو بارہ خلفاء سے متعلق ہے' جن کے عہد میں اسلام سربلند رہے گا'

بلیغ الدین صاحب کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ بارہ خلفاء کی فہرست سلف صالحین کی تیار کردہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلف صالحین کا مطلب ہی نہیں سمجھتے ہیں۔ اس اصطلاح سے صحابہ کرام تابعین' تبع تابعین اور ائمہ مذاہب اربعہ کا عہد مراد ہوتا ہے' اس پانچویں صدی ہجری کے امام غزالی' اور بعد کو ابن الجوزی' ابن تیمیہ اور خود ابن حجر یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں' ابن حجر اور علامہ بدرالدین محمود عینی تو نویں صدی ہجری کے محدثین ہیں' ان کی تیار کردہ بارہ خلفاء کی ایک فہرست کو "سلف صالحین" کی تیار کردہ فہرست جو کسی بھی محاکمہ سے برتر ہے۔ ایک صریح غلط بیانی ہے۔ یقیناً اس کا محاکمہ ہوسکتا ہے اور سید صاحب مرحوم نے کیا ہے' انہوں نے ابن حجر کے ولید بن یزید بن عبدالملک کے بجائے عمر بن عبدالعزیز کا نام ڈال دیا ہے۔ اور پھر جس طرح ان دونوں معاصرین نے ایک' ایک فہرست تیار کی تھی' اسی طرح ابن حجر کے شاگرد محدث و مورخ سیوطی نے بھی ایک فہرست تیار کی تھی' جو دونوں سے کافی مختلف ہے' جس طرح سیوطی کی فہرست ذاتی ہے' اسی طرح ان کے دونوں بڑے معاصرین یا اساتذہ کی فہرست بھی ذاتی تھی۔

پھر یہ کہ سید سلیمان صاحب مرحوم نے بدرالدین عینی کی فہرست کا بھی ذکر نہیں کیا ہے۔ جو ابن حجر کی فہرست سے کافی مختلف

ہے' اور بلیغ الدین صاحب نے خود اپنے پہلے مضمون میں پیش کی ہے۔ اس فہرست میں نہ یزید بن عبدالملک ہے۔ نہ ہشام اور نہ ولید بن یزید بن عبدالملک (جو انتہائی فاسق و فاجر نوجوان اموی حاکم تھا)۔ بلکہ ان تینوں کے بجائے حضرت حسن' عبداللہ بن الزبیر اور عمر بن عبدالعزیز کے اسماء گرامی درج ہیں۔

اس موقعہ پر ابن حجر کی فہرست کے بارے میں جناب مضمون نگار نے بڑے دبدبہ سے فرمایا ہے کہ "اگر کہیں کتابت کا سہو ہوگیا' تو غور سے دیکھو کہ لکھا کیا ہے۔ کیا گیارہ نام ہیں یا بارہ؟" جی' ہم نے تو غور سے دیکھ لیا اب آپ ہی عینک لگا کر دیکھئے (اپنا مضمون تکبیر ۲۸ دسمبر ۱۹۸۹ء ص ۵۱ کالم ۲) اس میں گیارہ نام گیارہ نمبروں کے ساتھ ہیں' اس میں عمر بن عبدالعزیز کا نام کہیں نہیں' ہاں اس بار آپ نے اضافہ ضرور کر دیا ہے۔

اس سب سے قطع نظر جس کو بحث نہیں کہا جا سکتا اصل بحث فتح الباری کی مذکورہ جلد میں حافظ ابن حجر نے پوری تفصیل و جامعیت کے ساتھ کی ہے۔ جس میں قدیم شارحین بخاری وغیرہ کے اقوال نقل کئے ہیں' اور پھر اپنی بھی ایک رائے دی ہے جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے یا ان دوسری آراء کو جو چوتھی۔ پانچویں اور چھٹی صدی ھجری کے تین علماء نے دی ہیں۔

سب سے پہلے ابن حجر نے حدیث سفینہ اور اس بارہ امراء یا خلفاء والی حدیث کو نقل کر کے اس میں تعارض کا ذکر کیا ہے' اور اس بارے میں یعنی بارہ خلفاء والی حدیث کے بارے میں علماء کے تحیر و اختلاف کا ذکر کیا ہے' اور انہوں بخاری کے قدیم شارح مہلب کا قول نقل کیا ہے۔ کہ "کسی نے بھی اس حدیث کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی ہے' پھر ابن حجر نے قاضی عیاض اندلسی (وفات ۵۴۴ھ) کے الفاظ میں اس حدیث کا حدیث سفینہ (تیس سالہ عہد خلافت) سے تعارض کا ذکر کیا ہے' اور یہ کہ قاضی عیاض حدیث سفینہ کو صحیح مانتے ہیں کہ یہ کتب سنت میں آئی ہے اور اس تعارض کا ان کے (قاضی عیاض) کے نزدیک حل یہ ہے کہ حدیث سفینہ سے مراد خلافت نبوت ہے' جب کہ جابر بن سمرہ کی حدیث میں ایسی کوئی قید نہیں' پھر یہ کہ اس حدیث میں یہ نہیں کہ ان بارہ کے سوا کوئی امیر یا خلیفہ ہوگا ہی نہیں۔

پھر ابن حجر نے قاضی عیاض کے اس حدیث کی شرح میں تین اقوال نقل کئے ہیں' جن میں پہلا قول یہ ہے کہ "اس سے مراد وہ عادل حکمران ہیں جو خلافت کے مستحق ہوں گے' ان میں چار خلفاء تو گزر چکے ہیں اور ضروری ہے کہ قیامت سے پہلے یہ گنتی پوری ہو جائے"۔ اور پھر قاضی عیاض نے یہ بھی کہا ہے کہ "اس کی اور بہت سی بھی تاویلیں ہو سکتی ہیں' اور اللہ اپنے نبی کی مراد کو بہتر جانتا ہے"۔

اس لئے بلیغ الدین صاحب کا علامہ سید سلیمان ندوی کے حوالہ سے صرف ایک قول نقل کرنا صحیح نہیں' جس کو انہوں نے غلط معنی پہنائے ہیں' اور درحقیقت جیسا کہ میں نے ذکر کیا سید صاحب مرحوم نے اس پر تفصیلی بحث کی ہی نہیں ہے' غالباً ان کی نظر سے فتح الباری کی یہ بحث نہیں گزری اور انہوں نے سیوطی کی تاریخ الخلفاء پر اکتفا کیا۔

جیسا کہ ابن حجر نے ذکر کیا ہے ابن الجوزی (وفات ۵۹۵ھ) یعنی ابن حجر سے ڈھائی سو پہلے اپنی کتاب کشف المشکل (اس کا پورا نام کشف مشکل حدیث الصحیحین ہے) میں اس مسئلہ پر کافی غور و خوض کرنے کے بعد اور دوسرے لوگوں سے دریافت کرنے کے باوجود اس حدیث کا صحیح مطلب معلوم نہ کر سکے۔ کیونکہ "اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں اور کوئی شک نہیں کہ حدیث کے راویوں نے اس میں بڑی گڑبڑ کی ہے" پھر انہوں نے (ابن الجوزی نے) اوائل چوتھی صدی ھجری کے ایک قدیم محدث ابن المنادیؒ (وفات ۳۳۶) کے تین اقوال اس حدیث کی شرح میں نقل کئے ہیں' اور ان کا تیسرا قول وہی ہے جو ابن حجر نے قاضی عیاض کا پہلا قول (تین اقوال میں سے) بتایا ہے' یعنی اس سے مراد قیامت تک ہونے والے وہ بارہ خلفاء مراد ہیں جو حق پر عمل کریں گے اگرچہ ان کا زمانہ تسلسل کے ساتھ ایک ساتھ نہ ہو اور اس کی تصدیق تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنی مسند کبیر میں روایت کی ہے (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۱۲)

ابن حجر نے اس ساری بحث کو نقل کرنے کے بعد قاضی عیاض کے جس قول کو اختیار کیا ہے۔ وہ تیسرا ہے' جس کی تائید دوسرے ائمہ حدیث کے اقوال سے نہیں ہوتی' اور اس موقعہ پر انہوں نے جو ایک فہرست دی ہے اس میں عجیب بات ہے کہ ولید ثانی (مقتول ۱۲۶ھ) اموی حکمران کو شامل کیا ہے' اور اس کو بارھواں خلیفہ بتایا ہے۔ اور اس میں عمر بن عبدالعزیز کا ذکر نہیں' یہ ولید ثانی انتہائی فاسق و فاجر نوجوان تھا جس کو اس کے صالح چچازاد بھائی یزید الناقص یا یزید ثالث نے صلحاء و اتقیاء امت کے فتوی اور تائید پر مسلح بغاوت کے ذریعہ قتل کیا' پھر اس ولید کا عہد خلافت صرف ایک سال دو ماہ تھا' جس کو ابن حجر نے چار سال لکھا ہے' ان سے ایک بڑی فروگزاشت ہوئی ہے۔ تمام کتب تاریخ میں اس کے فسق و فجور اور ایک سالہ عہد حکومت پر اتفاق ہے۔ حق بات' تاریخ و حوادث' اور سیرت خلفاء بنی امیہ کے تتبع کے بعد وہ نظر آتی ہے' جس پر قاضی عیاض اور ابن الجوزی کا نقطہ نظر متفق ہے یعنی وہ عادل خلفاء جو قیامت تک پوری مدت اسلام میں ہوں گے۔ اور ان کا تسلسل ضروری نہیں' حافظ ابن کثیر نے کتاب الملاحم و الفتن (ص ۱۰) پر صراحت کی ہے کہ اس سے وہ بارہ حکام مراد نہیں جو خلافت بنی امیہ کے دوران تسلسل سے حاکم ہوئے۔ اور اسی سے اتفاق کرتے ہوئے علامہ سیوطی نے جو فہرست اپنی کتاب تاریخ الخلفاء (ص ۲) میں پیش کی ہے (یہ ان کی اپنی تیار کردہ ہے) وہی درست معلوم ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے استاد حافظ ابن حجر کی فہرست کو رد کر دیا۔ یہ فہرست حسب ذیل ہے۔

چاروں خلفائے راشدین' ۵۔ حضرت حسن ۶۔ حضرت معاویہ ۷۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر ۸۔ عمر بن عبدالعزیز ۹۔ المہتدی العباسی ان نو کا ذکر کرنے کے بعد سیوطی نے کہا ہے کہ دو باقی ہیں جن کا انتظار ہے۔ جن میں سے ایک مہدی منتظر ہیں جو اہل بیت میں سے ہوں گے۔ اس فہرست سے ظاہر ہوتا ہے کہ تاریخ الخلفاء کے مطبوعہ نسخہ میں ایک نام رہ گیا ہے کیونکہ اس طرح یہ صرف گیارہ بنتے ہیں' عبدالملک جس کا نام رہ گیا ہے وہ عمر بن عبدالعزیز سے پہلے ہونا چاہئے' وہ تابعی تھا' محدث تھا'۔ اور خوارج کا استیصال اس کے عہد کا کارنامہ تھا' ملک بنی امیہ کا حضرت معاویہ کے بعد وہی حقیقی مؤسس تھا' اس کا ذاتی سیرت و کردار بہت بلند تھا۔ اس کے پوتے یزید ثانی اور دوسرے پوتے ولید ثانی کو جو فسق و فجور اور ظلم میں مشہور تھے اس سے کوئی نسبت نہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ سیوطی نے جو محدث و مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور و معروف مورخ بھی تھے (برخلاف ابن حجر کے جو صرف بلند پایہ محدث و اسماء رجال کے ماہر تھے) یزید بن معاویہ کو اس فہرست میں نہیں لیا ہے۔ اور نہ دیگر خلفائے بنی امیہ کو جو اپنے جبر و استبداد اور فسق و فجور میں معروف تھے۔ مجھ کو ذاتی طور پر سیوطی کی فہرست ہی زیادہ قرین حق نظر آتی ہے۔ بہر حال یہ بات مسلم ہے کہ حدیث زیر بحث سے یزید اور دوسرے اموی خلفاء کا خلفائے راشدین ہونا ثابت نہیں ہوتا یہ ایک لغو بیانی ہے۔

"روایت لڑکا شاہی"

اس فقرہ کے تحت بلیغ الدین صاحب نے اس مشہور حدیث کا مذاق اڑایا ہے جو نہ صرف مسند امام احمد بن حنبل بلکہ نسائی میں بھی موجود ہے۔ اور اس کو امام بخاری نے بطور تعلیق کتاب الفتن میں تیسرے باب کا عنوان بنایا ہے" ہلاک امتی علی ایدی اغیلمۃ من سفہاء قریش " (یعنی میری امت کی تباہی قریش کے چند احمق لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی)

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم نے اس مضمون کی حدیثوں کو سیرۃ النبی کی جلد سوئم میں صحیح مانا ہے۔ اور یزید بن معاویہ کی حکومت کو اس لڑکا شاہی حکومت کا فرد اول قرار دیا ہے۔ میں اپنے سابقہ مضمون میں فتح الباری سے حضرت ابوہریرہ کی احادیث اس ضمن میں بیان کی تھیں کہ وہ اس سے پناہ مانگتے تھے اور سنہ ۶۰ھ کو اس کی ابتداء قرار دیتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اللہ اس سے قبل ان کو اٹھا لے' اس کا جواب تو معترض صاحب نے دیا نہیں' اور وہ لفظ " صبیان " کی تشریح فرمانے لگے' جب کہ بخاری کے ایک دوسرے شارح علامہ عینی نے بھی اس "لڑکا شاہی" حکومت میں یزید بن معاویہ کو پہلا شمار کیا ہے۔ گویا ابن حجر' عینی جیسے علماء عرب اور سید سلیمان ندوی کو اتنی عربی نہ آتی تھی کہ وہ لفظ صبیان (لڑکے) کے معنی سمجھتے' مگر مضمون نگار صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ حافظ ابن حجر نے اُن جیسے کم فہم عجمی معترضین کا جواب پہلے ہی فتح الباری (ج ۱۳ ص ۹) میں دے دیا ہے' وہ لفظ "صبی" اور "غلیم" (تصغیر غلام یعنی لڑکا) کے مختلف معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "یہ دونوں لفظ اس شخص کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں جو دانائی' معاملہ فہمی اور دینداری میں کمزور ہو خواہ وہ سن بلوغ کو پہونچ چکا ہو اور اس حدیث میں یہی معنی مراد ہے"۔۔

یہاں انہوں نے سید نا حسن کے سنہ ولادت کے بارے میں قارئین کے ذہن میں شکوک پیدا کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ ایک مکروہ حرکت ہے' ان کی پیدائش تمام مستند کتب تاریخ میں نصف رمضان ۳ھ مذکور ہے۔ اور جنگ خیبر کے سال کی روایت کو مردود کہا گیا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اس حدیث کی وعید میں سید نا حسن کو بھی داخل کر دیں۔ یہ ہے بغض اہل بیت۔ اور یہاں انہوں نے یزید کے سنہ ولادت کو ۹ سال گھٹا دیا ہے طبری اور ابن الاثیر کی روایت کے مطابق اس کی عمر وفات کے وقت یعنی صفر ۶۴ھ میں ۳۸ سال تھی۔ بلیغ الدین صاحب مسعودی کی تنبیہ و اشراف کے حوالہ سے اس کا جو سنہ ولادت ۲۲ھ دیا ہے۔ وہ غلط بیانی ہے۔ مسعودی نے کسی سنہ ولادت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بلکہ صرف سنہ وفات ۶۴ ھجری اور عمر بوقت وفات ۳۳ سال لکھی ہے۔ اس طرح اس کا سنہ ولادت ۳۱ھ نکلتا ہے اور بیعت خلافت کے وقت اس کی عمر ۲۹ سال بنتی ہے نہ کہ جناب معترض کے دعوے کے مطابق ۳۸ سال یا ۳۵ سال۔ آپ مسعودی پر ہی اعتماد کیجئے۔ مگر حساب غلط نہ کیجئے۔ اس طرح یزید "لڑکا شاہی" حکومت کی وعید میں داخل ہوتا ہے۔

آخر میں اپنی ریڈیائی تقاریر کی تشہیر کے بعد (اہل علم جانتے ہیں کہ ریڈیو پر تقاریر کی بناء پر کوئی آدمی نہ عالم کہلاتا ہے نہ محقق۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک مخصوص گروہ کے مقررین جن کے نام کے شروع میں علامہ کا سابقہ ضرور لگا ہوتا ہے سب سے بڑے عالم و محقق ٹھہرتے۔ ہاں مشہور ضرور ہو جاتا ہے۔ سو وہ بلیغ الدین صاحب ہیں اور اس کی بناء پر

ہر غیر علمی بات کہنا اور غلط حوالے آزادی کے ساتھ دینا اپنا حق سمجھتے ہیں) تو ان مقاریر کی پبلسٹی کے الفاظ کے بعد وہ فرماتے ہیں۔

"میرے نزدیک ہر بات جو چارٹ بنانے والے نے لکھی ہے۔ قرآن حکیم کے نیصلے، درود شریف کے اشاروں اور تاریخی حوالوں اور بالخصوص ابتدائی مستند ماخذوں (مآخذ لکھنا تھا کہ وہ ماخذ کی جمع ہے) کے مطابق ------"

یہ پورا پیراگراف خطیبانہ ہے، اس کا علم و تحقیق سے کوئی تعلق نہیں، تاریخی حوالے غلط ثابت کئے جاچکے ہیں، ابتدائی مستند ماخذ تو کیا اس میں کسی بھی مستند ماخذ پر انحصار نہیں کیا گیا ہے، ورنہ اس میں وہ اغلاط نہ ہوتیں جن کا میں اپنے ۹ نومبر کے تکبیر میں تفصیلی ذکر کر چکا ہوں۔

یہاں مضمون نگار صاحب نے تاریخ کو مسخ کرنے کا جو الزام علمائے متقدمین پر لگایا ہے۔ وہ ناپاک و بے بنیاد ہے۔ تاریخ اسلام کو وہ خود مسخ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جس کا تفصیل کے ساتھ سطور بالا میں مختلف عناوین کے تحت ذکر ہوا، اسلامی تاریخ کے قدیم مورخین ابن اسحق، واقدی، ابن سعد، بلاذری اور طبری و ابن الاثیر وغیرہ نے گھڑی ہوئی روایات کا انبار نہیں لگایا ہے یہ ان کی الزام تراشی ہے، بلکہ انہوں نے تاریخ اسلام کے اولین عہد کی تاریخ کا ذخیرہ بڑی تن دہی سے جمع کر دیا ہے، روایات کی چھان پھٹک بھی کی ہے اور بعد کے مورخین ابن الجوزی ابن تیمیہ ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ نے اس کی کافی جانچ پڑتال بھی کی ہے، ان تاریخوں میں وہی سب کچھ ہے جس پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے، اور جس کے تاروپود بکھیرنے کے لئے محمود عباسی نے اپنی کتابوں میں ناکام کوششیں کی ہیں اور اسی کے نقش قدم پر بلیغ الدین صاحب رواں دواں ہیں لیکن امت کا اجتماعی شعور جس طرح محمود عباسی کی کوششوں کو رد کر چکا ہے۔ اسی طرح وہ بلیغ الدین صاحب کی کوششوں کو بھی رد کردے گا۔ اور اپنے نبی کی سیرت پاک خلفائے راشدین اور اموی عہد سے متعلق اس کو وہی حقائق معتبر نظر آئیں گے جو ان عرب محققین اور شبلی، سید سلیمان ندوی، قاضی سلیمان منصور پوری، ابوالاعلیٰ مودودی اور سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالرشید نعمانی جیسے علمائے محققین نے بیان کئے ہیں۔

اور پھر اگر یہ چارٹ اہل بیت سے متعلق ہے تو اس میں حضور کے غیر مسلم چچاؤں کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے؟ یا یہ صرف اس لئے کیا گیا ہے کہ تمام مورخین و محدثین کے برخلاف بجائے ابو طالب کے زبیر بن عبدالمطلب کے حضور کا کفیل ثابت کیا جاسکے۔ پھر اس میں ان صحابہ کرام کا ذکر کیا معنی رکھتا ہے جو بنی ہاشم سے نہیں؟ پھر اس چارٹ میں اہل و آل کی جو بے معنی تقسیم ہے اس کا لغت عرب سے کوئی تعلق نہیں، اور اس صورت میں کہ "اہل بیت" سے مراد صرف ازواج مطہرات ہیں جیسا کہ مضمون نگار صاحب کا اصرار ہے، تو پھر یہ چارٹ بالکل ہی بے معنی ہے، اس میں تو صرف ان کے دعوے کے مطابق ازواج مطہرات ہی کو ہونا چاہئے۔

درحقیقت یہ چارٹ پاکستان کے ایک مخصوص گروہ (شیعہ حضرات) کے چارٹ کی ضد میں بنایا گیا ہے اور جس طرح وہ غلط ہے اس طرح یہ بھی غلط ہے۔

آخر میں سلف صالحین کا نام لے کر اور معدودے چند ایسے حضرات کا نام لے کر جنہوں نے یزید پر لعنت کو جائز نہیں سمجھا ہے بلیغ الدین صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہ سلف صالحین کے مسلک پر ہیں، اگر ایسا ہوتا تو اس مضمون میں لمبی چوڑی بحثوں کی ضرورت نہ ہوتی، یہ سلف صالحین کا مسلک نہیں بلکہ محمود عباسی کا ناصبی مسلک ہے۔ کیونکہ سلف صالحین حضرت علی کے خلیفہ راشد ہونے میں شک نہیں رکھتے تھے وہ حضرت معاویہ کو خلفائے راشدین میں شمار نہیں کرتے تھے یزید اور دیگر خلفائے بنی امیہ کو خلفائے راشدین نہیں کہتے ہیں، تیس سالہ عہد خلافت کی حدیث کو ضعیف و موضوع نہیں کہتے ہیں، سیدنا حسن و حسین کی صحابیت کے بارے میں شکوک و اوہام پیدا نہیں کرتے ہیں، حضرت علی کے بغض میں حضور کے ایک غیر مشہور اور بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد کے جھوٹے فضائل بیان نہیں کرتے ہیں، حضور کے ان نواسوں کو جو بچپن ہی میں وفات پا گئے جوان اور مختلف مقامات پر ہیرو نہیں بناتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب بلیغ الدین صاحب نے محمود عباسی کی تقلید میں کیا ہے اور یہ عین ناصبیت ہے سلف صالح کا مسلک نہیں۔

مضمون نگار صاحب کے آخری پیراگراف کا جواب یہ ہے کہ اکابرین اہل سنت میں کیا سیدنا علی، سیدہ فاطمہ اور حسن و حسین نہیں؟ جن کی کسی حد تک تنقیص آپ نے کی ہے۔ یا اکابرین سنت سے آپ کی مراد صرف حضرت معاویہ، یزید اور دوسرے ظالم و فاسق اموی خلفاء ہیں، کون کس کی تنقیص کر رہا ہے۔ انصاف کی بات کہئے۔ اہل سنت والجماعت تو نہ بغض معاویہ میں مبتلا ہیں اور نہ بغض علی و اہل بیت میں، وہ اہل بیت اور صحابہ کرام سے محبت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں، ہاں یزید کو اکابرین سنت میں ناصبیوں کے سوا کوئی شمار نہیں کرتا اس کی مذمت تمام اہل سنت امام احمد سے لے کر اب تک کرتے چلے آئے ہیں اور کریں گے اور یہی اللہ کی طرف سے اس کے اعمال بد کی سزا ہے۔

رہا صحابہ سے عقیدت کا مسئلہ تو ہم ان کے درجات کے مطابق جو قرآن کریم اور سنت نبوی نے مقرر کئے ہیں درجہ بدرجہ ان سے عقیدت رکھتے ہیں ان میں سابقون اولون، بدری صحابہ اور بیعت رضوان (حدیبیہ کے موقعہ پر) کے صحابہ کو ان صحابہ سے افضل قرار دیتے ہیں جو فتح مکہ کے بعد اسلام لائے اور جن کو حضور کے وقت سے ہی "طلقاء" کہا گیا، ان کا بھی احترام کرتے ہیں مگر ان کا درجہ مہاجرین و انصار کے برابر ہرگز نہیں، تمام امت مسلمہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔

اگر آپ اکابرین اہل سنت والجماعت اور محسنین اسلام کے پردے میں یزید اور اموی خاندان کے دوسرے ظالم و فاسق حکمرانوں کی کردار کشی کا شکوہ کرتے ہیں تو یہ کردار کشی نہیں نہ تاریخ کے ساتھ ظلم ہے، بلکہ انصاف ہے، اور یہ ہمیشہ سے صحیح العقیدہ مسلمانوں کو گوارا رہا ہے اور رہے گا، ان لوگوں نے اپنے اعمال بد سے تاریخ میں اپنا مقام خود متعین کر دیا تھا۔ یہ پاکستانی صحافت میں گھسے پٹے لفظ "کردار کشی" کا مسئلہ نہیں بلکہ "فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ۔ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ" (سورہ زلزال) کا مسئلہ ہے جس کا ظہور دنیا ہی میں نیک نامی و بدنامی کی صورت میں ہوجاتا ہے، کسی کو کردار کشی کی ضرورت نہیں پڑتی، اسی اموی خاندان کے معاویہ ثانی، عمر بن عبدالعزیز اور عبدالملک و سلیمان اور یزید ثالث کی تاریخ نے تعریف کی ہے۔ "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی"۔

ہاں تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کے نئے عمل اور یزیدیت کے فروغ کو مسلمان کبھی گوارا نہیں کریں گے۔ آخر میں یہ عرض ہے کہ بلیغ الدین صاحب نے بہت سے سیاسی و مذہبی گروہوں کی طرح ایک مخصوص فرقے کے خلاف ایک محاذ کھول رکھا ہے، وہ مجھ جیسے اہل سنت والجماعت کے پیچھے کیوں پڑے ہیں، یقین کریں کہ میں اس محاذ میں ان کا حریف نہیں، حلیف بھی نہیں ہوسکتا کہ مجھے شیعوں اور ناصبیوں دونوں کا غلو پسند نہیں۔ حق بات ہی پسند ہے جو قوی دلیل سے ثابت ہو۔

سب سے آخر میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ساری بحثوں اور اعتراضات کے جوابات کا، جن میں بیسیوں علماء اور کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں، عام قارئین کو کیا فائدہ پہونچتا ہے، عام قارئین کو عربی کے کثیر اور اردو کتابوں کے بعض حوالوں کی روشنی میں ان ساری بحثوں سے جو فائدہ پہونچتا ہے وہ یہ ہے کہ خاندان نبوی خلفائے راشدین اور عہد اموی کے بارے میں ان کے جو مسلمہ عقائد و معلومات ہیں وہ صحیح ہیں، اور وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ سیدنا علی مسلمہ طور پر چوتھے خلیفہ راشد تھے، اس بارے میں شکوک غلط اور بے بنیاد ہیں۔

۲۔ حضرت معاویہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ اموی خلافت میں پہلے خلیفہ تھے، جس کو ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ تمام علمائے محققین نے اسلامی ملوکیت قرار دیا ہے۔ اور ان اموی ملوک میں وہ سب سے بہتر تھے۔

۳۔ کوئی بھی دوسرا اموی حکمران خلیفہ راشد نہ تھا۔ وہ عام مسلمان بادشاہوں کی طرح اچھے برے تھے۔

۴۔ حضرت حسن و حضرت حسین کی صحابیت کے بارے میں شکوک پیدا کرنا غلط ہے، وہ دونوں مسلمہ طور پر صحابہ تھے۔ اور حسین مظلوم شہید ہوئے۔

۵۔ جس طرح سیدہ عائشہ حضور کو اپنی تمام ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ عزیز تھیں اسی طرح سیدہ فاطمہ بھی بیٹیوں میں آپ کو سب سے زیادہ عزیز تھیں۔ ان کی فضیلت کی تمام احادیث صحیح ہیں۔

۶۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل صرف سیدہ فاطمہ کی اولاد سے چلی۔

۷۔ حضرت رقیہ اور حضرت زینب کے دونوں فرزند بچپن میں وفات پاگئے۔

۸۔ حضرت ابوالعاص ابن الربیع (حضرت زینب کے شوہر اور بحیثیت مسلمان یک سالہ داماد) کا الشہیر بلحاظ نہیں تھا، انہوں نے کسی غزوہ میں حضور صلعم کے ساتھ شرکت نہیں کی۔ نہ وہ جنگ یرموک کے وقت زندہ تھے۔

۹۔ حضور کی بچپن میں کفالت ابو طالب نے کی، دوسرے چچا زبیر نے نہیں کی۔

۱۰ حضور نے ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر اپنے بچپن میں کیا، اور بحیرا راہب نے نبوت کی بشارت دی، اس میں ابوبکر اور بلال کا ذکر غلط ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ بحیرا نے آنحضرت کو قرآن کی تعلیم دی جو دشمنان اسلام بعض عیسائیوں کا غلط دعویٰ ہے۔

۱۱ اہل بیت میں ازواج مطہرات اور اولاد و اقارب رسول شامل ہیں۔

۱۲ یزید کو تمام علمائے امت نے فاسق کہا ہے، حنفی، حنبلی اور شافعی بے شمار علمائے محققین نے اس پر لعنت کو جائز کہا ہے اور لعنت بھیجی ہے،

صرف چند علماء نے لعنت کو جائز نہیں سمجھا ہے، مگر لعنت بھیجنا کوئی ضروری عمل واجب نہیں۔

۱۳ یزید قتل حسین اور مدینہ طیبہ پر حملہ اور مدینہ کی تاراجی و غارتگری کا مرتکب ہوا اس لئے اس سے بغض رکھنا اور اس کی مذمت کرنا فعل محمود ہے۔

۱۴ یزید کا غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنا ثابت نہیں، جن علماء نے اس کی شرکت کو تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اس کو یزید کے بعد کے جرائم کا کفارہ نہیں کہا ہے، اور اس کی ابدی مغفرت کو نہیں مانا ہے۔

العربی' ناصبی سعید بن جمہان کو واقدی کی طرح ناچیز" لکھتے ہیں' ابوبکر بن العربی نے تو اس راوی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے' صرف حدیث کے بارے میں ایک جملہ کہا ہے کہ "یہ صحیح نہیں ہے" ۔ اور ابو حاتم کا قول محب الدین الخطیب نے جو نقل کیا ہے وہ صرف یہ ہے "شیخ لا یحتج بہ" (یہ ایک ایسے عالم ہیں جن سے استدلال نہیں کیا جا سکتا)۔

بلکہ خود محب الدین الخطیب نے وہ سخت الفاظ استعمال نہیں کئے ہیں جو بلیغ الدین صاحب نے کئے ہیں انہوں نے اس کے بالکل برعکس یہ کہا ہے "ان کے بارے میں اختلاف ہے' بعض نے کہا وہ ٹھیک ہیں' اور بعض نے ان کو ثقہ کہا ہے" (ملاحظہ ہو العواصم ص ۲۰۱ طبع ریاض ۱۹۷۹ء)

اور جہاں تک سیوطی کا تعلق ہے تو انہوں نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء میں 'فصل مدت خلافت' میں تائید کے لئے سب سے پہلے ذکر کیا ہے (ص ۹ طبع مصر ۱۹۶۹) اسی حدیث سفینہ کو۔

اب قارئین بلیغ الدین صاحب کی تحریف اور غلط بیانی ملاحظہ کریں کہ وہ کس کس طرح سے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں' کیونکہ وہ سمجھتے ہیں' کون ان کے حوالوں کو چیک کرے گا دو تین عالموں کے نام ذکر کر دیئے' کافی ہیں مگر ان کے سب قارئین ایسے نہیں ہیں اور اب قارئین یہ بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ میرے بارے میں ان کا یہ فقرہ "پھر بھی بلیغ الدین صاحب سے چمٹے ہوئے ہیں" کس قدر رسوقیانہ اور ظالمانہ ہے' میں بلیغ الدین صاحب سے نہیں بلکہ امام احمد' ابوداؤد' ترمذی' ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ تمام علماء امت سے چمٹا ہوا ہوں جو اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں' آپ ہیں کہ ابوبکر بن العربی اور محب الدین الخطیب سے چمٹے ہوئے ہیں۔

۴- ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ تیس سالہ خلافت کی روایت کسی اور صحابی سے نہیں ملتی' جی نہیں' یہ روایت حضرت ابوبکرہ ثقفی سے بیہقی کی "دلائل النبوۃ" (ج ۲) اور واحدی کی "الوسیط" میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے بھی مروی ہے' اور اہم بات یہ ہے کہ ان دونوں کی سند یا سلسلہ روایت میں ان صحابیوں سے روایت کرنے والے سعید بن جمہان نہیں بلکہ دوسرے ثقہ راوی ہیں' ان دو شواہد کے بعد یہ حدیث سفینہ اصول حدیث کے مطابق "حسن" کے درجہ سے بڑھ کر "صحیح" کے درجہ میں پہنچ گئی' اسی لئے امام ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں جہاں اس حدیث کا ذکر کیا ہے اس کو "مشہور" کہا ہے' یہ حدیث متواتر کے بعد وہ حدیث ہوتی ہے' جس کو دو یا زائد صحابی بیان کرتے ہیں۔

ان سب اقوال اور روایات کے بعد بلیغ الدین صاحب کا اس حدیث کو ضعیف اور منقطع قرار دینا ایک لغو بات ہے' حضرت سفینہ اور سعید بن جمہان کی وفات اور آپس میں نہ ملنے کے بارہ میں انہوں نے ایک حوالہ بھی نہیں دیا ہے' محض ایک بے بنیاد دعویٰ کیا ہے پھر ان کا یہ کہنا غلط ہے کہ حضرت سفینہ کی وفات ۷۶ھ میں ہوئی حافظ ابن کثیر نے ۷۱ھ بتایا ہے' اور ان کا انتقال جیسا کہ اصابہ میں ہے مدینہ میں نہیں مدینہ اور بصرے کے مابین ایک گاؤں بطن نخلہ میں ہوا' امام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ ایسے جاہل نہ تھے کہ ایک ضعیف اور منقطع حدیث کو مشہور و صحیح کہتے۔

۵- یہاں انہوں نے اپنی ناصبیت (یعنی حضرت علی اور اہلبیت سے عداوت و بغض) کا کھل کر اعلان کر دیا ہے یہ کہہ کر کہ "صحابہ کی عظیم اکثریت نے حضرت علی کی ہاتھ پر بیعت نہیں کی" یہ ایک لغویات اور افتراء ہے' تاریخ پر اور ان سارے ائمہ دین بلکہ پوری امت اسلامیہ پر جو حضرت علی کو چوتھا خلیفہ مانتی ہے' تاریخ سے ثابت ہے کہ سوائے شام کے تمام ممالک اسلامیہ' حجاز' عراق' مصر' فارس' یمن اور خراسان و سجستان کے لوگ حضرت علی کی بیعت کر چکے تھے' ان جگہوں پر ان کے گورنر موجود تھے' طبری' اور تاریخ ابن الاثیر وغیرہ میں اس کی تفاصیل دیکھی جا سکتی ہیں۔

۶- آپ نے کون سے حوالے دیئے ہیں جو مجھ سے مانتے ہیں مگر بھی سعید بن جمہان کو ثقہ کہنے والوں میں امام احمد' یحییٰ بن معین' ابوداؤد اور حافظ ابن حجر اور ابن حبان جیسے جلیل القدر محدثین کے نام سرفہرست ہیں' سعید بن جمہان کے بارے میں آپ کے بیان کی کوئی قیمت نہیں۔

۷- سعید بن جمہان سے صرف حشرج بن نباتہ نے ہی روایت نہیں کی ہے بلکہ یہ تین اور راویوں سے بھی مروی ہے' عبدالوارث بن سعید اور العوام بن حوشب' امام ابن تیمیہ نے فتاویٰ میں یہ سلسلۂ سند دیا ہے' سیوطی نے تاریخ الخلفاء کے اپنے مقدمہ میں ایک تیسرے راوی حماد بن سلمہ کے واسطے سے سعید بن جمہان کی روایت کا ذکر کیا ہے اور جو انہوں نے مسند امام احمد سے نقل کی ہے اور کتنے حوالے چاہیئے آپکو؟

اس طرح تیس سالہ عہد خلافت کی حدیث ثابت ہے' اور آپ کے سارے اعتراضات لغو ہیں۔

OO

صفحہ نمبر ۱۳۳ کا باقی

یونیورسٹی اپنے مسائل سے دوچار ہے' ورنہ ہتکِ عزت کی قانونی کارروائی کر سکتی تھی۔ پھر شاید ڈاکٹر صاحب کو یہ خیال بھی نہ رہا کہ پاکستان میں اور کسی ملک میں ایم اے ریسرچ کی ڈگری نہیں ہے' البتہ ایم فل ریسرچ کی ڈگری ہے۔ باقی شاہ صاحب کے بلند پایہ محقق نہ ہونے کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ ان کی تقریروں اور تحریروں کا دلچسپ اور ادبی انداز لوگوں میں مقبول ہے۔ مگر

قبولِ خاطر و لطفِ سخن خداداد است۔

ان کی مقبولیت کا باعث پاکستان کے وہی معروضی حالات ہیں' جن کا ابتداء میں میں ذکر کر چکا ہوں۔ بایں ہمہ شاہ صاحب کی شخصیت اور ان کا کام متنازعہ اور بحث طلب (کنٹروورشل) تو ہے ہی' لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے علوئے علم کے باوجود شاہ صاحب کو انہیں کے سکوں میں ادائیگی کی ہے اور اپنے مقام بلند (پوزیشن) سے نیچے اتر آئے ہیں۔ اگر شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب پر "سبائیت" کی پھبتی کسی ہے تو ڈاکٹر صاحب نے بھی انہیں "ناصبیوں" اور "خوارج" سے ملایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی جھنجھلاہٹ والی کیفیت اور غصہ کا رویہ کوئی قابلِ تحسین چیز نہیں۔ آتش کا اردو کا شعر تو غلط ہوگا لیکن ڈاکٹر صاحب کے رویہ پر عرب کے دورِ جاہلیت کے سبعہ معلقات والے شعراء میں سے ایک شاعر عمرو ابن کلثوم کے قصیدہ کا ایک شعر یاد آتا ہے

الا لا یجھلن احد علینا ... فنجھل فوق جھل الجاھلینا

(ترجمہ۔ اگر کسی نے ہمارے ساتھ جہالت یا زیادتی کی' تو ہم بھی تمام جاہلوں یا ظالموں سے بڑھ کر جہالت یا ظلم کریں گے)۔

(۳) اب آخر میں وہ تعمیری مشورہ' جس کا میں نے شروع میں وعدہ کیا تھا۔ یہ مشورہ میں شاہ صاحب کو بذریعہ ٹیلی فون دے چکا ہوں۔ مناسب سمجھا کہ برتقاضائے انصاف ڈاکٹر صاحب سے بھی درخواست کر لوں۔ ان سے میرا تعارف نہیں' چونکہ وہ پاکستان سے باہر ہی زیادہ رہے ہیں' اس لئے "تکبیر" کی معرفت پیش کر رہا ہوں۔ یہ مصلحت پیشِ نظر ہے کہ قارئین میں جو ذی علم حضرات ہیں' ان تک بھی میرا حقیر مشورہ پہنچ جائے۔ ایک عام پاکستانی قاری کے لئے ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت ہے' جس میں شخصیت پرستی یا نفرت وغیرہ سے کام لئے بغیر رسول اکرم ؐ کے تمام اعزہ اور اقرباء نیز خلفائے راشدینؓ اور خاص صحابہؓ کے سوانحی حالات اور ان میں سے ہر ایک اولاد کی پانچ پشتوں تک کے سوانحی احوال موجود ہوں۔ یہ کتاب عام فہم انداز میں لکھی جائے کہ اوسط قابلیت کا شخص بھی سمجھ سکے اور معلومات دی جائیں۔ لطف یہ کہ دل سے یہ کتاب لکھی جائے کہ نہ پرستاری ہو نہ تبرا۔ اسی قسم کی کتاب بلکہ کتابیں اگر لکھ دی جائیں اور شائع کر دی جائیں' تو ایک بڑا خلاء پُر ہوگا اور یہ حضرات لوگوں کے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب سے ایک اضافی درخواست یہ بھی ہے کہ قارئین کے ذہن میں کسی حد تک یہ تاثر قائم ہوا ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب شیعیت سے ہمدردی رکھتے ہیں' مناسب ہوگا کہ وہ عالمانہ اور محققانہ انداز میں ایک کتاب شیعیت پر بھی تصنیف فرما دیں' جو اردو میں ہو اور عام فہم بھی' اس سے دوسروں کی بھی رہنمائی ہوگی اور ایک نمونہ کی چیز سامنے آجائے گی۔ فقط والسلام

(ڈاکٹر محمد عزیر)

ڈاکٹر رضوان علی ندوی بنام ڈاکٹر محمد عزیر

ڈاکٹر محمد عزیر صاحب کی گزارشات کے جواب میں ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی صاحب کا ایک طویل وضاحتی مضمون ہمیں اشاعت کے لئے موصول ہوا ہے۔ مضمون کے مندرجات کی اہمیت اور ڈاکٹر صاحب کی عالمانہ بحث کے باوجود ہم اس کی اشاعت سے معذور ہیں کیونکہ اس بحث کا دروازہ اب بند کیا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب۔ اپنی "منتقل" کے حق کا حوالہ دے کر اس کی اشاعت پر مصر ہیں مگر ہماری مجبوری یہ ہے کہ جواباً دوسروں کے اسی حق کے احترام میں اگر یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا تو اس کا خاتمہ کبھی نہ ہو سکے گا۔ یہ بحث برداشت کے کڑوے گھونٹ پی کر ہی ختم کی جا سکتی ہے۔ یہ تلخی دوسروں کو منتقل کرنے کے بجائے ڈاکٹر صاحب اپنے ہی قلم و ذہن تک محدود کر لیں' تو معاملہ آسانی سے نمٹایا جا سکتا ہے۔ ان کے جوابی مضمون کی ایک نقل ہم ڈاکٹر عزیر صاحب کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں۔ یہ دونوں ڈاکٹر صاحبان باہمی تبادلہ خیال یا مراسلت کے ذریعہ اپنا موقف ایک دوسرے پر واضح کر سکتے ہیں۔ قارئین نوٹ فرما لیں کہ اس سلسلہ میں اب کوئی مضمون تکبیر میں شائع نہیں ہوگا۔ (ادارہ)

ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب کی خدمت میں چند مؤدبانہ گزارشات

ڈاکٹر محمد عزیر

مکرمی جناب صلاح الدین صاحب مدیر تکبیر سلام مسنون۔

میرا مضمون اسلامی تاریخ نہیں ہے، بلکہ اقتصادیات اور انتظامیات ہے، لیکن میں ایک قاری بھی ہوں۔ تحقیق اور لکھنے سے مجھے بھی دلچسپی ہے اور یہ دلچسپی تقریباً چالیس سال سے ہے۔ تحقیق کرنے والوں اور لکھنے والوں کی رہنمائی اور تصحیح وغیرہ میرے فرائض منصبی میں شامل رہی ہے۔ میں بصد ادب ڈاکٹر سید رضوان علی صاحب کی خدمت میں چند گزارشات اور مشورے پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

غالباً ڈاکٹر رضوان علی صاحب کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ بقول خود عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ بلادِ عرب میں گزار کر اب پاکستان واپس آئے ہیں۔ بطور تفاخر وہ بار بار اس کا اظہار کرتے ہیں کہ گویا وہ اردو میں لکھنا اپنے مقام سے فروتر سمجھتے ہیں اور شاہ بلیغ الدین وغیرہ جیسے لوگوں کے مقابلہ میں وہ خود نہایت اعلیٰ سطح اور مقام بلند (پڑشال) پر کھڑے ہیں اور بدقسمتی سے اب عجمیوں اور کم علم حضرات سے واسطہ پڑ رہا ہے۔ میری دانست میں تفاخر کسی قسم کا ہو ایک عالم و محقق کے لئے زیبا نہیں ہے۔ اس طویل بحث کے بجائے اگر وہ ۲۸ ستمبر ۸۹ء والے شمارہ میں شائع شدہ چارٹ کی غلطیوں کی نشاندہی کے لئے اپنی دانست میں صحیح چارٹ مرتب کر کے مدیر تکبیر کو برائے اشاعت ارسال کر دیتے تو بہتر تھا۔ مذکورہ چارٹ کے پانچ اجزاء میں پہلے جزو "اہلِ بیت" کے مندرجات پر ڈاکٹر صاحب کو سب سے زیادہ اعتراض ہے۔ اتفاق سے اس چارٹ کے صرف پہلے جزو میں اس سرخی کے ساتھ ایک ذیلی سرخی "ازواجِ مطہرات" موجود ہے۔ اگر اس ذیلی سرخی کو اصل سرخی بنا دیا جاتا تو اس تصحیح کے بعد اعتراضات کا خاصا حصہ خود بخود ختم ہو جاتا اور طویل بحث کی ضرورت نہ پیش آتی اور ڈاکٹر صاحب "کم علموں" سے بحث کرنے سے بچ جاتے۔

(۱) ڈاکٹر صاحب بار بار بطور تفاخر یہ کہتے ہیں کہ وہ بلادِ عرب میں بہت طویل عرصہ تک مقیم رہے ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے ان کے پیش نظر پاکستان کے وہ معروضی حالات نہیں ہیں، جنہوں نے محمود احمد عباسی، شاہ بلیغ الدین اور اس قسم کے دیگر اصحاب کو اس طرف مائل یا مجبور کیا، وہ شیعت کے خلاف اس قدر متشددانہ موقف اختیار کر کے کتابیں لکھیں، جن کے متعدد ایڈیشن چھپے اور لوگوں میں اس قسم کی کتابوں کی مانگ بھی پیدا ہوئی۔ ان دو حضرات میں دو فرق ہیں، پہلا یہ کہ عباسی صاحب یزید کے نام کے ساتھ رضؓ استعمال کرتے ہیں اور شاہ صاحب ایسا نہیں کرتے، دوسرا فرق یہ کہ عباسی صاحب کا اندازِ تحریر اتنا دلچسپ نہیں، جتنا شاہ صاحب کا ہے۔ پاکستان کی تقریباً تینتالیس سالہ تاریخ میں پانچ حکمران شیعہ رہے ہیں۔ فوج اور بیوروکریسی میں بھی شیعہ حضرات خاصی اہمیت رکھتے ہیں اور سرکاری ذرائع ابلاغ میں بھی ان کا خاصا مقام ہے، پریس میں بھی اشتراکیت کے بھیس میں ان کا بڑا غلبہ ہے۔ واضح رہے کہ شیعہ عقیدہ کا حامل ہونا فی ذاتہٖ نہ عیب ہے نہ جرم۔ ایک پاکستانی کی حیثیت سے انہیں ملازمتوں اور مناصب کا حق پہنچتا ہے، لیکن ایک تو آبادی میں اپنے تناسب سے زیادہ اہمیت انہیں حاصل ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان میں بہت سے حضرات منظم طور پر سیاسی اور فرقہ وارانہ مفادات کے تحفظ کے لئے بہت سے ایسے کام کر گزرتے ہیں، جو ملکی مفاد کے خلاف ہوں۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ ملک کے دو لخت ہونے (۱۹۷۱ء) میں شیعہ اور قادیانی حضرات کا بہت ہاتھ تھا، چونکہ مشرقی پاکستان جہاں ملک کی چھپن فیصد آبادی تھی، وہاں شیعہ اور قادیانی حضرات کا وجود بمنزلہ صفر تھا۔ اب چھوٹے پاکستان میں ان کی عددی حیثیت بطور تناسب فیصد بڑھ گئی ہے۔ اسی طرح لوگوں کا خیال ہے کہ اسلامی نظامِ زندگی کے عملی نفاذ میں بھی یہ حضرات اپنی خرابی سمجھتے ہیں، چونکہ قانون سازی ظاہر ہے اکثریت کی فقہ کے مطابق ہوگی اور روزمرہ زندگی میں ان کی اقلیتی حیثیت کھل کر ظاہر ہو جائے گی۔ جدلیاتی فلسفہ میں دعویٰ (تھیسس) جوابِ دعویٰ (اینٹی تھیسس) اور آخری نتیجہ یا ہیئتِ ترکیبی (سِن تھیسس) ایک چیز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عباسی صاحب اور شاہ صاحب جیسے اصحاب کے پیشِ نظر یہ حکمتِ عملی ہو کہ غلو کے مقابلہ میں غلو سے کام لیا جائے، تاکہ عوام خود راہِ وسط یا درمیانی فکر اختیار کر لیں۔ باقی یہ بات درست ہے کہ عباسی صاحب اور شاہ صاحب میرے نزدیک اتنے بڑے محقق نہیں، جتنا کہ اس کام کے لئے ہونا چاہئے۔ یہ میں شاہ صاحب سے معذرت کے ساتھ عرض کر رہا ہوں، چونکہ ان سے میں متعارف اور واقف ہوں۔ پاکستان میں شیعت کے منظم پروپیگنڈا کا حال یہ ہے کہ سرکاری ذرائع ابلاغ کے ذریعہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے ناموں کے ساتھ رضؓ کی بجائے علیہ السلام استعمال کیا جاتا ہے، جو انبیاء اور رسل کے لئے مخصوص ہے۔ عام مسلمانوں کو رسول آخر ﷺ کے جملہ اعزہ اور اقرباء کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ پھر واقعۂ کربلا پر تاریخ رک سی جاتی ہے، یہ کچھ معلوم نہیں کہ حضرات زین العابدینؒ، حضرت زینبؓ اور بی بی سکینہ کا سانحۂ کربلا کے بعد کیا ہوا، ان کی زندگیاں کیسی گزریں، ان کی ذریت کا کیا ہوا۔ اولادِ علیؓ کے علاوہ دیگر اقرباء اور اعزہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ یہ صورتِ حال اہلِ علم کے لئے اطمینان بخش نہیں ہے۔

(۲) برصغیر ہندو پاک میں کچھ ایسی صورتِ حال ہے کہ اربابِ تصوف، بریلوی مسلک کے حضرات، شیعہ حضرات، ان سب میں اطاعتِ رسول ﷺ کے علاوہ بلکہ بعض اوقات اس سے زیادہ شخصیت پرستی مشترک ہے اور اس کے لئے وہ یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو تقریباً فوق البشر بنائیں اور ان سے اپنا رشتہ جوڑیں ورنہ ان کا کوئی موقف (فوکس اسٹینڈ بائی) قائم نہیں رہتا۔ یہی مسئلہ ان سنی حضرات کا ہے، جو اپنے ناموں کے ساتھ "سید" کا سابقہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ سید سے ان کی مراد غالباً یہ ہے کہ وہ براہِ راست اولادِ رسول ﷺ میں شامل ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس فوقیت کی تشہیر کیا ضروری ہے، سوائے اس کے کہ وہ باقی مسلمانوں سے افضل ہیں اور باقی مسلمان گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔ اعلان حجۃ الوداع کے بعد نسلی اور نسبی تفریق و تفاخر کا اظہار مناسب نہیں معلوم ہوتا، چنانچہ دیگر اسلامی ممالک میں کوئی ایسا نہیں کرتا۔ معاملہ یہ ہے کہ ہندو معاشرہ میں چار ذاتیں ہیں، برہمن، کشتری، ویش اور شودر۔ ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں نے بھی اسی طرح چار ذاتیں بنالیں۔ سید، شیخ، مغل، پٹھان۔ پھر جس طرح ہندوؤں میں برہمنوں نے اپنے لئے ایک فوق البشر مقام حاصل کر لیا اسی طرح مسلمانوں میں سیدوں نے اپنے لئے مقامِ بلند حاصل کر لیا اور چونکہ اولادِ رسول ﷺ میں شامل ہونے کا دعویٰ ہے، اس لئے لامحالہ حضرت علیؓ سے رشتہ جوڑنا پڑتا ہے اور ان کو بھی فوق البشر کا مقام دینا پڑتا ہے۔ چنانچہ اربابِ تصوف، بریلوی حضرات، شیعہ حضرات اور سنی سید حضرات سب حضرت علیؓ کو فوق البشر ثابت کرتے ہیں۔ یہ ان کی منطقی ضرورت بھی ہے اور نفسیاتی مجبوری بھی۔ مجھے اس رویّے سے اتفاق نہیں، چنانچہ روایت سے بغاوت کر کے صرف دو الفاظ پر مشتمل سیدھا سادھا نام رکھا ورنہ میرے عم زاد سید رئیس احمد جعفری بھی تھے، جنہوں نے نہج البلاغہ کا ترجمہ بھی کیا۔ ناموں میں سابقوں اور لاحقوں کا رواج مجھے پسند نہیں۔

(۳) بحث کے دوران ڈاکٹر رضوان علی صاحب نے شاہ بلیغ الدین کے جواب میں شاہ صاحب کو بھی برا بھلا کہا ہے اور تحقیر بھی کی ہے، جو ایک عالم کی شان کے خلاف ہے۔ "عوامی مقرر"، "مناظر و باز" وغیرہ کے فقروں کے علاوہ کئی بار یہ طنز بھی کیا ہے کہ اگر انہوں نے ڈاکٹریٹ کی ہوتی تو انہیں تحقیق کرنا آتا۔ غالباً ڈاکٹر صاحب کو پاکستان کے کوائف معلوم نہیں۔ پاکستانی جامعات میں نہ معلوم کتنے ڈاکٹریٹ کے حامل حضرات موجود ہیں، جنہوں نے سرے سے کوئی تحقیق کی ہی نہیں۔ ڈاکٹریٹ کی صحیح تربیت اور ٹریننگ تو امریکہ کی چوٹی کی پندرہ بیس جامعات کے علاوہ عموماً کہیں نہیں ہوتی۔ ایک جگہ تو جوش میں ڈاکٹر صاحب یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ معلوم نہیں شاہ صاحب نے کس طرح کراچی یونیورسٹی سے ایم اے کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کو خیال نہیں رہا کہ یونیورسٹی کا ڈاکٹر کے انہوں نے کراچی یونیورسٹی پر بھی تنقید کر دی کہ غلط شخص کو ڈگری دے دی۔ وہ تو کہیئے کہ کراچی

باقی صفحہ نمبر ۱۳۲ پر

ضمیمہ خصوصی

پُرخلوص دعاؤں اور ہدیۂ تہنیت کے ساتھ:

کُل عالم اسلام کے مُتفقہ عُلماء

حمایت کنندگان برائے ترویج و نفاذِ شریعت بل

منجانب: ناشرانِ مجموعۂ اشاعت کراچی

اسلامی جمہوریہ پاکستان

انتخابی عذرداری ـ جائزہ

قومی انتخاب ۱۹۸۸ء میں سیٹ کے چکر میں اپنے مذہب کی بازی کو داؤ پر لگانے والے آغاخانیوں کی کہانی

عدالتی ریکارڈ کی زبانی۔

(اردو ترجمہ)

الیکشن اپیل سنہ ۱۹۸۸ء

مدعا علیہ نمبر ۲ کی طرف سے جوابی حلف نامہ میں مسمی غلام علی الانہ ولد پیار علی الانہ، مسلم، عاقل و بالغ ساکن کراچی حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ:۔

۱۔ میں مذکورہ معاملہ میں مدعا علیہ نمبر ۲ ہوں اور اس مقدمہ کے مضمرات سے بخوبی واقف ہوں۔

۲۔ مجھے اپیل کنندہ کے الزامات کا علم ہوا ہے اور میں بیان دیتا ہوں کہ یہ الزامات سراسر غلط بے بنیاد اور شر انگیز ہیں اور ان میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے

۳۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اور تمام شیعہ امامی اسمٰعیلی مسلمان ہیں اور کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اُس میں مذکور توحید پر ایمان رکھتے ہیں محمد مصطفٰےؐ کو اللہ کا آخری نبی مانتے ہیں اور یہ بھی کہ اسلام اللہ کا سچا آخری دین ہے جو کہ قرآن کی ہدایت کی صورت میں انسانوں پر نازل کیا گیا ہے لہٰذا یہ کہ شیعہ نظریات، تاریخ اور روایات کے مطابق محمد مصطفٰےؐ (صلعم) نے اپنے داماد اور چچازاد بھائی مولا حضرت علیؑ مرتضٰی کو مقرر کیا اور نامزد کیا تاکہ وہ اللہ کے پیغام کو پھیلانے اور پھیلانے کا کام کو جاری رکھیں اور ان کو پہلا امام بنایا۔ محمد مصطفٰےؐ نے اعلان فرمایا تھا کہ امامت وراثت میں علی مرتضٰیؑ اور بی بی فاطمہ زہرہ خاتون جنت کی نسل سے جاری رہے گی۔

امامت کی وراثت "نص" NAAS کے اصول پر جاری رہے گی۔ امام وقت کا قطعی اختیار ہے کہ وہ اپنی نرینہ اولادوں میں کسی کو امام مقرر کر دے۔ موجودہ حاضر امام شاہ کریم الحسینی ہز ہائی نس پرنس کریم آغا خان۔ محمدؐ کے سلسلے سے ہیں اور ان کا براہ راست نسب اسمٰعیلی اماموں کے اہلبیت سے ملتا ہے اور یہ شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کے ۴۹ (انچاسویں) امام ہیں۔ شیعہ توجیہات اور روایات کے مطابق اسمٰعیلی امام اپنے شیعہ امامی اسمٰعیلیوں کو ہمیشہ ہدایات دیتے رہتے ہیں کہ وہ اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کریں۔ میں حلفیہ اقرار کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی ارکان اسلام پر یقین رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں اور تمام کلموں پر بھی شیعان علی کے طریقوں پر یقین رکھتے ہیں۔

۴۔ میں مزید اقرار کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی اسلام پر یقین رکھتے ہیں وہ اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کی طرح قرآن نماز، روزہ، زکوٰۃ اور جہاد پر ایمان رکھتے ہیں اور ان پر شیعہ فقہ کے مطابق وقت کے امام کے احکام کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ تمام اختلافی باتیں جو اپیل میں بیان کی گئی ہیں غلط شر انگیز اور برافروختہ کرنے والی ہیں

۵۔ میں مزید اقرار کرتا ہوں کہ (۱) دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان کی آرٹیکل ۲۶۰ (A) اور (B) میں مسلم اور غیر مسلم کا فرق واضح کر دیا گیا ہے۔ (۲) دستور میں اور تمام قانونی دستاویزات میں مسلم کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے کہ:۔

(A) مسلمان وہ ہے جو اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتا ہے محمدؐ کی قطعی اور آخری نبوت پر ایمان رکھتا ہو اور کسی بھی ایسے شخص یا ہدایت کنندہ کو نبی نہ مانتا ہوں جو ایسا کوئی دعویٰ کسی بھی انداز میں کرتا ہو اور

(B) غیر مسلم سے مراد وہ سبھی ہیں جو عیسائی، ہندو، بدھ سکھ یا پارسی برادری سے تعلق رکھتا ہو یا قادیانی یا لاہوری گروپ سے ہو۔ جو اپنے آپ کو احمدی یا کچھ اور کہتے ہوں یا پھر بہائی ہو یا شیڈول کاسٹ کا کوئی شخص ہو۔

۶۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ پاکستان کی تاریخ میں کبھی پارلیمنٹ نے ایسا کوئی قانون منظور کیا ہے اور نہ پاکستان کی کسی حکومت یا عدالت نے مجھے یا میری برادری کو غیر مسلم تسلیم نہیں کیا ہے۔

۷۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ چیف الیکشن کمشنر کی طرف سے شائع کردہ ووٹر لسٹ میں میرا نام بحیثیت ایک مسلم ووٹر کے درج ہے اور اسی کی بنیاد پر سندھ کی صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے کا پورا استحقاق رکھتا ہوں جو کہ میرا دستوری حق ہے اور جو مجھے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور نے عطا کیا ہے۔

باقی صفحہ نمبر ۱۳۶ کالم ۳ پر

حکم نامہ

روبرو مسٹر جسٹس سعید الزماں صدیقی الیکشن اپیل ٹربیونل (کراچی ایسٹ) **عدالت عالیہ سندھ کراچی۔**

الیکشن اپیل نمبر ۲، ایسٹ / ۸۸

حاجی قاضی قادری محمد سبحان ــــــــ اعتراض کنندہ

مقابل

(۱) ریٹرننگ آفیسر ۹۱ - S کراچی شرقی ــــ مدعا علیہان

(۲) غلام علی الانہ ــــــــ

نمبر شمار (۱) حکم نامہ جج کے دستخطوں سے جاری ہوا

۸۸ - ۱۰ - ۲۲

یہ حکم نامہ مذکورہ بالا تینوں اپیلوں پر جاری ہے جو کہ غلام علی الانہ امیدوار صوبائی اسمبلی حلقہ نمبر ۹۱ - پی ایس کے کاغذات نامزدگی کی منظوری کے خلاف دائر کی گئی ہیں مندرجہ بالا معترض اور معترض علیہان بشمول غلام علی اور محمد اسلم نے سندھ صوبائی اسمبلی کے منعقد ہونے والے انتخابات میں بحیثیت امیدوار اپنے کاغذات نامزدگی داخل کئے تھے اس حلقہ کے ریٹرننگ آفیسر نے تمام امیدواروں کے کاغذات نامزدگی منظور کر لئے تھے۔ معترض نے تمام مدعا علیہان کی درخواستوں کی منظوری کے خلاف اپیل درخواست گزاری ہے اور ان کے کاغذات نامزدگی کو چیلنج کیا ہے۔ درخواست گزار کے لائق وکیل شفیق صدیقی نے واضح طور پر میرے روبرو اپنا موقف بیان کیا ہے کہ مذکورہ مدعا علیہان اسمعیلی ہیں۔ وہ نہ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں نہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں نہ حج کرتے ہیں اور نہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔

وہ اسمٰعیلی ہیں اس لئے جہاد پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں بر مستزاد یہ کہ ان کا کلمہ بھی مختلف ہے۔ مذکورہ تمام الزامات کی مد میں طبع شدہ مواد پیش کیا گیا جو کہ اسمٰعیلی نظریات پر مبنی تھا اور اس کی فوٹو کاپیاں اپیل کے ساتھ منسلک کی گئیں اسی بنیاد پر مدعا علیہان کے بارے میں یہ موقف بیان کیا گیا ہے شدید بحث کی گئی ہے کہ وہ لوگ عام

طور پر ایسے نہیں ہیں جو کہ اسلامی اصولوں سے صرف انحراف کرنے والے تصور کئے جاتے ہیں اور اسی بنیاد پر ان کو مسلم نشست پر انتخاب لڑنے سے باز رکھا جائے۔ مذکورہ بالا الزامات کے جواب میں مدعا علیہان نے جوابی حلف نامہ داخل کیا ہے جس میں انہوں نے مذکورہ تمام الزامات سے انکار کیا ہے اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اور تمام شیعہ امامی اسمٰعیلی مسلمان ہیں اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو دل سے تسلیم کرتے ہیں کلمہ میں مذکور توحید پر یقین رکھتے ہیں اور حضرت محمد مصطفٰے رسول اللہ کا آخری نبی تسلیم کرتے ہیں اور قرآن کو بندوں کے لئے اللہ کی آخری پیغام اور کتاب تصور کرتے ہیں۔ اور شیعہ نظریات اور تاریخ کے مطابق یہ ایمان رکھتے ہیں کہ محمدؐ نے اپنے چچا زاد بھائی اور داماد حضرت مولانا علی مرتضٰی امیر المومنین علیہ السلام کو وصیت کی اور نامزد کیا تھا کہ وہ پہلے امام ہوں تاکہ وہ قرآن کی تعلیمات کو اور ان کی تشریحات کو جاری رکھیں اور یہ کہ امامت علیؑ اور حضرت بی بی فاطمۃ الزہرہ خاتون جنت کی اولاد میں وراثت خاندانی میں سلسلہ وار جاری رہے گی اور یہ سلسلہ روایتی طور پر پہلے امام سے جاری ہے کہ وہ اپنے فرزند بیٹوں میں سے اپنا وارث اور امام نامزد کرے۔ حاضر امام شاہ کریم الحسینی ہز ہائی نس پرنس کریم آغا خان جن کا براہ راست نسلی رشتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور اسمٰعیلی اماموں کے سلسلے میں شیعہ امامی اسمٰعیلی مسلمانوں کے ۴۹ (انچاسویں) امام ہیں۔ شیعہ نظریات کے مطابق اسمٰعیلیہ اماموں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں (پیروکاروں کو) اسلام کی تعلیم دیں اور اس کے بنیادی اصولوں پر عمل کی تاکید کریں۔ میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی اسلام کے بنیادی ارکان پر عمل کرتے ہیں تمام کلموں کو بالکل اسی طرح مانتے ہیں جس طرح شیعان علی تسلیم کرتے ہیں کہ۔

۴:۔ میں مزید یہ کہتا ہوں اور تصدیق کرتا ہوں کہ اسمٰعیلی اپنے اسلامی عقائد پر دیگر مسلمان بھائیوں کی طرح بالکل اسی طرح یقین کرتے ہیں۔ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور شیعہ فقہ کے مطابق روزہ، نماز، زکوٰۃ اور جہاد کو بھی اپنے وقت کے شیعہ اماموں کے احکام کے مطابق تسلیم کرتے ہیں۔ اپیل میں جن اعتراضات کو اٹھایا گیا ہے وہ سب کے سب غلط اور شر انگیز ہیں۔

مدعا علیہان کے مذکورہ بالا حلفیہ بیان کی بنیاد پر اُن کو پیپلز ایکٹ ۱۹۷۶ کے تحت الیکشن میں حصہ لینے سے نہیں روکا جا سکتا کیونکہ امیدواری کی بنیادی شرط دستوری طور پر وہ پوری کرتے ہیں۔ اپیل کنندہ نے جو نکتہ اٹھایا ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے خاص طور پر اس مرحلے پر کیونکہ اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ مدعا علیہان کے نام ووٹروں کی لسٹ میں بطور مسلم درج ہیں اور مدعا علیہان کے خلاف اسلام بات کا ثبوت پیش نہیں کیا جا سکا (ریٹرننگ آفیسر کے روبرو) جب ایکٹ کے سیکشن ۱۴ کے تحت کاغذات نامزدگی کی چھان بین کی جا رہی تھی میری رائے میں اُس محدود دائرے میں کہ جس کا زیر سیکشن ۱۴ تعین کرتا ہے اپیل ہذا کا کوئی فیصلہ ریٹرننگ آفیسر کے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے اپیل کنندگان کے لئے کچھ نہیں کیا جا سکتا اور اس سلسلے میں سیکشن ۷۸ بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے کوئی بھی وجہ نظر نہیں آتی کہ میں ریٹرننگ آفیسر کے فیصلے میں کوئی مداخلت کروں۔

لہٰذا یہ اپیل خارج کی جاتی ہے۔

کراچی (دستخط)

مورخہ ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۸ء جج

تصدیق شدہ کاپی فراہم کی گئی ۸۸-۱۰-۲۲

دستخط

سید ناصر عباس

اسسٹنٹ رجسٹرار

الیکشن ٹریبونل سندھ

کراچی۔ فون نمبر ۵۲۴۳۷۶

صفحہ نمبر ۱۳۵ کالم ۲ کا باقی حصہ

اس لئے انصاف کے نام پر اس قابل احترام عدالت سے درخواست ہے کہ وہ اس اپیل کو خارج کرے اور اخراجات دلوائے۔

جو کچھ میں نے بیان کیا ہے وہ ہر لحاظ سے صحیح ہے اور میری تمام تر معلومات کی بنا پر درست ہے۔

کراچی

مورخہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۸۸ء

دستخط (غلام علی الانہ)

حلفیہ تحریری بیان دینے والا

اور تہجد کے نوافل بھی ادا کرتے ہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ بندگی کا حق ادا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اور اپنی عبادت زیادہ بہتر بنانے کے لئے حسب توفیق ہم توبہ استغفار اور درود شریف کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ خدا کی مخلوق کی خدمت میں ہم اپنی نجات تصور کرتے ہیں۔ اے میری قوم کے لوگو! متوجہ ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ایک حکم [illegible] بھی کادی کافر ہو جاتا ہے۔ اور نماز کا حکم قرآن اور حدیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے اور صحابہ کرامؓ اور اہل بیت نے اس پر مسلسل عمل کیا ہے۔ لفظ صلوٰۃ کے وہی معنی ہیں جو آج تک دنیا بھر کے مسلمان رسولؐ کے طریقے کے مطابق ایک مخصوص ہیئت، الفاظ اور ترتیب سے ادا کرتے ہیں۔ اگر صلوٰۃ کے معنی تبدیل [illegible] [illegible] اصل اور غیر شرعی عمل کے لئے [illegible] جو ہماری قوم [illegible] مبلغوں (مشنری) اکابرین جماعت کے گمراہ کن و غلط [illegible] نماز کی بجائے تین وقت کی دعا ادا کرتی ہے تو وہ غلط [illegible] پرنس کریم آغا خان صاحب نے پہلی اکتوبر ۱۹۸۳ء کو [illegible] میں جماعت خانہ میں عید الفطر کی نماز کیا دعا، یا نماز تھی یا دعا؟ اسی طرح آج بھی جماعت خانوں سے ملحقہ میدانوں میں عید کے موقعوں پر جو عمل ادا کیا جاتا ہے اور کہیں کہیں جو کہ بھی نامدار صاحب کی ہدایت پر بھی یہ عمل کیا جاتا ہے کیا وہ دعا ہے یا نماز؟ یقیناً نماز ہی ہے۔ دعا تو کبھی نامدار صاحب نے حکم جاری نہیں دیا۔ اور وہ غلط کیا تھا جس کو ادا کرتے ہوئے حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے؟ وہ غلط کیا تھا جس کو کثرت سے ادا کرنے کی بنا پر حضرت زین العابدینؓ اور حضرت امام جعفر صادقؓ مشہور ہیں؟ کیونکہ صلوٰۃ یہ دعا ہے جو آج ہمارے مبلغ (مشنری) اور اکابرین نے ہمیں بتائی ہے؟ اور وہ غلط کیا ہے جو ہمارے [illegible] اور کراچی کی مساجد میں نامدار پرنس کریم آغا خان صاحب نے اپنے [illegible] کے ساتھ ادا کیا؟ یقیناً وہ نماز کا عمل تھا دعا نہیں۔ اسی طرح وہ غلط بھی یاد رکھنا چاہیے جو سر سلطان محمد شاہ آغا خان صاحب نے [illegible] (غیر منقسم پنجاب) کی جامع مسجد کی آخری صف میں کھڑے ہو کر ایک عاجز بندے کی طرح اپنے معبود حقیقی کے سامنے ادا کیا یہ عمل بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جب ان کے فرزند سر سلطان محمد شاہ آغا خان صاحب نے اور پرنس کریم آغا خان صاحب نے [illegible] میں ادا کی۔ یہ عمل نماز کا ہی ہے جس کی ان حضرات نے تاکید فرمائی۔ اے میری قوم کے لوگو سنو! یہ مبلغ (مشنری) اکابرین اور [illegible] سے گمراہ [illegible] خود بھی گمراہ کرنے [illegible] ہیں اور پوری جماعت کو بھی گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں! یہ چودھویں صدی کے مبلغ (مشنری) اور [illegible] جماعت کو فریب دے رہے ہیں کہ نماز پڑھنا اہل شریعت کا کام ہے [illegible] تو حقیقی مومن ہیں مقام معرفت میں ہیں [illegible]

باقی صفحہ نمبر ۱۵۶ ا پر

جسارت: صفحہ نمبر ۱۴۸ کا باقی حصہ

کرسکتے ہیں اور نماز تراویح باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں تاکہ ہم حق ہونے سے بچیں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی رحمتوں اور برکتوں کا قرب حاصل ہو۔ ہم ہم چونکہ صاحب حیثیت ہیں وہ سال میں ایک بار زکوٰۃ تسلیم کر کے اپنے مال کا چالیسواں حصہ یعنی سو روپیہ پر ڈھائی روپیہ غریب اور مستحق لوگوں کو ادا کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں جب حج فرض ہے بیت اللہ شریف کا ادا کرتے ہیں وما توفیقی الا باللہ۔ جیسے اکثر دیگر حقیقی مومن حاصل کرنے کے لئے اشراق، چاشت، اوابین

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

روزنامہ جنگ کراچی

137

جماعت خانوں میں نماز سے روکنے کیخلاف حکم امتناعی کیلئے درخواست خارج

[illegible]

"میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ کوئی شخص بیک وقت کس طرح خالص مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور آغا خانی بھی!" سید عبدالرحمٰن جج

مورخہ ۹ اگست سنہ ۹۰ء

آغاخانی جماعت خانوں میں اذان اور نماز کے زیر سماعت مقدمہ میں عارضی حکم امتناعی کی درخواست پر

[redacted] سندھ ہائی کورٹ کے جج کا فیصلہ [redacted]

[redacted] اکبر علی غلام حسین (مدعیان) ... بنام ... وزیر عاشق علی ایچ حسین (مدعا علیہان) [redacted]

حکمنامہ: عدالتِ عالیہ سندھ کراچی مقدمہ نمبر 331/1966 مورخہ ۹۰-5-6

• جناب محمد اختر حسین ایڈووکیٹ اور • جناب مظفر الحق ایڈووکیٹ .... (برائے مدعیان)

• جناب جے ایچ رحمت اللہ ایڈووکیٹ اور • جناب کبیر الدین ایڈووکیٹ .... (برائے مدعا علیہان)

حکم سی ایم - اے نمبر 2663/1986

۱. یہ ایک درخواست ہے جو حکم نمبر ۳۹ رول ۱ اور ۲ ہمراہ سیکشن ۱۵۱ سی پی سی کے تحت داخل کی گئی ہے۔ جس میں عارضی حکم امتناعی جاری کیا جائے جس کے تحت مدعا علیہان کو منع کیا جائے کہ وہ مدعیان کو جماعت خانہ میں باجماعت یا بلاجماعت نماز ادا کرنے سے روکیں اور نہ ہی ان کو اس مقدمہ کے فیصلہ ہونے تک جماعت خانے میں داخلہ سے منع کریں۔

۲. مدعیان اسمٰعیلی آغاخانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی درخواست سے عیاں ہے وہ اپنی آغاخانی اسمٰعیلی برادری میں پائی جانے والی ترمیم شدہ رسومات و عقائد کو نہیں اختیار کرنا چاہتے بلکہ خالص اور بنیادی اسلامی طرز و طریقہ اختیار کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی آغاخانی برادری سے وابستگی بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شخص حقیقی اسلامی اقدار کو بھی اپنائے اور ساتھ ہی ساتھ اسمٰعیلی آغاخانی بھی ہو۔ مدعیان کی توکیل اور کافی ضخیم مواد جو فراہم کیا گیا ہے اسی منطقی نتیجہ پر پہنچاتا ہے آیا یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ چل سکتی ہیں یا نہیں، اس کا تصفیہ تو زیر نظر معاملے کے فیصلے کے بعد ہی ہو گا۔ جناب جے ایچ رحیم تو نے جو مدعا علیہان کے وکیل ہیں اور خود بھی آغاخانی ہیں بڑی فراست سے اس حساس موضوع کو زیر بحث لانے سے گریز کیا ہے اور یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ جماعت خانے آغاخان کی ذاتی ملکیت ہیں اور آغاخان کو اس بات کا پورا پورا اختیار اور حق حاصل ہے وہ اس کا جس طرح چاہیں انتظام و انصرام کریں، ان میں داخل ہونے پر پابندی لگائیں مزید یہ کہ وہاں پر کسی قسم کی مداخلت سے مسائل پیدا ہوں گے جن سے مدعا علیہان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا اور سخت مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔

۳. میں نے دونوں جانب کے وکلاء صاحبان کی بحث و دلائل کو بہت توجہ اور غور سے سنا ہے میرے خیال میں یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس مرحلے پر اس کا کوئی آزمائشی نتیجہ برآمد کر لیا جائے۔ فی الحال تو میرے پیش نظر یہ ہے کہ آیا مدعیان کی کوئی عارضی دادرسی کر دی جائے میرے اندازوں کے مطابق مدعیان کی عارضی دادرسی نہیں کی جانی چاہئے۔ اگر یہ قبول کر لیا جا[ئے] کہ مدعیان کا بادی النظر میں مقدمہ کرنے کا ارادہ ہے تو ناقابلِ تلافی نقصان مدعا علیہان کو پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ یہ فیصلہ ایک [...] عدہ کارروائی سے قبل کسی طور بھی مناسب نہیں ہو گا۔ انصاف پر مبنی نہیں ہو گا۔ درخواست میں کی گئی مختلف استدعاؤں سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے۔

اس لئے میں اس مقدمہ نمبر C.M.A No. 2663/1986 کو خارج کرتا ہوں۔

دستخط [redacted]
سید عبدالرحمٰن۔ جج
9-8-1990

آغاخانی اسماعیلی برادری میں پائی جانے والی ترمیم شدہ رسومات وعقائد

ماخوذ بشکریہ: ہفت روزہ پاک پنجاب (اشاعت ۸ تا ۱۵ اگست ۹۰ء) مقام اشاعت، رؤف مارکیٹ اوکاڑہ | پاک پنجاب | ہفت روزہ ختم نبوت کراچی جلد ۵ شمارہ ۴۳ (۱۶ اپریل ۱۹۸۷ء) | ہفت روزہ تکبیر کراچی جلد نمبر ۱۰ شمارہ ۸ اشاعت ۲۵ فروری ۱۹۸۸ء | پندرہ روزہ اسٹوڈیو لاہور (جلد ۷ شمارہ ۱۸) ستمبر ۱۹۸۵ء

مَوْلَانَا شَاہ کَرِیْمُ الْحُسَیْنِیْ اَلْاِمَامُ الْحَاضِرُ الْمَوْجُوْدُ اِرْحَمْنَا وَاغْفِرْلَنَا

دی ایچ. آر. ایچ پرنس آغاخان فیڈرل کونسل برائے پاکستان

ریلیجس (مذہبی کمیٹی) نیو جماعت خانہ۔ برینٹو روڈ۔ کراچی ۳

آغاخانی مذہبی عبادات کا پیغام

حقیقی مومنوں کو یاعلی مدد!

بیان یہ ہے کہ ہم لوگ آغاخانی ہیں۔ ہمارا تعلق اسماعیلی تنظیم سے ہے جس کی ذمہ داری لوگوں کو مذہبی معلومات فراہم کرنا ہے۔ ہمیں جماعت خانوں میں مکھی صاحب کی زیر سرپرستی جو مذہبی تعلیم دی جاتی ہے، اس کی روشنی میں ہم آغاخانی بندگی عبادت جو جماعت خانوں میں کرتے ہیں اس کی وضاحتی تفصیل ہم تحریر کر رہے ہیں۔

- سلام ہمارا ہے "یاعلی مدد" اور ہمارے سلام کا جواب ہے "مولا علی مدد"۔
- کلمہ ہمارا ہے: اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمد رسول اللّٰہ واشھد ان علی اللّٰہ
- وضو کی ہمیں ضرورت نہیں، اس لئے کہ ہمارے دل کا وضو ہوتا ہے۔
- نماز کی جگہ ہر آغاخانی پر فرض ہے تین وقت کی دعا جو جماعت خانے میں آکے پڑھے، پانچ وقت فرض نماز کے بدلے میں۔ ہماری دعا میں قیام اور کوع کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں قبلہ رخ کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ہر سمت رخ کر کے پڑھ سکتے ہیں جس کیلئے دعا میں حاضر امام کا تصور لانا بہت ضروری ہے (ہم دعا کی کتاب اس پیغام کے ساتھ بھیج رہے ہیں۔ آپ خود بھی پڑھیں اور دوسرے روحانی بھائیوں کو بھی دیں)
- روزہ تو اصل میں آنکھ، کان اور زبان کا ہوتا ہے۔ کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ہمارا روزہ سوا پہر کا ہوتا ہے جو صبح دس بجے کھول لیا جاتا ہے۔ وہ بھی اگر مومن رکھنا چاہے ورنہ روزہ فرض نہیں ہے۔ البتہ سال بھر میں جس مہینے کا چاند جب بھی جمعے کے روز کا ہو گا اس دن ہم روزہ رکھتے ہیں۔
- زکوٰۃ کی بجائے ہم آمدنی پر روپیہ پر دو آنہ (دسوند) ہم فرض سمجھ کر جماعت خانے میں دیتے ہیں۔
- حج ہمارا حاضر امام کا دیدار ہے (وہ اس لئے کہ زمین پر خدا کا روپ صرف حاضر امام ہے)
- ہمارے پاس تو جیتا جاگتا قرآن یعنی حاضر امام موجود ہے۔ مسلمانوں کے پاس تو خالی کتاب ہے۔
- ہمارے صبح و شام تک کے گناہ مکھی صاحب چھینٹا ڈال کر معاف کرتے ہیں ہم پر۔ سے اگر کوئی آدمی روز جماعت خانہ جا نہ سکے تو جمعہ کے روز چھینٹا ڈلوا کر آب شفا (گھٹ پٹ) پی کر اپنے گناہ معاف کرا سکتا ہے اور اگر کوئی جمعے کے روز بھی جماعت خانہ نہ جا سکے تو مہینہ بھر کے گناہ چاندرات کو پیسے دے کر چھینٹا ڈلوا کر آب شفا (گھٹ پٹ) پی کر گناہ معاف کرا سکتا ہے۔
- ہماری بندگی عبادت کا طریقہ یہ ہے کہ:

حاضر امام ہمیں ایک بول اسم اعظم دیتے ہیں جس کے عوض ہم ۵، روپے ادا کرتے ہیں جس کی بندگی عبادت ہم رات کے آخری حصے میں ادا کرتے ہیں۔ ۵ سال کی بندگی عبادت معاف کرانے کے ہم ۵ سو روپے اور ۱۲ سال کی بندگی عبادت معاف کرانے کے ۱۲ سو روپے اور لائف ممبر (پوری لائف عمر) کی بندگی معاف کرانے کے ۵ ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں۔ نورانی حاضر امام کے نور کو حاصل کرنے کے لئے ۱، ہزار روپے ہم جماعت خانوں میں دیتے ہیں جس سے ہمیں حاضر امام کا نور حاصل ہوتا ہے۔ فدائین، قیامت کے روز حاضر امام سے ہم اپنے آپ کو بخشوانے (یعنی حاضر امام کے نور کے ساتھ اپنے نور کو ملانے جانے کا خرچہ پچیس ہزار روپیہ ہم جماعت خانے میں دیتے ہیں۔ **نانڈی**، ہم نانڈی خیرات کو کہتے ہیں۔ ہمارے گھروں میں بہترین قسم کے پکنے والے کھانے، عمدہ قسم کے کپڑے، زیورات ہم جماعت خانوں میں خیرات نانڈی دیتے ہیں۔ جماعت خانے والے اس نانڈی کو نیلام کر کے اس کی رقم جماعت خانے میں جمع کر دیتے ہیں۔

ایک اہم وضاحت کرنا بہت ضروری ہے کہ: ہمارا مذہب صدیوں پرانا ہے۔ آج تک اس پر کسی نے تنقید نہیں کی۔ اگر ہمارا مذہب غلط ہوتا تو کب کا ختم ہو جاتا۔ اب اگر مسلمانوں کو یا ان کے علماء کو ہمارے مذہب میں کوئی خامی نظر آتی ہے یا کوئی اعتراض ہے تو وہ ہمارے عہدیداران برائے ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغاخان فیڈرل کونسل برائے پاکستان سے وضاحت کیوں طلب نہیں کرتے؟ مسلمانوں کے علماء بھی تنقید کرتے ہیں لیکن ہمارے حاضر امام سے وضاحت طلب کرنے میں کیوں ہچکچاتے ہیں؟ کیا وہ ہمارے حاضر امام سے ڈرتے ہیں؟ صدیوں سے مسلمانوں کے علماء نے ہمارے مذہب پر کبھی تنقید نہیں کی تو یہ پندرھویں صدی کے علماء آخر کہاں سے بیدار ہو کر ہم پر تنقید کرنے لگے؟ ہر دور میں حکومت وقت کی تائید ہمیں حاصل رہی ہے۔ بس یہی ہمارے مذہب کے برحق ہونے کی حقیقت ہے۔

حقیقی مومنو! تم لوگ اپنے مذہب پر ثابت قدم رہو اگر تم سچے ہو۔ دنیا میں تو اس طرح کے فتنے اور الزامات تو آتے جاتے رہتے ہیں مگر ہماری دعا ہے کہ ہمیں اور آپ کو خود مولانا حاضر امام سکھی اور آباد رکھے اور اس کا دیدار نصیب ہو (آمین)

آخری کلمہ: یاشاہ کریم الحسینی انت الامام الحاضر الموجود (سجود) اَللّٰھُمَّ لَکَ سُجُوْدِیْ وَطَاعَتِیْ

نوٹ: اس پیغام کی نقل سارے جماعت خانوں کو روانہ کر دی گئی ہیں۔

فقط عاشق علی (پریذیڈنٹ)
دی ایچ آر ایچ پرنس آغاخان نیشنل کونسل برائے پاکستان
ریلیجس (مذہبی کمیٹی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ سورۃ النساء

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝ یٰس

ہم یقیناً ایک روز مردوں کو زندہ کرنے والے ہیں، جو کچھ افعال انہوں نے کیے ہیں وہ سب ہم لکھتے جا رہے ہیں، اور جو کچھ آثار انہوں نے پیچھے چھوڑے ہیں وہ بھی ہم ثبت کر رہے ہیں۔ ہر چیز کو ہم نے ایک کھلی کتاب میں درج کر رکھا ہے

الجواب:

الحمد للہ ہم اپنے سابقہ گمراہ کن اور غلط عقائد سے تائب ہو کر اسلام کے صحیح عقیدہ پر راغب ہو گئے ہیں۔ اب ہم مسلم، قوم ہماری اسماعیلی، دین ہمارا اسلام، وطن ہمارا پاکستان، ہم اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی آخری کتاب قرآن کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کو راہ نجات تسلیم کرتے ہیں، ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں، اہل بیت اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے فرامین کو مانتے چلے آئے ہیں انہیں دینی عقائد کی اصلاح کے لئے اسلام نے درج ذیل تعلیم دی ہے۔

• ہمارا ابدی کلام واسم "الاعلٰی" مکمل ہوتا ہے "سبحان ربی الاعلٰی" سے

• "یا اللہ مدد" ہمیشہ ہم اپنی مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

• السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہمارا سلام ہے اور اس کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہمارا کلمہ ہے۔ ہم سنت رسولؐ کے عین مطابق وضو اور غسل سے پاک ہوتے ہیں جس سے ہمیں طہارت حاصل ہوتی ہے۔ قبلہ رخ کرکے نماز پنج وقتہ ہم اذان دیئے جانے پر باجماعت سنت رسول کے مطابق مقررہ وقت پر ادا کرتے ہیں نماز ہم اللہ کو حاضر و ناظر جان کر قیام رکوع، سجدہ اور قعدہ کی ترتیب سے ادا کرتے ہیں کیونکہ نماز کی ادائیگی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ سجدہ کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہم سال بھر میں ماہ رمضان کے روزے سنت رسولؐ کے مطابق فرض سمجھ کر رکھتے ہیں۔ اور نماز تراویح باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں۔ تاکہ ہم گناہوں سے بچیں اور اللہ سے ڈریں اور اس کی رحمتوں و برکتوں کا قرب حاصل ہو سکے۔ ہم میں جو لوگ صاحب حیثیت ہیں وہ سال میں ایک بار زکوٰۃ فرض سمجھ کر اپنے سال کی بچت کا چالیسواں حصہ یعنی سو روپے پر ڈھائی روپے غریب اور مستحق لوگوں کو ادا کرتے ہیں۔ ہم میں سے جو صاحب حیثیت ہیں حج بیت اللہ فرض سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔ ہم میں سے اکثر لوگ "مقام محمود" حاصل کرنے کے لیئے اشراق، چاشت، اوابین اور تہجد کے نوافل ادا کرتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ بندگی کا حق ادا ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے۔ اور اپنی عبادات زیادہ بہتر بنانے کیلئے حسب توفیق ہم توبہ، استغفار اور درود شریف کا ورد کرتے رہتے ہیں مزید یہ کہ خدا کی مخلوق کی خدمت میں ہم اپنی نجات تصور کرتے ہیں۔ اے میری قوم کے لوگو۔ متوجہ ہو اللہ اور رسول کے ایک حکم کے انکار سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے اور نماز کا حکم قرآن اور حدیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کے لئے اٹھو تو چاہئے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھو لو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھو لیا کرو (۶۔ المائدہ)۔ اور جب تم لوگ اذان دیتے ہو نماز کے لئے (۵۸۔ المائدہ)۔ نماز قائم کرو زوال آفتاب سے لیکر رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب، عشاء) اور فجر کے قرآن کا بھی التزام کرو کیونکہ قرآن فجر مشہود ہوتا ہے (۷۸۔ بنی اسرائیل) اور صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؑ نے اس پر مسلسل عمل کیا ہے۔ لفظ "صلوٰۃ" کے دینی معنی ہیں جو آج دنیا بھر کے مسلمان رسولؐ کے طریقے کے مطابق ایک مخصوص ہیئت، الفاظ اور ترتیب سے ادا کرتے ہیں اگر صلوٰۃ کے معنی اس تعبیر، بے اصل اور غیر شرعی عمل کے لئے جائیں جو ہماری قوم ان مبلغوں (مشنری) اکابرین جماعت نے گمراہ کن وضاحت کر کے بجائے نماز کی

اے میری قوم کے لوگو!

بجائے تین وقت کی دعا ادا کرتی ہے تو وہ عمل جو نامدار پرنس کریم آغا خان صاحب نے یکم اکتوبر ۱۹۷۲ء کو نیروبی کے ایک جماعت خانے میں عید الفطر کے دن کیا تھا کیا وہ عمل نماز نہیں تھا؟ اسی طرح آج بھی جماعت خانوں سے ملحقہ میدانوں میں عید کے موقعوں پر جو عمل ادا کیا جاتا ہے اور کہیں کہیں جمعہ کو بھی نامدار صاحب کی ہدایت پر یہ عمل کیا جاتا ہے کیا وہ دعا ہے یا نماز؟ یقیناً نماز ہی ہے، دعا کا تو کبھی نامدار صاحب نے حکم ہی نہیں دیا۔ اور وہ عمل کیا تھا جسکو ادا کرتے ہوئے حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؑ شہید ہوئے؟ اور وہ عمل کیا تھا جسکو کثرت سے ادا کرنے کی بناء پر حضرت زین العابدینؑ اور امام جعفر صادقؑ مشہور ہیں؟ کیا وہ صلوٰۃ یہ دعا ہے جو آج ان مبلغوں (مشنری) اور اکابرین جماعت نے ہمیں بتائی ہے؟ اور وہ عمل کیا ہے جو دہلی، بمبئی اور کراچی کی مساجد میں نامدار پرنس کریم آغا صاحب نے اپنے عہدیداروں کے ساتھ ادا کیا؟ یقیناً وہ نماز کا عمل تھا دعا کا نہیں۔ اسی طرح وہ عمل بھی یاد رکھنا چاہیئے جو سر سلطان محمد شاہ آغا خان صاحب نے گوجرانوالہ (غیر منقسم پنجاب) کی جامع مسجد میں آخری صف میں کھڑے ہو کر ایک عاجز بندے کی طرح اپنے معبود حقیقی اللہ تعالیٰ کے سامنے ادا کیا یہ عمل بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جس کے ادا کرنے کی سر سلطان محمد شاہ آغا خان صاحب نے اور پرنس کریم آغا خان صاحب نے بار بار اپنی تقاریر میں ہدایات کیں، یہ عمل نماز کا ہی ہے جسکی ان حضرات نے سخت تاکید فرمائی اے میری قوم کے لوگو سنو، یہ مبلغ (مشنری) اکابرین اور جماعت کے گمراہ عملداران خود بھی کفر کے مرتکب ہو رہے ہیں اور پوری جماعت کو بھی گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں اور یہ چودھویں صدی کے مبلغ (مشنری) اور عملداران، جماعت کو فریب دے رہے ہیں کہ نماز پڑھنا اہل شریعت کا کام ہے اور ہم تو حقیقی مومن ہیں مقام معرفت میں ہیں اس لئے نماز سے بے نیاز ہیں۔ ان سے یہ پوچھو کہ حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ زندگی بھر شریعت پر قائم رہے بلکہ شریعت کے قیام کے لئے شہید ہوئے، کیا ہم اپنے اماموں سے بھی آگے بڑھ گئے کہ شریعت سے بالکل بے نیاز ہو گئے۔ نماز ایک ایسا بنیادی مقدس فریضہ ہے جس کی ادائیگی رسول صلعم، صحابہ کرام اور اماموں اور امت میں سے کسی پر بھی ایک لمحہ بھی معاف نہیں ہوئی تو یہ خود ساختہ مبلغ (مشنری) اور عملداران اتنے بڑے فریضے کو معاف کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو منسوخ (CANCELL) کرنے والے کون ہیں؟ جبکہ قرآن میں واضح احکامات اذان اور نماز سے متعلق قیامت تک موجود ہیں

لوگو! گواہ رہنا میں نے تم تک نماز کی دعوت اور اسلام کے بنیادی ارکان کی تبلیغ پہنچا دی ہے اب تمہیں اختیار حاصل ہے کہ تم لوگ اپنے گھروں، جماعت خانوں اور مساجد میں باقاعدہ سنت رسولؐ کے تحت نماز ادا کرو۔ اگر نماز یاد کرنے میں / ادا کرنے میں یا قائم کرنے میں کسی قسم کی دقت ہو تو اپنے اس خادم کی خدمات حاصل کر سکتے ہو اور رابطہ قائم کر سکتے ہو وما علینا الا البلاغ

الداعی:۔ اکبر علی غلام حسین

اسماعیلیہ شاذی خدمت کمیٹی ٹرسٹ (رجسٹرڈ) مسلم اسماعیلیہ مسجد نزد آغا خان میٹرنٹی ہوم، بلاک نمبر ۷، فیڈرل "بی" ایریا، کراچی ۳۸ فون نمبر ۶۷۲۷۹۲

نوٹ: اسماعیلی برادریوں کے لئے اسماعیلیہ ایسوسی ایشن فور پاکستان کی گجراتی زبان سے اردو اور عربی ترجمہ، نماز کی کتاب ہمارے دفتر سے مفت حاصل کریں۔

التماس: اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ فوٹو اسٹیٹ کاپی کروا کر دوسروں تک پہنچائیں۔

riticise
have com
see any
ot they
e Aga K
lso
our Haz
Ulemas
ere hav
During
f the
eligion
are
come an
 keep
(have
im-ul-
a sujud

PAKIST

el:
-4000
1-4179
on
as a
ing
den
nd
as
his
m
as
4
n

مولانا شاہ کریم الحسینی الامام الحاضر الموجود ارحمنا واغفرلنا
دی ایچ۔ آر۔ ایچ پرنس آغا خان فیڈرل کونسل برائے پاکستان
ریلیجس (مذہبی کمیٹی) نیو جماعت خانہ۔ بریٹو روڈ۔ کراچی نمبر ۳

His Highness Prince Aga Khan
Shia Imami Ismailia Federal Council
for Pakistan Religious Committee
300/2 GARDEN EAST, BEHIND ISMAILIA GARDEN JAMATKHANA, KARACHI-3 PAKISTAN
TELEGRAMS: 'AGAFEDERAL' TELEPHONE: 72710 TELEX: 24636-AKFC PK & 23781-AKC PK



THE MESSAGE OF AGA KHANI RELIGIOUS WORSHIPS

Ya Ali Madad to the real Momins (Believers)!

This is to state that we are Aga Khanis. We belong to the Ismaili organisation whose responsibility is to provide religious information to the people. We are writing full explanatory details of the religious workships we perform in the Jamatkhanas in the light of the religious teachings given to us under the patronage of Mukhi Sahibs:- * Our Salam (greeting) is: "Ya Ali Madad" and the reply thereto is "Moula Ali Madad". * Our 'Kalima' (Testimony) is: "Ashhado an la ilaha il-Allaho wa ashhado anna Muhammad-ur-Rasool-Ullahe wa ashhado anna Ali-Ullah (i.e. I testify that there is no god except Allah and I testify that Muhammad is Allah's Messenger and I testify that ALI is ALLAH). * We need not 'wudhu' (ablution) because our wudhu is of heart (i.e. not of action). * Instead of 'Namaz' it is mandatory for every Aga Khani to attend the Jamatkhana to chant the 'dua' (prayer) three times a day in place of five times' incumbent 'namaz'. Standing and knealing is not required in our prayers. Nor we need to face Qiblah, we can pray with our face in any direction for which it is very important to bring the Hazir Imam in our perception in the prayers. (We enclose herewith the prayer book which please read and also give to other spiritual brethren). * Fast (Roza) is fundamentally of eye, ear and tongue. It cannot be broken by eating and drinking. Our 'roza' is for one-and-a-quarter 'pahar' (about 4-1/2 hours) which is broken at 10 a.m. and that too is optional for the 'momin' (believer) otherwise fast is not incumbent. Of course, we keep fast on the first day of the month whenever it happens to fall on Friday through sighting of the moon in the whole year. * In place of Zakat we pay two annas per rupee ("Dasond") in the Jamatkhana considering it mandatory. * Our Haj is the vision (sighting) of Hazir Imam (that is because Hazir Imam is the only incarnation of the God on the earth). * Rather we have got speaking Quran, that is Hazir Imam is present, but the Musalmans have got were (or void) Book. * Mukhi Sahib condones our sins for (the period from) morning to evening by sprinkling drops (of water). If any person among us cannot attend the Jamatkhana every day, he can get his sins atoned by getting the drops sprinkled (on him) and by drinking 'GHATPAT' (holy water) on Fridays against payment of money in the Jamatkhana, and if anyone cannot attend Jamatkhana on Fridays he can get the sins for the whole month condoned by means of the said ceremonies on the night the moon is sighted, against payment of money. * The mode of our worship is:- The Hazir Imam gives us a 'Word'/ISM-E-AZAM for which we pay Rs. 75/- the worship whereof we perform in the letter past of the night. For atonement of worships for 5 years we pay Rs. 500/-, for 12 years Rs. 1,200/- and for Life Membership (to get the worships for the whole life pardoned) we pay Rs. 5,000/- in the Jamatkhanas. NOORANI: To obtain the 'noor' (light) of Hazir Imam we pay Rs. 7,000/- in the Jamatkhanas, whence we got the 'Noor' of Hazir Imam. FIDAYEEN: To get ourselves pardoned on the Day of Judgment (Qiyamat) by the Hazir Imam, i.e. (linked) towards the expenses (to be incurred) for getting our 'Noor' linked with that of the Hazir Imam we pay Rs. 25,000/- in the Jamatkhana. NANDI: We call charity as 'Nandi' The best dishes prepared in our homes, clothes of finest kind and ornaments we contribute as 'Nandi' are auctioned by the Jamatkhana people and the proceeds are deposited in the Jamatkhanas. **IT IS VERY IMPORTANT TO EXPLAIN THAT:**

Contd. on Page 2

گنان کی شریف

حق توں پاک توں بادشاہ مہربان بھی
یا علی توں نہیں تاں ...
رب توں رحمٰن توں یا علی اول
آخر قاضی تو نہیں توں ...
توز اوپایا یا شاہ تو نے ہی پایا
سری جن ہر یا علی تو ہی نہیں توں
جل تھل وول منڈن ہارنا یا علی
حکم تیرا بھی تو نہیں توں ...
تیری دوستی میں بولیا پیر شمس
میں بندہ تیرا یا علی تو نہیں توں

IT IS VERY IMPORTANT TO EXPLAIN THAT:

Our religion is centuries old. No one has criticised it till this date. Had our religion been untrue it should have come to an end long ago. Now, if the Muslamans or their Ulemas see any flow in our religion or if they have any objection, why do not they seek explanation from our office bearers of the H.R.H. Prince Aga Khan Federal Council for Pakistan? The Ulemas of the Musalmans also criticise but why they hesitate in seeking explanation from our Hazir Imam? Are they afraid of our Hazir Imam? For centuries the Ulemas of the Musalmans have never criticised our religion then from where have the Ulemas of the fifteenth century awaken to criticise us? During every period, we have enjoyed the support of the Government of the time. Then this is the very fact of the genuineness of our religion. * O REAL MOMINS (Believers)! Adhere to your religion if you are truthful. In (this) world such temptations with continue to come and go. We pray that the 'Noor' (light) of Moulana Hazir Imam may keep you in comfort and prosperous and may you be fortunate to see (have sight of) the Hazir Imam (Ameen). * LAST KALIMA: Ya Shah Karim-ul-Husaini Ant-al-Jmam-ul-Hazir-ul-Moujudo (Sujudo) Allahumma laka sujudi wa Taati.

Aashiq Ali H. Hussain (President)
H.R.H. PRINCE AGA KHAN FEDERAL COUNCIL FOR PAKISTAN
Religious Committee

NOTE: Copies of this message have been sent to all Jamatkhana.
For any religious information please contact :-

His Highness THE AGA KHAN,
Le Secretariate, Aiglemont, 0270 Souvieux, FRANCE
Tel: (4)457-4000
(4)421-4179

With Courtesy of:-

BISMI ALLAH AL RAHMAN AL RAHIM.

Al-Furqan

No. 3 NEWSLETTER OF THE UMMAH ISSN 0953 8321 Dhu'l-qa'da 1408/July 1988

ISMA'ILIS

by Jamal-un-Nisa bint Rafai

Introduction:

There are more than twenty million Isma'ilis all over the world. Agha Khan is the title of the Isma'ili's Imam. They believe that a living Imam is always present in this world for religious guidance. And this Iman should be attached to the unending series of Imams ultimately related to Prophet Muhammad (SAAS). The first Imam of this series is Imam Ali (RAA) then his sons, Imam, Hasan and Imam Hussain (RAA), latter was succeeded by his son Imam Zain-al-A'bedin (RAA). The present Isma'ili Imam is Prince Shah Karim Agha Khan who is 49th Imam of their series.

Historical Background:

By the middle of first century Hijri (670 CE) there were three distinct groups among Muslims. 1. Jamhoor (majority) Muslims; 2. Khawarij and 3. Sh'ian-e-Ali. There were four prominent groups among Sh'ian-e-Ali in the political field: i) *Kesania* were the followers of Imam Hussain's (RAA) non-Fatimi brother Muhamamd bin Ali (RAA) (Ibne-Hanafia); ii) *Zaidia* were the followers of Zaid bin Ali Zain-Al-Abedin bin Hussain (RAA) iv) *Isma'ilis* believe that the seventh Imam was Isma'il (RAA) the elder son of Imam Jafar Sadiq bin Muhammad (RAA). Agha Khans belong to that branch of Ali's (RAA) family who started Isma'ili movement. In 297 Hijri (909 CE) they established their Caliphate in Africa and in 358 Hijri (969 CE) in Egypt, which was called Banu-Fatimah. Their first ruler was O'baid-Ullah Mehdi who was a descendant of Isma'il bin Jafar Sadiq (RAA). It was Hasan bin Sabah, one of the Isma'ilis who brought his faith into Iran where its quiet preaching continued for several centuries. Some of the Isma'ilis went to preach their faith in Iraq and Syria. One of their Imams called Khalil-ullah, Ali the second, who was settled in Yezd, Iran, was killed in 1818, his killers were punished by the then King of Iran, Fateh Ali Shah Qachar, and he who was the first Agha Khan from 1818 to 1881. He migrated to India. After his death he was succeeded by his son Ali Shah, the second Agha Khan who died in 1885. His son the third Agha Khan was Sir Sultan Muhammad Shah born in Karchi on 2-11-1877 and died on 11-7-1957, he was a very well known figure in horse racing and won several Derby prizes.

In 1935 Third Agha Khan's golden jubilee was celebrated in Bombay and Nairobi and on both occasions he was weighed in gold. In March 1946 his diamond jubilee was celebrated in Bombay and Darus-Salam when he was weighed in diamonds. In February 1954 he was weighed in platinum. He died in Switzerland and buried in Aswan, Egypt. He was succeeded by his grand son Prince Shah Karim who is the fourth Agha Khan and the present Isma'ili Imam.

Isma'ili Faith in brief: (According to their own advertisement)

- Kalima: Ashhadu an Lailaha illa Allah, Muhammad Rasul Allah, Ali Allah.
- Ablution not needed
- Instead of Salah they pray in Jama't Khana three times a day.
- Standing, bowing down not necessary in their prayers.
- While praying they should imagine about their present Imam.
- It is not necessary to face towards Ka'bah as Qibla, they face any direction.
- Fasting not affected by eating and drinking, and is not compulsory, but if the new moon is on a Friday they should fast.
- Instead of Zakah one eighth of their income goes to Jama't Khana.
- Seeing of the present Imam is Hajj

(تا صفحہ نمبر ۱۵۲)

43

142



مَوْلَانَا شَاهْ كَرِيْمُ الْحُسَيْنِيْ اَلْاِمَامُ الْحَاضِرُ الْمَوْجُوْدُ اِرْحَمْنَا وَاغْفِرْ لَنَا

اسان جا سائين، شاه ڪريم حسيني امام حاضر موجود اسان تي رحم ڪريو ۽ اسان کي بخش

دي ايڇ آر - ايڇ پرنس آغا خان فيڊرل ڪونسل براءِ پاڪستان

ريليجس (مذهبي ڪميٽي) نئون جماعت خانو برنس روڊ ڪراچي نمبر ٣

فون:- ١١٢٧١٠
٤١٣٣٢٣
٤١٠٢٠٢
٧٨١٨٥٨

آغاخاني مذهبي عبادتن جو پيغام

حقيقي مؤمنن کي ياعلي مدد!

بيان هي آهي ته اسان ماڻهون آغاخاني آهيون - اسان جو واسطو اسماعيلي تنظيم سان آهي جنهن جي ذميداري ماڻهن کي مذهبي ڄاڻ ڏيڻ آهي. اسان کي جماعت خان ۾ مکي صاحب جي سرپرستي هيٺ جا مذهبي تعليم ڏني ويندي آهي - انهي جي روشني ۾ اسان آغاخاني پا مُکيه/عبادت جيڪا جماعت خانن ۾ ڪندا آهيون - انهي جي پوري ڪليل وضاحت اسان ڪري رهيا آهيون.

•- سلام اسان جو آهي، ياعلي مدد ۽ اسان جي سلام جو جواب آهي مولا علي مدد. •- ڪلمو اسان جو آهي اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَاَشْهَدُ اَنَّ عَلِيَّ اللّٰهِ.

•- وضو جي اسان کي ضرورت ناهي هن ڪري جو اسان جي دل جو وضو ٿيل هوندو آهي.

•- نماز جي بدلي ۾ آغاخاني تي ٽن وقتن جي دعا فرض آهي جو جماعت خاني ۾ اچي پڙهي جي پنج وقت فرض نماز جي بدلي ۾ اسان جي دعا ۾ قبلو ۽ رڪوع جي ضرورت نه آهي اسان کي قبلو ڏي منهن ڪرڻ جي ضرورت ناهي، اسان هر طرف منهن ڪري پڙهي سگهون ٿا جنهن جي دعا ۾ حاضر امام جو تصور ڪرڻ تمام ضروري آهي. (اسان دعا جڪتاب هن پيغام سان گڏ موڪلي رهيا آهيون، ان مان پاڻ ٻي پڙهو ۽ ٻين روحاني ڀائرن کي به ڏيو)

•- روزو ته اصل ۾ اک، ڪن ۽ زبان جو هوندو آهي، ڪا ڳالهه پيٽ سان روزو نٿو رکجي. اسان جو روزو وسرا ڪير جو هوندو آهي. جيڪو صبح جو ڏهين بجي کوليو ويندو آهي اهو به جيڪڏهن مومن رکڻ چاهي. جيڪڏهن نه رکي روزو فرض ناهي. پر جيڪڏهن ڪجهي سال ۾ جنهن مهيني جو چنڊ جمعو جي ڏينهن جو ٿئي ته انهي ڏينهن اسان روزو رکون ٿا. •- زڪوات جي عوض اسان آمدني ۾ روپيه تي ٨ آنا اسان فرض سمجهي جماعت خاني ۾ ڏيندا آهيون.

•- حج اسان جو حاضر امام جو ديدار آهي (اهو هن ڪري ته زمين تي خدا جي صورت صرف حاضر امام آهي)

•- اسان وٽ ته ڳالهائيندڙ قرآن يعني حاضر امام موجود آهي مسلمانن وٽ ته خالي ڪتاب آهي.

•- اسان جا سڀ ۽ شلدتائين جا گناه مکي صاحب جيئن ئي معاف ڪندو اسان مان جيڪڏهن ڪوئي ماڻهو روزانو جماعت خاني ۾ نٿي سگهي ته جمعو جي ڏينهن پيسا ڏئي جيئن ئي آب شفا (يعني گهٽ پات) پي پنهنجا گناه معاف ڪرائي سگهي ٿو ۽ جيڪڏهن ڪو جمعي جي ڏينهن جماعت خاني نه وڃي سگهي ته مهيني جا گناه چنڊ واري رات ۾ پيسا ڏئي جيئن ئي آب شفا (گهٽ پات) پي گناه معاف ڪرائي سگهي ٿو اسان جي بندگي/ عبادت جو طريقو هي آهي جو:-

حاضر امام اسان کي هڪ بول/ اسم اعظم ڏيندو آهي جنهن جي بدلي ۾ اسان ٥، روپيه ادا ڪندا آهيون. جنهن جي بندگي/عبادت اسان رات جي پوئين حصي ۾ ادا ڪندا آهيون. ٥ سال جي بندگي/عبادت معاف ڪرائڻ جا ٥ سو روپيه ۽ ١٢ سال جي بندگي/عبادت معاف ڪرائڻ جا ١٢ سو روپيه پوري زندگي جي عبادت معاف ڪرائڻ ٥ هزار روپيه اسان جماعت خاني ۾ ڏيندا آهيون.

نوراني:- حاضر امام جي نور حاصل ڪرڻ لاءِ ٥٠٠، هزار روپيه اسان جماعت خاني ۾ ڏيندا آهيون جنهن ثنا حاضر امام جو نور حاصل ٿي ويندو آهي.

فدائين:- قيامت جي ڏينهن حاضر امام کان، اسان سڀني پاڻ کي بخشائڻ يعني حاضر امام جي نور شانگڻ پنهنجي نور کي ملائي ڇڏڻ جو خرچ ٢٥ هزار روپيه اسان جماعت خاني ۾ ڏيندا آهيون. — نانڊي:- اسان نانڊي خيرات کي چوندا آهيون. اسان جي گهرن ۾ تمام سڀني قسم جا پڪل ڪاڌا، عمدي قسم جا ڪپڙا ۽ زيور اسان جماعت خاني ۾ خيرات (نانڊي) ڏيندا آهيون. جماعت خاني وارا انهي نانڊي کي نيلام ڪري انهي جي رقم جماعت خاني ۾ جمع ڪندا آهن.

هڪ اهم وضاحت ڪرڻ تمام ضروري آهي جو:- اسان جو مذهب صدين کان پراڻو آهي. اڄ تائين انهي تي ڪنهن به تنقيد نه ڪئي جيڪڏهن اسان جو مذهب غلط هجي ها ته ڪڏهن جو ختم ٿي وڃي ها. ها ائين جيڪڏهن مسلمانن کي يا انهن جي عالمن کي اسان جي مذهب ۾ ڪا خامي نظر اچي ٿي يا ڪو اعتراض آهي ته اهو اسان جي عهديدارن واسطي ايڇ آر - ايڇ پرنس آغاخان فيڊرل ڪونسل براءِ پاڪستان کان وضاحت ڇو نٿا طلب ڪن؟ - مسلمانن جا عالم ڇو تنقيد ڪن ٿا پر اسان جي حاضر امام کان وضاحت طلب ڪرڻ ۾ ڇو نٿا ڪيٻائن؟ — ڇا هي اسان جي حاضر امام کان ڊڄن ٿا؟ — صدين کان مسلمانن جي عالمن اسان جي مذهب تي ڪڏهن به تنقيد نه ڪئي ته هي هينئر هينئين صدي جا عالم آخر ڪئين سچا آهن جي اسان تي تنقيد ڪرڻ لڳا؟ — هر دور ۾ وقت جي حڪومت جي تائيد اسان کي حاصل رهي آهي. ڀاءُ ۽ ڀائرو اسان جي مذهب جي سچ هجڻ جي حقيقت آهي.

حقيقي مومنو! توهان ماڻهو پنهنجي مذهب تي پڪا رهو جيڪڏهن توهان سچا آهيو. دنيا ۾ ته هر ڪي قسم جا فتنا ۽ الزام ايندا رهندا آهن. اسان جي دعا آهي ته اسان کي ۽ توهان کي اسان جي مائٽ حاضر امام جو نور آسوده ۽ آباد رکي ۽ انهي جو ديدار نصيب ٿئي.

آمين

آخري ڪلمو:- ياشاه ڪريم الحسيني اَنْتَ الْاِمَامُ الْحَاضِرُ الْمَوْجُوْدُ (اي شاه ڪريم حسيني تون امام حاضر موجود آهين)

(مَسْجُوْدُ) (سجدو)

اَللّٰهُمَّ لَکَ سُجُوْدِيْ وَطَاعَتِيْ

(اي منهنجا مولا (امام) توهان منهنجو سجدو ۽ منهنجي عبادت آهي)

فقط

عاشق علي (پريزيڊنٽ)

دي - ايڇ - آر - ايڇ - پرنس آغاخان
فيڊرل ڪونسل براءِ پاڪستان
ريليجس (مذهبي) ڪميٽي

نوٽ
هن پيغام جا نقل سمورن
جماعت خانن ۾ روانا ڪيا
آهن.

માલાના શાહ કરીમુલ હુસયની અલ ઇમામુલ હાઝિરૂલ મૌજુદો અરહમના વગફીરલના



[મૌલાના શાહ કરીમુલ હુસયની, હાજર અને મૌજુદ ઇમામ, અમારા ઉપર રહમ કર અને અમને માફ ફરમાવ]

ધી એચ. આર. એચ. પ્રિન્સ આગાખાન ફેડરલ કાઉન્સિલ ફોર પાકિસ્તાન

રિલિજિયસ કમિટી, ન્યુ જમાતખાના બ્રિટો રોડ. કરાચી–૩.

આગાખાની મઝહબી ઇબાદતો માટેનો પયગામ

સાચા મોમિનોને યા અલી મદદ ! PH. 712710 . 235611 . 113323 , 201401 . 710202

કહેવાનું એ છે કે આપણે લોકો આગાખાની છીએ આપણો સબંધ ઇસ્માઇલી સંગઠન સાથે છે, તેનું કામ લોકોને મઝહબી માહિતી પુરી પાડવાનું છે, આપણા જમાતખાનામાં મુખી સાહેબોની દેખરેખ હેઠળ જે મઝહબી તાલીમ આપવામાં આવે છે તેની રોશનીમાં આપણે જે આગાખાની બંદગી / ઇબાદત જમાતખાનાઓમાં કરીએ છીએ તેનાં સંપુર્ણ સ્પષ્ટતા સાથેની વિગત અમે અહીં લખી રહ્યા છીએ.

અમારી સલામ છે ' યા અલી મદદ ' અને તેનો જવાબ છે ' મૌલા અલી મદદ ' | કલેમો અમારો છે અશહદો અલ્લા ઇલાહા ઇલ્લલ્લાહ વ અશહદો અન્ના મુહમ્મદ રસુલુલ્લાહ વઅશહદો અન્ના અલી અલ્લાહ.'

વુઝુની આપણને જરૂર નથી કારણ કે આપણું વુઝુ દિલનું હોય છે.

નમાઝને બદલે દરેક આગાખાની ઉપર ત્રણ વખતની દુઆ ફરજ છે, આ દુઆ જમાતખાનામાં આવીને પઢવાની છે. પાંચ વખતની ફરજ નમાઝના બદલે. આપણી દુઆમાં કયામ કે રૂકુઅની જરૂર નથી. આપણા માટે કીબ્લા તરફ મોઢુ કરીને દુઆ પઢવાની જરૂર નથી. આપણે ગમે તે દિશામાં મોઢું રાખીને દુઆ પઢી શકીએ છીએ અલબત્ત, તેના માટે હાજર ઇમામ પોતાની સામે હોવાનો ખયાલ કરવો બહુ જરૂરી છે. (આ સાથે અમે એવા સંદેશા સાથે એ દુઆની કિતાબ મોકલી રહ્યા છીએ કે તમે પોતે પણ વાંચો અને બીજા રૂહાની ભાઇઓને પણ વાંચવા આપો.) રોઝો તો મુળ હોય છે આંખ, કાન અને જીભનો. ખાવા પીવાથી રોઝો તુટતો નથી. આપણો રોઝો સવા પહુરનો હોય છે, સવારે દસ વાગે એ ખોલી નાખવામાં આવે છે એ પણ કોઇ મોમિન રાખવા ચાહે તો. બાકી રોઝા ફરજ નથી. અલબત્ત, વરસ આખામાં જ્યારે ચાંદ જુમ્આનો દેખાવ છે તે દિવસે આપણે રોઝો રાખીએ છીએ. ઝકાતને બદલે આપણે ત્યાં આવક ઉપર રૂપિયામાં બે આના (દસોંદ) ફરજ સમજીને જમાતખાનામાં આપવાની છે.

આપણી હજ્જ તે હાજર ઇમામના દિદાર છે. (કારણ કે ધરતી પર ખુદાનું સ્વરૂપ માત્ર હાજર ઇમામ જ છે.)

આપણા પાસે બોલતું કુર્આન એટલે કે હાજર ઇમામ છે. મુસલમાનો પાસે તો ખાલી કિતાબ છે.

આપણા સવારથી સાંજ સુધીના ગુના મુખી સાહેબ ' છાંટો ' નાખીને માફ કરે છે. આપણામાંથી કોઇ માણસ જો દરરોજ જમાતખાને ન જઇ શકે તો જુમ્આના દિવસે પૈસા આપીને છાંટો નખાવીને અને 'આબે શિફા' (એટલે કે ઘટ પાટ) પીને પોતાના ગુના માફ કરાવી શકે છે. કોઇ જો જુમાના દિવસે પણ ન જઇ શકે તો આખા માસના ગુના ચાંદ રાતે પૈસા આપીને છાંટો નખાવીને, આબે શિફા (ઘટ પાટ) પીને માફ કરાવી શકે છે.

આપણી ઇબાદતનો તરીકો આ મુજબ છે :– મૌલાના હાજર ઇમામ આપણને એક બોલ/ઇસ્મે આઝમ આપે છે. તેના બદલામાં આપણે પોણોસો રૂપિયા આપવાના હોય છે. આ બોલનો પાઠ આપણે રાતના છેલ્લા ભાગમાં કરવાનો હોય છે. જો આપણે પાંચ વરસની ઇબાદત માફ કરાવવા ચાહતા. હોઇએ તો તેના માટે રૂ. ૫૦૦/– બાર વરસની ઇબાદત માફ કરાવવી હોય તો રૂ. ૧૨૦૦/– અને આખી જિંદગીની ઇબાદત માફ કરાવવી હોય તો રૂ ૫૦૦૦/– જમાતખાનામાં આપીને લાઇફ મેમ્બર બની શકાય છે.

' નુરાની ' ના નામે ઓળખાતી ઇબાદતથી હાજર ઇમામનું નુર પ્રાપ્ત થાય છે અને તેના માટે જમાતખાનામાં રૂ. ૭૦૦૦) આપવાના રહે છે. ફિદાઇન : કયામતના દિવસે હાજર ઇમામ પાસેથી પોતાને બખ્શાવવા (એટલે કે પોતાના નુરને હાજર ઇમામના નુર સાથે મિલાવવા) નો ખર્ચ રૂ. ૨૫,૦૦૦ જમાતખાનામાં આપવાના રહે છે.

નાંદી : નાંદી એટલે ખેરાત, ઘરમાં જે કાંઇ સારૂં ખાણું પકાવવામાં આવ્યું હોય એ અને સારાં વસ્ત્રો તથા ઘરેણાં વગેરે જમાતખાનામાં આપવા તે ખેરાત છે. જમાતખાનાવાળા આ વસ્તુઓને લીલામ કરીને તેની જે રકમ ઉપજે છે તે જમાતખાનાને આપી દે છે. | અહીં એક અગત્યની સ્પષ્ટતા કરવી પણ જરૂરી છે કે આપણો મઝહબ સદીઓ પુરાણો છે. આજ સુધી તેના ઉપર કોઇએ ટીકા નથી કરી.

જો આપણો મઝહબ ખોટો હોત તો એ ક્યારનો ખતમ થઇ ગયો હોત. હવે જો મુસલમાનો અથવા તેમના આલિમોને તેમાં કશી ખામી દેખાય છે અથવા તેની સામે તેમને કશો વાંધો છે તો તેઓ તેનો ખુલાસો એચ. આર. એચ. પ્રિન્સ આગાખાન ફેડરલ કાઉન્સિલ ફોર પાકિસ્તાન પાસેથી શા માટે નથી માગતા ! મુસલમાન આલીમો ટીકા તો કરે છે પણ આપણા હાજર ઇમામ પાસેથી તેનો ખુલાસો માંગતા શા માટે અચકાય છે ! શું તેઓ આપણા હાજર ઇમામથી ડરે છે ? સદીઓથી મુસલમાન આલિમોએ ક્યારેય આપણા મઝહબ ઉપર ટીકા નથી કરી તો આ પંદરમી સદીના આલિમો ક્યાથી જાગીને આપણા મઝહબ ઉપર ટીકા કરવા લાગ્યા છે ! દરેક દોરમાં એ સમયની સરકારનું સમર્થન આપણને મળતુ રહયું છે. એ જ આપણો મઝહબ સાચો હોવાની સૌથી મોટી દલીલ છે. સાચા મોમિનો ! તમે તમારા મઝહબ ઉપર મક્કમ રહો જો તમે સાચા છો તો દુનિયામાં આ પ્રકારના ફીત્ના ઉઠતા રહયા છે અને આક્ષેપો થતા રહયા છે, થતા રહેશે. અમારી. દુઆ છે કે નુરે હાજર ઇમામ અમને અને આપ સૌને સુખી અને આબાદ રાખે અને તેના દીદાર પણ નસીબ થાય.

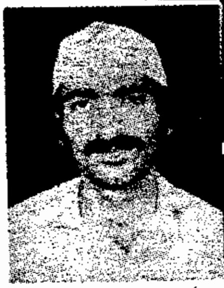
છેવટની વાત : યા શાહ કરીમ અલ હુસેની અન્તલ ઇમામુલ હાઝિરૂલ મૌજુદ (સિજદો) અલ્લાહુમ્મલક સુજુદી વ તાઅતી [યા શાહ કરીમ અલ હુસેની આપ અમારા હાજર અને મૌજુદ ઇમામ છો. (સિજદો) અય અલ્લાહ તારા માટેજ મારો સિજદો અને મારી તાબેદારી છે.]

આરિફઅલી પ્રેસિડેન્ટ
ધી એચ. આર. એચ. પ્રિન્સ આગાખાન
ફેડરલ કાઉન્સિલ ફોર પાકિસ્તાન (રિલિજિયસ કમિટી)

નોટ : આ પયગામની નકલ બધા જમાતખાનાને મોકલી આપવામાં આવી છે.

اسماعیلی نوجوان کو آغا خانی مذہب چھوڑنے پر مشکلات کا سامنا

آئی جی سندھ سے اپیل



۱۔۔۔ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے مجھے تشدد سے نجات دلائی جائے۔
۲۔ میرے بیوی اور بچے کو مشرکانہ اور کافرانہ رسومات سے نجات دلائی جائے
۳۔ مجھے اسماعیلی نمازی خدمت کمیٹی نے پناہ دے رکھی ہے۔ عبدالکریم۔

کراچی (اسٹاف رپورٹر) اسماعیلی فرقے کے ایک نوجوان نے آغا خانی مذہب چھوڑ کر دین اسلام قبول کرنے کے بعد آغا خانی مذہب کی جانب سے اپنے اوپر ہونے والے تشدد سے متعلق ایک درخواست ایس ایچ او تھانہ جوہر آباد اور ڈی آئی جی ٹریفک جناب الطاف حسین کو ارسال کی ہے جس میں عبدالکریم رجب علی نے اپیل کی ہے کہ میرے آغا خانی مذہب چھوڑنے اور دین اسلام قبول کرنے سے ناراض ہو کر مجھے دھونس دھمکیاں دی جا رہی ہیں کہ تم دین اسلام سے مرتد ہو کر پھر آغا خانی مذہب اختیار کر لو۔ درخواست گزار نے مزید تحریر کیا ہے کہ کچھ نزار خانسرانی، شیر علی، گل باز عرف گلا بائی اور رمضان نے زبردستی اغوا کر کے اذیت دلوائی ہے میں ایک شکایت پہلے بھی کر چکا ہوں لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ لہٰذا مجبوراً میں نے عدالت عالیہ سندھ میں اپنی فرسٹ مقدمہ ۸۹/۱۱۴۲ داخل کیا جو عدالت کے زیر سماعت ہے۔ طلاق کونسلر جناب محمد صابر بھی ان افراد کی پشت پناہی کر رہے ہیں اور انہوں نے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے میری بیوی کی طلاق کی ناجائز کارروائی شروع کر دی تھی اس لئے ان کو بھی مقدمہ میں شریک بنایا گیا محمد صابر علی عدالت عالیہ سندھ کا سمن وصول کرنے سے گریز کر رہے ہیں اور میری بیوی مسماۃ سلمہ جس کو میں نے عدالت عالیہ کے حکم پر فریق بنایا ہے نے ابھی تک سمن وصول نہیں کیا اس لئے عدالت عالیہ کی کارروائی التواء میں ہے گل باز عرف گلا بائی نے اپنے جواب میں بیان دیا ہے کہ اس کا اس معاملہ میں کوئی تعلق نہیں ہے جب کہ نزار خانسرانی نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ یہ آغا خانی برادری کا ذاتی مسئلہ ہے لہٰذا دیوانی عدالت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے میری بیوی سلمہ نے دھونس دھمکیوں کے باوجود آغا خانی مذہب سے تائب ہو کر دین اسلام قبول کر لیا ہے اسلام قبول کرنے کے بعد میری بیوی کو زبردستی آغا خانی میری غیر موجودگی میں میرے گھر سے اغوا کر کے لے گئے ہیں اور رمضان (محمد) مال کے گھر قید کیا ہوا ہے میری بیوی سے میرے رشتہ دار ملنے گئے تو یہ بیان بنایا گیا کہ سلمہ چونکہ حاملہ تھی اسی لئے ہم اس کی نگہداشت کے لئے لے گئے ہیں اور زچگی کے بعد زچہ اور بچہ دونوں کو عبدالکریم کے گھر بھیج دیا جائے گا۔ ۲۷ ستمبر کو میری بیوی کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ میری تمام کوششوں کے باوجود میری بیوی اور بچے کو حبس بیجا میں رکھا ہوا ہے۔ عبدالکریم نے اپنی درخواست میں کہا کہ گل باز عرف گلا بائی کے بے حد اصرار پر میری بیوی اور بچے کو لوکل کونسل کریم آباد میں لے گئے اور میری مسلمان بیوی کو بچے کے ساتھ تمام آغا خانی مشرکانہ اور کافرانہ رسومات ادا کی گئیں اور انہیں مزید مجبور کیا جا رہا ہے عبدالکریم نے اپنی درخواست کی کاپی ۳۱ جنوری کو آئی جی پولیس صوبہ سندھ، ڈی آئی جی پولیس اور ایس ایس پی ڈسٹرکٹ سنٹرل کو بھی روانہ کی ہیں اور درخواست کی ہے کہ مجھے اور میری بیوی بچے کو تحفظ فراہم کیا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کھلا خط !

(ترجمہ)

رجسٹرڈ بیمہ شدہ مراسلہ:

بتاریخ:۔ ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۱۰ ہجری (شب قدر)

۲۳ اپریل ۱۹۹۰ء

ایچ، آر، ایچ پرنس کریم آغا خان کے نام
شاہ کریم الحسینی

شیعہ امامی اسماعیلیوں کے انچاسویں امام حاضر،

سیکریٹریٹ سن التیز ایل، آغا خان

ایگلیمونٹ ۶۰۲۷۰، گووی یوکس، فرانس،

H.R.H. Prince Karim Agha Khan,
(Shah Karim Al-Husseini)
49th Imam of the Shia Imami Ismailies',
Secretariat Son Altees L' Aga Khan,
AIGLEMONT 60270, GOUVIEUX,
FRANCE.

سلام علیٰ من اتبع الہدیٰ،

میں ایک پیدائشی اسماعیلی ہوں اور پہلے اکثر و بیشتر جماعت خانے میں حاضری دیتا تھا جمعہ اور چاندرات کی مجالس میں توجہ سے وعظ

سنتا اور اس پر غور کرتا جو کچھ مذہبی کتابیں حاصل ہوئیں انہیں پڑھتا۔ اس کے علاوہ ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات کی مذہبی نشرواشاعت بھی دلچسپی اور توجہ سے سنتا، دیکھتا، اور پڑھتا۔ کبھی ترجمہ سے قرآن مجید اور دوسری کتابیں دوست احباب سے حاصل کر کے پڑھتا۔ اسی طرح تلاش حق میں یہ احساس ہوا کہ اگر میں اسماعیلی رہنا چاہوں تو مسلمان نہیں رہ سکتا اور مسلمان رہنا چاہوں تو اسماعیلی نہیں رہ سکتا۔!

جو کچھ اسماعیلی لٹریچر اور مشنریوں سے میں نے سمجھا تو یہ عقائد کہ آپ ہی کو اللہ ماننا چاہیئے آپ ہی کے احکام کو آخری ماننا چاہیئے پھر کیوں نہ وہ قرآن اور حدیث سے صریحاً متصادم ہوں، رسولؐ کے طریقے کے برخلاف، پنج گانہ نماز فرض نہ ہونا، ماہ رمضان کے روزے اور حج فرض نہ ہونا، گھر میں غسل دھو کو صحیح اللہ سمجھنا، حاضر امام یعنی آپ کو ملیؒ سمجھنا آپ سے گناہوں کی معافی طلب کرنا۔ یہ تمام باتیں قرآن اور حدیث کی کسوٹی پر پرکھنے پر فراڈ ثابت ہوتیں۔

مشنریوں کے وعظ کے مطابق اگر آپ خالق ہیں (نعوذ باللہ) تو مخلوق کی تمام بشری کمزوریاں آپ میں کیوں ہیں۔ مثلاً کھانا پینا، شادی اولاد ہونا، بیمار ہونا اور مرنا جینا وغیرہ۔ الغرض کوئی ایسی کمزوری نہیں جو مخلوق میں ہوتی ہو آپ میں نہ ہو اور آپ فطری تقاضوں سے کسی طور پر آزاد بھی نہیں ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ بہت ممکن ہے کہ آپ کو بہت سی ایسی باتوں کا علم نہ ہو جو آپ کے مشنری آپ کے بارے میں اسماعیلیوں کو سکھاتے اور سمجھاتے ہیں۔ مگر یہ ہے تو آپ کی ذمہ داری کہ آپ نے پوری اسماعیلی قوم کو ایسے لیڈروں کے حوالے کر رکھا ہے اور خود اس سے بے خبر ہو کر کبھی ذاتی طور پر اٹینڈ (Attend) نہیں کرتے۔

آپ کے تمام فرامین صرف اور صرف صحت، تعلیم، تجارت اور سیاست سے متعلق ہوتے ہیں دینی معاملات پر آپ پراسرار طور پر خاموش رہتے ہیں اور کوئی دینی رہنمائی نہیں فرماتے حالانکہ آپ کو مذہبی رہنما کہا جاتا ہے اور آپ کا تعارف روحانی پیشوا کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ بہرحال مجھے اس سے کوئی غرض نہیں آپ جانیں اور آپ کے پیروکار۔ میں نے اپنی مرضی سے اسماعیلی مذہب سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا ہے اور یہ میرا جمہوری حق ہے میرے اس "جرم" پر آپ کے لیڈروں کی جانب سے مجھے شدید مالی، ذہنی جسمانی اور روحانی اذیتیں پہنچائی گئیں اور یہ سلسلہ جور و ستم ابھی تک نہ صرف یہ کہ جاری ہے بلکہ روز افزوں ہے اور ان سفاک درندوں کو اب بھی تسکین نہیں ہوئی۔

میں نے اسلام قبول کیا تو ان لیڈروں نے میری بیوی اور بچوں کو مجھ سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی مجھے غنڈوں سے پٹوایا۔ مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی قتل کی دھمکی دی نوکری سے نکلوا دیا۔ کرایہ کے مکان سے بے دخل کروایا۔ پھر جب میری بیوی نے اسلام قبول کیا تا علماء (اہل محلہ) اور دیگر مسلمانوں کی موجودگی میں اس نے اسلام قبول کیا۔ جس پر باقاعدہ اسے "سند اسلام" جاری ہوئی۔ کریم آباد، اسماعیلیہ کاؤنسل والے میری بیوی اور بچے کو اغوا کر کے لے گئے اور انہیں ابھی تک حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے۔ پھر جب میں اپنے سسرال گیا تو مجھے ذلیل کر کے نکال دیا۔ اور بیوی بچوں سے ملنے نہیں دیا تھا۔ رپٹ کرائی تو میری کوئی شنوائی نہ ہوتی۔ الٹا مجھے بلوا کر خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ ان تمام جرائم میں حیدرآباد اور کراچی کی اسماعیلیہ کاؤنسل کے کرتا دھرتا برابر کے شریک ہیں۔

باقی صفحہ ۱۴۶ پر

اللہ سے سارے کام ہونے کا یقین
اور مخلوق سے کسی کام کے نہ ہونے کے یقین کو
اپنانے کے لئے پکاریئے:
یا اللہ مدد

دل کو زندہ کرنے کے لئے
نماز پڑھیئے۔ قرآن کا مطالعہ کیجئے

اہل حدیث کی آواز:
قرآن و سنت کا نفاذ

یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ
~~سکون کیلئے مراقبہ کیجئے~~
صحیح نظریہ: سکون حاصل کرنے کیلئے نماز پڑھیئے

کھلا خط، صفحہ نمبر ۱۴۵ کا باقی

یہ اسماعیلی لیڈر اور مشنری جنہوں نے ہماری کمائی سے آپ کی عبادت کرنے کی فیس کا نظام وضع کیا ہے یہ مشنری جماعت خانوں میں گلا پھاڑ پھاڑ کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ نے امام میں حلول کیا ہے یعنی دنیا میں خدا آپ کے روپ میں موجود ہے لیکن عام مسلمانوں کے درمیان آکر انہیں سانپ سونگھ جاتا ہے اور بھیگی بلی بن جاتے ہیں اور پھر تعلیم دیتے ہیں کہ ہمیں اپنا مذہب چھپانے کا حکم ہے گویا یہ چوری کا مال ہے۔ بھلا جو شخص اپنے عقائد کو حق سمجھتا ہو وہ کھلے پلیٹ فارم سے اسکا اظہار کیوں نہیں کر سکتا؟ ظاہر کچھ، باطن کچھ یہ منافقت ہمارے مشنری سکھاتے ہیں۔

یہ لیڈر ہمارا بھی مال کھاتے ہیں اور آپ کا بھی اور ہمیں بھی دھوکہ دیتے ہیں اور آپ کو بھی۔ دنیا میں ایسا تو کوئی مذہب نہیں ہوتا کہ اپنے عقائد کو حق سمجھے اور پھر اسے چھپائے اور ڈنکے کی چوٹ پر اس کا اظہار نہ کر سکے۔

مسجد کیطرف اٹھنے والے قدموں کو توڑ دینا یا انہیں جماعت خانے کی طرف موڑ دینا صرف ایک اللہ کے آگے جھکنے والی پیشانی کو آپکی چوکھٹ پر لا جھکانا۔ اللہ کے احکام کی بجائے آپ کے فرامین تسلیم کروانا۔ نماز، روزے، حج اور زکواۃ کے بجائے ایک خود ساختہ متوازی شریعت کو مسلط کر دینا یہ سب کچھ مشنریوں اور اسماعیلی جماعت کے عہدیداروں کا محبوب ترین مشغلہ بنا ہے اور طریقہ کار رہا ہے۔ لیکن کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس پابندیت کے باوجود ہر سال ہزاروں اسماعیلی آغاخانی مذہب کا طوق اپنی گردن سے نکال پھینکتے ہیں۔ اور دین حق اسلام قبول کر رہے ہیں۔ !!؟

تمام مشنری صاحبان کے وعظ کے مطابق آپ کو علم غیب حاصل ہے۔ خیر مجھے اس سے کیا۔ لیکن کم از کم ایک اچھے منتظم کی حیثیت سے آپ کو اپنے وزیروں، اہلکاروں اور جماعتی عہدیداروں کی حرکتوں سے واقف رہنا از حد ضروری ہے، بہر حال آپکو باخبر کرنے کی غرض سے یہ چند حقائق پیش خدمت ہیں۔

میں صرف آپ سے اتنا ہی چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے ان لیڈروں کے ظلم سے بچائیں۔ اور میرے ساتھ انصاف کریں میں آپ سے کوئی احسان نہیں چاہتا صرف انصاف چاہتا ہوں۔ دنیا بھر میں آپکی انسان دوستی کا بڑا شہرہ ہے میں نے آپ سے کچھ زیادہ نہیں چاہا صرف انصاف مانگا ہے اس سے زیادہ میرا کوئی مطالبہ نہیں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ آپکے ظالموں کے ہاتھ روکنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

آپ کے جواب کا بے حد منتظر

فقط / طالبِ انصاف

مظلوم نومسلم

دستخط: عبدالکریم رجب علی۔

L-12 رقیہ اسکوائر بلاک ۱۲ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

اسلامی جمہوریہ پاکستان

نوٹ:
(تمام خطوط بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ارسال کئے جائیں)

720

the inland weight prescribed in the Post and Telegraph Guide or on which no acknowledgement is due

13/=

H.R.H. Prince Karim Agha Khan

Sheikh Karim

Aiglemont

49th Imam of the Shia Imami Ismailis

AIR

Abdul Karim Rajab Ali

(149)

(بشکریہ روزنامہ نوائے صداقت کراچی)

روزنامہ نوائے صداقت کراچی
DAILY NAWA I SADAQAT KARACHI

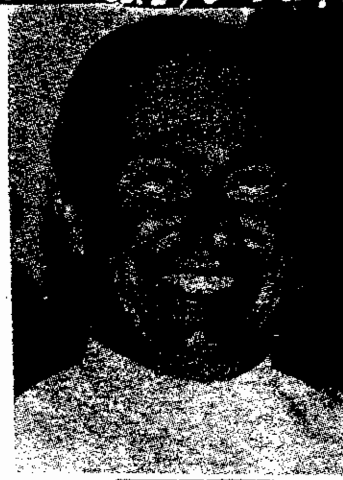
ایڈیٹر روزنامہ نوائے صداقت کراچی
۵۵۵ سنی پلازہ پانچویں منزل حسرت موہانی روڈ
آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

[illegible] قیمت ایک روپیہ [illegible]

گلگت میں آغاخانی اسماعیلی ریاست کا قیام نقشہ تیار کرلیا گیا!

یوم علی کے موقع پر اسماعیلی فرقے اور اہلسنت جماعت کے حامیوں میں تکراد!

اسماعیلی حکومت اس سال کے آخر تک اپنا سیلی ویژن اور بنک قائم کریگی، ہماری حکومت کی سرحدیں چین، روس، افغانستان، بھارت کے سمیت شمالی علاقہ جات ہیں!



[illegible]

استعمال کرتے رہا جس کے بارے میں علمائے کرام انتہا دے چکے ہیں آغا خانیوں کی ایک اسکیم جو کہ بہت خطرناک تصور کی جا رہی تھی وہ یہ تھی کہ کراچی سمیت خصوصاً شمالی علاقہ جات کی حیثیت پر پوری طرح تابع رہے اور آخر انہوں نے چند دن پہلے شمالی علاقوں کے بعض حصوں کو اپنے نقشے میں شامل کرنے کا اعلان کر دیا۔ چترال سے تعلق رکھنے والے شہریوں کے مطابق ہم جب اسمٰعیلی طبقے کے کردار پر نظر دوڑاتے ہیں تو ان پر لگائے گئے الزامات حقیقت کے قریب تر نظر آتے ہیں اس وقت کراچی شہر ہی میں تقریباً ڈیڑھ سو ہزار خاندانوں پر مشتمل اسمٰعیلی خاندان کراچی کے بعض حساس علاقوں میں آباد ہیں اور جو کراچی کے سمندر کے قریب ہیں اور ان دونوں انہیں سمندری جزیرے قرار دیا جا رہا ہے ان کے رہن سہن کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ کبھی تنہا الگ نہیں رہتے اور یہ شہد کے چھتے کی صورت میں ہر جگہ آباد ہیں ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ جہاں بھی اپنا گھر آباد کرتے ہیں وہ قوم بڑھکر اور قوم کی صورت اختیار کرتا ہے۔

اس وقت وہ جماعت خانوں کی صورت میں علم لوگوں میں پہچانے جاتے ہیں یہ انتہائی نظم ونسق سے آبادی کے توازن سے برابر اضافہ کر رہے ہیں کراچی شہر کی سیاست کی جانب بھی ہیں یہ اندرونی طور پر اپنی تحریک چلاتے ہیں اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دیتے جب ہم نے ایک سرے سے ان کی بستیوں کا کیا تو حیران رہ گئے کس تیزی سے انہوں نے کراچی شہر کے اندر اپنی کئی آبادیاں قائم کرلی ہیں۔ سندھ کے نزدیک آباد شہر جہاں قائداعظم محمد علی جناح پیدا ہوتے تھے جسے کھارادر کا نام دیا جاتا ہے تمام آغا خانیوں سے آباد ہے اور جماعت خانے کی صورت میں ایک محل

آغا خان نے [illegible] دیکھا کہ پاکستانی حکومت ان کی طرف توجہ نہیں دے رہی ہے تو انہوں نے پاکستان کے سب سے بڑے تجارتی شہر کراچی کے لیے بھی آغا خان فاؤنڈیشن کے ذریعہ ترقیاتی اسکیمیں بنانے کا اعلان کیا جس میں سب سے بڑا آغا خان میڈیکل ہسپتال شامل ہے اس وقت آغا خانی پاکستان کے چاروں صوبوں میں اپنے پرستش عقائد کو بڑی تیزی سے پھیلا رہے ہیں انہوں نے مختلف تنظیم تشکیل دی ہیں اس وقت مردوں کی تنظیمیں الگ اور عورتوں کی تنظیمیں الگ کام کر رہی ہیں ان تنظیموں میں بھر آغا خانیوں کو مالی امداد فراہم کر کے ان کو شامل کیا گیا ہے ان کا مقصد پاکستان کے تمام علاقوں میں لاقانونیت پھیلانا ہے کیونکہ یہ بھی لادین اور آزاد طبقہ ہے ظاہراً تو یہ اسلام کا پرچار کرتے ہیں لیکن ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے لوگوں کو بے دین بناتے کے لیے نئے نئے ہتھکنڈے

آغا خانی ریاست

ہر روز [illegible] سے پاکستانی عوام کو خدشہ رہا کہ آغا خان پاکستان کے لیے کیوں جا رہا ہے جب کہ کبھی خالی ہاتھ نہیں ہوگا آہستہ آہستہ یہ بات سامنے آتی گئی کہ آغا خان پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے انتہائی شمال میں جو بہت حساس علاقہ ہے جہاں چار ملکوں کی سرحدیں ملتی ہیں چین، روس، افغانستان اور بھارت اپنی دولت کی طاقت سے یہاں کے غریب لوگوں کے ایمان کو کمزور کرنے کے آئے دن ترقیاتی کاموں کا جائزہ لے رہا ہے اس واقعہ اور آغا خان کی آئے دن ان علاقوں کے ترقیاتی کاموں میں خصوصی توجہ لینے پر یہاں پر موجود اہل سنت والجماعت کے لیڈروں نے کئی بار ان کے ترقیاتی کاموں کی آڑ میں مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے پر ان کو للکارہ جس کی وجہ سے گلگت میں کئی فسادات ہوئے جس کی تحقیقات علاقہ میں ہو رہی ہے۔

ناظم ہے۔ اس کے بعد لی مارکیٹ، رنچھوڑ لائن اور
کھارادر ایسٹ اور کھارادر ویسٹ میں ان کی ہاؤسنگ
سوسائٹیاں موجود ہیں ان میں فدائی ہاؤسنگ سوسائٹی
کے بنگلے ہیں فلیٹوں میں پرنس علی خان، پلاٹینم اور
ہاؤسنگ سوسائٹی البیلا سوسائٹی، الہلال سوسائٹی
ناظم آباد میں گول مارکیٹ کے پاس، پیر الٰہی بخش کالونی
میں امین آباد نارتھ ناظم آباد بلاک سی میں نظاری
ہاؤسنگ سوسائٹی، بلاک ایل میں حسن آباد، زہرہ آباد
نور آپارٹمنٹس، کریم آباد، یٰسین علی آباد، رحیم آباد اور اسلم آباد
اور بے شمار دیگر سوسائٹیوں کے علاوہ کلفٹن ہاشو
اپارٹمنٹس اور بقیہ بنگلے جیسے کورنگی، ملیر کی آبادیاں
شامل ہیں۔

اس وقت ان کی آبادیوں کا سلسلہ اندرون سندھ تک
وسیع ہو گیا ہے جو ٹھنڈی سڑک حیدرآباد، سکھر، شکارپور
ٹنڈو آدم، ٹنڈو الہ یار اس کے علاوہ چھوٹے بڑے شہروں
میں وسیع تعداد میں پھیلے ہوئے ہیں ملتان اور پنجاب میں
پوری قوم آغا خانی ہے اس کے علاوہ سرگودھا
لاہور، فیصل آباد میں بھی بہت بڑی تعداد شامل ہے
پنجاب میں یہ زیادہ تر لوگ اپنے آپ کو شیخ کہلاتے ہیں
جب کہ یہ سندھ میں خوجے کہلاتے ہیں اس وقت پشاور
اور دادو میں بھی ہزاروں کی تعداد میں آباد ہیں۔

اس وقت چترال کی کل آبادی ساڑھے تین لاکھ
بتائی جاتی ہے اس وقت اس کی چھ تحصیلیں ہیں آغا خان
کے قبضے میں ہیں اور ان میں تقریباً ۹۰ فیصد لوگ آغا خانی
کے ہیں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ انہوں نے اس
پوری آبادی کا نام تبدیل کر کے آغا خانی کے نام کریم آباد
پر رکھ دیا ہے۔ گلگت کی آبادی اندازاً چار لاکھ پر مشتمل
ہے ان کے تین ضلعوں میں ۷۰ فیصد آغا خانی آباد ہیں
اس کے علاوہ بعض ذرائع کے مطابق پونیال،
اشکومن، گوپس، یاسین، ہنزہ، نگر، داس، سرتھم
وغیرہ کے تمام علاقے چترال سے ملحق ہیں اور یہ تمام
سرحدی علاقے ہیں جو اسماعیلی طبقہ آبادی کے قبضہ میں
ہیں یہ ملک کے واخان سے یہ تمام علاقے بہت قریب
تر ہیں جیسے کہ واخان، بدخشاں، اور پامیر کا علاقہ
ایک بہت نازک خطہ ہے جہاں روس، افغانستان
چین اور پاکستان کی بین الاقوامی سرحدیں ملتی ہیں
لہٰذا روس نے واخان کا علاقہ اس لیے افغان حکومت
سے تحریری طور پر حاصل کر لیا ہے کہ وہاں
آغا خانی آبادی موجود تھی اور لوگوں نے ان کا کہنا
ہے کہ افغان صوبہ بدخشان اور دیگر کئی علاقوں میں
کئی لاکھ اسماعیلی آباد ہیں کشمیر میں سیاچن کا علاقہ،
ہنزہ، پونیال، یاسین، گلگت، چترال کے مستوج، لٹکوہ
بیر وکیل اکبت ریچ اور ملحقہ غیر ملکی علاقے مثلاً
واخان، پامیر، بدخشاں، کران، جبان، شغنان،
اشکاشم اور رزیباک کا سارا علاقہ رقبہ کے لحاظ سے
افغانستان کے برابر ہے اس لیے اسماعیلی طبقہ اپنے
پیشوا شہزادہ پرنس کریم خان چہارم کی رہنمائی میں ایک
اسماعیلی ریاست کا جو خواب دیکھا جا رہا تھا اس کی تعبیر
کچھ دن قبل جو نقشے کی صورت میں پیش کی گئی ہے
وہ یقیناً ہیں اور آغا خان کی شمالی علاقہ جات میں قیادتی
سکیم شامل ہے وہ بھی اس ریاست کے تمام کا حصہ ہے۔

اس ریاست کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس ریاست
کو جو پاکستان کے بعض شمالی علاقوں کے حصے پر مشتمل ہے
رقبہ کے اعتبار سے افغانستان کے برابر ہے اس ریاست

سے اپنا علیحدہ قومی نشان ایک علیحدہ پرچم جس کا رنگ
سبز اور سرخ ہے اور قومی ترانہ بھی علیحدہ کر لیا ہے
اس ترانہ کو وہ اسماعیلی ترانہ کہتے ہیں آغا خان کو اس
منصوبے میں روس کا مکمل تعاون حاصل ہے افغانستان
پر حملے کے دوران روس نے کئی بار آغا خان کو ببرک کارمل
سے ملنے کی دعوت دی اور آغا خان یہ نہیں چاہتا تھا کہ
افغانستان کے لوگ پاکستان میں افغان مہاجرین کی
صورت میں قیام کر سکیں کیونکہ اسماعیلی طبقہ کو فکر تھی
کہ افغان مہاجرین پاکستان کے شمالی علاقوں میں زندگی
گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے تو ان کے منصوبے کسی
حد تک مکمل نہیں ہو سکتے۔ اس کے علاوہ افغانستان میں
مسلسل روسی مداخلت میں بھی آغا خان کے ایک منصوبہ کا حصہ
تھی یہاں تک کہ پاکستان کے بعض شمالی علاقوں پر افغان
گولہ باری میں بھی اسماعیلی رہنما کا ہاتھ کارفرما ہے
یہ ہی وجہ ہے کہ پرنس کریم آغا خان نے افغان مہاجرین
کی قطعی مدد نہیں کی اور نہ کسی قسم کی ہمدردی کا بھی اظہار
کیا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ کسی بھی فوجی اقتدار پر قبضہ کرنے
کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ تیار کیا جاتا ہے۔ یا
سیاسی غلبے پر کنٹرول پانے کے لیے اندرونی ڈھانچہ تیار
کیا جاتا ہے آغا خانیوں نے بھی اس مقصد کے لیے
ایک اندرونی ڈھانچہ ایک عرصہ دراز پہلے تیار کیا
تھا اور آہستہ آہستہ بہت سے اداروں پر تصرف
حاصل کر لیا یعنی سڑکیں بنوائیں آغا خان فنڈ میں
اضافہ کیا روس اور افغانستان پر قبضہ کے لیے سڑکوں
کی تعمیر سڑکوں سے منسلک زمین دوز راستے، پلوں کی تعمیر
ہیلی پیڈ، دیہاتی ترقی کے نام پر پانی کی فراہمی کو
یقینی بنانا۔ علاج و معالجہ کے لیے ایمرجنسی کے
نام پر دوائیوں کی خدمات۔ شمالی علاقہ جات میں
حیرت جات کی بیماریاں نہ ہونے کے باوجود علاج کے
نام پر سیکڑوں ڈسپنسریوں کا قیام، سیکڑوں تعلیمی
اداروں کا قیام۔ اسماعیلی مسلک ترویج کے لیے راستہ
ہموار کرنا، ڈاک کی ترسیل کا کام آغا خانیوں کے حوالے
ہو جانا پاکستانی فوج میں اسماعیلی افراد کی زیادہ
سے زیادہ تعداد۔ کہا یہ جاتا ہے کہ گزشتہ دس سال
کے مقابلہ میں آج اس بھرتی کی رفتار کئی گنا ہے
سول محکموں مثلاً پولیس اور انتظامی امور سے متعلق
سرکاری دفتر میں بھی یہی صورت حال ہے۔ حاصل
شدہ اطلاعات کے مطابق آغا خان کا فاؤنڈیشن
ابھی تک دنیا کے کسی اور ملک میں اس نوعیت کا کوئی
ترقیاتی پروگرام موجود نہیں ہے اس فاؤنڈیشن کا
ہیڈ آفس سوئٹزرلینڈ کے دارالحکومت جنیوا (یورپ)
میں ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر آغا خان
ہے کون؟ اس کے بارے میں ایک امریکی جریدے کی
خاتون رپورٹر جارجینا صاحل کے انکشافات پیرس
میں ان کی ایک عظیم الشان رہائش گاہ کے ڈیڑھ سو سے
زائد افراد انہیں ہز ہائینس کہہ کر پکارتے ہیں ان کی
بات کسی کا بیٹا کہ افراد انہیں ایچ ایچ کہہ دیں اس
یا پھر ان کی موجودگی میں انہیں یور ہائی نس کہتے ہیں وہ
اسماعیلیوں کے امام وقت ہیں۔

ادران کے عبادت خانوں میں عام آدمیوں کا داخلہ
کیوں نہیں جبکہ پاکستان میں رہنے والے دوسرے مذاہب
کی عبادت خانوں تک کسی کو آنے جانے کی روک
ٹوک نہیں آغا خانیوں کے عبادت خانوں میں کیوں
ممانعت ہے پرنس کریم آغا خان کو کروڑوں روپیہ
کیسے ملتے ہیں ان تمام حالات کے بارے میں اور اسماعیلی
مذہبی خدمت کمیٹی کے بارے میں آئندہ تفصیل سے روشنی
ڈالی جائے گی۔

راولپنڈی (نمائندہ خصوصی) قومی کشمیر کانفرنس
کی آخری نشست میں ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے
شملہ معاہدے کو مسترد کیا گیا کہ یہ معاہدہ اب اپنی
افادیت کھو چکا ہے

جسارت
جلد ۱۳ ... ذوالحجہ ۱۴۰۵ھ ... ستمبر ۱۹۸۵ء ... نمبر ۲۲۸

بشکریہ روزنامہ جسارت کراچی، نقطۂ نظر

نقطۂ نظر

اے میری قوم! گروہ رہنما

الحمدللہ ہم اپنے ... [illegible]
ثابت ہو کہ اسلام کے صحیح عقیدہ پر قائم ہو گئے ہیں مسلم
مسلم قوم ہماری اسماعیلی دینی ہمارا اسلام وطن ہمارا پاکستان ہم
اللہ واحد لاشریک پر ایمان رکھتے ہیں اس کی آخری کتاب
قرآن کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرنے کو راہ نجات تسلیم کرتے ہیں
ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اہل
بیت اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین سے محبت
رکھتے ہیں اور ان کے زمین کو مانتے چلے آئے ہیں یہیں دینی
فتنوں کا اسلام کے اسلام نے درج ذیل تعلیم دی ہے۔
۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ ہمارا سلام ہے
اور اس کا جواب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ ۔ لا الٰہ
الا اللہ محمد رسول اللہ ہمارا کلمہ ہے۔ ہم سنت رسول
کے مطابق وضو اور غسل سے پاک ہوتے ہیں جس سے ہمیں
طہارت حاصل ہوتی ہے۔ ہم اس کے لیے ہمیشہ یا اللہ
پکارتے ہیں۔ قبلہ رخ کر کے نماز پنج وقتہ ہم اذان دے کر
با جماعت سنت رسول کے مطابق مقررہ وقت پر ادا کرتے ہیں
خانہ کعبہ اللہ کو حاضر و ناظر جان کر قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ کی
ترتیب سے ادا کرتے ہیں۔ کیوں کہ نماز کی ادائیگی ہر مسلمان پر
فرض ہے۔ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ ہم ماہ
رمضان المبارک کے روزے سنت رسول کے مطابق فرض سمجھ

باقی صفحہ نمبر ۱۳۶

دُعاء

ہر آغاخانی مسلمان پر فرض ہے تین وقت کی یہ دعا
جماعت خانہ میں آکے پڑھے، پانچ وقت فرض نماز کے بدلہ میں

۲۱ مارچ سنہ ۱۹۷۰ء ۵۰۰۰

شائع کردہ
اسماعیلیہ ایسوسی ایشن پاکستان
کراچی

آغاخانیت کیا ہے؟

آغاخانی عقائد ونظریات کا آئینہ
آغاخانیوں کی مستند کتابوں کے حوالوں سے

مُرتّب
فیض اللہ چترالی

ناشر
سوادِ اعظم اہلسنّت چترال۔ پاکستان

ملنے کا پتہ
مکتبہ اہلسنّت
دارالعلوم تعلیم القرآن۔ پارہ گیٹ
پشاور۔ صدر

پرنس کریم کا گھوڑا شیر گود تصویر



پرنس کریم آغا خان اپنے گھوڑے شیر گر کے ہمراہ جسے گزشتہ دنوں اغوا کر لیا گیا۔

મિલ્લત

નિકલ કે સેહરાસે જિસને રૂમાકી સલ્તનતકો ઉલટ દીયાથા
સુના હૈ યે કુદસીઓસે મૈંને વો શેર ફિર હોશિયાર હોગા

મંગળવાર તા. ૧૭મી ડીસેમ્બર, ૧૯૮૫

પ્રીન્સેસ યાસ્મીનને અવતરેલું બાળક

ન્યુયોર્ક : પ્રીન્સ અલીખાન અને ફિલ્મ એક્ટ્રેસ રીટા હેવ-ર્થની પુત્રી શાહઝાદી યાસ્મીને પુત્રને જન્મ આપ્યો છે. તેના ગ્રીક જહાજ પતિ સાથે લગ્ન થયા હતા પણ એ પતિથી અલગ થઇને ન્યુયોર્ક ચાલી ગઇ હતી જ્યાં એની ૬૨ વર્ષની મા રીટા બીમાર છે.

આપણે ઇમામી ઇસમાઇલીઓ હાઝર ઇમામના મુરીદો, ખુદાઇ નુરને કે જે આપણા હાઝર ઇમામમાં રોશન છે, તેને સીજદો કરીએ છીએ. આપણે નુર

(૫)

પરસ્ત છીએ, કારણ કે આપણે નુરને જ માનીએ છીએ અને નુરનેજ સીજદો કરીએ છીએ

આપણો ઇસમાઇલી દીન-મઝહબ ખુદાઇ નુરની ખરી સમજણ આપનારો દીન છે. જેથી આપણા દીન-મઝહબનો આપણે અભ્યાસ કરવો જોઇએ.

એ નુર પ્રત્યે જે ચાહના રાખે છે અને એ નુર શું છે તેની જે શોધ કરવાની ઝંખના કરે છે તેના ઉપર ખુદાતઆલાની મહેરબાની ઉતરે છે.

ખુદાઇ કલામમાં ફરમાવ્યું છે કે "ખુદાતઆલા જેના ઉપર ચાહના રાખે છે તેને પોતાના નુર વડે હિદાયત કરે છે." એ હિદાયતથી આપણને ખુદાઇ નુરનું જ્ઞાન થાય છે, અને એ નુરની આપણે ઇમામે ઝમાનથી જ ખરી ઓળખાણ કરી શકીએ છીએ.

تیسرا درجہ

پہلا سبق

ہم اماِمی اِسماعیلی "امامِ حاضر" کے مُرید۔ خدا کا نور جو "امامِ حاضر میں" روشن ہے اُس کو سجدہ کرتے ہیں۔

حوالہ:۔ سبق I صفحہ نمبر ۴ شکشن مالا III
منظور شدہ درسی کتاب برائے ریلیجیس نائٹ اسکولز۔
یکے از مطبوعہ اسماعیلی ایسوسی ایشن برائے انڈیا۔ بمبئی۔

ہم نور پرست ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا نور پر ایمان ہے اور اسی نور کو ہم سجدہ کرتے ہیں۔

حوالہ:۔ سبق نمبر ۱ ، صفحہ نمبر ۵
شکشن مالا نمبر ۳
منظور شدہ درسی کتاب برائے ریلیجیس نائٹ اسکولز
یکے از مطبوعات اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند۔ بمبئی۔

نمازی اسماعیلی خدمت کمیٹی

اصلاحِ عقائد اور خدمتِ خلق کی ایک انقلابی تحریک

اسماعیلی مسلمان پاکستان کی آبادی کا نہایت خاموش اور پُرامن حصہ ہیں۔ عموماً تجارت اور کاروبار ان کا پیشہ ہے ان کے عقائد، رسم و رواج اور رہن سہن کے بارے میں لوگوں کو عام طور سے کچھ زیادہ معلومات نہیں ہیں۔ کراچی اور ملک کے دوسرے شہروں میں ان کی علیحدہ بستیاں اور جماعت خانے ہیں جن میں یہ لوگ نہایت خاموشی کے ساتھ اپنی معاشرتی اور مذہبی سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔ قیام پاکستان میں اسماعیلی مسلمانوں خصوصاً ان کے اس وقت کے امام و پیشوا جناب سلطان محمد شاہ آغا خاں کا کردار نہایت نمایاں اور قابل قدر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیلی آج بھی اچھے اور محب وطن پاکستانی ہیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں پورے انہماک کے ساتھ اپنا حصہ ادا کر رہے ہیں۔ ان کے مروجہ عقائد کے بارے میں اگرچہ تفصیلات کا حاصل کرنا دشوار ہے لیکن سلطان محمد شاہ آغا خاں کے ایک ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے اصل عقائد عام مسلمانوں سے مختلف نہیں ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے تحریک آزادی کے دوران ایک موقع پر ہندو لیڈر پنڈت نہرو کے اس اعتراض کے جواب میں کہ اسماعیلی مسلمان نہیں ہیں، آغا خاں کی اس وضاحت کو اسماعیلیوں کے بنیادی عقیدے کے درست ہونے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا تھا۔ آغا خاں کا یہ بیان روزنامہ استار الٰہ آباد کی ۱۲ مارچ ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا اور حرف اقبال نامی کتاب کے صفحہ ۱۳۱ پر آج بھی تاریخی ریکارڈ کے طور پر موجود ہے۔ یہ دراصل اپنے پیروؤں سے آغا خاں کے خطاب کا ایک حصہ ہے جسے ہم یہاں نقل کر رہے ہیں:

"گواہ رہو کہ اللہ ایک ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ کعبہ سب کا قبلہ ہے۔ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ مسلمانوں سے السلام علیکم کہہ کر ملو۔ اپنے بچوں کے اسلامی نام رکھو۔ مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں باجماعت نماز پڑھو۔ پابندی سے روزے رکھو۔ اسلامی قانون نکاح کے مطابق اپنی شادیاں کرو۔ تمام مسلمانوں سے اپنے بھائیوں کی طرح برتاؤ کرو۔"

(حرف اقبال، صفحہ ۱۳۱)

آغا خاں کے اس ارشاد کی روشنی میں چند برس پہلے کراچی کے ایک باشعور اسماعیلی مسلمان جناب اکبر علی غلام حسین نے اپنے اسماعیلی بھائیوں میں ان غلط عقائد کی اصلاح کی تحریک شروع کی جو مختلف وجوہ سے رائج ہو گئے ہیں انہوں نے اپنے ساتھیوں میں سب سے پہلے توحید کا شعور عام کیا اور قرآن و حدیث اور عقلی دلائل سے ان پر واضح کیا کہ اللہ کو خالق و مالک جاننے کے بعد کسی اور کے آگے سجدہ کرنا یا کسی اور سے دعائیں مانگنا یا یہ خیال رکھنا کہ اللہ کے سوا بھی کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ خالص مشرکانہ اعمال ہیں اور ایمان و اسلام کے قطعی منافی ہیں۔ اسی طرح انہوں نے قرآن و سنت سے ثابت کیا کہ فرض نمازوں کے بارے میں یہ تصور کہ وہ صرف تین وقت کی ہیں بالکل بے بنیاد ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے دن رات میں پانچ نمازوں کا حکم دیا ہے اور ہر مسلمان پر ان کی ادائیگی فرض ہے۔ جناب اکبر علی کا خلوص رنگ لایا۔ ان کی باتوں نے دلوں میں گھر کیا، بیدار ہو کر لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا اور آج خدا کے فضل سے صرف کراچی میں ایسے ہزاروں اسماعیلی موجود ہیں جو صحیح العقیدہ مسلمان بن چکے ہیں۔ یہ لوگ عام مسلمانوں

باقی صفحہ نمبر ۱۵۴

روزنامہ جسارت کراچی ۷ ار جولائی ۱۹۸۱ء

۴۶

(۱) پہلا اوتار شاہ نے مچھلی کے رُوپ میں لیا۔ "دیوسنکھا سر" کی گردن مروڑ کر شاہ نے مار ڈالا اور چاروں وید اُس سے لے آئے۔

(۲) دوسرا اوتار کچھوے کی شکل میں لیا اور دیو "مدھوکنک" کو مارا اور پوری دنیا کا بوجھ اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔

(۳) شاہ نے تیسرا اوتار وَاراہ (سُوَر) کے روپ میں لیا اور شاہ نے "مور" دیو کو مارا اور دیو "ہرناکنس" کو بھی مارا اور "پرھلاد" اور پانچ کروڑ مریدوں کو نجات دلائی۔

(۴) شاہ نے چوتھا اوتار "وامن" کے روپ میں لیا اور "دیوبلی" کو ہلاک کیا۔

(۵) شاہ نے "پرشورام" کے روپ میں پانچواں اوتار لیا اور "شیستر ارجن" دیو کو مارا۔

(۶) چھٹا اوتار شاہ نے "رام" کے رُوپ میں لیا۔ اور دس سر والے "راون" دیو کو ہلاک کیا۔ سیتا کو آزاد کرایا اور راجہ "وِبھشن" کو "لنکا" کا راجہ بنایا۔

(۸) آٹھواں اوتار شاہ نے "کرشن" کے رُوپ میں لیا "نند" کے گھر پیدا ہوئے۔ کالے مہیب ناگ کی ناک میں نکیل ڈالدی اور دیو "کنسا سُور" کو مارا

(۹) شاہ نے نواں "اوتار" "بُدھ" کے رُوپ میں لیا۔ اور دیو "درلیودھن" کو ہلاک کیا۔ پانچ پانڈوؤں کو بچایا اور راجہ "یودھشٹر" کو ۹ کروڑ مریدوں کے ساتھ نجات دلائی۔

(۱۰) آجکل دسویں اوتار میں "علی" کے رُوپ شاہ ظہور میں ہیں۔

حوالہ:۔ گنان نمبر ۳۱ صفحہ نمبر ۳۶ مقدس گنان کا مجموعہ۔
مرتبہ: پیر شمس یکے از مطبوعہ اسماعیلیہ ریلیجس بک ڈپو۔ بمبئی۔

૯૮

(૪૬)

ત્યાં પ્હેલે અવતારે શાહ મચ્છ મત્સ્યરૂપ, દૈત સંખીઆને છેદ્યો. ૧૮
ત્યાં બીજે કુરમરૂપે રાખી ધાંબળો ઝાલીઆ, મધુ દૈત હણ આયા. ૧૯
ત્યાં ત્રીજે અવતારે શાહ વરાહ રૂપે આવે, એમાં મોર અસૂર મારી. ૨૦
ત્યાં ચોથે રૂપે શાહ આવીને બેઠા, દૈત હરણાકસ મારીઆ. ૨૧
ત્યાં હરણાકસનું શાહ પ્રહલાદ ઉગારીઆ, વેદ ચારેઉ વારીઆ. ૨૨
ત્યાં વામન રૂપે બલીરાજા છળીઆ, પુરીએ આર ... ૨૩
ત્યાં સાત સાગર શાહ મહી વીંટીઆ, નવ નવેરા તારીઆ. ૨૪
ત્યાં પરશુરામ રૂપે ધર શાહ અવતરીઆ, સેર દાનવ શાહ મારીઆં. ૨૫
ત્યાં પાંચ કરોડનું સત્ત પહેલાજ તારીઆ, દૈત હરણાકંસ સંહારીઆ. ૨૬
ત્યાં વામન રૂપે શાહ બહુ રંગી બેઠા, બલીને ચાંપીઓ પાતાર. ૨૭
ત્યાં શેસ્ત્રાર્જુન શાહ પીંજરે ઘાલીઓ, હરચીરાય નામ વધારીઆ. ૨૮
ત્યાં રામ રૂપે શાહ સીતા વારી, દૈત દશશીર મારીઆ. ૨૯
ત્યાં દશ મુસ્તકનો શાહ રાવણ રોળીઆ, રાજ ભભીખણને આલીઆ. ૩૦
ત્યાં કાન રૂપે શાહ કાળી નાથી, કંસના આર ... ૩૧
ત્યાં આઠમેં નંદ ઘેર ગોવીંદ આવ્યા, દૈત કંસાસુર મારીઆ. ૩૨
ત્યાં બુધ રૂપે શાહ પ્રગટ હુઆ, પંચકી પાંડવ તારીઆ. ૩૩
ત્યાં નવે કરોડનું સત્ત જુજેસ્ટર તારીઆ, દૈત દુરજોધન સંહારીઆ. ૩૪
ત્યાં આજ દશમે શાહ પ્રગટ હુઆ, અલી રૂપે નામ ધરાવીઆ. ૩૫
ત્યાં દુલદુલ ઘોડે પરઠ વાલે, ... ૩૬

اسماعیلیہ نمازی خدمت کمیٹی

درس قرآن کے پروگرام میں ایک ہزار افراد نے شرکت کی

اسماعیلیہ نمازی خدمت کمیٹی، اسماعیلی مسلمانوں میں اصلاح عقائد اور حقیقی اسلامی تعلیمات کی اشاعت کے لیے کام کر رہی ہے۔ ہم نے ایک گزشتہ اشاعت میں اس کا مختصر تعارف کرایا تھا۔ آج اس تنظیم کے ایک پروگرام کی رپورٹ پیش کی جارہی ہے۔ جو اگرچہ تاخیر سے شائع ہو رہی ہے مگر اس کی افادیت اپنی جگہ برقرار ہے

اسماعیلیہ نمازی خدمت کمیٹی کی طرف سے امسال بھی حسب روایات تمام نمازی اسماعیلی بھائیوں کو بروز جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ (بمطابق ۲۴ جولائی ۱۹۸۱) افطار پارٹی پر مدعو کیا گیا۔ اگرچہ اس روز کراچی میں شدید بارش ہوئی لیکن اس کے باوجود افطار پارٹی میں توقع سے زیادہ حاضری تھی۔ مردوں، عورتوں اور بچوں کی مجموعی حاضری ایک ہزار سے زیادہ تھی۔

اس افطار پارٹی کا اہتمام نیشنل پلیس کے بالمقابل خوجہ جماعت خانہ کریم آباد مین روڈ کراچی میں کیا گیا تھا۔ یہ ایک وسیع و عریض بنگلہ ہے جس میں خواتین اور مردوں کے لئے اسلامی روایات کے مطابق علیٰحدہ علیٰحدہ انتظام کیا گیا تھا۔ جہاں مرد اور خواتین پانچ بجے شام ہی سے آنے شروع ہو گئے تھے۔

کارروائی کا آغاز درس قرآن مجید سے کیا گیا۔ مولانا صلاح الدین صاحب نے اپنے درس قرآن میں بتایا کہ:

"رمضان شریف کے روزے اس لئے فرض کئے گئے ہیں کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہو۔" اسی طرح قرآن پاک سے وہی لوگ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔ جن کے اندر تقویٰ کی صفت پائی جائے۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ کی تشریح کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ تقویٰ دراصل دل کی اس کیفیت کا نام ہے کہ انسان تلاش حق کی جستجو میں رہے۔ وہ لوگ کہ جنہوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہ ہو کہ اللہ کی بندگی کا صحیح طریقہ کیا ہے اور حق کیا ہے؟ تو پھر ایسے تمام لوگوں کے لئے ہدایت کے راستے بند ہیں۔ مولانا موصوف نے قرآن پاک کی اس آیت۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (ترجمہ: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں صاحب امر ہوں پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملے میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو) یعنی اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت غیر مشروط ہے لیکن صاحب امر کی اطاعت مشروط ہے بالفاظ دیگر اگر وہ تم کو اللہ اور رسول کے احکامات کے خلاف حکم دیتا ہے تو تم پر اس کی اطاعت فرض نہیں ہے بلکہ اگر اس کی اطاعت کرو گے تو اس کی سزا کے مستحق ہو گے۔

مثلاً نماز کا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وقت نماز پڑھ کر بتائی ہے اب اگر تمام صاحب امر یا امام تین وقت کی نماز بتاتا ہے اور اس طریقہ سے نماز ادا کرنے کو نہیں بتاتا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی ہے تو تم کو اس کے حکم کو قرآن پاک اور حدیث شریف کی کسوٹی پر دیکھنا چاہیے۔ اگر قرآن اور حدیث سے اس صاحب امر یا امام کا حکم غلط ثابت ہوتا ہے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرنا چاہیے۔

"لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق"

"یعنی اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے"

یہ بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ سوائے اللہ کی ذات کے تمام اشیاء مخلوق ہیں۔

مندرجہ بالا آیت کی مزید تشریح کرتے ہوئے مولانا صلاح الدین نے فرمایا کہ صرف انبیاء علیہ السلام ہی معصوم ہیں کیونکہ ان کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی رہنمائی حاصل رہی ہے انبیاء کے سوا دیگر مخلوق میں سے کوئی اور معصوم نہیں ہے یعنی اس کے فیصلے اور خیالات سے قرآن و حدیث کی روشنی میں اختلاف کیا جا سکتا ہے اور جو فیصلہ اللہ اور اس کا رسول دے صرف اس کو تسلیم کیا جائے گا۔ مولانا موصوف نے تمام سامعین کو اس بات کی دعوت دی کہ وہ تمام قسم کے تعصبات سے پاک ہو کر خالصتاً تلاش حق کی جستجو کی نیت سے قرآن مجید کا مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائے گا۔

روزنامہ جسارت کراچی ۲۸ اگست ۱۹۸۱ء

تعارف: درس قرآن کے پروگرام۔

آغاخانیوں کے انچاسویں امام پرنس کریم آغاخان جواب دیں

- کیاآپ مسلمان ہیں ؟
- اگر مسلمان ہونے کا دعوٰی ہے تو مسلمانوں کی طرح نماز روزہ اور حج و زکوٰۃ کے کیوں قائل نہیں ۔ چنانچہ آپ کے جماعت خانے میں نہ کبھی اذان ہوتی ہے نہ نماز پنجگانہ ، نہ آپ کے جماعت خانے قبلہ رُخ ہیں ، آپ کے مرید نہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں نہ بیت اللہ شریف کا حج کرتے ہیں ؟
- کیا یہ واقعہ نہیں کہ آپ کے جماعت خانوں میں قرآن کے بجائے " گنیان " پڑھائی جاتی ہے اور اس کو قرآن کا درجہ دیا جاتا ہے ؟
- آپ کے مُرید بتلاتے ہیں کہ امام زمان نے ہمیں روزہ اور نماز معاف کر دیا ہے ، کیا امام خدا کے احکام کو منسوخ کر سکتا ہے ؟
- جماعت خانوں میں آپ کے مُرید آپ کی طاعت و سجود بجالاتے ہیں ، آپ سے دعائیں مانگتے ہیں اور آپ سے گناہ معاف کرنے کی درخواستیں کرتے ہیں ۔ کیا یہ وہی کام نہیں جو مشرکین بتوں کے ساتھ کرتے تھے ۔ اور کیا یہ بعینہٖ بت پرستی نہیں ؟
- جماعت خانوں میں آپ کے نمائندے (مکھی) گرانقدر معاوضہ لے کر آپ کے دم کئے ہوئے آب شفا سے چھینٹے مار کر لوگوں کے گناہ آپ کی طرف سے معاف کرتے ہیں کیا آپ یا آپ کے نمائندے گناہ معاف کرنے کی طاقت رکھتے ہیں جبکہ قرآن کریم میں ہے ۔

  " اور کون بخش سکتا ہے گناہوں کو اللہ کے سوا "
- آپ کے اور مسلمانوں کے درمیان کونسی قدر مشترک ہے جس کی بنا پر آپ مُسلمان ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں
- تمام مذاہب کے عبادت خانے بلاتخصیص مذہب عام لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہوتے ہیں آپ کی جماعت خانے کیوں بند ہیں ؟
- آپ کے عقائد عام لوگوں سے مخفی کیوں ہیں ؟
- اسلام کے خلاف سازش برپا کرنے والی اسماعیلی تحریکیں مثلاً قرامطہ اور الموت کے فدائین سے آپ کا کیا تعلق ہے ؟

براہ مہربانی ان سوالوں کے جوابات ریڈیو ، اخبارات یا مطبوعہ اشتہار کے ذریعے دیجئے اور دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اپنے مریدوں کی مذہبی پوزیشن واضح کریں ۔

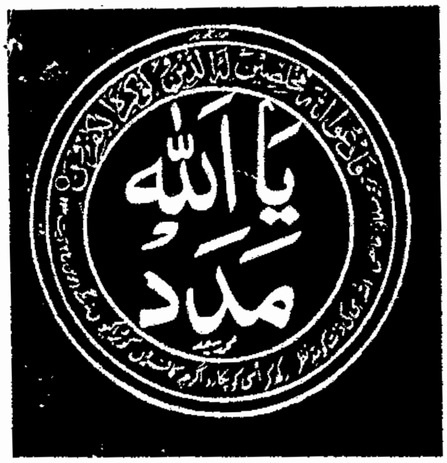
منجانب :- جمعیت طلباء اسلام چترال (پاکستان)

صفحہ نمبر ۱۴۱ کا بقایا

because God's image on earth is the present Imam.

- Present Imam is the source of guidance instead of the Quran.
- Daily sins can be pardoned by sprinkling water by the priest of the Jama't Khana.
- If one fails to attend three daily prayers one can be pardoned by paying some money to Jama't Kahana on Friday and drinking and sprinkling some water from there. If one fails to do so on a Friday one may give some extra money and whole month's sins will be pardoned by doing so.
- Various rates are paid to get light of Imam annually, or twelve yearly or life long membership.
- Some fixed amount is paid once in the lifetime to Jama't Khana for the present Imam's mediation on the Day of Judgement.
- Salutations are Ya Ali Madad in reply is said Maula Ali Madad.

Information on faith is derived from advertasement by Ashiq Ali (President) V.H R H Prince Agah Khan, Federal Council for Pakistan Religious Committee, published as such withot addition or subtraction by 'Sirat e Mustaqeem' Birmingham, England



بسم اللہ الرحمن الرحیم

درود پڑھیے، ضرور پڑھیے، مگر درودِ رسول پڑھیے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ	اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

(بروایت بخاری و مسلم)

FOURTYNINTH IMAM OF THE AGAKHANIS.
PRINCE KARIM AGAKHAN PLEASE REPLY

خبردار

اب سے چودہ سو سال پہلے کے زمانے کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی ... سامنے رکھیں اور اللہ تعالی کے ارشادات پر غور کریں.

رب العالمین نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا:

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝ المزمل

ترجمہ: وہی مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوا کوئی نہیں اسی کو اپنا مددگار پکڑو

1. Are you Muslim. ?

2. If you and your followers claim to be Muslims, then why you and your followers do not follow the basic tenets of Islam viz. Namaz, Rojah, Zaqat and Haj. Why Azan has never been heard from the Jamatkhanas nor the same are constructed facing Baitullah, the Qiblah nor the five times cannonical prayers have ever been held. Your followers do not observe the Ramzan fasts nor they perform the Pilgrimage of Haj.

3. In your Jamatkhanas Ginnans are read instead of Quran and these Ginans are held in equal esteem that of the Quran.

4. Your followers say that their Imam has freed them from the bounden duties of Namaz, Roza, Zaqat and Haj, Sir, have you got the power to ammen, alter or repeal the commands of Allah the Almighty. ?

5. In your Jamatkhanas your followers perform Sijdah to your photos and invoke you to forgive their sins ; these are the same rituals that were performed by the Mushrikeens. Sir, is this not the open Shirk. ?

6. In the Jamatkhanas, on payment of monetary sums, the Mukhi forgives the sins of your followers on your behalf. Have you got the power to forgive the sins. Where as Allah has ordained in his Quran "who is there besides Allah that can forgive the sins".

7. There is not the slightest similarity in the teachings of Islam and the teachings of your cult, then on what basis you claim to be the Muslims. ?

8. All the places of worship in Islam are open all the Muslims, why your Jamatkhanas, the only places of worship that your followers have, are closed to the common Muslims. ?

9. Why secrecy shrouds your, and yours followers beliefs.?

10. How you are related to the secretive and conspirative movements against Islam viz. the Karamathians, the Fidayeens, the Assassins of Alamut.

It will be a great obligation for all including your followers if the answers to these questions are published, relayed and televised.

JAMIAT TALBA-E-ISLAM CHITRAL PAKISTAN

156

155

صفحہ نمبر ۱۲۵ کا باقی حصہ

بقیہ :- آپریشن

دیغرہ کا انتظام سب ہماری ذمہ داری ہے۔ ویسے تو اسماعیلی اپنی آمدنی کا دسواں حصّہ آغاخان کو مذہبی ٹیکس کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لیکن افغانستان کے متعلق آغاخان کا حکم ہے کہ سید منصور اس مذہبی ٹیکس سے جتنی رقم چاہے اسماعیلی کرفرقہ کی فلاح و بہبود پر خرچ کرسکتا ہے۔

کیان میں پچاس بستروں کی گنجائش کا ایک ہسپتال بھی ہے جس میں اکثر مریض ہیروئن کے عادی ہیں۔ ہسپتال کی ڈاکٹر سیماؤلنس نے بتایا کہ " یہ اس وجہ سے ہے کہ جنگ کے باعث خاندان منتشر ہو گئے ہیں۔ ہمارے ہسپتال میں ایک تین سال کا بچہ بھی ہے جو نسوار سونگھنے کا عادی ہے۔" سید جعفر نے بتایا کہ اس ہسپتال میں صرف اسماعیلی ہی نہیں بلکہ ایسے زخمی مریض بھی ہیں جو لڑائی میں حکومت کے ساتھ یا اس کے مخالف تھے۔ کیان میں ایک جیل خانہ بھی ہے۔ ہمارے وہاں قیام کے دوران اس میں چالیس قیدی تھے، جن میں افغان مجاہدین کے علاوہ قبائلی دشمن اور قتل کے مجرم بھی بند تھے۔ تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں بند ان مجرموں کے ساتھ مغربی ممالک کی سزاؤں کے مقابلے میں نرمی برتی جاتی ہے۔ ایک قیدی نے اب تک چار قتل کئے تھے اور اُسے صرف چھ سال کی سزا ملی تھی جو بظاہر بہت کم ہے۔

سید جعفر کے ساتھ کیان کے علاقے میں گھومنے کے دوران مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ایک عام فوجی سپہ سالار نہیں ہے۔ افغانستان میں شاید چند ہی ایسے افراد ہوں گے جو یہ کہہ سکیں کہ ناشتہ تو مجاہدین کے ساتھ کرتے ہیں اور دوپہر کا کھانا روسیوں کے ساتھ اُڑاتے ہیں جو سید جعفر کا روز کا معمول ہے۔

افغانستان کی اسماعیلی ریاست کے نوجوان رہنما نے سنڈے میگزین کے نمائندے کو بتایا کہ پہاڑوں پر اُن کی فوجی چوکیاں مجاہدین کے حملوں سے مدافعت کرتی ہیں۔ اُن کے قبضے میں ایک بڑی شاہراہ بھی ہے جسے "پُرانی سڑک" کہتے ہیں جس کے ذریعے پاکستان سے مجاہدین کو امداد پہنچتی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم نہ چاہیں تو مجاہدین کو اسلحہ نہیں پہنچ سکتا۔

کیان کی سرحد پر سید جعفر کی ملاقات حزب اسلامی گروپ کے مجاہدین سے بھی ہوئی جو پاکستان جا رہے تھے اور قریب ہی اسماعیلی مسلح افسر اسلحہ سے لدے ہوئے مجاہدین کے ٹرک کا معائنہ کر رہے تھے۔ سید جعفر نے کہا "ہم ہر ایک کے دوست ہیں۔ کیان میں میرا ایک خاص محل ہے، جہاں ہم روسیوں کی دعوت کرتے ہیں۔ اسی محل میں چند کمرے مجاہدین سے ملاقات کے لئے بھی مخصوص ہیں۔ ہمارا مجاہدین سے معاہدہ ہے لیکن کبھی کبھی اُن سے لڑنا بھی پڑتا ہے۔ ہم کسی کو جان سے مارنا نہیں چاہتے لیکن اگر ضرورت پڑے تو ایسا بھی کرنا پڑتا ہے۔"

جنگ کی وجہ سے افغانستان میں ہر طرف تباہی ہے۔ دس لاکھ افراد مارے گئے۔ کتنے ہی افغان خاندان برباد ہیں۔ ہر طرف تکلیفیں اور مصیبتیں ہیں لیکن یہ جنگ اور روسی جارحیت اسماعیلیوں کے لئے ایک طرح سے باعث برکت ہے۔ روسی جارحیت سے قبل افغانستان کی سب حکومتیں یہاں تک کہ ظاہر شاہ بھی تمام اسماعیلیوں کو افغانستان سے نکال دینے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔

افغانستان کے سابق صدر ببرک کارمل نے اسماعیلیوں کی ضبط شدہ املاک واپس کر دیں۔ اور اب روس کے حمایتوں نے ان کو اسلحہ بھی فراہم کیا ہے تاکہ وہ ایک مضبوط فوجی طاقت بن جائیں۔ یہ اسماعیلی فوج جو ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور مشین گنیں وغیرہ استعمال کرتی ہے، وہ سب کی سب صرف روسیوں سے ہی حاصل نہیں کرتے بلکہ سید جعفر کے بقول "ہم مجاہدین سے بھی اسلحہ وصول کرتے ہیں۔"

جنگِ افغانستان میں اسماعیلیوں کے کردار اور مستقبل کے حوالے سے اسماعیلی ریاست کے نوجوان رہنما سید جعفر نے جیف بی ہارسن کو بتایا "افغانستان میں جنگ سے قبل ہم اپنی حفاظت بھی خود نہیں کر سکتے تھے لیکن یہ جنگ ہمارے لئے سو فیصد مفید ہے۔ اب ہمارے پاس بہت سا اسلحہ ہے۔ افغانستان میں آئندہ خواہ کوئی بھی حکومت رہے، اُسے آزاد اسماعیلی طاقت سے تعاون کرنا ہوگا۔"

افغانستان کی اس جنگی کشمکش میں جب کہ لوگوں کی وفاداریاں منقسم ہیں، سید جعفر اور اس کا باپ نجیب اللہ کی حکومت اور مجاہدین کے درمیان ایک رابطہ ہے اور کیان ایک پُرامن علاقہ ہے، جسے افغانستان کا سوئٹزرلینڈ بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہاں ہم نے ایک ناشتہ کی دعوت کی فلم بھی بنائی، جس میں کئی مجاہدین لیڈروں کے علاوہ شوریٰ اتفاق کے وائس کمانڈر سید علی مرتضوی اور جمعیتِ اسلامی کے پروپیگنڈہ سیکریٹری آصف جوہری بھی موجود تھے۔ سید جعفر نے مجاہدین کی کسی بھی جماعت سے الحاق کرنے سے انکار کر دیا ہے لیکن جمعیت اسلامی کے نمائندے کو اس نے یہ کہہ کر خوش کر دیا "اگرچہ آپ کی جمعیت ہماری دشمن ہے اور ہمارے خلاف لڑتی ہے لیکن اب بھی اگر آپ کا کوئی حکم ہو تو ہم اُسے بجالانے میں خوشی محسوس کریں گے اور جو خدمت ہم سے ممکن ہوگی ضرور کریں گے۔"

اسی طرح سید جعفر روسیوں کا دوست بھی ہے۔ چند دن بعد ہم نے اس کے ساتھ ایک چھاؤنی میں روسیوں کی ایک خفیہ ملاقات پر فلم بنائی۔ اس شاندار دعوت میں روس کے انواع و اقسام کے کھانے اور روسی شرابیں شامل تھیں۔ سید جعفر نے روسیوں سے وعدہ کیا کہ وہ ان کے جنگی قیدیوں کو رہا کرانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ اس سے پہلے ایسا ہی وعدہ اس نے مجاہدین کے جنگی قیدیوں کے متعلق بھی کیا تھا۔ سید جعفر نے روسی افسر کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا "ہم اسماعیلی ہیں۔ اسماعیلی جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں۔ جو بھی مشکلات ہمیں پیش آئیں گی ہم انہیں برداشت کریں گے اور آپ کے ساتھیوں کی رہائی کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ آپ خوشی خوشی واپس جائیں۔ آپ کے افسر آپ سے بازپرس نہ کریں گے۔"

اس روز دوپہر کے کھانے پر یہ فیصلہ بھی ہوا کہ روسیوں کے افغانستان سے جانے کے بعد سید جعفر کو بغلان کا فوجی گورنر بنا دیا جائے گا۔ اسی طرح روسیوں کی گاڑیاں، اسلحہ اور فوجی سرحدی چوکی پر ان کا قبضہ ہوگا۔

افغانی لباس میں ملبوس سید جعفر اب بھی اپنے مغرب میں گذارے ہوئے دن یاد کر کے کہتا ہے "پنسلوینیا میں کیا دن تھے۔ مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہیں گے۔ مجھے میکڈونلڈ ریسٹورنٹ میں کام کرنے میں بھی بڑا لطف آتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں بڑے اچھے فرنچ فرائز بنا لیتا ہوں۔" اس کا کہنا ہے کہ میں افغان ہوں، مجھے افغان موسیقی پسند ہے لیکن مجھے مغربی موسیقی زیادہ پسند ہے۔ میں امریکہ میں ڈھول بھی بجاتا تھا اب اگر میں یہاں ڈھول بجاؤں گا تو لوگ مجھے پاگل سمجھیں گے۔"

جب ہم نے کیلی گالی داخلہ کا اعلان کو چھوڑا تو سید جعفر نے آنکھ مارتے ہوئے کہا کہ "جب میرا یہاں قبضہ ہو جائے گا تو ہم اس الکوحل خانے کو ناچ گھر میں تبدیل کر دیں گے۔" شاید یہ مذاق ہو لیکن کیا عجب سید جعفر یہ کر دکھائے!

جہاد افغانستان زندہ باد

صفحہ نمبر ۱۵۰ کا باقی حصہ

تعارف: اصلاحِ عقائد اور خدمت خلق

کے ساتھ سمجھوں میں نماز ادا کرتے اور معاشرتی و مذہبی زندگی کی تمام سرگرمیوں میں اُن کے ساتھ پوری طرح شریک ہوتے ہیں یہ لوگ دیگر اسماعیلیوں سے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے خود کو صرف اسماعیلی نہیں بلکہ نمازی اسماعیلی کہتے ہیں۔ جناب اکبر علی غلام حسین کی سرکردگی میں، جناب اپنے حلقے میں مولانا اکبر علی کہلاتے ہیں، ان کی ایک باقاعدہ تنظیم "اسماعیلیہ نمازی خدمت کمیٹی" کے نام سے کام کر رہی ہے اصلاح عقائد اور حقیقی اسلامی تعلیمات کی تبلیغ کے علاوہ یہ تنظیم جو دیگر کام انجام دیتی ہے۔ ان میں جو بہ پیٹنگ اور اسلامی طریقوں کے مطابق علاج معالجے کا سہولتیں کی فراہمی، صحیح العقیدہ اسماعیلی مسلمانوں کے عقد شادیاں کرانے کا کام شامل ہے۔ اس کے علاوہ یہ تنظیم اسلامی طریقے کے مطابق تجہیز و تکفین کا اہتمام بھی کرتی ہے۔ تنظیم کا دفتر - فی الحال فیڈرل بی ایریا بلاک نمبر، میں آغاخان جبرئیل ہوم سے متصل، گلشن علی نمبر ۱ کے فلیٹ نمبر سی۔ ۷ میں مولانا اکبر علی کے مکان کے ایک کمرے پر مشتمل ہے یہ دفتر روزانہ صبح ۷ بجے سے شام تک کھلتا ہے۔ ہر جمعہ کو عام دنوں میں بعد مغرب اور رمضان میں بعد مغرب اسی مقام پر درس قرآن کا اہتمام ہوتا ہے جس میں اسماعیلی مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا جاتا ہے علاوہ ازیں پمفلٹ کی اشاعت کا سلسلہ بلاناغہ جاری ہے۔

DAWN

Vol XLV 161 Karachi, Shawwal 1, 1406 Monday, June 9, 1986 12 PAGES Rs. 2.00

21 COURT NOTICE

IN The High Court of Sind at Karachi. Civil Suit No. 331 of 1986. Akber Ali & Another, Plaintiffs Versus 1. Vazir Ashuque Ali s/o H. Hussain, Muslim, Aga Khani Khoja, President of H.H. The Aga Khan, Ismailia, Federal Council for Pakistan, Resident of Garden East, Karachi. 2. Alijah Habib Wazir Hassan Ali Valliani s/o Not Known, Muslim, Aga Khani Khoja, President of the H.H. The Aga Khan, Ismailia, Local Council Garden East, Karachi. 3. Alijah Shamsuddin Ibrahim, S/o Not Known, Muslim, Aga Khani Khoja, Adult, Honorary Secretary of the H.H. The Ismailia Local Council for Garden East, Karachi — Defendants. Notice Under Order 1 Rule 8 CPC. To, All the persons interested. Whereas the Plaintiffs above-named have filed the above noted suit with the permission of the Court to sue for and on behalf of and for the benefit of all Aga Khani Ismailia Muslims interested for the following reliefs: 1. Judgment and decree in favour of the plaintiffs as under: (A) Declaring that the plaintiffs and all other Aga Khani, Ismailia, Muslims have full right, complete title and vested interest to offer prayer (Namaz) either individually or Bajamat and to speak Azan before every Namaz-e-Bajamat, within the premises of each and every Jamat Khana and the defendants or any of them, their employees, servants, scouts, volunteers or any other person or persons claiming through, under, or in trust for them or any of them has no right, title, interest or authority to restrain, restrain neglect, ban or prohibit the offering of Namaz individual as well as Bajamat and speaking Azan before every Namaz-e-Bajamat every day within the premises of Jamat Khanas. (B) Issue permanent injunction restraining the defendants, their employees, servants, scouts, volunteers or any other person or persons claiming through, under, or in trust for them or any of them from restraining the plaintiffs or any other Aga Khani Muslims from offering prayer (Namaz) either individual or Bajamat and to speak Azan before every Namaz-e-Bajamat, within the premises of the Jamat Khanas. (C) To issue permanent injunction restraining the defendants, their employees, servants, scouts, volunteers or any other person or persons claiming through, under, or in trust for them or any of them from restraining, banning or prohibiting the entry in any of the Jamat Khanas of the plaintiffs or any of them or any other Aga Khani Muslim who believes in offering prayers and/or is not agreeable to the customs, rusooms and performances adopted by the defendants against the Quran, Sunna and the Farmans of Hazar Imam. (D) Full cost of this suit against the defendant, jointly and severally. (E) Any other or further relief or relieves which this Honourable Court may deem fit or proper in the circumstances of the case. Any person interested in the suit may apply to the Court to be made party in the suit Under Order I Rule 8(2) C.P.C. The matter is fixed before Additional Registrar on 18th day of August 1986 at 11 a.m. Given under my hand and seal of the Court this 1st day of June, 1986. By Order. Superintendent (O.S.) D.II

(1-65485)

روزنامہ نوائے وقت کراچی

DAILY NAWA-I-WAQT KARACHI

THURSDAY JUNE 12, 1986

کورٹ نوٹس

بعدالت العالیہ سندھ ہائی کورٹ بمقام کراچی

سول مقدمہ نمبر ۳۳۱ بابت ۱۹۸۶ء

اکبر علی و دیگر ۔۔۔ مدعی

بر خلاف (۱) وزیر عاشق علی ولد ایچ حسین مسلم آغاخانی

[illegible]

روزنامہ جنگ کراچی

SDAY JUNE 12, 1986

جماعت خانوں میں نماز کیلئے ہائیکورٹ میں مقدمہ

کراچی (اسٹاف رپورٹر) تمام آغاخانی اسماعیلی مسلمانوں کی جانب سے اکبر علی اور دیگر نے وزیر عاشق علی صدر ہزہائی نس آغا خان اسماعیلیہ فیڈرل کونسل پاکستان عالیجاہ حبیب وزیر حسن علی ولیانی صدر ایچ ایچ آغا خان اسماعیلیہ لوکل کونسل اور عالیجاہ شمس الدین ابراہیم اعزازی سیکرٹری اسماعیلیہ لوکل کونسل کو فریق بناتے ہوئے سندھ ہائیکورٹ میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ جس میں عدالت سے استدعا کی گئی ہے کہ یہ قرار دیا جائے کہ درخواست گزاروں اور تمام دیگر آغاخانی اسماعیلی مسلمانوں کو ہر جماعت خانے میں ہر نماز با جماعت سے قبل اذان دینے اور انفرادی یا با جماعت نماز ادا کرنے کا پورا حق اور مکمل استحقاق حاصل ہے اور مدعا علیہان ان کے ملازموں اسکاؤٹس، رضاکاروں یا دیگر افراد کو جماعت خانے کی حدود میں اذان یا نماز کی ادائیگی سے روکنے کا کوئی حق نہیں۔ عدالت مستقل حکم جاری کر کے مدعا علیہان ودیگر افراد کو درخواست گزاروں یا دیگر آغاخانی مسلمانوں کو جماعت خانوں میں اذان دینے اور انفرادی یا با جماعت نماز ادا کرنے سے روکنے سے باز رکھے اور مستقل حکم کے ذریعے مدعا علیہان اور دیگر افراد کو اس امر سے باز رکھے کہ وہ درخواست گزاروں یا دیگر آغاخانی مسلمانوں کے جو نماز ادا کرنے پر ایمان رکھتے ہوں یا قرآن و سنت اور حاضر امام کے فرمان کے منافی مدعا علیہان کی رسوم و رواج اور اعمال سے اتفاق نہ کرتے ہوں کسی جماعت خانے میں داخلے پر پابندی عائد کریں۔ اس مقدمہ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات فریق بننے کی غرض سے عدالت سے رجوع کر سکتے ہیں۔ یہ معاملہ ۱۸ اگست کو ایڈیشنل رجسٹرار کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

VATAN

Thursday, June 12 19..

THE DAILY AGHAZ KARACHI

صفحہ نمبر ۱۳۶ کا باقی حصہ۔

میں سالہا سال پر چکی ؛ حضرت علیؓ اور دیگر ائمہ زندگی بھر شریعت پر
قائم رہے، بلکہ شریعت کے قیام کیلئے شہید ہوئے۔ کیا ہم اپنے اماموں سے
بھی آگے بڑھ گئے کہ شریعت سے بے نیاز ہو گئے؟ حالانکہ ایسا
نماز مقدس فریضہ ہے۔ جس کی ادائیگی رسولؐ، صحابہ کرامؓ اور ائمہ
اہل بیت علیہم السلام سے کسی پر ایک وقت کی بھی معاف نہیں ہوئی تو یہ خود ساختہ
مبلغ (مشنری) اور عمل داران اتنے بڑے فریضہ کو معاف کرنے والے
اور اللہ کے حکم کو منسوخ کرنے والے کون ہیں؟ لوگو! گو وہ رہنما یہی نے
تم تک نماز کی دعوت اور اسلام کے بنیادی ارکان کی تبلیغ پہنچا دی ہے
اب تمہیں اختیار حاصل ہے کہ تم لوگ اپنے گھروں، جماعت خانوں اور
مساجد میں باقاعدہ سنت رسولؐ کے تحت نماز ادا کرو۔ اگر نماز کی ادائیگی
میں اراکین جیسا قائم کرنے میں کسی قسم کی دقت ہو تو اپنے اس
خادم کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔ اور رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔
وما علینا الا البلاغ۔ (اکبر علی غلام حسین ... خدمت
کمیٹی ٹرسٹ، بمبئی ...) ...

صفحہ نمبر ۶۹ کا مزید

157

آغا خان فیملی میری شادی پر ناخوش نہیں، شہزادی یاسمین

والد کے رشتہ داروں اور اسماعیلیوں نے تہنیتی پیغامات بھیجے ہیں، جنگ سے بات چیت

نیویارک (نمائندہ جنگ) شہزادی یاسمین آغا خان نے کہا ہے کہ امریکی غیر مسلم مائیکل کرسٹوفر جیفر یز سے ان کی شادی پر آغا خان فیملی کے افراد اور اسماعیلی فرقہ کے لوگ خوش ہیں اور انہوں نے تہنیتی پیغامات بھی بھیجے ہیں۔ شہزادی یاسمین نے اپنی شادی کے بعد نمائندہ جنگ سے خصوصی گفتگو کرتے ہوئے یہ بات کہی۔ نیویارک کے مشہور پلازہ ہوٹل میں دنیا بھر سے آئے ہوئے صحافیوں اور فوٹو گرافروں کے ہجوم نے نو بیاہتا دولہا دلہن کی تصاویر لیں۔ شادی کے بعد پرنسس یاسمین کی پریس سے یہ پہلی ملاقات تھی لیکن سوالات کی اجازت نہیں تھی۔ البتہ شہزادی یاسمین نے نمائندہ جنگ کے کہنے پر مختصر سوال کی اجازت دے دی۔ نمائندہ جنگ نے سوال کیا کہ ایک غیر مسلم سے شادی کرنے پر اسماعیلیہ فرقہ کے لوگوں اور آغا خان فیملی کے افراد کا کیا ردعمل ہے چونکہ وہ خود کو اپنے والد کی مناسبت سے مسلمان کہلاتی ہیں اور اسلامی نام بھی استعمال کرتی ہیں لہٰذا ان کی غیر مسلم سے شادی کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ شہزادی یاسمین نے جواب میں کہا کہ ان کے والد پرنس علی خان مرحوم کے رشتہ دار اس شادی پر خوش ہیں اور اسماعیلیہ فرقہ کے لوگوں نے اور آغا خان خاندان کے لوگوں نے انہیں شادی پر مبارکباد کے پیغامات بھی بھیجے ہیں۔ ایک اور سوال کے جواب میں انہوں نے اس بات کی



تردید کی کہ آغا خان فیملی ان کی اس شادی پر ناخوش ہے۔ شہزادی یاسمین نے کہا کہ پرنس کریم آغا خان آج کل بھارت میں ہیں اس

باقی صفحہ ۸ پر ملاحظہ فرمائیں

روزنامہ جنگ کراچی (17) جمعہ 3 فروری 1989ء

شہزادی یاسمین آغا خان کی شادی کل نیویارک میں ہوگی

شادی کی تقریب نجی ہوگی جج ایڈمنڈ پالمیری سول میرج کی رسم ادا کریں گے

استقبالیہ تقریب میں اہم عالمی شخصیات شریک ہوں گی آغا خان شرکت نہیں کر سکیں گے

نیویارک (نمائندہ خصوصی عظیم ایم میاں) پرنس علی خاں کی بیٹی اور اسماعیلی فرقہ کے مذہبی پیشوا پرنس کریم آغا خان کی سوتیلی بہن پرنسس یاسمین آغا خان ۳ فروری کو ایک متمول امریکی کرسٹوفر مائیکل جیفر یز سے شادی کریں گی۔ یہ شادی نیویارک میں ہوگی۔ شادی کی تقریب بالکل نجی نوعیت کی ہوگی امریکی ڈسٹرکٹ کورٹ کے جج ایڈمنڈ پالمیری سول میرج کی رسم ادا کریں گے شادی یا نکاح کی کوئی مذہبی تقریب نہیں ہوگی۔ شادی کی تقریب کے بعد نیویارک کے مشہور پلازہ ہوٹل میں ایک پُرتکلف استقبالیہ دیا جائے گا جس میں دولت مند خاندانوں کے افراد کے علاوہ اہم شخصیات کو مدعو کیا گیا ہے۔ اہم عالمی شخصیات میں اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل پریز ڈی کوئیلر اور ان کی اہلیہ، سینیٹر کرسٹوفر ڈاڈ، سینیٹر لیری پیسلر اور دیگر اہم افراد شامل ہیں جبکہ دولت مند افراد میں مدعو کئے گئے لوگوں میں ارب پتی عدنان خشوگی کی بیٹی نبیلہ، ارب پتی امریکی ڈونالڈ ٹرمپ، گریگوری لائف، ہرسٹ خاندان کے افراد بھی شامل ہیں۔ پرنسس یاسمین کی ترجمان نے نمائندہ جنگ کو بتایا کہ استقبالیہ میں ۳۵۰ افراد کو مدعو کیا گیا ہے۔ ترجمان نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے نمائندہ جنگ کو بتایا کہ اسماعیلی فرقہ کے سربراہ پرنس کریم آغا خان اس شادی میں شرکت نہیں کر سکیں گے کیونکہ وہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق بھارت کے دورہ پر ہیں البتہ ان کے بھائی پرنس امین آغا خان اور خاندان کے بعض دیگر افراد شادی میں شرکت کریں گے۔ شادی کے موقع پر شہزادی یاسمین ہیروں اور پلاٹینیم کے کڑے اور بالیاں پہنیں گی جو ان کے والد پرنس علی خان نے یاسمین کی والدہ مشہور امریکی فلم اسٹار ریٹا ہیورتھ کے ساتھ شادی کے موقع پر تحفتاً دیئے تھے۔ شادی کا لباس لندن کے وکٹر ایڈلسن ڈیزائنر نے تیار کیا ہے۔ شہزادی یاسمین کی یہ دوسری شادی ہے۔ سابقہ شادی سے ان کا ایک بیٹا اینڈریو ہے جو اس شادی میں دولہا کیلئے شادی کی انگوٹھی پیش کرنے کی رسم ادا کرے گا۔ ادھر دولہا کرسٹوفر مائیکل جیفر یز کی بھی یہ دوسری شادی ہے اور پہلی شادی سے ایک بیٹی اور بیٹا ہیں۔ شادی کے بعد پرنسس یاسمین اخباری کانفرنس سے بھی خطاب کرنے والی ہیں۔ شہزادی یاسمین کے والد پرنس علی خان اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کرتے رہے ہیں اور ان کے چچا پرنس صدر الدین خان اقوام متحدہ کے کمشنر برائے مہاجرین رہ چکے ہیں اور اس وقت اقوام متحدہ کی جانب سے افغانستان کیلئے انسانی اور اقتصادی امداد کے پروگرام کے سربراہ ہیں۔

تَوَسَّلُوعِنْدَ الْمَصَائِبِ بِمَوْلَاكُمُ الْحَاضِرِ الْاِمَامِ شَاہ کَرِیْمُ الْحُسَیْنِیْ صَلٰوۃُ عَلَیْہِ

=URGENT=

Personal Letter:
(Private)

بتاریخ یکم جنوری ۱۹۹۱ء

ذاتی خط بنام:-

To:-
Sar Le!
H.R.H. Prince Karim Agha Khan
(Shah Karim Al-Hussaini)
49th Hazir Imam of the:
SHIA IMAMI ISMAILIES'
Secretariat Son Altees L'Aga Khan
Aiglemont 60270, Gouvieux, FRANCE

ایچ، آر، ایچ پرنس کریم آغاخان نامدار صاحب

اے! ہمارے روحانی پیشوا،

یاعلی مدد۔

مولا! آپ بخوبی سمجھ رکھتے ہیں کہ موجودہ تعلیم کی روشنی نے لوگوں کے ذہنوں کو کتنا روشن کردیا ہے۔ ہماری نوجوان نسل اپنے اسکول کالج کی تعلیم حاصل کرنے کے دوران بہت کچھ
جان چکی ہے۔ وہ صبح کو تو اپنے اپنے اسکولوں میں حکومت کے مقررہ نصاب کے تحت اسلامیات و دینیات کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور رات کو جب وہ اپنے نائٹ اسکولز میں اسماعیلی
طریقہ کے تحت تعلیم حاصل کرتے ہیں تو ان کے ذہن دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اس منقسم ذہن کو ہم گجراتی میں گنان شریف پڑھتے ہوئے لوگ کہاں اکٹھا کر سکتے ہیں۔ ان
کے سوالوں کے جواب ہم کیسے دے سکتے ہیں۔ وہ تو ہم سے بہت زیادہ معلومات حاصل کر لینے کی وجہ سے دین اسلام کے سوالوں کی ہم پر بوچھاڑ کر دیتے ہیں اور ایسے ایسے سوال کرتے ہیں کہ ہمارے
باپ دادا نے کبھی سوچے بھی نہیں ہوں گے۔ ہم بچے اسماعیلی ذہن رکھنے والے ان کو مطمئن نہیں کر پاتے، چنانچہ وہ نفسیاتی طور پر ہمیں شکست دینے کے بعد اپنے آپ کو فاتح سمجھتے ہیں
پھر ہم ان کو اکثر اپنے باطنی دھرم کی بات، گنان شریف پڑھنے یا جماعت خانے کی حاضری کی تلقین کریں، وہ ہماری کسی بات پر دھیان نہیں دیتے، بلکہ ہمارے آباؤ اجداد کے اسماعیلی رسومات اور
باطنی طریقوں کو فراڈ کہتے ہیں۔ ان کی بس ایک ہی رٹ ہوتی ہے کہ ہمیں پرائیویٹ اسکولوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ نائٹ اسکولز کورس کے بالکل متضاد کیوں، کیا اور کیسے ہوتی ہے؟
ان دونوں میں سے کونسی بات سچی ہے اور کونسی جھوٹی؟ ہم والدین یہ جواب نہیں دے پاتے کہ نائٹ اسکولز کے علم گنان شریف اور پرائیویٹ اسکول کے نصابی مضامین اسلامیات
دینیات میں کیا فرق ہے؟ اپنے کو تو بس یہ خبر ہے کہ کلام امام مبین آغاخان تھرڈ کے فرامین کا مجموعہ کے صفحہ نمبر ۱۸ حصہ ۱ فرمان نمبر ۳۱ میں لکھا ہے کہ "آپ لوگوں کے لئے
جو علم ہے وہ گنان ہے۔ قرآن شریف کو تیرہ سو سال ہو چکے ہیں۔ وہ ملک عرب کی آبادی کے لئے ہے۔ گنان کو سات سو سال ہوتے ہیں۔ تم لوگوں کے لئے گنان ہے' اور
اسی پر عمل کرنا"! ریڈیو، ٹی وی اور اخبارات و رسائل نے جہالت کے دور کے عقیدوں اور رسومات کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ وہ نظریات و قوانین جو شخصیت پرستی
مذہبی استحصال اور سیدھے سادے لوگوں سے مال بٹورنے کے لئے بنائے گئے تھے، اب وہ تمام کے تمام ٹوٹ رہے ہیں۔ کافی عرصے سے ہم یہ سنتے آرہے ہیں کہ پاکستان ایک اسلامی
مملکت ہے۔ اب تو شریعت کے نفاذ کا واویلا کیا جا رہا ہے۔ پاکستان کا نظریہ دین اسلام کے بنیادی اصولوں پر آج بھی قائم ہے۔ ہم گھر گھر مسلمانوں کو نماز و قرآن پڑھتا دیکھتے ہیں۔
ہمارے محلوں کے اڑوس پڑوس میں مسلمانوں کی مسجدوں سے اذانوں کی آوازیں اٹھنا، پھر زیادہ نہ سہی چند مسلمانوں کا ہی باجماعت نمازیں دن میں پانچ بار پڑھنے کا ایک طویل سلسلہ،
رمضان میں روزے اور تراویح کا عام رواج، اکثر لوگوں کا زکوٰۃ دینا اور حج کے موقع پر لاکھوں مسلمانوں کا حج پر جانا، جس کی باقاعدہ نشر و اشاعت ٹی وی، ریڈیو اور اخبارات میں
سے کی جاتی ہے۔ آخر یہ سب کچھ جو ہماری آبادیوں کے اطراف بکھرا پڑا ہے، ہمارے اسماعیلی نوجوانوں کو کچھ نہ کچھ تو سوچنے پر ضرور مجبور کر دیتا ہے۔ بس یہی ایک نقطہ ہے جو ہماری پوری
قوم میں انقلابی کیفیت پیدا کر رہا ہے جس کی بنا پر نوجوان ذہن اپنے سابقہ آبائی باطنی مذہب سے دور ہو رہے ہیں۔ قوم کے ذہنوں میں ایک بات بڑی شدت سے بیدار ہو رہی ہے کہ اس نظریہ
اور عقیدہ اسلام سے اختلاف کی بنا پر ہی تو قادیانی، مرزائی (احمدی لاہوری) لوگوں کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے مسلمانوں کے سیاسی لیڈروں و علماء کے پرزور مطالبہ کی بنا پر غیر مسلم کافر قرار دیا تھا
ایک طرف سے اسی طرح کا ہم بھی تو کچھ کچھ یا زیادہ فرق رکھتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ظاہری نہ سہی ہیں باطنی طور پر تو اپنے کو سب کچھ خبر ہے؟ کہیں اپنے دھرم کی باتوں کی وجہ سے ہم بھی مسلمانوں
کے لپیٹے میں نہ آجائیں۔ یہ فکر ہمیشہ لگی رہتی ہے۔ دوسری طرف ہماری اسماعیلی آغاخانی جماعت کے عہدیداروں نے جماعت خانوں میں نماز ادا نہ کر لے دینے کے معاملے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا رکھا ہے
جس کے نتیجے میں ہمارے عقائد و رسوم اور باطنی طور طریقے یہاں تک کہ اسم اعظم "الاعلیٰ" جیسی خفیہ بات بھی چند سرپھرے اسماعیلیوں نے عدالت میں ظاہر کر دی ہے۔ اس سے قبل
فیڈرل کونسل کے صدر جناب وائیلا عاشق علی ایچ حسین کا جاری کردہ "آغاخانی مذہبی عبادات کا پیغام" پوری برادری کو مسلمانوں کے سامنے رسوائی کا باعث بنا۔ اس سے انکار نہیں کہ مذہبی
عبادات تو ہماری سو فیصد وہی ہیں جو اس پیغام میں لکھی گئی لیکن فیڈرل کونسل کو اس کی تشہیر کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے ہماری باطنی عبادتیں مسلمانوں پر افشاں ہو گئیں جس کی وجہ سے اب ہر طرف
سے مسلمان ہم پر تنقید کرتے ہیں کہ آغاخانیوں کے باطنی طریقے و رسومات قرآن و سنت کے مطابق نہیں ہیں اور دین اسلام کے منافی ہیں۔ کچھ اسماعیلی آغاخانیوں نے ہمارے جماعت خانوں میں
نماز نہ پڑھنے دیئے جانے کے خلاف عدالت عالیہ سندھ میں پانچ سال قبل دیوانی مقدمہ نمبر ۸۶/ 331 دائر کیا تھا جس کے متعلق باقاعدہ طور پر جماعت خانوں میں ۱۹۸۶ء میں یہ
اعلان کیا گیا تھا کہ ہائی کورٹ نے مقدمہ خارج کر دیا ہے جس پر پوری آغاخانی قوم نے آپ کے حضور شکرانہ عبادت پیش کی تھی جسے آپ نے قبول کیا تھا اور "خانہ آبادان" فرمایا تھا۔
اس وقت جماعت خانوں میں یہ بھی اعلان ہوا تھا کہ دھرم کے دشمنوں کو شکست ہوگئی ہے۔ یہ ہمارے سچے دھرم کے دشمن ہیں کون؟ مولا! آپ کو مطلع کرنا اپنا روحانی فرض
سمجھتا ہوں۔ مذکورہ مقدمہ میں سرفہرست اکبر علی غلام حسین ہے۔ یہ وہی ملا ہے، جس نے فیڈرل بی ایریا کے بلاک نمبر ۲ میں مسلم اسماعیلیہ مسجد بنا رکھی ہے اور شروع دن سے اپنے پکے
سچے آغاخانی باطنی دھرم کا مقابلہ اسلام سے کرتا ہے۔ بھلا آغاخانی دھرم کا دین اسلام سے کیا اور کیسا مقابلہ؟ اگر واسطہ ہو تو ہم پھر آغاخانی کیونکر ہو سکتے؟ اب جب کہ ملا اکبر علی معاملہ
عدالتوں میں لے گیا ہے۔ مجھے اس کی باتوں سے سخت پشیمانی ہے۔ وہ اسلام کی باتیں کرکے ہمارے دھرم کے باطنی طریقوں کو غیر اسلامی کہتا ہے تو مجھے اس کی باتوں سے سخت دکھ پہنچتا
ہے۔ کچھ روز قبل اس کے ایک آدمی نے یہ خبر سنائی تھی کہ مسلمانوں کے ۱۲۰ بڑے بڑے علماء نے اسماعیلیوں کو کافر قرار دینے کے فتوے جاری کئے ہیں اور اس بنا پر تمام آغاخانی
مشرک ٹھہرے۔ میں نے اس کو منہ توڑ جواب دیا جو وہ ہمیشہ یاد رکھے گا کہ "مسلمانوں کے علماء کے فتوے کو کون گھاس ڈالتا ہے" اور دوسری بات رہی شرک کی تو خدا کی ذات کے ساتھ کسی کو
شامل کرنے سے شرک ہوتا ہے اس پر ملا کے آدمی نے کہا "برابر" پھر میں نے کہا کہ لیکن ہم اسماعیلی تو خدا ہی آغاخان کو تسلیم کرتے ہیں، اسی لئے اس کو سجدہ کرتے ہیں، اس میں شرک کی کیا!
ہے؟ اے حاضر امام! آپ نے دیکھا کیسی عقلی بات کی میں نے! اب چنتا ہوتی ہے کہ ملا اکبر علی نے مقدمہ کرتے وقت ایک درخواست بھی دی تھی کہ جب تک مقدمہ کی باقاعدہ سماعت کے بعد تک
کوئی فیصلہ نہ ہو جائے جماعت خانے کے منتظمین کے خلاف عارضی حکم امتناعی جاری کیا جائے کہ وہ کسی بھی جماعت خانے میں کسی آغاخانی اسماعیلی کو نماز ادا کرنے سے

نہ روکیں اور اگر وہ باجماعت نماز ادا کرنا چاہیں تو اذان دینے اور باجماعت نماز ادا کرنے سے بھی نہ روکیں۔ جناب مسٹر جسٹس سید عبدالرحمٰن صاحب معزز جج عدالتِ عالیہ سندھ نے اپنے فیصلہ مورخہ ۹ اگست ۱۹۹۰ء کے ذریعے اس درخواست کو اس بنا پر رد کرتے ہوئے خارج کر دیا کہ "اس مقدمہ میں باقاعدہ گواہوں کے بعد یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسا حکم دیا جائے کہ نہیں۔" محترم جج صاحب نے یہ بھی رائے قائم کی ہے کہ مدعیان اسماعیلی آغاخانی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کی درخواست سے عیاں ہے۔ وہ اپنی آغاخانی اسماعیلی برادری میں پائی جانے والی مسخ شدہ رسومات و عقائد کو نہیں اختیار کرنا چاہتے بلکہ خالص اور بنیادی اسلامی طرز و طریقہ اختیار کرنے پر اصرار کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی اسماعیلی آغاخانی برادری سے وابستگی بھی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی کہ کوئی شخص حقیقی اسلامی اقدار کو بھی اپنائے اور ساتھ ہی ساتھ اسماعیلی آغاخانی بھی ہو۔ مدعیان کی تاویل اور کافی ضخیم مواد جو فراہم کیا گیا ہے، اس منطقی نتیجہ پر پہنچاتا ہے، آیا یہ دونوں چیزیں ایک ساتھ چل سکتی ہیں یا نہیں اس کا تصفیہ تو زیرِ نظر معاملے کے فیصلے کے بعد ہی ہوگا۔" عدالتِ عالیہ کے اس فیصلے کی رُو سے یہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اسماعیلی آغاخانی ملتِ اسلامی سے الگ کوئی دوسری جماعت اور دینِ اسلام سے الگ کوئی مذہب ہے اس واسطے جو شخص اسماعیلی آغاخانی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کے مسلم ہونے میں شک ہے اور کوئی سچا مسلمان آغاخانی نہیں ہو سکتا۔ جب سے میں نے یہ فیصلہ سنا ہے، بڑا دل برداشتہ ہو گیا ہوں۔ ڈاکٹروں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں قطعی کسی بات کا فکر ہرگز نہ کروں۔ بعض لوگوں نے آغاخانی قوم کو پاکستان سے امریکہ، کینیڈا یا کسی بھی یورپی ملک جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن ہر لمحہ مجھے فکر لگی رہتی ہے کہ ہمارا دھرم باطنی ضرور ہے لیکن "آپ نور دھرم پالو۔ ساچو تھے" اور ہم حق پر بھی ہیں تو آخر یہ مسلمان ہمیں کافر کیوں کہتے ہیں، کہیں تو کوئی ایسی ویسی بات ضرور ہوگی جس کی وجہ سے ایک مسلمان نہیں بلکہ سارے مسلمان ہی ہمیں پھوٹ کا مال سمجھتے ہیں اور ڈھکوسلہ نظروں سے دیکھتے ہیں جب ہی تو عدالتِ عالیہ سندھ نے جو فیصلہ دیا ہے وہ کسی فردِ واحد کی ذاتی رائے نہیں ہے، جسے ہر کوئی جھٹلا سکے۔ بلکہ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو کسی سے کسی قسم کی چھپی نہیں رہ سکتی اور نہ ہی ہم اسماعیلی لوگ اسے اپنے پرانے باطنی طریقے پر چھپا سکتے ہیں۔ اب تو مسلمانوں کو یہ موقع ہاتھ لگ گیا ہے، وہ ہمارا خوب مذاق اڑاتے ہیں کہ "آغاخانی" بے دین کافر ہیں۔ بڑے تو بڑے ان کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی یہ آوازیں کستے ہیں کہ "آغاخانی - گنگر ملیدہ پانی" یہ وہ تمام الفاظ ہیں جو میں بسترِ مرگ پر بیٹھے ادا کر رہا ہوں، اور جن کے ادا کرنے سے میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ مجھے بس ایک ہی فکر لاحق ہے کہ میں کس طرح اپنے نوجوانوں کو یقین دلاؤں کہ "آپ نور دھرم پالو۔ ساچو تھے"۔ خداوند حاضر امام! آپ نے پیدائشی طور پر ہمیں شریعت کی تمام پابندیوں سے آزاد کر دیا ہے اور ہم مومن (مسلمان) لوگ سے بھی اعلیٰ درجے پر مومن ہیں۔ کیا ہمارا طریقہ کہیں بھوگس ہے؟ جو یہ مومن لوگ ہمیں کافر کہتے ہیں؟ جس طرح مکھی صاحبان اپنی اسپیچز (وعظ) میں فرماتے ہیں مجھے بھی آج غصہ میں کہنا پڑتا ہے کہ "یہ سالا مُلّا مومن (مولوی مسلمان) لوگ کاٹے کو ہمارے بارے میں سوچتے ہیں، جب ہم ان کے معاملے میں نہیں بولتے، تو ان کو بھی بکواس بند کرنا پڑے گا۔ **مولا**! آپ نے تو اپنے کرم و فضل سے دنیا میں ہی ہمارے سارے گناہ روز کے روز معاف کر کے بخشش کر دی ہے۔ اب یہ بات **مُلا** مومن لوگ کی سمجھ میں نہ آئے تو پھر ہم کیا کریں۔ یہ سب گمراہ اور بے امام کے بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔ اس کے باوجود یہ ہمارے پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہیں آتے۔ **مولا**! آپ ان سب کی زبان بند کر دیں کیونکہ میں اپنے دھرم پر اب کوئی بات نہیں سن سکتا۔ یہ روز روز کا کافر کافر سن کر ہم تنگ آ چکے ہیں۔ بس یہ بات گھن کی طرح میرے دل کو چاٹ رہی ہے۔ کوئی خبر نہیں کہ میرا اسی صدمہ کی تاب نہ لا کر ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔ اسی لئے آج میں دل کی بات آپ کے حضور پیش کر رہا ہوں تاکہ آپ ہماری دادرسی کریں اور ہم سب پر نظرِ کرم فرمائیں اور ہمیں اس مشکل سے نکالیں۔ اے ہمارے مولا "حاضر امام" آپ سے بندگانہ طور پر اپیل ہے کہ دھرم کے اسماعیلی باطنی طریقے، رسوم و عقائد سب جماعت خانے تک ہی محدود لگتے ہیں۔ ان کی حقیقت و صداقت کو یہ مسلمان کیونکر سمجھ سکتے ہیں۔ ان بے چاروں کو کیا پتہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ دکھ موا یا آس، مولا کریم، مولا خیرہ، یا کریم اور یا علی کے نام سے مراد آپ ہی کی ذات ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دعا، گنان، دسوند، نانڈی، چاندرات کی مجلس، گھٹ پاٹ، حجرعا، آپ کی جہانی (یعنی حاضر امام کی جہانی) چھینٹا (پیدائش کا چھینٹا) بول اسمِ اعظم "الاعلیٰ"، یا علی کے نام کی تسبیح، پونے سو کا کام، نورانی، انتداء (پیدائش کا چھینٹا)، موت کا چھینٹا، شادی کا چھینٹا، ۵ سال ۱۲ سال کا کام، لائف کا کام، بخشونی، استعاڑے اور ان کی تسبیحات (استعاڑے کی مجلس) پھاڑاہ، پنجے بھائیوں کی مجلس، مرنے والوں کی رسومات کی مجلس، دیگر تقریبات میں نوروز، سستی مانی کی مجلس، امیر پیر کا میلہ، دیوالی کی مجلس، میراجی کی مجلس، بندگی کی مجلس، ثواب کی مجلس، دن فورک کی مجلس، یہ سب متبرک و مقدس عبادتیں ہیں، اگر اثنا عشری میں تو ہم لوگ یہ تمام عبادتیں کھل کر کرتے ہی ہیں کیونکہ یہ سب ہندو سماج سے ملتی جلتی رسومات ہیں لیکن پاکستان میں اپنے باطنی طریقے پر صرف جماعت خانے میں آپ کو سجدہ کرنے پر ہم ادا کرتے ہیں۔ یہ **مُلا** مومن تو ہم لوگوں کو ان رسومات کی بنا پر ہندوؤں میں سے تصور کرتے ہیں، جبکہ ہمیں یقین ہے کہ ان کو نہ اپنانے کی وجہ سے ملا مومن لوگ اب تک اندھیرے و گمراہی میں ہیں۔ ورنہ ان کو بھی ہماری طرح ہدایت اور آپ کی رہنمائی و قیادت حاصل ہو جاتی۔ خیر یہ تو سب اپنے باطنی دھرم کی سندر سندر باتیں ہیں جو جماعت خانے تک سندر اور بھلی لگتی ہیں۔ آج کل جماعت خانے میں عبادت کے لئے آپ کے روحانی بچوں کو ان کے گھروں سے لے جانے والانے کے لئے سواری (گاڑیوں) کا جو بندوبست آپ کے حکم پر جماعت خانے کے لئے کیا ہے وہ اچھی سروس فری ہے، اس سے جماعت خانے کی حاضری میں اضافہ ہوگا اور مومن لوگ پر اپنا رعب پڑے گا۔

چونکہ ہم شیعہ امامی بھی ہیں، اس لئے دنیاوی طور پر مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے آپ نے تقیہ اور مصلحت کی پالیسی کے تحت عقائد کو قرآن و سنت کے مطابق اگر اصلاح کرنے کا فرمان جاری نہ کیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری جماعت کے بڑوں کی غلط روش اور ضد کی وجہ سے ہم سب کو بھی قادیانیوں کی طرح غیر مسلم قرار دینے کے لئے مسلمانوں میں کسی تحریک کی کوئی شدید لہر اٹھ کھڑی ہو۔ ہم سب کو اس کی بڑی فکر لگی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ بات تو ہے بڑی تشویشناک، مسلمانوں کا کوئی بھروسہ نہیں "سالے یہ سب سر پھرے گیلے ہیں، جب یہ آپس میں ایک دوسرے کو مار سکتے ہیں تو بھلا ہم پہ کیوں رحم کھائیں گے"۔ ہمارے خداوند حاضر امام! ہم سب آپ کے حضور سر بسجود ہیں کہ آپ ہمارے باطنی دھرم کی حفاظت فرمائیں۔ ہمارے دھن دھرم دنیا کے دشمنوں کا خاتمہ کریں اور دوستوں پر برکت رحمت کریں۔ اپنے روحانی بچوں پر شفقت و رحمت کرتے رہیں، اور ہماری مشکلات و پریشانیوں کو دور فرمائیں کہ آپ ہی نے ہمیشہ ہماری مدد و مشکل کشائی فرمائی ہے۔ آمین

(تل تل ناایکھا صاحب جی پشے۔ گنان شریف) بے زندہ قائم بابا، حاصل ہی داخل ہونے کے لئے مجھے اپنے پاس بلا لے۔ آمین۔

مولا حاضر امام! آپ سے بے حد گستاخی کی معافی چاہتے ہوئے یہ ذاتی خط ارسال ہے۔ پوری قوم کے نام آپ جو بھی فرمان جاری کریں گے اس کو اپنے اس خط کا جواب تسلیم کر لوں گا۔ اس ذاتی خط کی نقل تمام جماعت خانوں میں تقسیم کے لئے مکھی صاحبان کو دی گئی ہیں اور ان کو آپ کا واسطہ دیا ہے کہ جماعت کے روحانی بھائیوں میں تقسیم کر دیں۔

آپ کا روحانی بچہ
"بیچارہ مریض"

رجب علی ولد پرسوتم کارا

حسینی بلڈنگ، پہلا مالا، متصل جماعت خانہ، کھارادر
پرنس علی خان روڈ آف میری ویدر روڈ کراچی پاکستان

ہفت روزہ تکبیر کی رپورٹ

رجسٹرڈ ایم نمبر ۲۳۶ پوسٹ بکس نمبر ۸۳۶ قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

روزنامہ جسارت کراچی

بانی: چوہدری غلام محمد

جلد ۱۶ جمعہ ۳۰ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ ۱۹ فروری ۱۹۸۸ء نمبر ۵۰

آغا خان پاکستان کے شمالی علاقوں میں اسماعیلی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں

علیحدگی کا اعلان کے لیے پرچم اور ترانہ تیار کر لیا گیا ہے۔ ہفت روزہ تکبیر کی رپورٹ

باقی صفحہ ۱۰ کالم ۳ پر ملاحظہ فرمائیں

روزنامہ مشرق پشاور ۱۹ فروری ۱۹۸۸ء

روزنامہ جنگ لاہور ۵ مارچ ۱۹۸۸ء

جمعیت علمائے اسلام کے رہنما کے

چترال داخلے پر پابندی

روزنامہ مشرق پشاور

بانی عنایت اللہ مرحوم

شمالی علاقہ جات میں اسماعیلی اداروں کو سرکاری کنٹرول میں لیا جائے

باقی صفحہ ۱۰ کالم ۳ پر ملاحظہ فرمائیں

یادداشت

صَباح گرُوپ

پوسٹ بکس نمبر ۵۷۹۶ کراچی (پاکستان)
(اشتراک عمل:۔ صباح گروپ انٹرنیشنل۔ دبئی)

"تل تل نالیکھا صاحب جی لیئے"
۔ گنان شریف"



اِنتباہ! ــــ صرف کمیونٹی حضرات کے لئے

نامدار حاضر امام علیہ صلوٰۃ کی عظمت و شان ہمیں ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ اگر جماعت کے کسی بااثر عہدیدار یا عام فرد کی ذاتی بداعمالیوں کی بناء پر تنقید کا نشانہ ہمارے حاضر امام قرار پائیں تو ایسے کسی اعلیٰ یا ادنیٰ فرد کا پردہ چاک کرنا ہمارا فرض بنتا ہے۔ اب ہم عہدیداران کی طرف سے جواب نہ دیئے جانے کا انتظار مزید نہیں کر سکتے، کیوں کہ یہ ہمارے آغاخانی مذہب، عقائد و طریقوں پر براہ راست حملے ناقابل برداشت ہو گئے ہیں۔ ان کا جواب دیا جانا ہی اب ہر ایک اسماعیلی آغاخانی "روحانی بچے" کا فرض ہے۔

اسپیشل رپورٹ

آغاخانی جماعت کے بھائیوں کو ..... یاعلی مدد ... بولو مولا علی مدد

حاضر امام صلوٰۃ علیہ کا فرمان ہے کہ "سچ بولو۔ پورا تولو ہمیشہ میری فکر میں رہو"

ہمارا منشور ہے:۔

"جاگو، اسمٰعیلی بھائیو جاگو"

ہمارے گروپ نے اسی فرمان کو اپنا مقصدِ عمل بنایا ہوا ہے، اب چاہے ہماری جان بھی جائے گی تو پرواہ نہیں۔ جب ہم سچ بولتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم حاضر امام کے پاک نور کے متمنی ہیں اور چونکہ پیدائشی طور پر اسمٰعیلی برادری کے ہم سب مومن بھائی ہیں، اس لئے ہم اپنی پوری برادری کے ہر بڑے چھوٹے سے بہت ہمدردی رکھتے ہیں، ہم نے جب بھی کوئی تحریری مضمون اپنی برادری کے سامنے مطالعہ کیلئے پیش کیا تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اصلاحی پہلو پیشِ نظر ہے، اگر ہم نے کمیونٹی کے ہر دلعزیز محترم ابو علی مشنری اور علامہ نصیر الدین ہنزائی کی باتوں کی کھل کر تشہیر کی بھی ہے تو اس کا مطلب انکی کوئی حمایت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ جو بات وہ کہتے ہیں، وہ ہمارے ذہنوں پر جو اثرات چھوڑتی ہے اس کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اب اگر ہم نے کبھی کسی کی تحریر کی مخالفت کی ہے تو اسکا مطلب بھی اس شخص کی کردارکشی مقصد نہیں ہوتا بلکہ تحریر کا تجزیہ کرنے پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس کے اثرات منفی اور غلط ہیں، اسکی مثال اکبر علی، مہر علی کینیڈا والے کی ہی ہو سکتی ہے۔ یہ فرد ہمارے قدیم مذہب، عقائد اور طریقوں کی مخالفت کرتا ہے، اسکی تحریر بغاوت کی غمازی کرتی ہے، اس صورت میں ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم اپنی برادری کو اس سے ہوشیار رکھیں تاکہ کوئی اسکی باتوں میں نہ پھنس جائے، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کو صرف سچ بات پہنچائی جائے، ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ بعض دفعہ جو بات ہم تک پہنچائی گئی ہے، وہ ہی اصل بات سے مطابقت نہ رکھتی ہو، اب اس صورت میں اس کا ذمہ دار ہمارا گروپ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ ہم تو صرف انٹرمیڈیا یا سورس کے طور پر بات پیش کرتے ہیں۔ ان تمام حقائق کا اعتراف صرف اس لئے ضروری ہے کہ ہم برادری کے ہر فرد کا بےحد احترام کرتے ہیں نہ کہ جماعت کے خلاف بات پیش کرتے ہیں۔ یہ برکت ہے حاضر امام کی عطا کردہ تعلیمات اور ہدایات پر خلوصِ دل سے عمل کرنے کی۔ چنانچہ جو بھی ہم آئندہ بیان کریں گے وہ ہمارے دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی عقیدت ہوگی جو صرف ہم حاضر امام کے حضور پیش کرتے ہیں، جس کا ہم اظہار کرنا بےحد باعثِ ثواب سمجھتے ہیں۔ ہمیں نائٹ اسکولز میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ سچ کو زندگی کا اہم اصول بنایا جائے لیکن میں اپنے اسمٰعیلی معاشرے میں اسکی کمی محسوس کرتا ہوں، اسکی ابتدا جماعت کے عہدیداروں سے ہوتی ہے اور پھر ہر فرد اس میں ملوث ہوتا نظر آتا ہے۔ ہمارے عہدیدار برادری کے سامنے آج تک سچ اور حق بات کرنے سے ہمیشہ گریز کرتے رہے ہیں۔ اس کی چھوٹی مثال یہ ہے کہ دسوند، مجلسوں کی فیس کی رقم، مہمانی سے متعلق حاضر امام کا فرمان ہے کہ یہ رقم اسمٰعیلی قوم کے غریب لوگوں کی حالت سدھارنے پر خرچ کی جائے، لیکن ہمیشہ مشاہدے میں یہ آیا ہے کہ ہماری جماعت کے بڑے عہدیدار سازباز کرکے آدھی رقم آپس میں ہی ہڑپ کر جاتے ہیں اور غریب لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، جبکہ حاضر امام کو غلط رپورٹ پہنچا دی جاتی ہے، اسی طرح دیگر معاملات میں بھی یہ عہدیدار جماعت کے اعلیٰ مفادات کا تحفظ کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں، اسکی ایک اور مثال یہ ہے کہ سعودی عرب میں جماعت خانوں پر حکومت نے جو پابندی عائد کی تھی، اسکی بناء پر سینکڑوں اسمٰعیلی بھائی جو وہاں خوشگوار زندگی گزار رہے تھے اور کمیونٹی کے لئے وہاں خدمات انجام دے رہے تھے، یکدم سعودی عرب کی حکومت نے ان کو ملک بدر کر دیا، جس کی بناء پر یہ تمام معزز لوگ وقتی طور پر بےحد مالی مشکلات کا شکار ہو گئے اسکے متعلق پوچھنا ہے تو بمبئی انڈیا کے جناب دیدار علی اور کلکتہ اور بنارس کے جناب صنبر علی اور کریم نور کی روداد سنیں۔ کراچی کے جناب الطاف علی بھی حقائق پر روشنی ڈال سکتے ہیں، لیکن نامدار حاضر امام کی فوری نظر کرم سے انکی مالی مشکلات دور ہو گئیں۔ اسی طرح دیگر مسلم ممالک میں کئی جماعت خانے سربمہر کر دیئے گئے، آخر ایسا کیوں ہونے دیا گیا؟ اگر یہ عہدیدار کوئی بھاگ دوڑ کرتے یا حاضر امام کو حالات سے باخبر رکھتے تو یہ دن نہ دیکھنا پڑتے، اخبارات میں ہمارے مخالفین نے جس انداز سے ان خبروں کو اچھالا ہے، اس سے پوری برادری کی رسوائی ہوئی، یقیناً یہ عہدیدار اپنے اثر و رسوخ کی بناء پر پوری اسمٰعیلی قوم کو ذلت سے بچا سکتے تھے لیکن قوم کے مفاد میں ایسا نہیں کیا گیا آخر کیوں؟ سب سے زیادہ توجہ طلب بات یہ ہے کہ جب ہمارے مذہبی طریقے و عقائد جو بالکل سچے اور پکے ہیں، جن کو ہم دل و جان سے زیادہ عزیز جانتے ہیں اور اس پر عمل کرنا اپنی نجات تصور کرتے ہیں، آج ان پر جماعت کے اندر دبے دبے الفاظ میں اور مسلمانوں میں کھل کر تنقید اور اعتراض کئے جاتے ہیں، جنہیں سن کر ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہم سچے ہیں اور حق راہ پر ہیں تو پھر ان مٹھی بھر گمراہ لوگوں کو چپ کیوں نہیں کرایا جاتا انکی تنقید کا ہدف بلاواسطہ آخر ہمارے حاضر امام بھی ہو سکتے ہیں، کیا یہ عہدیداران سب کو جواب دے کر حاضر امام کے تقدس کو پامال ہونے سے نہیں روک سکتے؟ ہم تو سمجھتے ہیں کہ یہ عہدیدار مخلص نہیں ہیں، ورنہ یہ لوگ حاضر امام کے خلاف ایک بات بھی سننا گوارہ نہ کرتے، پچھلے دنوں ایک ملاقات میں کراچی یونیورسٹی میں زیرِتعلیم آغاخانی اسماعیلی طلباء کے ایک وفد نے ہمارے ممبر کو جھنجوڑ کے رکھ دیا، ان تمام ہونہار ذہین طلباء نے ایک ہی بات پر زور دیا کہ آخر ہمارے اسمٰعیلی مذہب اور عقائد پر جو حملے ہفت روزہ تکبیر

کراچی نے اپنی سابقہ کئی اشاعتوں میں مسلسل کئے ہیں، اس پر ہمارے ان عہدیداروں نے کوئی نوٹس کیوں نہیں لیا۔ اگر کوئی قانونی چارہ جوئی کی ہوتی یا ابتدائی مراحل میں ہی تکبیر کے ملاں صلاح الدین کا منہ بند کر دیا جاتا، جیسا کہ بعد میں اس کا منہ بند کر دیا گیا۔ آخر سات روپے کا پرچہ بیچنے والے کی کیا اوقات ہو سکتی ہے۔ آج اکثر مسلمان یونیورسٹی کے طلباء ہمارے مذہب کے عقائد و طریقوں پر ہمارا مذاق اڑاتے ہیں، جن دنوں تکبیر میں ہمارے خلاف لٹریچر چھپ رہا تھا تو کراچی کے میڈیکل کالج کے ایک وفد نے جس میں ہمارے گروپ کا نمائندہ بھی موجود تھا، وزیر عاشق علی ایچ حسین سے رابطہ قائم کیا اور ان سے فوری مداخلت کر کے کاپی رکوانے کی درخواست کی گئی تھی، وزیر عاشق علی ایچ حسین نے پوری یقین دہانی کرائی تھی کہ تکبیر کے ملاں صلاح الدین نے آئندہ چھ ماہ تک اشاعت کی تمام کاپیاں خرید نے اور نیوز پیپر کی ۴۰ ٹن سپلائی فراہم کئے جانے کی شرط پر آئندہ ہماری کمیونٹی سے متعلق کوئی خبر نہ چھاپنے کا معاہدہ کیا ہے، یہ بات ہم مزید خفیہ ہی رہنے دیتے لیکن ہمیں حاضر امام کی عظمت اور قوم کے بہترین اعلیٰ مفاد میں ہر خفیہ بات کو ظاہر کرنے میں کوئی عار نہیں ہے۔ ملاں صلاح الدین کو حاضر امام کی گستاخی پر اور آغا خانی قوم کو بلیک میل کرنے پر معاف نہیں کیا جا سکتا، یہ بات ہر فرد ذہن نشین کر لے، سب کہئے اس پر حاضر امام کی لعنت ہو (آمین)
ہمارے ان عہدیداروں کی قانونی جنگ جو تین سال قبل ہائی کورٹ میں فریق ثانی نے شروع کی تھی وہ آج بھی جاری ہے جبکہ قوم کو یہ تاثر دیا گیا کہ کراچی کے مولوی اکبر علی غلام حسین نے مقدمہ واپس لے لیا ہے جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ ایک معمولی عزد مولوی اکبر علی غلام حسین نے ہمارے مذہب کے بنیادی عقائد اور اساس کو چیلنج کر کے ہماری قوم کو موت و زیست کی حالت میں چھوڑا ہوا ہے۔ یہ گستاخ مولوی آج اپنے وجود سے بڑھ کر بات کر رہا ہے، وہ بڑی بے باکی سے ہائی کورٹ میں یہ کہتا پھرتا ہے کہ جماعت خانوں میں ماہانہ بیس کروڑ روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے یعنی سالانہ دو ارب چالیس کروڑ روپیہ۔ کیا یہ بیان سچ ہے؟ اور اگر یہ سچ ہے تو یہ آمدنی کہاں جاتی ہے؟ جب کہ ہمارے حاضر امام تو خود اپنی جیب خاص سے اسمٰعیلی برادری کی بھلائی کیلئے عطیات دیتے رہتے ہیں، جس کی متعلق مقامی، بین الاقوامی طور پر اخبارات میں خبریں چھپتی رہتی ہیں۔
اس بات کی تصدیق خود وزیر رمضان مرچنٹ نے اپنے ایک حالیہ انٹرویو میں ہفت روزہ تکبیر کراچی کو بتایا کہ حاضر امام ہر سال ظاہری حساب کتاب کے مطابق پچاس لاکھ روپے بھیجتے ہیں تا کہ جماعت کے غریب لوگوں کی بھلائی اور مالی حالت سدھارنے پر خرچ کئے جائیں لیکن حاضر امام کی عطا کردہ اس رقم کا استعمال بھی غریبوں پر نہیں ہوتا بلکہ عہدیدار خود اپنے حالات سدھارتے رہتے ہیں اور غریب آغا خانی اگر اپنے مکان کی تعمیر کے لئے قرضہ کی درخواست بھی کرتا ہے تو وہ رقم مع سود کے ساتھ واپسی کی شرط پر منظور کی جاتی ہے اور اگر کوئی فرد وقت مقررہ پر سود نہ ادا کر سکے تو اس پر جرمانہ عائد کر دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کوئی مکان کسی بیوہ کو دیا جاتا ہے تو اس سے بھی قیمت مع سود لی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی اپنا مکان اپنے کسی رشتہ دار یا عزیز کو فروخت کرنا چاہے تو ٹرانسفر فیس کی مد میں پانچ ہزار روپیہ ایسوسی ایشن کو دینا پڑتے ہیں، قوم کی فلاح و بہبود کیلئے آج تک کوئی یتیم خانہ تعمیر نہیں کیا گیا اور بے سہارا خواتین کے لئے دارالامان تک موجود نہیں ہے۔ برادری کے معذور افراد کے لئے کوئی بہبودی مرکز یا فلاحی ادارہ تک تعمیر نہیں کیا گیا، مسافر خانے کا وجود اب تک دیکھنے میں نہیں آیا، البتہ بڑے بڑے ہسپتال و زچگی خانے ضرور تعمیر ہوئے ہیں لیکن برادری کے غریب لوگوں کے لئے انکی خدمات اس لئے نہ ہونے کے برابر ہے کیونکہ انکے علاج معالجہ بہت زیادہ فیسوں پر کئے جاتے ہیں۔ ان ہسپتالوں کا سب سے زیادہ فائدہ برادری کے امیر اور خوشحال لوگوں کو سہولتیں بہم پہنچانے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اسکی روشن مثال شہر کراچی میں عظیم الشان آغا خان ہسپتال کی ہے، اس ہسپتال کی دوسری بڑی بات یہ ہے کہ اس ہسپتال میں جان بوجھ کر غیر اسمٰعیلیوں کو ملازمت فراہم کی گئی ہیں، اسمٰعیلی برادری کے امیر سرمایہ دار اور صنعت کار (جن میں ہمارے تقریباً تمام عہدیدار شامل کئے جا سکتے ہیں) اپنی فیکٹریوں و ملوں میں غیر اسمٰعیلیوں کو ملازمت پر ترجیح دی ہے جبکہ غریب اسمٰعیلی اس محرومی کی بناء پر اپنا استحصال ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ جماعت خانوں کی حاضری سے متعلق حاضر امام کو صحیح رپورٹنگ نہیں کی جاتی کہ جماعت خانوں میں اسمٰعیلیوں کی حاضری اب گھٹتی جا رہی ہے، سارے پاکستان میں کل ۱۵۰ جماعت خانے ہیں۔ رسومات میں لوگ دلچسپی نہیں لیتے۔ برادری کے بڑے بڑے عہدیدار دسوند، نانڈی، ون فور اور دیگر نذرانے جو حاضر امام کی نذر پیش کئے جاتے ہیں، خود ہی ہڑپ کر جاتے ہیں، گو کہ حاضر امام کو ان نذرانوں کی قطعی ضرورت نہیں وہ تو برادری کی بھلائی کیلئے وصول کئے جاتے ہیں، انتہا یہ ہے کہ حاضر امام کو بھی صحیح رپورٹ پیش نہیں کی جاتی آخر کیوں؟ پاکستان میں پوری دنیا کی طرح ہر ایسوسی ایشن ہو سائٹی کا الیکشن ہوتا ہے کہ جس طرح ہماری کوآپریٹو سوسائٹی اور بنک کا ہوتا ہے جس میں ہر فرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے امیدوار کو ووٹ دے کر کامیاب کرے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اسمٰعیلی ایسوسی ایشن اور فیڈرل کونسل کا الیکشن ہوئے بغیر ہی عہدیدار مقرر کر لئے جاتے ہیں اور حاضر امام کو رپورٹ یہ دی جاتی ہے کہ الیکشن منصفانہ کرائے گئے ہیں اور پوری برادری نے الیکشن میں بڑی دلچسپی لی ہے۔ ان عہدیداروں کا بعد میں جب قوم کو تعارف کرایا جاتا ہے تو بات کھلتی ہے کہ یہ بدکردار اور اسمگلر قسم کے لوگ ہیں جو کہ ۹۵ فیصد غریب برادری پر مسلط کر دیئے گئے ہیں۔ برادری کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور امداد کی مد میں جو خاص رقم حاضر امام دیتے ہیں، وہ یہ مالدار لوگ ہی ہڑپ کر جاتے ہیں، جس کی بناء پر پوری برادری مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ ہم حاضر امام سے اپیل کرتے ہیں کہ حاضر امام ان تمام عہدیداروں کو سبکدوش کر کے برادری کے نیک قابل محنتی اور ایماندار لوگوں کا الیکشن خود کرا کے عہدیدار مقرر فرمائیں تا کہ وہ برادری کے غریب عوام کی بلا تفریق ذات خدمت سرانجام دے سکیں۔ اسمٰعیلی برادری کے وقار کو اس وقت بڑی ٹھیس پہنچی جبکہ قومی اور صوبائی اسمبلی کے انتخابات سال گذشتہ کیلئے برادری کے امیدوار جناب پیار علی الانا، غلام علی الانا، اسلم ناتھا، اور شیراز ناتھا کو ملاں احترام الحق تھانوی اور ملاں تاج جی سبحانی نے چیلنج کر دیا کہ ان تمام امیدواروں کا مذہب اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ یہ اسلام کے عقائد پر پورے نہیں اترتے، چنانچہ مجبوری و مصلحت کے تحت ہمارے ان امیدواروں کو یہ حلفیہ بیان دینا ہی پڑا کہ ہمارا دین اسلام ہے۔ کلمہ، روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ اور جہاد کا اقرار کر کے اس بات کو دبانا پڑ گیا، ایسے وقت ہمارے عہدیدار خاموش رہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ کھل کر بیان دلواتے کہ پوری برادری عش عش کر اٹھتی کہ اپنے آغا خانی مذہب کے دفاع میں وہ کہہ سکتے تھے کہ جس سے ہماری نوجوان نسل کے ذہنوں میں کوئی شبہات پیدا نہ ہونے پاتے، انہیں چاہیئے تھا کہ بیان دیا جاتا کہ:۔ "نماز کی جگہ ہم جماعت خانے میں حاضر امام کی تصویر کو سجود کر کے دعا پڑھتے ہیں، روزہ پورے دن کی جگہ ہم سوا پہر کا روزہ رکھتے ہیں، قرآن ہمارا حاضر امام کے فرمان پر عمل کرنے اور گنان پڑھنے کے برابر ہے۔ حج ہمارا حاضر امام کے دیدار کرنے سے ہوتا ہے کیوں کہ وہ ہی دنیا میں خدا کا روپ ہے۔ زکوٰۃ کی جگہ ہم دسوند ادا کرتے ہیں، یہ سب ہم اسمٰعیلی مذہب کے فرائض کے طور پر ادا کرتے ہیں: اپنی عقائد پر عمل کرنے سے ہم لوگ جنت کے مستحق ہیں لیکن ہمارے عہدیدار ان عقائد میں خیانت کر کے ہمیں جہنم رسید کرنا چاہتے ہیں۔
اے ہمارے حاضر امام ہم سب کو اسمٰعیلی مذہب کے حق، سچ طریقہ اور عقائد اور تیرے فرمان پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین) یا علی مدد

تعداد اشاعت:۔ پانچ لاکھ ۱۹۸۱ء

نزار علی:۔ چیف آف صباح گروپ

(بشکریہ ہفت روزہ احوال کراچی)



فرقہ اسماعیلیہ سے تعلق رکھنے والا



"افغانستان میں آئندہ، خواہ
کوئی بھی حکومت ہو
اُسے آزاد اسماعیلی طاقت
سے تعاون کرنا ہوگا!"
—— جعفر نادری کا اعلان

افغانستان کا حسن بن صبّاح!

۱۱۷۱ء میں مصر میں اسماعیلیوں کی فاطمی خلافت ختم ہوئی۔ آٹھ سو سال گزرنے کے بعد، باوجود تمام سازشوں اور کاوشوں کے دنیا کے کسی ملک اور خطے میں اسماعیلی حکومت قائم نہیں ہو سکی ہے۔ ان آٹھ سو سالوں میں اسماعیلی اماموں، داعیوں اور ان کے مریدوں کی عقل، تدبر اور پوری کاوشیں صرف اور صرف ایک اسماعیلی ریاست قائم کرنے کے لئے وقف رہی ہیں۔

روزنامہ ایران (CHAHHAHE NAN IRANIAN) میں مشہور اسماعیلی داعی حسن بن صباح نے "الموت" کی پہاڑیوں میں اپنی حکومت قائم کی تھی۔ "الموت" کے قلعے سے اسماعیلیوں نے کافی عرصے تک عالم اسلام پر دہشت گردی پھیلائے رکھی جسے بعد میں ہلاکو خان نے حسن بن صباح کے ایک جانشین رکن الدین خورشاہ کے زمانے میں تہ و بالا کر دیا۔ حسن بن صباح نے ایک اسماعیلی ریاست کی بنیاد میں

آپ ایک خوبصورت جنت تعمیر کی تھی۔ اس نے حشیش (بھنگ اور چرس) کے استعمال سے تاریخ میں پہلی بار برین واشنگ کے ذریعے سیاسی دہشت گردی کی ابتدا کی تھی اور اپنے حشیش کے عادی تربیت یافتہ دہشت گردوں کے ذریعے اس زمانے کے مسلمان زعما، وزیراعظم کمانڈر انچیف عالموں اور دانشوروں کو قتل کروایا تھا۔ حسن بن صباح کے مریدوں کی یہ فوج جو "فدائی" کہلاتے تھے عالم اسلام کے بڑے بڑے رہنماؤں کے قتل میں پیش پیش رہی اور یہ سلسلہ ایک طویل عرصے تک جاری رہا جس کا مقصد سنی عباسی خلافت کو ختم کرنا تھا۔ جس مقصد کو حسن بن صباح کے جانشینوں نے ایک سو برس بعد ہلاکو خان اور منگولوں کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچایا لیکن ہلاکو خان نے اسماعیلیوں کو بھی صدیوں تک کے لئے تاریخ کے صفحات سے غائب کر دیا۔

تاریخی شخصیت اشرف تبرا اس سلسلے میں اپنے ایک کتابچے میں لکھتے ہیں کہ حسن بن صباح کا مقصد شیعی فاطمی خلافت یعنی اسماعیلی حکومت کو دوبارہ قائم کرنا تھا۔ اس کے بعد کئی صدیوں تک اسماعیلی تاریخ کے صفحات سے غائب ہو گئے۔ اور پھر انیسویں صدی میں ایران میں انگریزوں کے خفیہ پولیس کے ایجنٹ کے طور پر نمودار ہوئے اور حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش ناکام ہونے کی وجہ سے ایران سے فرار ہو کر سندھ آ گئے۔ یہاں پہنچ کر ایک طرف افغانستان پر قبضہ کرنے کے لئے انگریزوں سے افغانستان پر حملہ کروایا اور اس امید پر مدد کی کہ انگریز افغانستان کو آغا خان کے حوالے کر دیں گے۔ جب یہ چال ناکام ہوئی اور انگریز خود افغانستان سے نکالے گئے تو خود اس وقت ایک سپر پاور تھے تو انہوں نے انگریزوں کو سندھ فتح کرنے کی ترغیب دی اور اس میں ان کی مدد کی۔ آغا خان اول (جو ۱۸۴۱ء میں بلوچستان سے سندھ

کی طرف آئے تھے) کا اصلی مقصد سندھ پر اسمٰعیلی حکومت قائم کرنا
تھا لیکن یہ کوشش بھی انگریزوں کی ڈپلومیسی کے سامنے بیکار گئی
دعا ہے کہ ۱۸۴۳ء میں آغا خان نے سندھ کی فتح میں چارلس نیپئر کی مدد
کی تھی جس کا اعتراف چارلس نیپئر نے بھی کیا ہے)

حسن بن صباح کے جانشین اپنی تمام تر تاریخی خصوصیت کے ساتھ کوئی آٹھ سو برس سے دنیا بھر میں ایک آزاد ریاست کے قیام کی جدوجہد میں مصروف ہیں حشیشین کا یہ گروہ دنیا بھر میں سازشوں کا جال بنتا رہا۔ عالم اسلام کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ خلافت عباسیہ کے خاتمے سے لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے قتل تک اور ایوبی کے قتل سے افغانستان میں مسلمانوں کی باہم خونریزی تک حسن بن صباح کے جانشینوں نے عباسیوں کی خلافت میں مسلمانوں کو تباہ کر دینے کی ہر سازش میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اس پوری سازش کی تاریخ میں آٹھ سو برس سے یہ گروہ اپنے لئے ایک بین الاقوامی دہشت گردی کے اڈے کی تلاش میں رہا ہے۔ "الموت" اور فاطمی خلافت کے خاتمے کے بعد انہیں ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ انہیں ایک آزاد اور خودمختار ریاست حاصل ہو جہاں سے بیٹھ کر یہ عالم اسلام کے خلاف ایک مؤثر اور منظم دہشت گردی کر سکے اپنے تاریخی ذہن کو پورا کر سکیں

"نبوت سے بغاوت" کرنے والے اس گروہ کے داعیوں اور اماموں کی تاریخ اٹھا کر دیکھی جائے تو یہ صورت حال کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس گروہ کے طریق کار میں سازش اور عیاری واضح اور اہم عنصر ہے سعد اور بغداد میں ہوں یا ایران و افغانستان میں یا پھر پاکستان کی سازشی تاریخ ہر جگہ یکساں نظر آئے گی۔ یہودیوں کی طرح مختلف خطوں میں بسنے کے باوجود ان کی "اسلام دشمنی" کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔

اس باطنی تحریک نے موجودہ دور میں افغانستان کی تاریخ سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے جو "کارنامے" انجام دینے کی کوشش کی ہے وہ قابل ذکر ہے۔ اس عشرے میں مسلمان رہنماؤں کے قتل، عالم اسلام کے مختلف ممالک میں جنگیں اور سازشیں۔ اور افغانستان اور پاکستان کے

اہم علاقوں پر مشتمل ایک اسماعیلی ریاست

...فواد شامل کرکے

کوششیں ... باطنیہ کی

ہیں بیت المقدس ...

اس کا ...

بات کے شواہد موجود ہیں ...
کی کوششیں کی جا رہی ہیں جس کی بنیاد سازشوں پر رکھی گئی ہو۔





166 سندھ کے لئے مطالبہ کردیا۔ برطانوی حکومت نے اسے بھی خوبصورتی سے ٹال دیا۔ اور آغا خان سوم کو صرف اعزازات اور خطابات تک محدود رکھا۔ اب یہ لوگ اپنے پیشوا اکریم آغا خان چہارم کی رہنمائی میں ایک اسمٰعیلی ریاست کا پھر خواب دیکھ رہے ہیں۔

مولانا عبدالقدوس ہاشمی نے اسماعیلیوں کی جس تاریخی خواہش کا ذکر کیا تھا اس کے بارے میں آج افغانستان سے سید جعفر نادری جو افغانستان کے بیس لاکھ اسماعیلیوں کے پیشوا اور آغا خان کے نمائندے کا بیٹا ہے اور نئی اسماعیلی ریاست کا سردار ہے یہ اعلان کر رہا ہے کہ

"افغانستان میں جنگ سے قبل ہم اپنی خود حفاظت بھی نہ کرسکتے تھے لیکن یہ جنگ ہمارے لئے سو فیصد مفید ہے اب ہمارے پاس بہت سا اسلحہ ہے۔ افغانستان میں آئندہ خواہ کوئی بھی حکومت ہو اسے آزاد اسماعیلی طاقت سے تعاون کرنا ہوگا۔"

مولانا عبدالقدوس ہاشمی مرحوم نے ایک ہفت روزہ کو ۲۹ اپریل کی اشاعت میں اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ "یوں تو تاریخ میں بہت سی خفیہ اور تخریب پسند تحریکوں کا تذکرہ ہے مگر کوئی تحریک ڈالنا شروع کردیا۔ اور واضح کیا کہ ان کے تصرف میں آزادی کی قوت بھی ہے۔ ان کی اپنی زبان ہے۔ اپنا جھنڈا ہے۔ اپنی تہذیب ہے۔ اپنا مسلک ہے، اور مالی اعتبار سے بھی وہ لوگ بہت

اسی "آزاد اسماعیلی طاقت" کی حیل میں افغان قید ہیں اور اس طاقت کو اختیار حاصل ہے کہ وہ انہیں سزا سنا سکے روس بھی اس "آزاد اسماعیلی طاقت" سے مذاکرات کرتا

روس نے انہیں اسلحہ فراہم کیا تاکہ وہ ایک مضبوط فوجی طاقت بن جائیں

اسمٰعیلی باطنی تحریک کا مقابلہ نہیں کرسکی۔ جبکہ حالیہ سربراہ شہزادہ کریم آغا خان ہیں۔ آغا خان سوم نے برطانوی ایجنٹ کی حیثیت سے ایک بہت ہی بڑا کردار ادا کیا۔ برطانیہ سے وفاداری میں ان کے یوں تو بہت سے "کارنامے" ہیں۔ جن میں سے معروف ترین یہ ہیں

مضبوط لوگ ہیں۔ لہٰذا ایک خطہ انہیں ریاست کی تشکیل کے دیا جائے۔ انگریزوں نے جنگ عظیم دوم کے بعد ملک شام انہیں دینے کا وعدہ کرلیا تھا لیکن ان کا مطالبہ مصر کے لئے ہوا یہ برطانوی حکومت کے لئے ممکن نہ تھا۔ پھر انہوں نے

ہے اور "مجاہدین" بھی مذاکرات پر مجبور ہیں بلکہ انہیں اسلحہ بھی فراہم کرتے ہیں۔ یہ "اسماعیلی طاقت" پاکستان تک اپنے پاؤں پھیلانے کا خواب دیکھ رہی ہے جو پاکستان کے شمالی حصے میں چند علاقوں پر مشتمل ہے اور رقبہ کے اعتبار

باقی صفحہ نمبر ۲۵ پر



"ناشتہ" مجاہدین کے ساتھ؟

(الف) یہودیوں کے رہنما روتھ چائلڈ سے مل کر آغا خان سوم نے اسرائیلی مملکت کی منصوبہ بندی کی اور اس سلسلے میں خلیفہ سلطان عبدالحمید کو تین بار یادداشتیں پیش کی گئیں مگر وہ ان کی سازش کا شکار نہیں ہوسکا۔ (ب) آغا خان سوم نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ خلیفہ کو درپیش مسائل کا حل یہی ہے کہ وہ ریاست بلقان سے از خود دستبردار ہوجائیں (ج) برصغیر کے مسلمانوں کی "تحریک خلافت" میں آغا خان نے پوری طرح برطانوی آقاؤں کا ساتھ دیا (د) نتیجہ یہ ہوا کہ خود آغا خان اور ان کے مریدوں کو دونوں عالمی جنگوں میں اور پورے دور برطانیہ میں خالص وفاداری کے صلے میں آغا خان سوم اور ان کے صاحبزادے علی خان کو بہت سے اعزازات اور خطابات سے نواز گیا۔

الموت کی حکومت کے تقریباً آٹھ سو سال قبل خاتمے کے بعد آغا خان ایک اسمٰعیلی حکومت کے قیام کی جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے برطانوی حکومت کی کلیتاً حاشیہ برداری کے لئے ارباب اقتدار پر ایک حکومت کے قیام کے لئے دباؤ

ہفت روزہ تکبیر کراچی کے بے حد شکریہ کے ساتھ اس "مجموعہ اشاعت" میں مواد شامل کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ (ناشرین مجموعہ اشاعت)

فہرست

تمت بالخیر





آغاخانی شیعہ امامی (اسمٰعیلیہ) کافر ہیں

کیونکہ یہ منکر ہیں
قرآن اور اسلام کے پانچ بنیادی ارکان یعنی کلمہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے . . . اس لئے
تمام مسلمان اِن کا سماجی بائیکاٹ کریں

عالمِ اسلام کے علماء کا متفقہ فتویٰ

ہم درخواست کنندگان یہ عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ آغاخانی شیعہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے اور بالکل کافر، خارج از اسلام ہیں یہ اسلام کے بنیادی عقیدے توحید کے بھی منکر ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو " اللّٰہ " بصورت انسان کہتے ہیں۔ اپنے امام آغاخان کی عبادت کرتے ہیں اور انہیں اللّٰہ بصورت آدمی کہتے ہیں۔ ختم نبوت کے بھی منکر ہیں۔ ان کا کلمہ الگ ہے جس کا ایک جزو " اَشْہَدُ اَنَّ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیُّ اللّٰہ " بھی ہے جس کے معنی ہیں کہ " میں گواہی دیتا ہوں کہ علی اللہ ہیں " العیاذ باللہ۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے خلاف اسلام عقیدے رکھتے ہیں۔ نماز روزے کے بھی قائل نہیں۔

سلیم رشید خان
مہتمم مدرسہ ... کراچی

احمد الرحمٰن

ناظم دار العلوم ... کراچی

محمد عبدالرشید نعمانی
رکن مجلس تحقیق اسلامی کراچی
سابق پروفیسر و صدر شعبہ اسلامیات

جامعۃ العلوم الاسلامیہ

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

دارالافتاء



حضرت امام آقا علی شاہ
آغا خان ثانی

پنج تن



حضرت امام آقا شاہ حسن علی شاہ علیہ السلام
"آغا خان اوّل"



حجۃ الاعظم حسن بن صباح



حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ علیہ السلام
آغا خان ثالث

اِمامِ زمان شاہ کریم الحسینی آغاخان
"حاضر اِمام"



Mawlana Hazar Imam Ordaining the New Jamati Constitution at Merimont in Geneva on 13th December, 1986.

(Photo credit Ian Charles Stewart)